دھوپ کے پگھلنے تک

امجد جاوید

دھوپ کے پگھلنے تک

امجد جاوید

علم و عرفان پبلشرز
الحمد مارکیٹ، 40۔ اُردو بازار، لاہور
فون: 37352332-37232336 - 042

کتاب کا نام : ڈھوپ کے پگھلنے تک
لکھاری : امجد جاوید
ناشر : گل فراز احمد
الحمد مارکیٹ، 40- اُردو بازار، لاہور
سن اشاعت : 2014ء
تعداد : 1000

......ملنے کے پتے......

علم وعرفان پبلشرز
الحمد مارکیٹ، 40۔ اُردو بازار، لاہور

اشرف بک ایجنسی
اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی
خزینہ علم وادب
الکریم مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور
جہانگیر بکس
بوہڑ گیٹ، ملتان
کشمیر بک ڈپو
تلہ گنگ روڈ، چکوال

کتاب گھر
اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی
ویلکم بک پورٹ
اُردو بازار، کراچی
رشید نیوز ایجنسی
اخبار مارکیٹ، اُردو بازار، کراچی
شمع بک ایجنسی
بھوانہ بازار، فیصل آباد

انتساب!

میرے بھائی، میرے دوست، میرے محسن

گل فراز احمد صاحب اور ملک محمد حسین صاحب

کے نام

معاشرتی المیے پر خوشگوار کہانی

انقلاب کی لہر ہمیشہ معاشرے سے اٹھتی ہے اور یہ عوام ہی ہیں جو نہ صرف اپنا مقدر بدلتے ہیں بلکہ حکومت تک کے نصیب بھی وہ خود ہی لکھتے ہیں۔ مگر ہوتا یوں کہ تبدیلی کا وقت صدیوں بعد آتا ہے، اور اس وقت کی پہچان رکھنے والے بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔ وقت کو پہچان لینے کی صلاحیت آسانی سے نہیں ملتی، یہ نگاہ انہی میں پیدا ہوتی ہے، جو موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر وقت کے ساتھ نبرد آزما ہوتے ہیں۔ پھر وہ اپنے خون جگر سے اپنا نصیب لکھتے ہیں۔

دھوپ کے پگھلنے تک، ایک ایسا ناول ہے، جس میں امجد جاوید نے اپنے معاشرے کو وہ پیغام دیا ہے، جو وقت کی ضرورت ہے۔ ان کا روئے سخن براہ راست عوام کی طرف ہے اور بہت بے تکلفانہ انداز میں وہ اپنا پیغام ایک کہانی کی صورت میں دے جاتے ہیں۔ قاری کہانی میں کھو کر یہی محسوس کرتا ہے کہ امجد جاوید تو اسی کی بات کر رہا ہے۔ قاری جو کچھ کہنا چاہتا ہے، امجد جاوید وہی کچھ بیان کرتا چلا جا رہا ہے۔ دوسرے لفظوں میں کہا جائے تو یہ ہر قاری کی اپنی کہانی ہے، جسے امجد جاوید نے کہا ہے۔ یہی دلچسپی اس وقت اپنی انتہا کو جا پہنچتی ہے، جب یہ کہانی ختم ہو جاتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہیں ہوگا کہ یہ کہانی سوچیں ہی ایسی دے جاتی ہے کہ وہیں سے نئی کہانیوں کی شروعات کا احساس ہونے لگتا ہے۔

معاشرتی المیوں کی کوکھ سے جنم لینے والی کہانی میں جہاں کردار عام فہم اور ہمارے اردگرد کے ہیں، وہیں اس کہانی کا انوکھا پن مسحور کن بھی ہے۔ اس کہانی میں جو میں نے خاص بات محسوس کی وہ یہ کہ امجد جاوید کہیں بھی کوئی فیصلہ نہیں دیتا، بلکہ قاری کو اپنے ساتھ لے کر چلتے ہوئے مختلف تصویریں دکھاتا ہے اور فیصلہ قاری پر چھوڑ دیتا ہے۔ یا پھر یوں کہا جائے کہ حالات کی شورش میں جو ہنگامہ آرائی ہے، کسی اونچی جگہ کھڑے ہو کر وہ قاری کو ان کرداروں کی نشاندہی کرا دیتا ہے کہ یہ ہیں وہ لوگ جو معاشرتی المیہ کا باعث بنتے ہیں اور قاری کو سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ میرے خیال میں یہ معاشرتی المیے پر خوشگوار کہانی ہے۔

امجد جاوید۔ اب ناول کی دنیا کا وہ نام ہے جسے قارئین نے پسندیدگی کی سند عطا کر دی ہوئی ہے۔ میں اسی امید کے ساتھ یہ ناول آپ تک پہنچا رہا ہوں کہ یہ بھی آپ کے ذوق مطالعہ پر پورا اترے گا۔

گل فراز احمد

تبدیلی اور انقلاب کا حقیقی پیغام

ایک سچا قلم کار معاشرے کا نباض ہوتا ہے اور اس کی انگلیاں معاشرے کی نبض پر ہوتی ہیں۔ وہ وہی کچھ لکھتا ہے جو وہ معاشرے میں مشاہدہ کرتا ہے۔ اگر وہ اس سے ہٹ کر لکھتا ہے تو اس میں ہمہ گیریت اور آفاقیت نہیں ہو سکتی بلکہ یہ صرف اس کی ذاتی تسکین کا باعث ہو سکتی ہے۔ ایسی تحریر پانی کی سطح پر موجود پانی کے بلبلے کی ہے جس کی زندگی نہایت مختصر ہوتی ہے۔ یا پھر جلتے ہوئے شعلے کی طرح بھڑک کر بجھ جاتی ہے مگر اندھیرے میں اُجالا نہیں کر سکتی۔

اسی تناظر میں دیکھا جائے تو امجد جاوید ایک سچا قلم کار ہے۔ وہ اپنے قلم کی حرمت و عزت کا پاس رکھنا جانتا ہے۔ ان کے گزشتہ کام کو سامنے رکھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ "دھوپ کے پگھلنے تک" ایک بالکل ہی نئے انداز کا ناول ہے۔ انہوں نے اپنے روایتی کھلے ڈھلے انداز میں لکھا ہے۔ جو نہایت سادہ اور سلیس ہے۔ فلسفہ اور بے جا تجسس کی راہ پر نہیں چلے بلکہ کہانی کے پرت بغیر کسی پیچیدگی کے خود بخود کھلتے چلے جاتے ہیں۔ جس سے قاری پوری دلچسپی سے محظوظ ہوتا ہے۔ وہ بڑی چابک دستی سے جو کچھ مشاہدہ کرتے ہیں وہی اپنے قاری کو دکھانے اور سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اس کوشش میں زیر قلم کردار کو پوری طرح کھول کر سامنے رکھ دیتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہیں ہوگا کہ وہ قاری کو خود سوچنے پر مجبور کر دیتے ہیں وہ کس مقام پر کھڑا ہے۔ وہ زندگی کی تلخیوں کو بغیر لگی لپٹی رکھے من و عن پوری صفائی سے بیان کرتے ہیں اور اس سلسلے میں لفظوں کے ہیر پھیر سے اس کی شدت کو کم کرنے یا چھپانے کی کوشش نہیں کرتے۔ یہ ابلاغی اصول ہے کہ آپ جن کے لئے اپنا پیغام دے رہے ہیں، انہیں بات پوری طرح سمجھ میں آ جائے۔ میرے خیال میں انہوں نے اپنے مقصد کو اولیت دی اور زبان بیان کو دوسری، تاکہ ان کے مقصد کا ابلاغ پوری طرح ہو جائے۔ یہ ایک بامقصد لکھاری کا اپنے معاشرے کے بارے میں انتہائی درجے کا خلوص ہوتا ہے۔

جیسے کبھی فلم انڈسٹری میں فارمولا کہانیوں کا دور آیا تھا۔ ویسے ہی فارمولا کا دور بھی آیا۔ خصوصاً خواتین کے لکھے ہوئے تمام ناولوں کا پلاٹ ایک جیسا ہوتا ہے۔ کہنے کو تو کہا جا سکتا ہے کہ امجد صاحب کے موجودہ ناول کا پلاٹ بھی ایک لحاظ سے فارمولا ہے، وہی گاؤں کا ماحول، ظالم چوہدری اور مظلوم عوام مزارعے وغیرہ لیکن اس کہانی میں یہ سب کچھ ہونے کے باوجود ایک مقصدیت ہے۔ انہوں نے جاگیردارانہ ذہنیت کی عکاسی بڑی مہارت سے کی ہے اور اس کے خلاف آواز بھی اٹھائی ہے۔ یہ اپنے علاقے میں سکول نہیں کھلنے دیتے تاکہ لوگوں میں اپنے حقوق کا شعور بیدار نہ ہو۔ ان کی سوچ یہ ہے کہ اگر لوگ لکھ پڑھ گئے۔ تو ان کی چاکری کون کرے گا۔ انہوں نے

اپنے نجی جیل خانے بنا رکھے ہیں۔غریب ہاریوں کی بہو بیٹیاں ان کی ہوس کا نشانہ بنتی رہتی ہیں۔حکومتی ایوانوں تک بھی یہی لوگ چھائے ہوئے ہیں۔وطنِ عزیز کو آزاد ہوئے ۶۷ برس ہوگئے ہیں مگر ابھی تک یہ وڈیروں، جاگیرداروں، صنعت کاروں اور لغاریوں مزاریوں کے قبضے سے آزاد نہیں ہوسکا۔پہلے جو ہندوؤں، سکھوں اور انگریزوں کے محکوم تھے، اب وہ انہی کے غلام بن کر رہ گئے ہیں۔امجد جاوید اپنی عوام کو ہر طرح کی غلامی سے آزاد دیکھنے کا شدید خواہش مند ہے۔

آج کل ہر سیاست دان انقلاب اور تبدیلی کا نعرہ لگاتا ہے مگر تبدیلی کا راستہ کوئی نہیں دکھاتا۔ان کے نزدیک تبدیلی یہی ہے کہ اقتدار پر انہیں بٹھا دو تو یہ تبدیلی ہے۔امجد صاحب نے اس ناول میں تبدیلی کا درس بھی دیا ہے اور تبدیلی کیسے آئے گی، یہ راستہ بھی دکھا دیا ہے۔انہوں نے یہ ناول لکھ کر وطن عزیز کی اُن استحصالی قوتوں کا للکارا ہے جو قیام پاکستان کے بعد سے اب تک عوام کا استحصال کرتی آرہی ہیں۔اسی لئے انہوں نے اپنے ہیرو سے "مولا جٹ" کا کام نہیں لیا جو گولیوں کی برسات میں محض ایک گنڈاسے کے ساتھ کشتوں کے پشتے لگا دیتا ہے۔اُن کا ہیرو ایک پڑھا لکھا اور مہذب انسان ہے جو تشدد پر یقین نہیں رکھتا۔وہ عوام میں انکے حقوق کا شعور پیدا کر کے ان کو منزل تک پہنچنے کا درس رہتا ہے اور بغیر خون کا ایک قطرہ بہائے اندھیر نگری میں انقلاب کی روشنی پھیلانے کا کارنامہ سرانجام دیتا ہے۔

انقلاب کا یہی پیغام اس ناول کی بنیاد ہے اور عوام کو ان کے حقوق کا احساس دلانا اس کا مقصد ہے۔اور میرے خیال میں امجد جاوید اپنے اس مقصد میں کامیاب ٹھہرے ہیں۔

عارف محمود

مدیر ماہنامہ حکایت لاہور

کن کی تلاش میں نکلا ہوا دیوانہ

امجد جاوید کہانیاں نہیں لکھتے، یہ کہانیاں بنتے ہیں۔ کہانی لکھنے اور کہانی بننے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ یہ فرق وہی محسوس کرسکتا ہے جو احساس سے عاری نہ ہو۔ بالکل ایسے کہ مہنگے برانڈ کی کوئی سویٹر، کبھی بھی ہاتھ سے بنی ہوئی سویٹر کا مقابلہ نہیں کرپاتی۔ جب کوئی بہت مان اور پیار سے کسی اپنے کے لیے دن رات لگا کر سویٹر بنتی ہے تو اس کا نشہ ہی عجیب ہوتا ہے۔ اس نشہ کا سرور یا تو سویٹر بننے والی کو معلوم ہوتا ہے یا پھر جس کے لیے بُنی جائے، اس کی آنکھوں سے چھلکتا ہے۔ امجد جاوید بھی بہت مان کے ساتھ اپنے قاری کے لیے کہانیاں بنتے ہیں۔ اسی لیے ان کا اپنے قاری سے رشتہ مضبوط ہوتا چلا جا رہا ہے۔

امجد جاوید نے ناول تو بہت لکھے ہیں لیکن وہ پیشہ وروں کی اس بھیڑ چال کا حصہ نہیں بنے۔ انہوں نے شروع سے ہی فارمولا ناول لکھنے کی بجائے کہانی بُننی شروع کی۔ ان کے بعض ناولوں پر کہانی بنتے بنتے انہیں دس سال بھی لگے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اب وہ اپنی الگ پہچان رکھتے ہیں۔ اب ان کے ناول چوری نہیں ہوسکتے۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو امجد جاوید سے پہلے ان کا مستقل قاری بول اٹھے گا۔ یہی فن کی معراج ہے اور یہ بھی سچ ہے کہ فن کی اس منزل پر پہنچتے پہنچتے ہم ایسے اپنے پر جلا بیٹھتے ہیں۔

امجد جاوید نے زیادہ تر تصوف اور عشق کو موضوع بنایا ہے۔ اب صورت حال اس نہج پر پہنچ چکی ہے کہ روشن آنکھوں والے انہیں پہچاننے لگے ہیں۔ کسی سچے جوگی کی طرح یہ حالات امجد جاوید کے لیے بھی خطرے کی گھنٹی ہے۔ شاید اسی لیے انہوں نے شعوری طور پر راستہ بدلنے کی کوشش کی ہے۔ پہلے ''کیمپس'' کو موضوع بنایا۔ پھر ''امرت کور'' کے آنچل میں چھپنے کی کوشش کی اور سکھ ازم کی گلی میں داخل ہوئے۔ یہ شعوری کوششیں بھی ان کے کسی کام نہ آئیں۔ کیمپس میں عشق حلول کر گیا۔ امرت کور میں تصوف کی کھڑکیاں کھل گئیں۔ یاد پڑتا ہے کہ ایک بار درویش نے کہا تھا تصوف بذات خود کوئی مذہب نہیں ہے۔ یہ رب کی عطا ہے جو انسان کو مذہب سے اوپر اٹھا کر اس جہاں میں لے جاتا ہے جہاں انسانی رویہ عشق میں ڈھل کر بذات خود مذہب بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفی صرف عشق کرتا ہے۔ وہ کسی کو حقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ سمندر میں اترنے والا پانی کے چند قطروں کے الٹے سفر پر بھلا کہاں ردعمل کا اظہار کرتا ہے۔ اسی طرح صوفی اور ولی بھی ہم گناہ گاروں کے پیچھے لٹھ لے کر نہیں پڑتے۔ جس طرح ہم جانتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اسلام لے کر آئے ہیں اسی طرح صوفی جانتا ہے کہ اسلام لانے والے آقا دو جہاں ﷺ صرف مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ سارے جہانوں کے لیے رحمت بن کر آئے تھے۔ صوفی ازم بھی سارے جہانوں سے منسلک ہے۔ یہ باریکیاں اور یہ رمزیں بھلا مجھ ایسا خطا کار کہاں سمجھ سکتا ہے۔ جو سمجھتے ہیں وہ خود کو چھپاتے پھرتے ہیں۔ شاید امجد جاوید کوئی راز چھپاتے چھپاتے بہت کچھ عیاں کر بیٹھے ہیں۔ اس ''جرم'' کی سزا جانے کیا ہو، ہم یہ بھی نہیں جانتے۔

ہم ایسے تو ان محفلوں میں جوتیاں سیدھی کرنے سے زیادہ کی جرات ہی نہیں رکھتے۔

''دھوپ کے پگھلنے تک'' ان کی شعوری کوشش ہے۔ اپنی طرف سے انہوں نے رنگ بدلنے کی کوشش کی ہے۔ وہ اس میں کامیاب بھی ہو گئے ہیں۔ یہ ناول ان کے مجموعی مزاج سے ہٹ کر بنی گئی کہانی ہے۔ اس کا پلاٹ مضبوط ہے۔ کردار سازی سے لے کر منظر نگاری تک یہ ناول ''اصول ناول'' کے پیمانوں پر پورا اترتا ہے۔ اس کے باوجود مجھے دعویٰ ہے کہ اس میں ''بسنتی چولے'' اور ''کالی چادر'' کا سایہ نظر آتا ہے۔ شعوری کوشش میں بھی لاشعوری رنگ چھلکتا ہے۔ اس میں ایک بڑا سبق پوشیدہ ہے۔

یقین مانیے مجھے ''دھوپ کے پگھلنے تک'' نے چونکنے پر مجبور کر دیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ امجد جاوید کے اس ناول پر ڈرامہ بن سکتا ہے۔ ویسے ڈرامہ تو انہوں نے اپنے مستقل قاری کے ساتھ بھی کیا ہے۔ اگر انہوں نے راستہ بدلا یا درویش کی کٹیا میں ہونے والے فیصلہ سے پھرے تو پھر ''قلندر لاہوری'' سے اپنا تعلق کمزور کر بیٹھیں گے۔ ابھی تو ان پر در، وا ہوئے ہیں۔ یہ ناول لکھ کر امجد جاوید اپنے فنی سفر کے سنگھم پر آ کھڑے ہوئے ہیں۔ اب آخری فیصلہ انہیں خود کرنا ہے۔ گلیمر کی چکا چوند کا شکار ہونے والے لنگر کی دیگ کے نیچے لکڑیاں جلانے کے لیے پھونکیں نہیں مارا کرتے۔ ایک جانب گلیمر، دولت اور بے انتہا شہرت ہے۔ یہ راستہ بھی ان کے لیے کھول دیا گیا ہے۔ دوسری جانب درویش کی کٹیا ہے۔ فیصلہ انہیں خود کرنا ہے۔ ہاتھ سے بنی ہوئی سویٹر اور تکیے کے نیچے سے ملنے والی موتیے کی کلیوں کی بھینی بھینی خوشبو ان کے لیے زیادہ اہم ہے۔ یا پھر برانڈڈ سویٹر اور مہنگے پرفیوم اثر رکھتے ہیں۔

امجد جاوید کے کئی ناول ایسے ہیں جو آپ کو زندگی دیں گے۔ وہی زندگی جو کسی محبوب کا ہاتھ تھامنے والے سچے عاشق کو ملتی ہے۔ وہی نشہ جس کا اسیر ہونے کے بعد سوہنی کچے گھڑے پہ دریا میں اتر جاتی ہے اور فرہاد نہر کھود لاتا ہے۔ امجد جاوید کو سمجھنے کے لیے ان کے لکھے کو سطحی معنوں میں نہ لیں۔ ان کی اصل کو ان کے ناولوں میں کھوجیں۔ بہت سے لوگ اس سلسلے کو سمجھے بنا ''دھوپ کے پگھلنے تک'' کو ایک ناول ہی سمجھیں گے لیکن میں انتظار کروں گا۔ اس ناول کا جو دھوپ کے پگھلنے تک نہیں لکھا جا سکتا۔ دھوپ کے پگھلنے تک امجد جاوید کی ''سزا'' جاری رہے گی۔ لیکن دھوپ کے پگھلنے کے بعد آپ کیا لکھیں گے؟ یہی سوچ مجھے مقام حیرت پر رد کے ہوئے ہے۔ آخر ''کن'' کی تلاش میں نکلا دیوانہ کیا کچھ لکھ سکتا ہے؟ میری طرح آپ کو بھی انتظار کرنا ہوگا۔ صرف دھوپ کے پگھلنے تک۔۔۔۔!!!!

سید بدر سعید
نوائے وقت گروپ

وہ ایک طوفانی رات تھی۔ بارش ٹوٹ کر برس رہی تھی۔ وقفے وقفے سے کڑکتی ہوئی بجلی دلوں کو دہلا رہی تھی۔ قسمت نگر کے باسی جہاں اس بارش کو اپنی فصلوں کے لئے نعمت خیال کررہے تھے وہاں ایسے غریب بھی تھے جنہیں اپنے گھروں کے بہہ جانے کا ڈر لگا ہوا تھا۔ جب بھی اندھیری میں بجلی چمکتی، قسمت نگر ذرا سی دیر کے لئے روشن ہو جاتا، پھر وہی تاریکی چھا جاتی، بالکل اسی طرح جیسے نسل در نسل چلتی ہوئی ان کے مقدر کی تاریکی تیسری نسل کے ہاتھ میں آ چکی تھی۔

چوہدری کبیر اس طوفانی رات میں اپنی فور وہیل جیپ بھگائے چلا جا رہا تھا۔ گاؤں کی گلیوں میں بہتا پانی بھی اس کی جیپ کو نہیں روک پایا تھا۔ یہاں تک کہ اس کی جیپ سلامے جٹ کے گھر کے باہر آن رُکی۔

سلاما جٹ اس وقت اپنی بیٹھک میں اپنے یار امین آرائیں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ امین ارائیں بارش رکنے کا انتظار کر رہا تھا۔ آج بارش کی وجہ سے وقت کچھ زیادہ ہی ہو گیا تھا۔ وہ چاہ رہا تھا کہ بارش رُکے تو اپنے گھر جائے۔ تبھی اس کی بیٹھک کے سامنے چوہدریوں کی جیپ آ رکی۔ چند لمحے بعد اس میں سے چوہدری سکندر کا منہ چڑھا اور اکلوتا نوجوان بیٹا چوہدری کبیر اُترا۔ وہ دولت اور طاقت کے نشے میں چُور تھا۔ اس کے ہاتھ میں گن تھی، اس نے برستی بارش کی پروا نہیں کی۔ چوہدری کبیر کے پیچھے اس کے ملازم تھے۔ چوہدری کبیر باہر کھڑا رہا اور اس کے ملازموں نے سلامے کو پکڑا اور باہر نکال کر چوہدری کبیر کے سامنے لا کھڑا کیا۔ اس نے سلامے جٹ کو سر سے پاؤں تک دیکھا، پھر انتہائی غصے میں بولا

”اوئے تجھے کہا نہیں تھا کہ تو نے زمین صرف ہمیں بیچنی ہے، کسی دوسرے کو نہیں، پھر تو نے وہ بیچی، اور وہ بھی ہمارے دشمن کو...... کیوں؟“

”چوہدری صاحب وہ مجھے اچھے پیسے دے رہا تھا اور......“ سلامے نے کہنا چاہا تو چوہدری کبیر اُسے ٹوکتے ہوئے بولا

”اور ہم تجھے کم دے رہے تھے۔ تجھے یہ سمجھ نہیں آئی کہ ہم نے کیا کہا تھا۔ اب اس کی سزا تجھے ملے گی۔ ہمارے ہی علاقے میں کوئی ہمارے خلاف سر اٹھائے، یہ میں برداشت نہیں کر سکتا۔ تیری اس حرکت سے کوئی دوسرا بھی سر اٹھا سکتا ہے۔“ یہ کہتے ہوئے اس نے بولٹ مارا تو امین ارائیں نے منت بھرے انداز میں کہا

”چوہدری جی۔! معاف کر دیں اِسے، اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ زمین یہ آپ......“

”بکواس نہ کر اوئے، تو کون ہے میرے ساتھ بات کرنے کی ہمت کرنے والا...... چل بھاگ یہاں سے“ چوہدری کبیر نے انتہائی غصے میں کہا، پھر سامنے کھڑے سلامے جٹ کے سینے میں کئی گولیاں اُتار دیں۔ فائرنگ کی آواز سے چند لمحوں کے لئے فضا تڑتڑا اٹھی تھی۔ انہی چند لمحوں میں سلاما جٹ خون سے لت پت زمین پر لوٹ رہا تھا۔ وہ اپنی آخری سانسوں پر تھا، جب چوہدری کبیر اپنی فور وہیل مہنگی جیپ میں بیٹھا اور یہ دیکھے بغیر کہ سلاما کس قدر تڑپ رہا ہے۔ وہ وہاں سے چلا گیا۔ امین ارائیں جلدی سے آگے بڑھا۔ اس نے

سلامے کو سنبھالتے ہوئے شور مچانا شروع کر دیا۔ فائرنگ کی آواز سے لوگ باہر نکل آئے تھے۔ لیکن کسی کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ سلاما جٹ اس دنیا کو چھوڑ کر جا چکا تھا۔

❁.....❁.....❁

قسمت نگر کا مقدر بھی کوئی نیا یا انوکھا نہیں تھا۔ وہی جاگیر دارانہ تسلط کے تحت مجبور، بے بس اور بے کس لوگ۔ جن کی زندگی خوف، ڈر اور محکوی میں بسر ہو رہی تھی۔ انسانی تذلیل کا وہی بے غیرتانہ نظام ان پر مسلط تھا۔ ایسے ماحول میں سلامے کا قتل بھی کوئی نئی یا انوکھی بات نہیں تھی۔ ایک طرف غریب کسانوں، مزدوروں اور مزارعوں کے کچے پکے گھروں پر مشتمل گاؤں قسمت نگر تھا۔ اس بستی سے ذرا ہٹ کر سفید رنگ کی پکی اور اونچی حویلی اپنے مکینوں کی طرح پر غرور سر اٹھائے دکھائی دیتی تھی۔ اس حویلی کے مکیں ان قسمت نگر کے لوگوں کی قسمت بارے فیصلے کیا کرتے تھے۔ وہ حویلی چوہدری جلال سکندر کی پرکھوں کی حویلی تھی۔ یہ اس کے باپ نے بنائی تھی جو اب اس کے بیٹے کو منتقل ہونے والی تھی۔ پہلے اس کا باپ اِن قسمت نگر کے مکینوں کی قسمت بارے فیصلے دیتا تھا، اب وہ دے رہا تھا، کچھ عرصے بعد اس کا بیٹا چوہدری کبیر ان کے مقدر کا مالک بننے والا تھا۔ انسانی تذلیل کا یہ نظام اسی طرح چل رہا تھا کہ اس دن حویلی میں ہلچل مچ گئی۔

شاندار حویلی کے ڈرائنگ روم میں منشی فضل دین بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ وہ چوہدری جلال سکندر کی آمد کا منتظر تھا۔ اس کے چہرے پہ پریشانی تھی، جیسے کچھ انہونا ہو گیا ہو۔ تبھی چوہدری جلال سکندر اندرونی کمرے سے باہر آتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ لمبے قد کا اُدھیڑ عمر، دیہاتی انداز کا روایتی سیاست دان تھا جو کم تعلیم یافتہ تو ہوتے ہیں، لیکن اپنے رعب ودبدبے کے باعث اپنی بات منوانا جانتے ہیں۔ بھاری سفید مونچھیں، بڑی بڑی آنکھیں، بڑے چہرے پر جلال، کورے لٹھے کے شلوار قمیص پر ویسٹ کوٹ پہنے، پاؤں میں تلے دار کھسہ، وہ بڑے بارعب اور درمیانی چال سے چلتا ہوا آ رہا تھا۔ اس نے باہر کی طرف جاتے ہوئے رُک کر منشی کی طرف دیکھا، پھر بڑے کروفر کے ساتھ رُک کر اس سے پوچھا

''ہاں منشی، بول کیا بات ہے؟''

''وہ جی، قتل کیس کی تاریخ کل ہے۔ اور وہ گواہ امین آرائیں......'' یہ کہتے ہوئے وہ جھجکتے ہوئے خاموش ہو گیا۔ تبھی چوہدری جلال سکندر نے ماتھے پر تیوری لاتے ہوئے پوچھا

''کیا ہوا ہے اُسے؟''

''سارا مقدمہ اب اسی عینی شاہد پر ہے۔ اُس نے اگر عدالت میں گواہی دے دی تو پھر نکے چوہدری کے لیے بہت مشکل ہو جائے گی۔'' منشی نے تیزی سے بتایا تو چوہدری جلال سکندر نے حیرت سے پوچھا

''اس میں اتنا پریشان ہونے والی کیا بات ہے۔ کیا تم لوگوں نے اس کا بندوبست نہیں کیا؟''

''گیا تھا جی میں اس کے پاس.....مگر وہ مانتا ہی نہیں ہے، کہتا ہے گواہی ضرور دوں گا۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔'' منشی فضل دین

نے تشویش سے کہا تو چوہدری جلال چونک گیا۔ اسے یہ قطعاً اُمید نہیں تھی کہ کوئی اس کے معاملے میں چوں چراں بھی کرسکتا ہے۔ وہ بولا تو اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

''اس کا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا، اُسے نہیں معلوم کہ وہ کس کے خلاف گواہی دے رہا ہے؟''

''خراب ہی لگتا ہے جی اس کا دماغ۔ آپ اس علاقے کے حکمران ہیں۔ سدا بہار ایم این اے ہیں..... ہر حکومت میں آپ شامل ہوتے ہیں..... آپ کے حکم کے بغیر یہاں پتہ نہیں ہل سکتا۔ یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی وہ نکے چوہدری کے خلاف گواہی دے گا۔ عقل خراب والی بات ہی ہے ناجی اس کی۔''

اس کے یوں کہنے پر چوہدری جلال سکندر نے سوچتے ہوئے ہنکارا بھرا پھر تشویش زدہ لہجے میں بولا

''ہوں..... بات یہ نہیں ہے منشی کہ وہ نکے چوہدری کے خلاف گواہی دے رہا ہے..... بلکہ سمجھنے والا نکتہ یہ کہ اس کی جرات کیسے ہوگئی..... ہمارے علاقے میں..... ہمارے ہی خلاف، کسی کو کبھی بولنے کی ہمت نہیں ہوئی.....اور اگر کسی نے یہ ہمت کی بھی تھی، تب اس کی زبان ہی نہیں رہی۔ وہ کیسے؟''

''وہی تو میں سوچ رہا ہوں چوہدری صاحب.....'' یہ کہتے ہوئے اس نے چونکتے ہوئے کہا، ''کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ یہ کسی مخالف کی سازش ہو.....الیکشن بھی تو سر پر آگئے ہیں ناچوہدری صاحب؟''

''الیکشن۔! خیر کچھ بھی ہو منشی، وہ زمین پر رینگنے والا کیڑا..... ہمارے خلاف گواہی تو ایک طرف، اگر وہ ہمارے حق میں گواہی نہیں دیتا تو بھی وہ عدالت تک نہ پہنچ پائے۔ اسے یہ سمجھا دو،.....اگر وہ سمجھتا ہے تو.....'' چوہدری جلال سکندر نے غصے میں کہا تو منشی عاجزی سے بولا

''میں نے ہر طرح سے کوشش کر کے دیکھ لی ہے چوہدری صاحب.....میں اسی لیے حاضر ہوا تھا کہ آج ہی کا دن ہے ہمارے پاس.....'' یہ کہہ کر وہ ایک لمحے لئے رکا اور پھر بولا، ''ویسے اگر آپ حکم دیں تو کیا اسے نکے چوہدری کے حوالے نہ کر دوں؟ پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' اس کے اس طرح کہنے پر وہ اکتاتے ہوئے بولا

''اوئے منشی..... باتیں ہی بناتے رہو گے یا کچھ کرو گے بھی، اب یہ معاملہ ختم ہونا چاہیے۔ دو مہینے تو ہو گئے ہیں اس چخ چخ کو۔''

''اب آپ اس کی فکر نہ کریں۔ آپ بس معاملہ ختم ہی سمجھیں چوہدری صاحب..... آپ بے فکر ہو جائیں اب.....'' منشی خوش ہوتے ہوئے بولا تو چوہدری جلال سکندر نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا

''مزید اگر کوئی بات ہوئی تو مجھے بتانا۔'' یہ کہہ کر چوہدری باہر کی جانب چل دیا۔ منشی اس کے پیچھے لپکتا ہوا بڑھ گیا۔ چوہدری جلال سکندر تو شہر جانے کے گاڑی میں بیٹھ گیا جبکہ رات سے منشی کے دماغ میں پکنے والی کئی باتیں لاوے کی طرح اُبلنے لگیں۔ وہ واپس ڈرائنگ روم میں آگیا۔ اب اسے چوہدری کبیر کا انتظار تھا تا کہ اسے نئی صورت حال کے بارے میں بتا کر کوئی نیا مشورہ دے سکے۔

نجانے کتنے برس ہو گئے تھے۔ منشی ان چوہدریوں کا ملازم تھا اور اس ملازمت کے دوران کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ اس کے ذمے کوئی کام لگایا جائے اور وہ کام ہوا نہ ہو۔ پہلی بار اسے امین آرئیں کی طرف سے ناکامی ہوئی تھی۔ جس نے منشی کی بات ہی نہیں سنی تھی بلکہ اسے ذلیل کر کے بھگا دیا تھا۔ رات بھر وہ یہی سوچتا رہا تھا کہ امین ارائیں کے ساتھ کیا کرنا ہے۔ اسے معلوم تھا کہ چوہدری کبیر ابھی کچھ دیر میں بیدار ہو کر جاگنگ کرنے کے لئے ڈیرے پر جائے گا۔ اس کے پہنچنے سے پہلے ہی ان کے پالتو غنڈے امین آرئیں کو اٹھا کر ڈیرے پر پہنچا دیں گے۔ یہی سوچتے ہوئے وہ خباثت سے مسکرا دیا۔

چوہدری کبیر ڈیرے سے ذرا دور فصلوں کے درمیان میں بنے کچے راستے پر سے جاگنگ کرتا ہوا آ رہا تھا۔ اس کے پیچھے جیپ چلی آ رہی تھی، جس پر اس کے محافظ گنیں تانے ہوئے کھڑے تھے۔ وہ جاگنگ کرتا ہوا بڑے اطمینان سے ڈیرے میں داخل ہوا۔ اس نے دیکھا صحن کے درمیان میں امین آرائیں کو اس کے ملازموں نے پکڑا ہوا تھا۔ تبھی اس کا خاص ملازم، ماکھے نے تولیہ اور پانی کی بوتل اس کی طرف بڑھائی۔ اس نے امین ارائیں طرف دیکھتے ہوئے پانی کی بوتل پکڑی، چند گھونٹ لے کر پوچھا

''اوئے ماکھے، کیا کہتا ہے یہ..... امین آرائیں؟''

''اپنی ہی بات پر ڈٹا ہوا ہے۔ کہتا ہے ہمارے خلاف گواہی دے گا۔'' ماکھے نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا تو چوہدری کبیر حقارت سے مسکراتا ہوا اس کے پاس گیا۔ پانی پیتے ہوئے اس کی جانب دیکھا پھر ایک دم سے باقی پانی اس کے چہرے پر پھینکتے ہوئے بولا

''کل تیری عدالت میں پیشی ہے نا۔ لیکن تو نہیں جائے گا، جا ہی نہیں سکے گا۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ تم جاؤ۔''

''چوہدری۔ اتم لوگوں نے میرے یار کو قتل کیا ہے۔ میرا منہ بند کر لو گے تو خدا کو کیا جواب دو گے۔ میری آنکھوں کے سامنے تم نے قتل کیا ہے..... میں گواہی.....'' امین ارائیں نے نفرت سے کہنا چاہا مگر لفظ اس کے منہ ہی میں رہ گئے۔ چوہدری کبیر نے ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر مارتے ہوئے کہا

''بکواس بند کر، ورنہ تجھے بھی تیرے یار کے ساتھ ہمیشہ کے لئے خاموش کر دوں گا پھر تیری گواہی کون دے گا؟

''کوئی تو ہو گا جو تمہارے اور تیرے باپ کے ظلم روکے گا'' اس نے زور سے کہا۔

''تو نے دیکھا تھا نا..... کیسے مارا تھا میں نے اسے..... اس طرح تم بھی..... ہاں تم بھی اوپر پہنچ جاؤ گے..... تو نے بھی بڑی منتیں کی تھیں کہ میں اس پر رحم کروں، اسے چھوڑ دوں..... پر نہیں..... اسے سزا ملنی تھی وہ میں نے دی۔ میں چاہوں تو ابھی تیری زبان بند کر دوں..... لیکن تجھے مارنے کا مجھے کوئی فائدہ نہیں ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا

''چوہدری آنے والے وقت سے ڈر'' امین ارائیں نے احتجاج کرتے ہوئے کہا تو وہ انتہائی حقارت سے بولا

''اور تو ذرا اپنی زبان درازی سے..... اس کی تو سزا تمہیں ملے گی۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنے خاص ملازم کو آواز دی، ''اوئے ماکھے۔''

''جی نکے چوہدری صاحب۔!'' وہ تیزی سے اس کی جانب لپکتے ہوئے بولا تو چوہدری کبیر نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا

''اسے ایک دو دن اپنے پاس رکھو۔ اسے ہی نہیں دوسروں کو بھی معلوم ہو کہ چوہدریوں کے خلاف سوچنا بھی کتنا بڑا جرم ہے۔ میں تو اپنے خلاف کسی کو سوچنے بھی نہیں دیتا۔''

''جی نکے چوہدری صاحب۔!'' ماکھے نے فرمانبرداری سے کہا تو چوہدری کبیر وہاں سے ہٹ کر اپنی جیپ کی جانب بڑھ گیا ہے۔ ماکھے نے امین کو بازو سے پکڑا اور دھکے دے کر اندر کی طرف لے جانے لگا۔ امین ارائیں کا جرم یہی تھا کہ وہ سچی گواہی دینا چاہتا تھا، لیکن طاقت نے اسے باندھ کر اندھے کمرے میں پھینک دیا تھا۔ ماحول میں قانون شکنی کی سڑاند پھیل چکی تھی۔

❁.....❁.....❁

وہ قسمت نگر گاؤں میں متوسط سا گھر تھا۔ بھلے وقتوں میں یہ گھر بنا تھا، ورنہ اس کی حالت دیکھ کر یہی لگتا تھا کہ برسوں سے اس کی دیکھ بھال ہی نہیں ہو سکی۔ ایک طرف چار کمروں کی قطار تھی، دوسری طرف کچن اور سٹور تھا۔ تیسری طرف کبھی ڈھور ڈنگر بندھے ہوتے تھے لیکن اب وہ برآمدہ خالی تھا۔ سامنے کی طرف لوہے کا بڑا سا پھاٹک تھا جو اب زنگ آلود ہو چکا تھا۔ کمروں کے آگے دالان میں چارپائی پر ماسٹر دین محمد لیٹا ہوا کتاب پڑھ رہا تھا۔ سر کے نیچے بھاری تکیہ اور پیروں کی طرف کھیس ڈالا ہوا تھا۔ ریٹائرڈ زندگی گذارنے والا بوڑھا ماسٹر دین محمد، اپنی وضع قطع اور رویے ہی سے استاد دکھائی دیتا تھا۔ جب وہ سکول میں پڑھاتا تھا، تب وہ بہت آسودہ تھا مگر اب وہ گاؤں میں انتہائی کسمپرسی میں وقت گزار رہا تھا۔ وہ چوہدری کے عتاب کا شکار تھا۔ اسے ریٹائر ہوئے کئی برس ہو گئے تھے۔ لیکن اس کی پنشن کیس کا فیصلہ نہیں ہو پایا تھا۔ بہت صابر اور شاکر قسم کا بندہ تھا۔ کبھی خود دوسروں کی مدد کیا کرتا تھا، اب جبکہ زندگی کے دن اس پر بہت تنگ ہو چکے تھے، اس نے پھر بھی کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا تھا۔ اس وقت وہ کتاب پڑھنے میں محو تھا کہ سائیکل کی تیز گھنٹی نے اسے چونکا دیا۔ وہ اس مخصوص گھنٹی کو پہچانتا تھا۔ اس نے پھاٹک کی طرف منہ کر کے کہا

''اوئے رحمت کاکا، آ جا اندر ہی آ جا''

آواز کی بازگشت کے ساتھ ہی ایک نوجوان مگر مریل سا ڈاکیا اپنی سائیکل گھسیٹتا ہوا اندر آ گیا۔ اس نے اپنا تھیلا سنبھالا اور سیدھے ماسٹر دین محمد کو سلام کر کے پاس پڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔ ڈاکیے نے اپنا بیگ کھولتے ہوئے پوچھا۔

''اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟''

اِس پر ماسٹر دین محمد نے اٹھ کر خوش کن انداز میں کہا

''اُو یار۔! بس ٹھیک ہی ہے۔ یہ بڑھاپا بھی تو ایک بیماری ہی ہوتی ہے۔ تو سنا تیرے بال بچے ٹھیک ہیں ناں۔''

''جی استاد جی......آپ کی دعائیں ہیں۔'' اس نے ممنونیت سے کہا پھر منی آرڈر اس کی جانب بڑھا کر بولا۔ ''یہ لیں یہ آپ کا منی آرڈر......دستخط کر دیں۔''

ماسٹر دین محمد نے وہ کاغذ پکڑا اور دستخط کر کے واپس کر دیا۔ اس دوران ڈاکیا رقم گن چکا تھا۔ اس نے وہ رقم ماسٹر کو دیتے ہوئے کہا

''یہ لیں استاد جی۔ گن لیں۔''

''اوئے ٹھیک ہی ہوں گے''

''نہیں استاد جی آپ ہمیشہ یہی کہتے ہیں اور میں بھی کہتا ہوں رقم کا معاملہ ہے۔ گن لینے چاہئیں'' ڈاکیے رحمت نے کہا تو ماسٹر دین محمد نے رقم لی اور اسے گنے بغیر اس میں سے ایک نوٹ نکال کر ڈاکیے کو دیتے ہوئے کہا

''جب میرا رب مجھے میرے عمل دیکھے بنا، گنے بغیر دے رہا ہے تو ان چند نوٹوں کو کیوں گنوں، لے یہ رکھ۔'' ڈاکیے رحمت نے وہ نوٹ پکڑا اور اپنی جیب میں رکھتے ہوئے ہوئے بولا

''ویسے استاد جی، یہ جو بندہ بھی آپ کو منی آرڈر بھیجتا ہے نا، بڑا پکا بندہ ہے۔ ہر مہینے کی پہلی تاریخوں میں بھیجتا ہے..... ویسے یہ کوئی آپ کا رشتے دار ہے کیا؟''

''تو ہر مہینے یہ سوال کرتا ہے اور میرا یہی جواب ہوتا ہے کہ مجھے نہیں معلوم، یہ کون ہے..... کوئی اللہ کا بندہ ہوگا، جسے میرا احساس ہے۔ میں نہیں جانتا۔''

''اللہ رازق ہے نا استاد جی..... اس نے کوئی نہ کوئی وسیلہ تو بنا دیا ہے نا۔'' رحمت ڈاکیے نے جذب سے کہا تو ماسٹر دین محمد نے کہا

''بے شک رازق تو اللہ ہی ہے..... سچی بات تو یہ ہے رحمت پتر..... اسی منی آرڈر سے گھر چلتا ہے۔ جس دن یہ بند ہو گیا..... گذارہ کرنا مشکل ہو جائے گا۔ لیکن مجھے یقین ہے یہ بند نہیں ہوگا..... اور پھر ایک در بند ہوتا ہے نا تو سو در کھلتے ہیں۔ پینشن کیس کا فیصلہ تو ایک دن میں ہو جائے۔ بس یہ چوہدری جلال ہی نہیں ہونے دیتا۔ اس نے اگر سکول بند کروا دیا ہے تو کیا وہ کسی کی روزی بند کر سکتا ہے؟''

ماسٹر دین محمد کے اس طرح کہنے پر ڈاکیا یوں سہم گیا جیسے ڈر گیا ہو۔ اس نے محتاط انداز میں اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر اپنے تھیلے میں سے ایک خط نکالتے ہوئے بولا

''اچھا استاد جی، یہ ایک چٹھی بھی سلمیٰ بی بی کے نام کی ہے، یہ لے لیں۔ اب میں چلتا ہوں۔''

ماسٹر دین محمد نے خط پکڑ کر اُسے اُلٹ پلٹ کر دیکھا۔ اس دوران ڈاکیا اپنا تھیلا سنبھال کر اٹھ گیا۔ جس وقت وہ باہر والا گیٹ پار کر گیا، تب ماسٹر دین محمد نے وہ رقم اور خط ہاتھ میں لیے آواز دی۔

''سلمیٰ..... اُو پتر سلمیٰ۔''

اندر ہی کسی کمرے سے جواب آیا۔

''جی آئی..... ابا جی۔''

آواز کی بازگشت میں سلمیٰ دالان میں آ گئی۔ وہ سادہ سی، پرکشش، انتہائی نازک اور حسین لڑکی تھی۔ چوڑا ماتھا، سُرمگیں بھنورا آنکھوں پر تیکھی چتون سے پہلی نگاہ ہی ان لوٹ لینے والے نینوں پر پڑتی تھی۔ ستواں ناک، پتلے پتلے لب کے اوپری دائیں کونے پر ذرا

سیاہ تل۔ گول چہرہ، کانوں میں بندے لانبی گردن، جسے اس نے بڑے سارے آنچل میں چھپایا ہوا تھا۔ سرو قد اور متناسب جسم کو دیکھ کر پہلا یہی خیال آتا تھا کہ گدڑی میں پڑا ہوا لعل ایسا ہوتا ہے۔

''جی ابا جی......'' دالان میں آ کر لاشعوری طور پر وہ اپنے درست آنچل کو مزید ٹھیک کرتے بولی۔ ماسٹر دین محمد نے اسے رقم اور خط دیتے ہوئے کہا

''یہ لے پتر...... منی آرڈر کی رقم سنبھال لے۔ اور یہ تو تمہارا خط ہے، کوئی سرکاری چٹھی لگتی ہے۔''

اس پر سلمیٰ نے تجسس اور تذبذب میں خط کو الٹ پلٹ کر دیکھا، اور الجھے ہوئے لہجے میں تیزی سے خط کھولتے ہوئے کہا

''اوہ۔! مجھے اس چٹھی کا انتظار تھا۔'' پھر ایک دم سے حیرت اور خوشی سے بھرپور لہجے میں بولی، ''ابا جی یہ دیکھیں...... مجھے نوکری مل گئی...... آپ کی طرح میں بھی ٹیچر بن گئی ہوں۔''

ماسٹر دین محمد نے چونک کر اس کی طرف دیکھا، پھر حیرت، خوف اور بدحواسی کے ملے جلے تاثرات سے لبریز لہجے میں پوچھا

''تم ٹیچر بن گئی ہو؟ کیا مطلب؟''

سلمیٰ بے انتہا خوش دکھائی دے رہی تھی۔ جیسے اسے کوئی بہت بڑا خزانہ مل گیا ہو۔ اس کی آنکھوں میں ستارے رقصاں تھے۔ اس نے باپ کے لہجے کو محسوس نہ کرتے ہوئے پرجوش انداز میں کہا

''یہ دیکھیں...... آپ کو یاد ہوگا...... دو ماہ پہلے میں انٹرویو دے کر آئی تھی...... یہ اسی کا لیٹر ہے...... اب صرف جانا ہے اور جوائین کرنا ہے۔''

''کہاں جوائین کرنا ہے...... یہ دیکھا ہے تم نے؟ ماسٹر دین محمد نے تشویش زدہ لہجے میں پوچھا تو بولی

''یہ ساتھ نور پور میں۔ اتنا دور نہیں ہے آدھے گھنٹے کا تو سفر ہے۔ بس یا ویگن پر آرام سے چلی جایا کروں گی۔''

''بہت دور ہے پتر...... خیر تم فی الحال اسے رکھو...... مجھے کہیں کام جانا ہے...... پھر بات کرتے ہیں۔'' ماسٹر دین محمد کے انداز اور لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ وہ پریشان ہو گئی۔ اس نے مرجھائے ہوئے لہجے میں پوچھا

''کیا آپ کو خوشی نہیں ہوئی ابا جی؟''

''کھانا...... پھر بات کرتے ہیں۔'' ماسٹر دین محمد نے سلمیٰ سے آنکھیں چراتے ہوئے کہا اور اٹھ گیا۔ سلمیٰ حیران سی اس کی جانب دیکھتی رہی۔ پھر وہ بولی تو اس کے لہجے میں گہری سنجیدگی ٹپک رہی تھی۔

''نہیں ابا جی۔! ہمیں اس پر ابھی بات کرنا ہوگی۔ میں آپ سے پوچھتی ہوں، کیا آپ کو میرا نوکری کرنا اچھا نہیں لگے گا؟''

''بات اچھا لگنے یا نہ لگنے کی نہیں ہے بیٹی۔ جب تم گھر سے نکلتی ہے نا تو تیرے باپ کا دل ڈھل جاتا ہے۔ اور تم نوکری کرنے کی بات کر رہی ہو۔''

"ابا جی۔! میں سارے حالات جانتی ہوں۔لیکن مجھے بتائیں میں گھر میں پڑی کیا کرتی ہوں۔کیا فائدہ اتنی تعلیم حاصل کرنے کا۔اگر یہ تعلیم ہی میرے کام نہ آئی تو" اس نے مایوسانہ لہجے میں کہا تو ماسٹر دین محمد لرزتے ہوئے بولا

"تعلیم تو ہر بیٹی کا حق ہے پتر۔اور میں عورت کے کام کرنے کا مخالف بھی نہیں ہوں۔بس پتر۔ازمانے سے ڈر لگتا ہے میں بوڑھا کیا کر پاؤں گا"

"میں آپ کی مجبوری سمجھتی ہوں ابا جی۔مگر کب تک؟ کیا ساری زندگی یونہی گذر جائے گی۔کبھی تو باہر نکلنا ہوگا۔ڈر کر،زندگی گذارنے سے بہتر ہے،مر جائیں۔" اس کے لہجے میں آگ تھی۔

'اللہ نہ کرے میری بیٹی۔ایسا مت کہو۔بس یہ میری پینشن والا معاملہ حل ہو جائے نا تو میں تیرا فرض بھی ادا کر دوں اور....."

ماسٹر دین محمد نے کہنا چاہا مگر سلمٰی بات کاٹتے ہوئے بولی

"اور آپ کو یہاں اکیلا چھوڑ دوں...... ایسا نہیں ہوگا ابا جی۔"

"بیٹیاں اپنے ہی گھر میں اچھی لگتی ہیں۔باپ کے گھر میں تو مہمان ہوتی ہیں۔اللہ کرے تیرا اچھا سا گھر بن جائے تو پھر میں بھی سکون سے اللہ کے پاس چلا جاؤں۔" وہ نڈھال سا ہو گیا تھا۔اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تھی اور اگر تھی تو وہ کہہ نہیں پا رہا تھا۔

"دیکھا۔!پھر مایوسی کی باتیں شروع کر دی ہیں نا آپ نے۔ہم جانتے ہیں ابا جی،پینشن کیس کا فیصلہ کیوں نہیں ہو رہا ہے۔اور وہ منی آرڈر جس کے بارے میں پتہ نہیں کون بھیجتا ہے۔کسی دن بھی بند ہو سکتا ہے۔ان حالات میں گھر کیسے چلے گا" اس نے حقیقت کہی

"لیکن بیٹی۔ابھی تو گھر چل رہا ہے نا۔پینشن کیس کا فیصلہ بھی ہو جائے گا" وہ کمزور سے لہجے میں بولا

"آپ کی یہ دلیلیں بہت کمزور ہیں ابا جی۔میں نوکری کروں گی اور بیٹا بن کر آپ کی خدمت کروں گی۔۔۔میں...... میں کہیں نہیں جا رہی ہوں۔ہمیشہ آپ کے پاس رہوں گی۔" اس نے مان اور ادا کیساتھ کہا تو تڑپ کر بولا

"نہ میری بیٹی نہ......تو نوکری بے شک کر......مگر تجھے اپنے گھر تو جانا ہے۔آج میری آنکھیں بند ہو جائیں تو پھر تیرا کون ہے؟"

"میری قسمت میں جو ہوگا نا ابا جی،وہ ہو کر رہے گا......لیکن میں اب بے بسی کی زندگی نہیں گزارنا چاہتی ہوں۔اپنا گھر خود چلانا چاہتی ہوں۔آپ نے کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کا درس نہیں دیا،اور اس غربت میں بھی کسی سے کچھ نہیں مانگا۔تو کیا میں خود کما نہیں سکتی۔؟ میں اپنے پیروں پر خود نہیں کھڑا ہو سکتی؟" یہ کہہ کر وہ لمحہ بھر کے لئے اپنے باپ کو دیکھتی رہی پھر الٹے قدموں واپس اندر چلی گئی۔

ماسٹر دین محمد نے اسے جاتے ہوئے دیکھا پھر لمبی سانس لے کر خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا

"اللہ تیری قسمت بہت اچھی کرے میری بیٹی۔"

یہ کہہ کر وہ سوچوں میں گم ہو گیا۔وقت اور حالات نے اسے بوڑھا ہی نہیں،لاچار بھی کر دیا تھا۔

رات کا گہرا سناٹا اس بنگلے کے آنگن میں بول رہا تھا۔ جبکہ رات ابھی کچھ دیر پہلے ہی شہر پر اُتری تھی۔ پوش علاقے میں وہ سفید بنگلہ سنہری دھیمی روشنی میں جگمگا رہا تھا۔ پورچ میں قیمتی کاریں کھڑی ہوئی تھیں۔ گیٹ پر مستعد چوکیدار تھے۔ ان کے علاوہ کئی سارے نوکر تھے جو اپنے رہائشی کوارٹرز میں جا چکے تھے۔ اس شاندار اور قیمتی بنگلے کے مکیں صرف دو لوگ تھے۔ محمود سلیم، جو ریٹائرڈ بیوروکریٹ تھا۔ ان کی ساری زندگی مرکزی حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر سروس کرتے گزری تھی۔ زندگی نے اگر چہ اسے بہت کچھ دیا تھا لیکن اولاد جیسی نعمت سے نہیں نوازا تھا۔ وہ سمجھدار تھا۔ ساری زندگی رب تعالیٰ پر بھروسہ کیے رہا۔ اگر اس کا رب چاہتا تو اس کی جھولی بھر دیتا، اس نے کبھی بھول کر بھی اپنی بیوی کو یہ نہیں جتایا تھا کہ وہ اسے اولاد نہیں دے پائی ہے۔ جبکہ اس کی بیوی پوری زندگی اسی دُکھ میں گھلتے ہوئے، اس جہان کو چھوڑ چکی تھی۔ بہت پہلے جب وہ فہد حسین جیسے لاوارث بچے کو لے پالک بنا کر اپنے گھر لایا تو شوہر کی خوشی میں وہ بھی خوش ہو گئی تھی۔ فہد کو اس نے اپنے بیٹے کی طرح پالا، جس کا وہ صرف خواب ہی دیکھتی تھی۔

فہد جوان ہو گیا مگر وہ اس کی کوئی خوشی دیکھے بنا اس دنیا سے رخصت ہو گئی۔ اب وہ دونوں ہی ایک دوسرے کا سہارا تھے۔ فہد حسین نے پولیس آفیسر کی ٹریننگ لی تھی، مگر جیسے ہی محمود سلیم نے ریٹائرڈ ہو کر اپنا بزنس کرنے کا اعلان کیا تو اس نے پولیس کی سروس جوائن نہیں کی بلکہ اپنے باپ کے ساتھ ہو گیا۔ اس نے ابھی باقاعدہ بزنس نہیں سنبھالا تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ فہد ان دنوں بہت ڈسٹرب تھا۔ محمود سلیم اپنے پارٹنرز کے ساتھ اپنا بزنس سیٹ کر رہے تھے اور وہ اپنے ہی اندر کی آگ میں جھلس رہا تھا۔

اس وقت بھی فہد اپنے شاندار اور قیمتی ترین اشیاء سے آراستہ بیڈ روم میں سویا ہوا تھا۔ ساری دنیا جاگ رہی تھی اور وہ دنیا سے، اُس کی دلچسپیوں سے اور اس کی کشش سے آزاد، اندھیرے اُجالے کی سی کیفیت میں اپنے بیڈ پر سویا ہوا تھا۔ شاید وہ بہت زیادہ ہی الجھا ہوا تھا۔ کیونکہ اس وقت بھی خواب کی سی کیفیت میں دھندلے دھندلے اور الجھے ہوئے خاکے چلتے ہوئے ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو رہے تھے۔ اسے ایسی بھیانک آوازیں آ رہی تھیں جن میں سے صرف خوف ہی ٹپک رہا تھا۔ وہ مضطرب ہوتے ہوئے کسمسا رہا تھا۔ پھر ایک دم اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ وہ تیزی سے اٹھا اور اپنے آپ کو بیڈ پر پا کر اپنے حواسوں میں آنے لگا۔ اس نے ٹیبل لیمپ آن کیا، اور پھر کچھ ہی دیر میں وہ اپنے آپ میں آتا چلا گیا۔ اس نے قریب پڑے جگ سے پانی گلاس میں ڈالا اور ایک ہی سانس میں پی گیا۔ وہ آنکھیں بند کر کے خود پر قابو پاتا رہا اور سمجھنے کی کوشش کرنے لگا کہ آج پھر کیوں اس کے اندر کا وحشی جاگنے لگا ہے۔ اسے اس کی صرف ایک ہی وجہ سمجھ میں آئی۔ آج اس سے مائرہ ملی تھی۔ اس کا خیال آتے ہی اس سے ملاقات کی ساری جزئیات اس کے دماغ میں جاگ گئیں۔ اس ملاقات میں باتیں ہی ایسی ہوئیں، جس نے اسے سوچوں کے حصار میں لا پھینکا تھا۔

شام کے بعد سے انہی سوچوں نے دشت میں اٹھنے والے بگولوں کی سی صورت اختیار کر لی تھی۔ جس نے اس کی پوری ذات کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ وہ مائرہ کو منع بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اس کی دوست تھی۔ اور دوست بھی ایسی جہاں خلوص، اپنائیت اور محبت کے سوا کچھ دوسرا نہیں تھا۔

مائرہ الٹرا ماڈرن صحافی تھی، قدرے فربہ مائل، اگرچہ وہ اتنی زیادہ خوبصورت تو نہیں تھی لیکن گفتگو اور انداز میں ایسی کشش رکھتی تھی کہ دوسرے اس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر رہ ہی نہیں سکتے تھے۔ وہ بہت باصلاحیت تھی، اس لئے قدرے مغرور بھی تھی۔ فہد کے معاملے میں وہ بہت نرم تھی۔ فہد کو یہ اندازہ تھا کہ وہ اس سے بے حد محبت کرتی ہے۔ اس کے باپ کا شمار شہر کے بڑے بزنس مین ہوتا تھا، جواب سیاست میں بھی دلچسپی لینے لگا تھا۔ اس نے اپنے پاپا کے ساتھ بزنس نہیں کیا، بلکہ محض اپنے شوق کی خاطر میڈیا کے لئے کام کر رہی تھی۔ پرکشش، ذہین اور ماڈرن مائرہ، کبھی فہد کی کلاس فیلو تھی اور تب سے اس پر مرمٹی تھی۔ وہ تو اپنی محبت کا اظہار کئی بار کر چکی تھی، لیکن فہد ابھی تک گومگو کی کیفیت میں تھا۔ اب تک اسے کوئی جواب نہیں دے پایا تھا۔ اس کی وجہ کیا تھی، یہ مائرہ کی سمجھ میں کبھی نہیں آیا تھا۔

اس شام وہ دونوں پارک میں ٹہلتے ہوئے جا رہے تھے۔ دونوں ہی خاموش تھے۔ جیسے خاموشی بھی اک زبان ہو۔ وہ چلتے ہوئے آ کر ایک ٹیبل کے گرد پڑی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ سکون سے بیٹھنے کے بعد مائرہ نے فہد کے چہرے پر دیکھا اور الجھے ہوئے لہجے میں بولی

"یہ آج کل تم کہاں غائب رہتے ہو فہد۔ تمہارا فون کبھی بزی ملتا ہے تو کبھی بند۔ گھر بھی نہیں ملتے ہو اور تمہیں یاد ہے، ہم پچھلے ایک ہفتے سے نہیں ملے۔ ایسا پہلی بار ہوا ہے۔"

مائرہ کے اس طرح شکوہ بھرے انداز پر وہ چونک گیا، پھر ہلکے سے مسکراتے ہوئے بولا

"میں۔! میں غائب رہتا ہوں، اور یہ بات ...... تم جیسی معروف اور مصروف جرنلسٹ کہہ رہی ہے۔ جس سے ملنے کے لئے خود وقت لینا پڑتا ہے۔"

"دیکھو۔! مجھے بناؤ مت۔ صاف اور سچی بات بتاؤ۔ کہاں بزی ہو؟" مائرہ نے اُکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ تب وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے بولا

"کہیں بھی غائب نہیں ہوں اور نہ ہی بزی ہوں۔"

"پھر مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ۔ اتنے دن ہو گئے۔ نہ ملے، نہ بات کی۔ اور جب سے تم یہاں آئے ہو، گم سم ہو۔ پہلے والے فہد دکھائی ہی نہیں دے رہے ہو۔ آخر تمہیں ہوا کیا ہے؟ کیوں ڈیپریس ہو آج کل؟ مسئلہ کیا ہے تمہارا؟" اس کا لہجہ ہنوز اُکتایا ہوا تھا

"دیکھو مائرہ۔! تمہیں معلوم ہے کہ پاپا چاہتے ہیں کہ کوئی اچھا سا بزنس شروع کروں، مگر اپنی طبعیت ہی ابھی......" اس نے کہنا چاہا تو وہ بات کاٹ کر بولی

"یہ اوٹ پٹانگ باتیں کر کے تم مجھے نہیں بہلا سکتے۔ کم از کم مجھے نہیں، جو تمہیں ...... تم سے زیادہ جانتی ہے۔ میں جو تم سے پوچھ رہی ہوں کہ تم ڈیپرس کیوں ہو اس کا مطلب ہے کہ کوئی نہ کوئی وجہ ہے جو تم اس طرح کا بی ہیو کر رہے ہو"

"مائرہ۔! ٹھیک ہے تم میری بہت اچھی دوست ہو۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ تم اپنی خود ساختہ سوچ مجھ پر مسلط کر دو۔ کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو خود سے بھی چھپائی جاتی ہیں۔ اب میں کیا بتاؤں تمہیں؟" اس نے عجیب سے لہجے میں کہا تو مائرہ نے اسے چونک کر دیکھا، پھر کافی حد تک دھیمے اور پرسکون لہجے میں بولی

''کیا تم ابھی تک مجھے اپنا دوست ہی سمجھتے ہو...... میں تم سے محبت کرتی ہوں فہد۔ میں نے تمہیں چاہا ہے اور پھر......'' اس سے آگے اس سے کہا ہی نہیں گیا۔ اس کی آواز بھرا گئی۔ وہ روہانسا ہو گئی تو فہد نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر تھپتھپاتے ہوئے کہا

''سوری۔! یہ جو محبت ہوتی ہے نا مائرہ، کبھی کبھی بڑے دُکھ دے جاتی ہے۔ بندہ بے بس ہو جاتا ہے۔ زندگی کی راہ پر چلتے چلتے اچانک کوئی نہ کوئی ایسا دوراہا آ جاتا ہے۔ ایسے ہی کسی وقت کے لئے بندہ تیار رہے تو پھر وہ ٹوٹتا نہیں۔'' فہد کے لہجے میں عجیب یاسیت تھی جس پر وہ چونکتے ہوئے بولی

''یہ تم کیسی فضول باتیں کرنے لگے ہو...... مائرہ اتنی کمزور نہیں ہے کہ ٹوٹ کر بکھر جائے۔ تمہاری محبت نے مجھے بہت مضبوط بنا دیا ہے۔ حالات چاہے جیسے بھی ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے خود پر قابو پایا اور سخت لہجے میں بولی، ''بتاؤ، کیوں ڈیپریس ہو تم؟'' اس پر فہد نے اسے سیخ پا نگاہوں سے دیکھا، وہ بھی سخت چہرے کے ساتھ اسے گھورتی رہی۔ دونوں ایک دوسرے کو ذرا دیر تک گھورتے رہے پھر دونوں ہی ایک دم ہنس دیئے۔ ''اچھا چلو نہ بتاؤ۔ لیکن جب تک تم یہاں میرے ساتھ ہو...... اپنا موڈ درست رکھو۔ میں وارننگ دے رہی ہوں تمہیں۔''

''شکر ہے، تمہاری یہ تفتیش ختم ہوئی۔ اگر تم مزید سوال نہ کرنے کا وعدہ کرو تو ایک بات بتاتا ہوں۔'' اس نے پرسکون انداز میں کہا اور کرسی سے ٹیک لگا لی

''بولو...... نہیں کروں گی سوال۔ وعدہ......'' وہ صدق دل سے بولی تو اس نے نیلے آسمان پر ایک نگاہ ڈالی اور پھر اس کے چہرے پر دیکھ کر بولا

''مائرہ۔ امیری زندگی میں ایک دوراہا آ گیا ہے۔ یہ اچانک نہیں آیا۔ بلکہ میں خود اس کا منتظر تھا۔ مجھے کون سے راستے پر جانا ہے اور کس رستے کو میں نے چھوڑ دینا ہے۔ اس کا فیصلہ میں کر چکا ہوں۔ اب تم خود اندازہ لگا سکتی ہو کہ میں کن حالات سے گذر رہا ہوں۔'' وہ کہہ رہا تھا کہ اتنے میں ویٹران کے قریب آ گیا۔ مائرہ نے جلدی سے سوفٹ ڈرنک کا آرڈر دیا اور فہد سے پوچھا

''کیسا فیصلہ...... کیسا دوراہا...... میں کچھ سمجھی نہیں؟''

''تم نے ابھی وعدہ کیا تھا......'' فہد نے تیزی سے کہا تو مائرہ کو یاد آ گیا۔ وہ چند لمحے خاموش رہی، پھر سمجھنے والے انداز میں بولی

''او کے، میں تمہارے کسی فیصلے یا دوراہے کے بارے میں نہیں پوچھتی۔ لیکن ایک سوال ضرور کروں گی۔''

''بولو'' اس نے بے بسی والے انداز میں کہا

''تم نے پولیس سروس جوائن کی۔ ٹریننگ بھی لے لی، آفیسر بنے اور پھر چند مہینے بعد جاب چھوڑ دی...... کیا یہ تمہارے اسی فیصلے یا دوراہے کی وجہ سے...... نو آر لیس۔'' اس نے تیزی سے آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے کہا تو فہد چند لمحے سوچ کر بولا

''ہاں! میں نے اسی لیے پولیس سروس چھوڑی ہے...... بلکہ میں نے پولیس ٹریننگ بھی اسی مقصد کے لئے لی ہے۔ اب کوئی سوال نہیں کرنا، ابھی یہاں سے کولڈ ڈرنک لو...... پھر میں تمہیں تمہارے فیورٹ ریستوران سے کھانا کھلاتا ہوں۔'' اس نے کہا اور سوچ میں پڑ گیا۔

اسے جھوٹ بولنا آتا ہی نہیں تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اگر مائرہ نے زیادہ تجسس کیا تو ممکن ہے وہ کچھ کہے بنا یہاں سے اٹھ کر چلا جائے۔ کیوں کہ وہ اسے کچھ بھی نہیں بتانا چاہتا تھا۔ وہ ان لمحوں کو غنیمت سمجھ رہا تھا جو وہ اپنی دوست کے ساتھ گزار رہا تھا۔ جھوٹ بولنے کا ڈپریشن اور سچ نہ بول پانے کی بے بسی اسے اندر سے جکڑے ہوئے تھی۔

اس شام جب وہ واپس گھر آیا تو اس کا جی بہت بوجھل تھا۔ شاید یہی دباؤ تھا جس نے اوٹ پٹانگ خواب کی صورت میں اسے دہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ اب تک اپنے حواسوں میں آ گیا تھا۔ وہ اٹھا اور اپنے بیڈروم سے باہر چلا گیا۔

وہ باہر لان میں ٹہلتے اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ مائرہ اس کی بہت اچھی دوست تھی۔ اس نے ہمیشہ یہی سمجھا تھا جبکہ اسے پورا یقین تھا کہ وہ اس کے ساتھ پورے دل سے محبت کرتی ہے۔ وہ اس کی محبت کا بھرپور جواب دیتا اگر وہ ایسے حالات میں سے نہ گذر رہا ہوتا۔ وہ مائرہ کے ساتھ محبت کی حسین شاہراہ پر ایک قدم بھی نہیں چل سکتا تھا۔ یہ انہی حالات کی مجبوری اور بے بسی تھی۔ اسی لئے اس نے کبھی بھی مائرہ کی حوصلہ افزائی نہیں کی تھی۔ اسے کوئی دکھ نہیں تھا۔ جو آگ اس کے من میں بچپن سے لگی ہوئی تھی، اس کے سامنے مائرہ کی محبت برستی ہوئی بارش کی مانند نہیں تھی۔ جو انتقام کی اس جلتی آگ کو ٹھنڈا کر دے۔ اس نے مائرہ کو کبھی بھی دھوکا نہیں دیا تھا۔ اور نہ ہی اسے دھوکا دینا چاہتا تھا۔ وہ ان خیالوں میں کھویا ہوا تھا کہ اس نے اپنے کاندھے پر نرم ہاتھ کا لمس محسوس کیا۔ اس نے چونکتے ہوئے مڑ کر دیکھا، اس کے سامنے محمود سلیم کھڑا تھا۔ تب اس نے حیرت سے پوچھا

''پاپا آپ، سوئے نہیں ابھی تک؟''

''بیٹا، یہی سوال اگر میں تم سے کروں تو؟'' یہ کہتے انہوں نے شفقت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا، پھر لحہ بھر خاموشی کے بعد بولے۔''اور ویسے بھی میں بوڑھا آدمی ہوں مجھے اتنی جلدی نیند نہیں آتی، اور پھر ابھی کتنا وقت ہوا ہے، صرف بارہ ہی تو بجے ہیں'' یہ کہتے ہوئے وہ ذرا سا مسکرایا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا''خیر، میں کئی دنوں سے تمہیں دیکھ رہا ہوں، تم ڈسٹرب ہو، بولو بیٹا، کیا بات ہے؟'' پاپا نے کچھ اس طرح پوچھا کہ وہ پورے اعتماد سے بولا

''پاپا! میں آپ سے جھوٹ نہیں بولوں گا، میں واقعی ڈسٹرب ہوں۔''

''کیوں بیٹا، ایسا کیا ہو گیا ہے؟ کچھ مجھے بھی تو پتہ چلے؟'' محمود سلیم نے گہری تشویش سے پوچھا تو اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا

''پاپا، میرے اندر قسمت نگر کا وہ بچہ اب بھی دھاڑیں مار کر رو رہا ہے، جسے اس کے والدین سمیت وہاں سے ذلیل کر کے نکل جانے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ یہ ایک قرض ہے مجھ پر، جو اب اتنا بڑھ گیا کہ برداشت سے باہر ہو رہا ہے۔''

''کیا میری پرورش میں کوئی کمی رہ گئی ہے کہ وہ بچہ اب تک؟'' محمود سلیم نے دلگیر لہجے میں کہا تو شدت سے بولا

''نہ......نہ......نہیں پاپا، اگر آپ مجھے گود نہ لیتے میرے والدین کے فوت ہو جانے کے بعد آپ مجھے سہارا نہ دیتے تو میں بھی

اب تک بے کس اور مجبور لوگوں کی طرح مرکھپ گیا ہوتا۔ اس بے رحم معاشرے کے چنگل میں پھنس کر رحم مانگنا بھی بھول گیا ہوتا۔ آپ نے مجھے نئی زندگی دی ہے۔ جہاں آپ نے میری پرورش کی وہاں مجھے ذہنی شعور بھی دیا ہے۔ یہی شعور...... میری ذات پر قرض کا بوجھ بڑھا رہا ہے۔ میں اپنے ضمیر کا سامنا نہیں کر پا رہا ہوں...... پاپا...... نہیں کر پا رہا ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے اس کی آواز بھرا گئی۔

''ریلیکس بیٹا۔'' یہ کہہ کر وہ لمحہ بھر خاموش رہا پھر بولا ''سنو۔! میں ایک ریٹائیر بیورکریٹ ہوں۔تم جانتے ہو۔۔۔ جتنی قوت اور طاقت ریٹائیرمنٹ سے پہلے تھی، اب اس سے کہیں زیادہ ہے۔ پہلے ملازمت کی کچھ مجبوریاں تھیں۔ اب تو وہ بھی نہیں رہیں۔ میرے ایک اشارے پر...... وہ کیا...... وہاں کا چوہدری جلال سکندر...... اسے......'' اس نے دانت پیستے ہوئے کہنا چاہا تو فہد نے ٹوکتے ہوئے کہا

''نہیں، یہ آپ ہی نے مجھے سکھایا ہے کہ اپنے حق کے لیے خود لڑنا چاہئے، چاہے اس میں جیسے بھی حالات ہوں۔ میں اپنے حق سے دستبردار نہیں ہو سکتا، میں وہ لے کر ہی رہوں گا۔''

''جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، وہاں تمہاری تھوڑی سی زمین اور ایک گھر ہے، میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ ایک ہفتے کے اندر وہ زمین اور گھر......'' محمود سلیم نے اس کی طرف دیکھا اور کہتے کہتے رک۔ اس کی جانب دیکھنے لگا تو فہد نے مسکراتے ہوئے کہا

''نہیں پاپا، آپ نے جتنا مجھے دے دیا ہے۔ اس کے مقابلے میں وہ زمین اور گھر تو ذرا سی بھی حیثیت نہیں رکھتے۔ میں اپنا وہ حق نہیں کہہ رہا، بلکہ میں اس وجہ کو ختم کرنا چاہتا ہوں، جس کے باعث نہ جانے کتنے لوگ ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں۔ آپ کیا سمجھتے ہیں، آج کے اس جدید دور میں بھی غلامی ختم ہوگئی ہے، نہیں پاپا، آج بھی خوف کی ان دیکھی زنجیروں میں بندھے غلام موجود ہیں جو طاقت اور وسائل پر قابض لوگوں کے سامنے سر نہیں اٹھا سکتے۔ ان کا مجھ پر حق ہے۔ یہ میرا قرض ہے، جسے میں خود ہی چکانا چاہتا ہوں۔''

''مجھے خوشی ہوئی بیٹا کہ تم مردہ ضمیر لوگوں میں سے نہیں ہو۔تم جو چاہتے ہو، ویسا کرو، میں اُسے مجبور کر دوں گا کہ وہ یہاں تمہارے پاس آکر تمہارے پاؤں پر سر رکھ کر معافی مانگے۔'' پاپا نے دبے دبے غصے میں کہا

''سوری پاپا۔ میں خود وہاں جا کر یہ قرض چکانا چاہتا ہوں۔ اس چوہدری کے لئے تو چند روپوں کی ایک چھوٹی سے بلٹ کافی ہے...... مگر......'' یہ کہتے ہی وہ دانت پیس کر رہ گیا۔ وہ شدت جذبات میں کچھ کہہ نہیں پایا تھا۔ تب پاپا نے اس کے کاندھے کو تھپتھپاتے ہوئے کہا

''اگرچہ مجھے، تمہیں یوں اجازت دینے میں دُکھ ہو رہا ہے۔ لیکن مجھے معلوم ہے کہ جب تک تم وہ نہیں کر پائے جو تم چاہتے ہو اس وقت تک سکون نہیں پا سکو گے۔ میں تمہارے ساتھ ہوں، تمہیں اجازت دیتا ہوں، تم یہ قرض چکاؤ۔ جو چاہتے ہو وہ کرو۔''

فہد نے چونک کر اپنے پاپا کی طرف دیکھا پھر انتہائی خوشی میں اپنے پاپا کو دونوں کاندھوں سے پکڑ کر بولا

''میں اسی الجھن میں تھا پاپا، میں آپ کی اکلوتی اُمید ہوں...... آپ کی محبت نے مجھے روکا ہوا تھا...... اب میں...... میں......''

مزید اس سے کچھ بھی نہیں کہا گیا وہ یہ کہتے ہوئے وہ پاپا کے گلے لگ گیا۔ محمود سلیم اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا

''میں اب سمجھا ہوں بیٹا کہ تم نے پولیس ٹریننگ کے بعد نوکری کیوں نہیں کی اور نہ ہی اب بزنس کر رہے ہو۔۔۔ کوئی بات

نہیں۔ جیسا تم چاہو...... آؤ اب سکون سے سو جاؤ، کل ہم دونوں اس پر مزید ڈسکس کر لیں گے۔ رات بہت گہری ہو گئی ہے۔'' پاپا نے کہا اور اسے ساتھ لگا کر اندر کی طرف مڑا۔ فہد اس کے ساتھ چل پڑا۔ وہ دونوں اندر کی جانب بڑھ گئے۔

❀......❀......❀

وہ حالیہ برسوں میں بننے والا شہر کا نیا پوش علاقہ تھا۔ یہاں زیادہ تر کاروباری طبقے سے تعلق رکھنے والوں نے ایک سے بڑھ کر ایک جدید طرز کے بنگلے بنوائے ہوئے تھے۔ انہی میں سے ایک بنگلے کے ڈائننگ ہال میں ٹیبل پر اچھی صحت اور بہترین شخصیت والا حبیب الرحمٰن بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔ اس کے پاس اس کی بیوی بانو بیگم موجود تھی۔ اتنے میں ان اکلوتی بیٹی مائرہ تیار ہو کر آ گئی اور آتے ہی بولی

''گڈ مارننگ ماما...... گڈ مارننگ پاپا''

''گڈ مارننگ...... کیسی چل رہی ہے تمہاری صحافت......'' حبیب الرحمٰن نے اخبار تہہ کر کے ایک طرف رکھتے ہوئے پوچھا تو چہکنے والے انداز میں بولی

''فنٹاسٹک پاپا......''

''گڈ۔ ادیسے میں بھی دیکھ رہا ہوں تمہاری نیوز سٹوریز...... اچھا کام ہے۔'' اس نے تعریف کرتے ہوئے ٹوسٹ کی طرف ہاتھ بڑھایا جو اس کی بیوی بنا کر پلیٹ میں رکھ چکی تھی۔ وہ بھی اپنے کپ میں جوس انڈیلتے ہوئے بولی

''پاپا۔! ایک بات بتائیں۔''

''پوچھو۔!'' یہ کہتے ہوئے حبیب الرحمٰن نے اس کی طرف دیکھا

''آپ تو سیدھے سادھے بزنس مین ہیں۔ یہ اچانک، آپ سیاست میں کیوں دلچسپی لینے لگ گئے ہیں؟ اور جس پارٹی میں آپ ہیں اس میں بہت اچھا عہدہ بھی آپ کو مل گیا، یہ کیسے؟ لیکن جواب دیتے ہوئے یہ ذہن میں رہے پاپا کہ آج کل میں سیاست دانوں کے بخیے ادھیڑ رہی ہوں۔''

اس پر پہلے تو حبیب الرحمٰن ہنس دیا، پھر سوچتے ہوئے سنجیدگی سے بولا

''ہوں۔ یہ سچ ہے کہ میں سیاست میں دلچسپی لے رہا ہوں اور مجھے پارٹی میں بہت ذمے داری والا عہدہ بھی مل گیا ہے۔ لیکن مجھے کوئی ایم پی اے، ایم این اے وغیرہ بننے کا شوق بھی نہیں اور نہ ہی میں بننا چاہتا ہوں۔۔۔ بس اتنا سمجھ لو کہ مجھے بھی تمہیں دیکھ کر سیاست میں آنے کا خیال آ گیا ہے۔''

''مجھے دیکھ کر پاپا...... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ مذاق کر رہے ہیں؟'' وہ برا سا منہ بنا کر بولی تو حبیب الرحمٰن نے اسی سنجیدگی سے کہا

''میں مذاق نہیں کر رہا میری بیٹی، بلکہ میں پوری سنجیدگی سے بات کر رہا ہوں۔ کیا تم یہ بات نہیں سمجھتی ہو کہ اس وقت اپنے ملک کو روایتی سیاست چھوڑنا ہو گی...... سیاست میں پڑھے لکھے اور باشعور لوگوں کو آنا چاہئے۔ ان پڑھ اور جاہل سیاست دانوں نے اپنے ملک کی

عوام کو کیا دیا ہے؟ دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے اور ہم کہاں کھڑے ہیں؟ یہی ایک سوال ہے۔ جو بہر حال مجھے سیاست میں لایا۔ ایک خوشحال ملک بنانے میں اب ہمیں آگے آنا ہوگا۔''

''اس میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ اس ملک کا جتنا نقصان، ان مفاد پرست سیاست دانوں نے کیا ہے، اسے سوچیں تو لرز جائیں۔ کرپشن کے سوا کوئی بات ہی...... سمجھ نہیں آتی آخر یہ کرنا کیا چاہتے ہیں۔ جمہوریت کا راگ ہی الاپے جا رہے ہیں، کیا جمہوریت کا مطلب ان کا ذاتی مفاد ہے؟'' وہ تلخ ہوتے ہوئے بولی

''جب کسی کے پاس مفاد پرستی کے سوا کوئی مقصد نہیں ہوگا۔ عوام کی بجائے وہ اپنی خوشحالی پر توجہ دیں گے تو ملک کا نقصان ہی ہوگا۔ اس کا ایک بیک گراونڈ ہے۔ جسے فی الحال تم ایسے نہیں سمجھ پاؤ گی...... ہم اس پر تفصیل سے پھر کبھی بات کریں گے۔۔۔ ابھی میں جا رہا ہوں۔۔۔'' اس نے ریسٹ واچ دیکھتے ہوئے کہا اور اٹھ گیا۔

''ٹھیک ہے پاپا......'' نائرہ نے پلیٹ سیدھی کرتے ہوئے کہا تو وہ باہر کی جانب چل دیا۔ تبھی اب تک خاموش بیٹھی بانو بیگم نے طنز آمیز لہجے میں کہا

''مجھے تم باپ بیٹی کی بالکل سمجھ نہیں آ رہی۔ پتہ نہیں کیا کر رہے ہو تم دونوں۔''

''پاپا بزنس کر رہے ہیں اور میں صحافت......'' وہ پرسکون لہجے میں بولی تو بانو بیگم نے اسی طنزیہ لہجے میں کہا

''نہ سمجھ آنے والی بات یہ ہے کہ...... تمہاری شادی کی عمر ہو گئی ہے۔ لیکن تم دونوں کو خیال ہی نہیں ہے۔''

''اُو ماما۔! یہ شادی کہاں سے درمیان میں آ گئی۔'' اس نے اکتاتے ہوئے کہا تو بانو بیگم غصے میں بولی

''میں ماں ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ بیٹی کے لئے کیا فرض ہوتا ہے۔ میں تمہاری شادی کرنا چاہتی ہوں۔ اور تمہارے پاس میری بات سننے کے لئے وقت ہی نہیں ہے۔''

''ماما۔! اس میں اتنا excited ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ جب شادی ہونا ہوگی تو ہو جائے گی۔ ابھی تو میں نے بہت کچھ کرنا ہے۔'' وہ عام سے لہجے میں بولی

''جو بھی کرنا ہے شادی کے بعد کرتی رہنا۔ تمہاری پھوپھو آمنہ نے مجھ سے بات کی ہے اپنے رضوان کے لئے۔'' ماما نے جیسے دھماکا کر دیا تو حیرت سے بولی

''وہ تو کینیڈا رہتے ہیں۔ اتنی دور میں، وہاں کیا کروں گی۔''

''جو یہاں کر رہی ہو۔ وہاں بھی ٹی وی چینل ہیں، بلکہ رضوان کا تو اپنا چینل ہے۔ تم بتاؤ، تم اس بارے کیا کہنا چاہتی ہو۔'' ماما نے حتمی انداز میں کہا

''کیا آپ سنجیدہ ہیں ماما؟'' اس نے حیرت سے تصدیق چاہی

"بالکل۔! میں نے چند دنوں میں تمہارے پاپا سے بات کرنی ہے لیکن میں نے چاہا کہ میں پہلے تم سے پوچھ لوں۔" وہ یوں پرسکون انداز سے بولی کہ جیسے یہ بات کر کے اس نے بہت بڑا بوجھ اتار دیا ہو۔ تبھی وہ ایک طویل سانس لے کر بولی

"ٹھیک ہے ماما۔! میں آپ کو سوچ کر بتا دوں گی۔" یہ کہتے ہوئے وہ اپنا پرس سنبھال کر اٹھ کھڑی ہوئی تو بانو بیگم نے حیرت سے کہا

"ناشتہ تو کر لو مائرہ۔"

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" یہ کہہ کر وہ باہر کی جانب چل دی۔ بانو بیگم اسے دیکھتی رہ گئی۔ اسے اس طرح کے ردعمل کی توقع نہیں تھی۔

وہ تپتے ہوئے دماغ کے ساتھ اپنی کار میں آ بیٹھی۔ اسے خود پر ہی غصہ آ رہا تھا۔ وہ پوری شدت سے فہد کو چاہتی تھی۔ لیکن وہ تھا کہ کسی قسم کا کوئی ریسپانس نہیں دے رہا تھا۔ کبھی اس نے اس کی محبت کا جواب محبت سے نہیں دیا تھا۔ اور نہ ہی کبھی اس کی محبت کو قبول کرنے کا اشارہ تک دیا تھا۔ یوں جیسے وہ اسے نظر انداز کر رہا ہو۔ دوسری طرف اس کی ماں اس سے پوچھے بغیر اس کی شادی طے کر رہی تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے اس کی ساری زندگی میں سارے رشتے بے نام ہی ٹھہرے ہیں، جنہیں وہ اپنا سمجھتی تھی۔ وہ اسی ادھیڑ بن میں اپنے آفس پہنچ گئی۔

شہر کی معروف اور مصروف ترین شاہراہ پر اس نیوز چینل کی عمارت تھی، جس میں مائرہ کام کرتی تھی۔ اس وقت وہ نیوز چینل کے مالک کے آفس کی طرف جا رہی تھی۔ باس نے اسے بلایا تھا۔ اس وقت باس اپنے لیپ ٹاپ کی اسکرین کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا، جس دوران مائرہ اُس کے آفس میں داخل ہوئی۔ باس نے سر اٹھا کر دیکھا تو بہت زیادہ خوشی اور احترام کا اظہار کرتے ہوئے بولا

"ویل ڈن مائرہ، بہت خوب، میں نے رات تمہاری یہ Investigative رپورٹ دیکھی، کمال کر دیا، کیا دھجیاں اڑائیں ہیں تم نے ان سیاست دانوں کی۔ بے نقاب کر کے رکھ دیا، رات سے فون پر فون آ رہے ہیں اُن کے۔ آؤ۔! آؤ پلیز بیٹھو" اس نے اپنے سامنے پڑی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا تو وہ بیٹھتے ہوئے بولی

"تھینک یو سر۔ میں کوشش کرتی ہوں کہ ایک پروفیشنل جرنلسٹ کی طرح کام کروں۔"

"میں جانتا ہوں کہ یہ جو تمہاری نت نئی ایڈونچر سٹوریز ہیں...... نیوز کی دنیا میں اپریشیٹ (Aprichat) کی جا رہی ہے۔ تمہارا کام دیکھا جا رہا ہے...... تمہاری محنت نظر آ رہی ہے۔" اس نے ایک نظر لیپ ٹاپ پر دیکھتے ہوئے خوش ہو کر کہا

"تھینک یو سر۔ میں ایسے ہی محنت کرتی رہوں گی۔" وہ ممنونیت سے بولی

"اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تم بہت ساری کامیابیاں سمیٹو گی۔ میں نے تمہارے کام سے جواب تک Abservie کیا ہے وہ یہی ہے کہ تم عام لڑکیوں سے زیادہ بہادر ہو۔" اس نے مائرہ کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا جہاں اعتماد کے دیئے روشن تھے۔ اس پر وہ سنجیدگی سے بولی

"جھوٹ انسان کو کمزور کر دیتا ہے سر، اور سچ...... انسان کو بہت حوصلہ دیتا ہے، ہمت دیتا ہے۔ میں نے ہمیشہ سچ کا ساتھ دیا ہے۔ میں نہیں ڈرتی کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ کیونکہ مجھے یقین ہے، جیت ہمیشہ سچ کی ہوتی ہے۔"

"مائرہ......! تمہارا واسطہ اِن سیاست دانوں سے ہے جن کے کالے کرتوت تم عوام کے سامنے لے آتی ہو۔ وہ اپنی خباثت سے تمہارے خلاف کسی سازش کا جال بُن سکتے ہیں۔ اپنے انتقام کا نشانہ بنانے کے لئے کچھ بھی کر سکتے ہیں...... یہ کبھی سوچا تم نے؟" باس نے سمجھانے والے انداز میں پوچھا تو وہ ہنستے ہوئے بولی

"نہیں......اور میں کبھی سوچنا بھی نہیں چاہتی...... کیونکہ میں سچ پر یقین رکھتی ہوں۔"

"مجھے فکر ہے مائرہ کیونکہ تم اس چینل کا حصہ ہو...... میں اور یہ چینل ہمیشہ تمہارے ساتھ ہیں۔ تم کبھی بھی خود کو تنہا مت سمجھنا۔ اگر ایسی کوئی صورت ہوئی تو ہم تمہارے ساتھ کھڑے ہیں۔" باس نے پر یقین لہجے میں کہا

"تھینک یو سر......" اس نے عام سے انداز میں کہا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ یہ سب پروفیشنل باتیں ہیں۔ جو اس کا باس کہہ رہا تھا

"کسی بھی چیز کی ضرورت ہو، کوئی مشکل محسوس کرو تو فوراً مجھے بتانا"

"جی میں بالکل بتاؤں گی، اجازت؟" مائرہ نے خوشگوار لہجے میں اٹھتے ہوئے کہا

"او کے۔ وش یو گڈ لک......" باس نے خوش ہو کر کہا جسے سن کر وہ مسکراتے ہوئے واپس پلٹ گئی۔ وہ اپنے کمرے میں آ کر اپنی سیٹ پر بیٹھتے ہی لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہو گئی۔

دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی تو مائرہ نے چونکتے ہوئے سر اٹھا کر دیکھا۔ دروازے میں جعفر رضا موجود تھا۔ وہ اس کا کلاس فیلو اور بہترین دوست تھا۔ وہ، فہد اور جعفر، ان تینوں کا ٹرائی اینگل پورے کالج میں مشہور تھا۔ جعفر اور فہد نے پولیس ٹریننگ اکٹھے لی۔ فہد نے تو جاب نہ کی مگر جعفر اے ایس پی کی پوسٹ پر کام کر رہا تھا۔ مائرہ اس کی طرف دیکھ کر دل سے مسکرادی تو وہ بولا

"کیا میں اندر آ کر آپ کی تنہائی میں مخل ہو سکتا ہوں۔"

تبھی مائرہ نے خوشگوار انداز میں کہا

"اُو۔! جعفر تم...... تنہائی میں مخل تو ہو ہی گئے ہو۔ اب آ جاؤ......"

"ذرہ نوازی ہے آپ کی، ورنہ بندہ کس قابل ہے" یہ کہتے ہوئے وہ اندر آ گیا اور سامنے والی سیٹ پر بیٹھ کر بولا" ویسے لگتا نہیں تم اتنی مصروف ہو جتنا تم دکھائی دے رہی ہو۔ وہی پرانی بات کہ Look busy do nothing مطلب کرنا، کچھ نہیں اور مصروف دکھائی دینا ہے۔"

"تم لوگوں کو کیا پتہ کہ مصروفیت کیا ہوتی ہے۔ ایک وہ فہد ہے جو کرتا ورتا کچھ نہیں مگر اسے بھی فرصت ہی نہیں ملتی ہے۔ اور تم، اتنے دن سے کہاں غائب ہو۔ نہ فون کیا، نہ آئے ہو۔" اس نے شکوہ کرتے ہوئے کہا

"میں فہد کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ مگر میری تو ایک سپیشل اسائمنٹ تھی، کچھ ڈرگز اور اس طرح کی سرگرمیوں میں ملوث گروہ تھا۔ انہی کو پکڑنے میں مصروف تھا۔ اور وہ پکڑ لئے ہیں۔ لگتا ہے کوئی میڈل شیڈل مل جائے گا۔" وہ کاندھے اچکاتے ہوئے بولا،

واؤ......فنٹاسٹک...... جعفر تم تو اچھے بھلے پولیس والے بن گئے ہو۔ خوب ڈز، ڈز ہوئی ہو گی۔ اچھا ایک بات بتاؤ...... سی ایس پی پولیس آفیسر بن کر کیسا محسوس کر رہے ہو؟'' مائرہ نے حیرت بھری خوشگواریت سے پوچھا تو جعفر ذرا سنجیدگی سے بولا

''ایک پولیس آفیسر چاہے تو اپنی رینج میں جرائم کا خاتمہ کر سکتا ہے۔'' پھر ایک دم مذاق میں موڈ میں بولا'' اور میں...... میں نے یہ نوکری محض انجوائے کرنے کے لیے کی ہے۔ لوگوں پر رعب شوب جماؤ...... پیسہ کماؤ...... ویسے۔! جب پیسہ آ جاتا ہے نا تو بندہ، مادیت پرست ہو جاتا ہے۔ اس میں زندگی کے لطیف احساسات......''

''اچھا چپ کرو...... مجھے تمہاری تقریر نہیں سنی......'' وہ ایک دم سے اُکتاتے ہوئے بولی، پھر لمحہ بھر ٹھہر کر بہت خلوص سے بولی'' تمہیں کامیابی مبارک ہو۔ کالج دور میں یہ تو نہیں لگتا تھا کہ تم کوئی دعا نسو قسم کے آفیسر ہو گے۔ اب تم ویسے پولیس آفیسر بن گئے ہو۔ اور مجھے پتہ ہے تیرے جیسے بہادر اور ایماندار پولیس آفیسر کی اس معاشرے کو بہت ضرورت ہے۔'' وہ کہتے ہوئے ایک دم رُکی اور پھر بولی،'' اچھا ایک بات بتاؤ''

''پوچھو۔!'' اس نے مائرہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا

''مجھے یہ بات آج تک سمجھ نہیں آئی کہ فہد نے تمہاری طرح، تمہارے ساتھ پولیس کو جوائن کیا......Asp آفیسر بھی بنا......اور اچانک سب کچھ چھوڑ کر ریزائن کر دیا۔ اگر اس نے یہ جاب چھوڑنا ہی تھا، تو اتنی مشکل ٹریننگ سے کیوں گزرا؟ مطلب سی ایس ایس کیا، ٹریننگ کی......'' اس کے لہجے میں حیرت تھی، جس پر وہ عام سے انداز میں بولا

''سچ پوچھو نا مائرہ مجھے بھی آج تک سمجھ نہیں آسکی۔ میں نے ایک دوبار پوچھا تو وہ ٹال گیا۔ کچھ نہیں بتایا مجھے۔''

''جعفر کیا تم نے Feel کیا ہے کہ آج کل وہ ہم سے مل نہیں رہا۔ فون کرو تو ٹھیک سے بات نہیں کرتا۔۔۔ کئی کئی دن غائب رہتا ہے...... کوئی پرابلم تو نہیں چل رہا اس کے ساتھ؟'' اس نے محتاط انداز میں پوچھا

''اب تم یقین کرو گی...... مجھے ملے بھی کافی دن ہو گئے ہیں۔ میں اس......'' اُس نے کہنا چاہا تو وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے ناراضگی سے بولی

''تمہیں کچھ پتہ بھی ہے کہ نہیں......''

''وہ کہتے ہیں نا جو بندہ محبت میں ناکام ہو جائے تو وہ شاعر بن جاتا ہے۔ اور جو محبت کرنے کی ہمت کر رہا ہو...... وہ میرے جیسا پولیس آفیسر بن جاتا ہے۔ مطلب میرے جیسا Asp جسے شاید اپنی بات کہنی نہیں آتی......'' اس کے یوں کہنے پر مائرہ ہنستے ہوئے بولی

''تمہاری یہ Explanation نہایت فضول ہے۔ یوں لگ رہا جیسے محبت کرنے کے لئے بھی...... باقاعدہ پلان کرنا ہوتا ہے۔''

''تمہیں کیا پتہ...... کون اپنے دل میں کیا لئے بیٹھا ہے۔ اینی ہاؤ (Any haow)۔ ہماری روایات میں مہمان نوازی بھی ہے، اور...... چاہو تو ساتھ میں کچھ کھانے کے لئے منگوا لو، میں مائنڈ نہیں کروں گا۔ کیونکہ آپ ہی نے بلوایا ہے۔ آپ کا فون ملا اور آفس

جانے سے پہلے بندہ حاضر ہوگیا۔کم از کم چائے کا تو حقدار ہوں نا۔'' اس مصنوعی بے چارگی سے کہا تو ہنس دی۔

''کبھی تو سیریس ہو جایا کرو...... بولو۔! چائے یا کافی، کیا پیؤ گے۔'' یہ کہہ کر وہ انٹرکام کے ریسور کی جانب متوجہ ہوگئی۔ پھر کچن میں آرڈر دینے کے بعد اس کی طرف دیکھ کر بولی

جعفر، میں نے تمہیں فون کر کے اس لئے بلایا ہے کہ تم سے کچھ باتیں کرسکوں۔'' اتنا کہ کر وہ لمحہ بھر کو تذبذب کی حالت میں خاموش رہی پھر بولی'' دیکھو۔! میں ہمیشہ اپنی پریشانی تم ہی سے شیئر کرتی ہوں۔''

''اب مجھے الہام تھوڑا ہونے لگے ہیں کہ میں دلوں کے حال پڑھ لوں۔ کہو۔! کیا کہنا چاہتی ہو۔ میں سن رہا ہوں۔'' وہ پوری سنجیدگی سے بولا، تو وہ کہنے لگی

''میں فہد سے ملی تھی۔ وہ مجھے بہت پریشان لگا ہے۔ میں نے اس سے پوچھا بھی لیکن وہ مجھے ٹال گیا ہے۔ کیا وجہ ہے، کیوں ڈیپریس ہے وہ آج کل؟''

''مجھے پہلے ہی یقین تھا۔تم اسی کی بات کرو گی۔ خیر Feel تو میں نے بھی کیا ہے۔ مگر اس معاملے میں اس نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی، سو۔! میں نہیں جانتا کہ اس کے دماغ میں کیا چل رہا ہے۔ ہم اسے کالج لائف سے بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔ اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی پریشانی لگی رہتی ہے، اپنی نہ ہو تو کسی دوسرے کی ہوتی ہے۔'' وہ کافی حد تک اُکتائے ہوئے لہجے میں بولا

''تم یہ بھی جانتے ہو جعفر۔ میں اس سے کتنی محبت کرتی ہوں۔ وہ مجھے اہمیت تو دیتا ہے لیکن میری محبت کا جواب محبت سے نہیں دیتا۔ کچھ دنوں سے تو اتنا سنگدل بن گیا ہے کہ بالکل اجنبی دکھائی دیتا ہے۔ ایسا کیوں ہے جعفر؟''

اس کے یوں کہنے پر وہ چونکتے ہوئے بولا

''سچ پوچھو نا مائرہ۔! ہم میں کبھی اس موضوع پر بات نہیں ہوئی۔ اس نے مجھے کبھی نہیں کہا کہ وہ تم سے محبت کرتا ہے یا نہیں کرتا۔''

اس بار چونکنے کی باری مائرہ کی تھی۔ وہ پریشان لہجے میں بولی

''میں یہ نہیں مان سکتی۔ وہ تمہارا بہترین دوست ہے۔تم نے اکٹھے تعلیم حاصل کی۔ دونوں نے مل کر پولیس ٹریننگ لی۔ وہ اپنے سارے راز و نیاز تم سے کرتا ہے۔ تو پھر یہ بات تم سے کیوں نہیں کہتا۔تم جھوٹ بول رہے ہو۔''

''یہ سچ ہے کہ وہ اپنی ساری باتیں مجھ سے ہی کرتا ہے۔ مگر میرا یقین کرو۔ اور دیکھو، تعلیم تو...... تم نے بھی ہمارے ساتھ حاصل کی ہے...... اس نے پولیس ٹریننگ کر کے نوکری نہیں...... کیا اس کی وجہ ہمیں بتائی...... اسی طرح اس نے اپنی محبت کے بارے میں کبھی مجھ سے بات نہیں کی۔ اور نہ میں نے کبھی پوچھا۔'' اس نے مائرہ کو یقین دلاتے ہوئے کہا

''کیوں؟'' اس نے احتجاج بھرے لہجے میں پوچھا۔ جس پر جعفر نے ہولے سے کہا

''مجھے اس کی ذاتی زندگی کے بارے میں تجسس کرنے کا کوئی حق نہیں۔ مجھے اپنے دوست پر مان بھی ہے۔ اگر اس نے کبھی اپنا یہ

راز شیئر کرنا چاہا تو مجھ سے ہی کرے گا۔ ویسے ایک بات کہوں ...... میرے خیال میں محبت جتائی نہیں جاتی۔ یہ تو خوشبو کی مانند اپنا آپ منوا لیتی ہے۔"

جعفر کے لہجے میں اک عجیب اپنائیت بھرا احساس تھا، جس پر وہ چونکے بغیر نہ رہ سکی، وہ چند لمحے اس کی بات کے حصار میں رہی، پھر خود پر قابو پا کر بولی

"چلو میری محبت والا معاملہ تو چھوڑو۔ اس کی پریشانی کے بارے میں پوچھ سکتے ہو۔ وہ کس مشکل وقت سے گذر رہا ہے۔ کسی مشکل وقت کے لیے دوست ہی کام آتے ہیں۔"

"اُس وقت مائرہ۔! جب دوست مدد کے لئے پکارے۔ ورنہ یہ کسی کی ذاتی زندگی میں دخل اندازی ہے۔ میں اس کا دوست ہوں، جاسوس نہیں۔" اس نے پرسکون لہجے میں کہا تو مائرہ اکتاہٹ اور بے بسی میں بولی

"یہ تم فضول بات کر رہے ہو۔ بس تم اس سے پوچھو۔ وہ پریشان کیوں ہے۔ مجھ سے بحث مت کرو۔"

"تم کہتی ہو تو میں کوشش کر لیتا ہوں۔ کل اگر اس نے شکوہ دیا تو جواب دہ تم ہوگی، میں نہیں۔" وہ صاف انداز میں بولا تو مائرہ خود پر قابو پاتے ہوئے بولی

اچھا۔! ٹھیک ہے۔"

تبھی جعفر نے کھوئے ہوئے لہجے میں کہا

"جو تمہارا دل چاہے۔ میں تو وہی چاہوں گا نا۔ جو تم چاہتی ہو......"

اس کے یوں کہنے پر مائرہ نے ایک لمحے کے لئے اس کی جانب دیکھا ہے اور کچھ کہنا چاہا تبھی ملازم ان کا آرڈر لے کر آ گیا۔ دونوں اپنی اپنی سوچوں میں الجھے کھانے پینے لگے۔ کمرے کا ماحول ایک دم سے بوجھل ہو گیا تھا۔

❁......❁......❁

قسمت نگر میں بھی ہر گاؤں کی طرح ایک چوراہا تھا۔ اس چوراہے کے درمیان میں بہت قدیم بڑ کا درخت تھا، جس کی گھنی چھاؤں میں گاؤں کے وہ لوگ آ کر بیٹھے رہتے جنہیں کوئی کام نہیں ہوتا تھا، یا بالکل فارغ ہوتے۔ وہ سارا دن تاش اور کنٹوری کھیلتے رہتے۔ باقی ان کا کھیل دیکھنے جمع ہو جاتے۔ کچھ گپیں لگانے، ستانے اور وقت پاس کرنے وہاں آ جاتے۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں سے ہر طرح کی خبر مل جاتی تھی۔ کن سوئیاں لینے والے لوگ تو یہاں ضرور موجود رہتے تھے۔ گاؤں کے اس چوراہے میں ایک طرف مسجد تھی اور اس سے ملحقہ دو کانیں تھیں، وہاں بھی لوگ آتے جاتے تھے اور بیٹھے رہتے تھے۔ صبح روشن ہو چکی تھی۔

اس وقت بھی بڑ کے درخت کے نیچے کچھ لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان میں گپ شپ چل رہی تھی۔ کچھ تاش اور کنٹوری کھیلنے کے لئے پر تول رہے تھے۔ ایسے میں ان کے عقب سے اشفاق عرف چھا کا بغل میں اپنا مرغا دبائے تیز تیز چلتا آ رہا تھا۔ پتلے سے بدن والا، سانولے

رنگ کا، موٹے نین نقش، گھنگریالے بال، میانہ قد اور عام سی شلوار قمیص پہنے ہوئے تھا۔ غربت کا احساس اسے دیکھ کر ہی ہو جاتا تھا۔ وہ اپنی آپ میں مست تھا۔ وہ سیدھا حنیف دوکان دار کے پاس گیا اور جلدی سے ایک چھوٹا نوٹ بڑھاتے ہوئے، اپنے مرغے کی طرف دیکھ کر بولا

''بادام دے میرے اس شہزادے کے لیے۔ ذرا کشمش بھی دینا ساتھ میں۔''

اس کے یوں کہنے پر حنیف دوکاندار نے اُسے گھور کر دیکھا، پھر اُکتائے ہوئے لہجے میں نصیحت کرنے والے انداز میں کہا

''اُوئے، کچھ تم بھی کھا لیا کرو، اپنی صحت دیکھو ذرا۔ اِسے ہی کھلاتا رہتا ہے۔''

حنیف دوکاندار نے کہا ہی تھا کہ مرغا بول پڑا، چھاکے نے حنیف کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے مرغے سے مخاطب ہو کر کہا

''اوصبر کر، تو بادام ہی کھائے گا۔ یہ تو اویں سیانا بننے کی ناکام کوشش کر رہا ہے۔''

''ہاں جیسے تم، تو بڑے سیانے ہو، سارا دن ان ککڑوں کے پیچھے خجل خراب ہوتا رہتا ہے۔'' اس بار اُس کے لہجے میں سے غصہ چھلک پڑا تھا۔ تب چھاکے نے بُرا سا منہ بناتے ہوئے کہا

''یہ بات نہ کر، اک ہی تو میں ہوں اس پنڈ میں، جس کی سارے علاقے میں ڈس پچھ ہے۔ اپنا یہ ککڑ سارے علاقے کا چیمپئن ہے، پتہ بھی ہے تجھے؟''

''اُوہاں خاک ڈس پچھ ہے۔ وہ امین آرئیں کے بارے میں پتہ ہے کیا ہوا، اس کے ساتھ، وہ کل سے غائب ہو گیا ہے۔ اس کا کوئی اتہ پتہ ہی نہیں چل رہا ہے۔'' اس بار حنیف نے ادھر ادھر دیکھ کر اسے نئی خبر سے آگاہ کیا۔ اس پر چھاکے نے کوئی توجہ نہ دیتے ہوئے عام سے انداز میں تبصرہ کیا

'' اس نے غائب کہاں ہونا ہے۔ چوہدریوں کا کوئی نیا ظلم ہوگا اور وہ چوہدری کر بھی کیا سکتے ہیں۔ امین نے بھی تو اُن کے خلاف گواہی دینا تھی نا۔ اب وہ غائب نہ ہوتا تو اور کیا ہوتا؟''

''اس کے گھر والے پریشان ہیں۔ سنا ہے اس کا بھائی سراج بھی شہر سے آ رہا ہے۔'' وہ مصنوعی پریشانی سے بولا

''اوئے سیانے، ایک پرانی مثال ہے کہ اونٹ رکھنے والوں سے یاری ہو تو اپنے گھر کے دروازے بڑے اور اونچے رکھنے پڑتے ہیں، امین بے چارے کو کیا معلوم کے یہ چوہدری کیا شے ہیں۔ سراج اگر آ بھی گیا تو وہ کیا کر لے گا؟'' چھاکے نے طنزیہ انداز میں سر مارتے ہوئے کہا تو حنیف دوکاندار بات سمجھتے ہوئے بولا

''بات تو تم ٹھیک کہتے ہو۔ اب ان کا سارا گھر بھی رُل جائے گا۔ سیدھی سی بات ہے، یہ چوہدریوں کے ساتھ دشمنی تو نہیں لے سکتے، کوشش کریں گے تو...... '' یہ کہتے کہتے وہ خوف زدہ انداز میں رُک گیا تو چھاکا طنزیہ لہجے میں بولا

''اُو تو بھی چپ کر، کہیں تم بھی چوہدریوں کے عتاب میں نہ آ جاؤ'' اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ اس کا مرغا پھر بول پڑا، چھاکا اس سے مخاطب ہو کر بولا، ''اُوصبر کر صبر، بادام ہی دیتا ہوں، اُولا یار بادام، میرا شہزادہ ناراض ہو رہا ہے۔''

اس پر حنیف دوکان دار نے پہلے چھاکے کے چہرے پر پھر اس کے مرغے پر قہر آلود نگاہ ڈال کر اپنی دوکان کے اندر کی طرف چلا گیا۔ کچھ دیر بعد واپس آیا تو اس نے بادام ایک لفافے میں ڈال کے اسے تھما دیئے۔ چھاکا اسے لیکر چل دیا۔ اگر چہ سارے گاؤں میں یہ خبر بڑے تجسس کے ساتھ سنی گئی تھی۔ ہر کوئی اس کے بارے میں مزید جاننے کا خواہش مند تھا، لیکن چھاکے کو دیکھ کر یوں لگا تھا کہ جیسے اسے ان معاملات کی کوئی پروا نہیں ہے اور وہ اپنی دنیا میں مست تھا۔

چھاکا، تھا بھی ایسا ہی، وہ واقعتاً اپنی دنیا میں مست رہتا تھا۔ کبھی دل کیا تو مزدوری کر لی ورنہ وہ ہوتا اور اس کا مرغا، جس کو لڑانے کی تیاری میں لگا رہتا تھا۔ خود کم کھاتا اور اپنے مرغے کو زیادہ کھلاتا تھا۔ اس دنیا میں اس کے باپ کے سوا کوئی بھی نہیں تھا۔ جو پورے گاؤں میں ''چاچا سوہنا'' کے نام سے مشہور تھا۔ چھاکے کی طرح اسے بھی کھانے کمانے کی کوئی پروا نہیں تھی۔ جب ضرورت ہوئی تھوڑا بہت کما لیا ورنہ سارا دن گاؤں کے چوراہے میں بیٹھا تاش کھیلتا رہتا تھا۔ پہلے کبھی وہ تانگہ چلایا کرتا تھا۔ اچھی بھلی آمدنی ہو جایا کرتی تھی۔ مدت ہوئی اس نے یہ کام چھوڑ دیا تھا۔ چھاکا جس قدر اپنے آپ سے بیگانہ اور مست رہنے والا نوجوان تھا، اس کا باپ چاچا سوہنا اسی قدر اپنی نک سک ہر وقت درست رکھتا تھا۔ عرصہ ہوا چھاکے کی ماں اللہ کو پیاری ہو چکی تھی۔ سوان کا گھر کیا تھا۔ بس رات کو سونے ہی کی جگہ تھی۔ سامان کے نام پر ضرورت کی چند اشیاء تھیں۔ اس وقت چھاکا اپنے گھر میں داخل ہوا تو سامنے صحن والے آئینے کے سامنے کھڑا چاچا سوہنا اپنے بال سنوارتے ہوئے گنگنا رہا تھا۔

''چھیتی بوڑیں وے طبیباں نہی تے میں مرگئی آ، تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا......''

چھاکا اندر آ کر غور سے اپنے باپ کو دیکھنے لگا۔ چند لمحے یونہی گھورتے رہنے کے بعد بڑے عجیب سے طنزیہ لہجے میں بولا

''اوئے ابا...... تمیز کر۔ اس عمر میں یہ کیا کر رہا ہے۔ تو کوئی اللہ اللہ کر...... مسجد جایا کر...... تجھے اپنے شیر ورگے پتر کا خیال نہیں کہ وہ پنڈ میں بے عزت بھی ہو سکتا ہے، حالانکہ ایک ہی چھاکا ہے اس پنڈ میں جس کی سارے علاقے میں ڈس پوچھ ہے۔ تُو اس کی دس پچھ خراب کرنا چاہتا ہے''

چھاکے کے یوں کہنے پر چاچے سوہنے نے پہلے اُسے گھور کر دیکھا، پھر بُرا سا منہ بنا کر طنزیہ انداز میں کہا

''اوئے کھیہ تے سَواہ...... تیری دس پوچھ کو میں نے چاٹنا ہے۔ جب تیرے جیسی اولاد اپنے باپ کے کام ہی نہیں آ سکتی۔ سارا دن اس ککڑ کو بغل میں لے کر گھومتا رہتا ہے۔ اپنے باپ کا ذرا خیال نہیں ہے تجھے۔''

''نہ ابا، مجھے بتا، میں تیرا کیا خیال نہیں کرتا۔ تیرا سارا خرچہ میں دیتا ہوں، تجھے کمانے کی کوئی فکر نہیں اور یہ سر کا چیر نکال کر سارا دن چوراہے پر بیٹھ کر تاش کھیلتا رہتا ہے، بتا کیا خیال نہیں کرتا؟'' چھاکے نے بھنا کر پوچھا

''نہ پتر، تیرا دل نہیں کرتا کہ تو گھر آئے بنی روٹی پکی ہوئی ہو، بسترے وِچھے ہوئے ہوں، گھر صاف ستھرا چمکتا ہوا ہو۔'' چاچا سوہنا دردمند لہجے میں بولا

''میں جانتا ہوں تو میری شادی کرنا چاہتا ہے میں۔۔۔'' اس نے شرماتے ہوئے کہنا چاہا تو چاچا سوہنا اس کی بات کاٹتے ہوئے تڑپ کر بولا

''اُو، کون تیری شادی کی بات کر رہا ہے، میری طرف دیکھ، میں کب تک یوں جوان جہان پنڈ میں اکیلا ہوں، تیرا جی نہیں کرتا کہ تیری ماں ہو اس گھر میں؟''

''بس ابا...... آگے ایک لفظ مت کہنا...... کہیں چھاکے کی دس پوچھ کے ساتھ اس کی بے عزتی نہ کروا دینا، آخر میری بھی کوئی عزت ہے۔'' اس نے پوری سنجیدگی سے کہا

''میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ بہت جلدی تُو دیکھ لے گا......'' وہ حتمی لہجے میں بولا، پھر گھور کر چھاکے کو دیکھتا ہوا وہ باہر کی جانب چلا گیا۔ چھاکا اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ ایسے میں ککڑ بول پڑا تو چھاکا انتہائی غصے اور بے بسی میں اُس پر برس پڑا

''اُوئے کُتے چپ کر اُوئے......''

تبھی ککڑ اس سے ہاتھ سے نکل کر یوں بھاگ گیا جیسے وہ اس سے ناراض ہو گیا ہو۔ وہ چند لمحے مرغے کو دیکھتا رہا پھر چارپائی پر بیٹھ کر اپنے گھر کی ویرانی کو دیکھنے لگا۔ اس کی سرد آہ نکل گئی۔

✿......✿......✿

روشن صبح کی سنہری کرنیں سلمٰی پر بھی پڑ رہی تھیں جو اس وقت کچھ اور لوگوں کے ساتھ سٹاپ پر کھڑی کسی سواری کی منتظر تھی۔ وہ پہلی بار اپنے گھر سے کمانے کی غرض سے نکلی تھی۔ اس کا یہ خواب بہت عرصے بعد پورا ہونے والا تھا۔ کتنی تگ و دو کی تھی اس نے، نامساعد حالات میں بھی اس نے تعلیم کو جاری رکھا تھا۔ قریبی گاؤں کے لڑکیوں والے سکول سے آٹھ جماعت پاس کر لینے کے بعد اس نے گھر بیٹھ کر ہی تیاری کی اور پڑھتی رہی تھی۔ یہاں تک کہ اس نے بی اے کر لیا۔ پھر علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی ہی سے بی ایڈ کر چکی تو استانی بن کر اپنے گھر کی معاشی حالت کو سہارا دینے کا شدت سے سوچنے لگی۔ کچھ عرصہ پہلے ہی حکومت کی طرف سے ٹیچر کی جاب نکلی تھی۔ اس نے درخواست دینے کے بعد انٹرویو دیا تھا، جس کے جواب میں اسے کال لیٹر آ گیا۔ اور اُس دن وہ قریب ہی کے قصبے نور پور میں یہ جاب جوائن کرنے جا رہی تھی۔ ابھی تک کوئی وین یا بس نہیں آئی تھی۔ اور وہ خود کو بڑی ساری چادر میں لپیٹے سٹاپ پر کھڑی تھی۔

ایسے میں چوہدری کبیر کی جیپ زن سے اس کے قریب سے گزر گئی۔ سلمٰی کو کیا پتہ کہ اس میں کون تھا۔ اسے احساس بھی نہیں ہوا کہ اس کے قریب سے کون گذر گیا۔ یہ تب اُسے معلوم ہوا جب وہی جیپ بیک ہو کر اس کے قریب آن رکی۔ چوہدری کبیر نے دروازہ کھولا اور بڑی پرشوق نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ سلمٰی نے ایک نگاہ اسے دیکھا پھر نفرت سے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ چوہدری کبیر کو دیکھ کر وہاں سٹاپ پر موجود لوگ دھیرے دھیرے کھسکنے لگے۔ وہ اپنی جیپ میں سے نکلا، اس نے اپنی آنکھوں سے بلیک ریبین اتاری اور سیٹ پر پھینک کر سلمٰی کی طرف بڑھنے لگا...... وہ سلمٰی کو اپنی نگاہوں کے حصار میں لئے ہوئے تھا۔ وہ اس کے قریب جا کر بڑے سوقیانہ لہجے میں بولا

''لگتا ہے نور پور جانے کی تیاریاں ہیں۔ آؤ، میں تجھے چھوڑ دوں۔'' اس کے یوں کہنے پر سلمٰی نے اسے نفرت بھری نظروں سے دیکھا اور منہ پھیر لیا، تب چوہدری کبیر مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھوں کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''یہ فائلیں...... اور یہ نور پور جانے کی تیاری...... تو میں نے ٹھیک سنا...... تم نوکری کرنے جا رہی ہو۔'' وہ کہہ رہا تھا مگر سلمٰی خاموش تھی۔ بس چہرے پر شدید غصے کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ گھما کے تھپڑ اس کے منہ پر دے مارے، جبکہ وہ اسی انداز میں کہتا چلا گیا، ''تمہیں نوکری کی کیا ضرورت ہے، تم تو خود شہزادی ہو۔ تمہیں پتہ ہی نہیں تم کیا چیز ہو۔ میں......''

وہ حد سے بڑھنے لگا تو سلمٰی نے دبے دبے غصے میں دانت پیستے ہوئے کہا

''اپنی زبان کو لگام دو چوہدری...... اور جاؤ، چلے جاؤ یہاں سے۔''

چوہدری کبیر قہقہہ لگا کر بولا

''تم جانتی ہو سلمٰی۔ جس جگہ ہم کھڑے ہیں یہ ہماری زمین ہے، میں مالک ہوں اس کا، اب بتاؤ بھلا، کہاں چلا جاؤں میں...... تم کہو تو اس جگہ کی مالکن بنا دوں تمہیں۔ پھر کہہ سکتی ہو مجھے۔''

''میں تمہارے منہ نہیں لگنا چاہتی۔'' سلمٰی نے بے بسی سے کہا

''اور تم یہ بھی جانتی ہو کہ میری مرضی کے بغیر تم نوکری نہیں کر سکتی۔ لاؤ! یہ کاغذات مجھے دو۔ میں تمہاری نوکری لگوا دیتا ہوں...... اور تمہیں کہیں جانے کی ضرورت بھی نہیں...... تمہیں گھر بیٹھے تنخواہ مل جایا کرے گی۔ جاؤ واپس چلی جاؤ گھر'' اس نے ہاتھ بڑھا کر کاغذات مانگتے ہوئے کہا تو وہ طنزیہ انداز میں بولی

''میری نوکری لگ گئی ہے اور میں آج پہلے دن جوائن کرنے جا رہی ہوں۔ مجھے تمہاری کسی ہمدردی کی ضرورت نہیں۔''

''کہا نا کاغذات دو اور واپس جاؤ۔ تمہیں نوکری نہیں کرنی۔'' چوہدری کبیر نے عجیب سے لہجے میں کہا

''کیوں؟ تم کون ہوتے ہو۔'' وہ تڑک کر بولی۔ اسے واقعتاً شدید غصہ آ گیا تھا

''میں۔!'' یہ کہتے ہوئے اس نے قہقہہ لگایا اور پھر مخمور انداز میں بولا ''میں تمہیں پسند کرتا ہوں، اور میں نہیں چاہتا کہ تم یہ چھوٹی موٹی نوکری کے لئے دھکے کھاتی پھرو...... جسے میں پسند کروں اور وہ نوکریاں کرتی پھرے، ایسا تو نہیں ہو سکتا، جانِ من......''

''چوہدری......'' سلمٰی نے انتہائی غصے میں تڑپ کر کہتے ہوئے وہ تھپڑ مارنے کو آگے بڑھی ہی تھی کہ چوہدری کبیر کے ایک ملازم نے جیپ میں بیٹھے ہی ہوائی فائر کر دیا۔ باقی دو اسلحہ برداروں نے اس پر گنیں تان لیں۔ وہ سہم کر رک گئی۔ چوہدری کبیر نے اپنے بندوں کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور اس کی طرف پرشوق نگاہوں سے دیکھتا ہوا مسکرا کر بولا

''تمہارا یہی غصہ تو مجھے اچھا لگتا ہے۔''

''ایک کمزور لڑکی کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے تمہیں شرم آنی چاہئے چوہدری کبیر'' سلمٰی نے ہتک آمیز لہجے میں کہا تو اس کی تیوریوں پر بل پڑ گئے، تبھی اس نے دبے دبے غصے میں کہا

''میں نے اپنا فیصلہ سنا دیا سلمیٰ ۔کیوں سنایا، یہ تم اچھی طرح جانتی ہو۔واپس پلٹ جاؤ۔''

''میں اپنی مرضی کی مالک ہوں......تم مجھے نہیں روک سکتے......میں جاؤں گی اور ضرور جاؤں گی۔'' اس نے کافی حد تک خوف سے نکل کر ضدی لہجے میں کہا

''ضد مت کرو سلمیٰ......اور واپس پلٹ جاؤ......میری بات مان لو۔''اس نے پھر بڑے سکون سے سمجھانے والے انداز میں کہا

''کیا کرلو گے تم......قتل کردو گے نا......تو کر دو......'' سلمیٰ نے سارے خوف اور ڈر کو اُتارتے ہوئے کہا، اس کی نگاہوں میں نفرت بھرے شعلے نکل رہے تھے۔جس پر وہ مسکراتے ہوئے بولا

''میں تمہیں قتل کر ہی نہیں سکتا سلمیٰ......تم نے جو مجھے قتل کر دیا ہے......میں تو صرف نوکری کرنے سے روک رہا ہوں اور وہ میں تجھے روک لوں گا۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے اچانک اس کی فائل پکڑلی۔ان میں کاغذات دیکھتے ہوئے اس میں سے ایک سفید رنگ کا لفافہ نکال کر اسے پھاڑا اور اس کے پرزے پرزے کر کے زمین پر پھینک دیئے۔سلمیٰ ہکا بکا رہ گئی۔''اگر اب بھی تم نے نوکری کرنے کا سوچا نا ،تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' یہ کہتے ہوئے وہ پلٹ کر جیپ میں بیٹھ گیا اور اسے آگے بڑھا لی۔سلمیٰ وہیں روتے ہوئے سسکنے لگی۔

چوہدری کبیر کو اس کے خاص ماکھے ملازم ماکھے نے جو خبر دی تھی وہ بالکل درست تھی۔اسی لئے وہ صبح ہی صبح اس سٹاپ پر آیا تھا کہ سلمیٰ کو یہ باور کرا سکے کہ وہ اس کے کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں کر سکتی ہے۔اگرچہ اسے سسکتی ہوئی سلمیٰ اچھی نہیں لگی تھی، مگر ایسا کرنا ضروری تھا۔پورے علاقے کی یہی ایک لڑکی تھی جس پر وہ مرمٹا تھا۔ایک ظالم، بدتمیز اور بے حس جاگیردار ہونے کی وجہ سے یہ انہونی سی بات لگتی تھی، مگر ایسا نجانے کب ہوا، اسے خود بھی معلوم نہیں تھا۔نجانے کتنی کلیاں اس نے مسل ڈالیں تھیں، اسے یہ دسترس بھی تھی کہ وہ جب چاہے اسے اٹھا کر اپنے ڈیرے پر ڈال سکتا تھا۔مگر اس نے ایسا کبھی نہیں سوچا تھا۔وہ اس کی چاہت کا طلب گار تھا، وہ یہی سوچتا ہوا حویلی کی طرف جا رہا تھا۔جہاں اس کے والدین اس کے بارے میں کچھ اور ہی سوچ رہے تھے۔

چوہدری جلال حویلی کے کاریڈور میں ٹہل رہا ہے۔وہ پُرسکون سا ہے۔تبھی اس کی بیوی بشریٰ بیگم نے اسے دیکھا اور پھر آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی اس کے پاس آکر رک گئی۔چوہدری جلال اسے دیکھ کر ٹھٹک گیا تو بشریٰ بیگم نے گہری سنجیدگی سے پوچھا

''کیا بات ہے چوہدری صاحب!بڑی گہری سوچ میں ہیں آپ؟''

''ہاں بیگم۔!میں یہ سوچ رہا ہوں کہ زندگی کے راستے پر چلتے چلتے اچانک یہ احساس ہوتا ہے کہ ہم کتنا طویل سفر طے کر آئے ہیں اور نجانے باقی کتنا سفر باقی ہے۔'' وہ بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا تو بشریٰ بیگم کو عجیب سا لگا۔اس کا شوہر پہلے کبھی ایسے نہیں سوچا کرتا تھا،اس لئے تشویش سے کہا

''میں سمجھی نہیں، آپ کہنا کیا چاہ رہے ہیں۔''

''تم جانتی ہو بشریٰ بیگم۔!میں نے ایک بھرپور زندگی گذاری ہے۔پرکھوں کی اتنی بڑی جائیداد میں کمی نہیں آنے دی۔بلکہ اس

میں اضافہ ہی کیا ہے۔ پورے علاقے پر رعب اور دبدبہ ہے...... کسی کی مجال نہیں کہ میرا حکم ٹال دے۔'' اس نے گہرے لہجے میں کہا

''تو پھر پریشانی کس بات کی ہے؟'' وہ الجھتے ہوئے بولی

''میں پریشان نہیں ہوں۔ بلکہ سوچ رہا ہوں..... حالات ایسے بن گئے ہیں کہ اب تمہارے بیٹے پہ کچھ چوہدری پر ذمے داریاں ڈالوں۔ تاکہ وہ بڑا چوہدری بن کر اس علاقے پر حکومت کرے۔'' اس کے لہجے میں فخر جھلک رہا تھا

''ہاں چوہدری صاحب۔! اب ہم عمر کے اس حصے میں آ گئے ہیں جہاں اپنی ذمے داریاں اگلی نسل کو دینا ہوگیں۔ ہمارے اکلوتے بیٹے چوہدری کبیر کو تو رب نے پیدا ہی اسی لئے کیا ہے کہ وہ آرام سے بیٹھ کر حکومت کرے۔'' اس کے لہجے میں بھی غرور ٹپک پڑا تھا

''اُونہیں بھاگوانے۔! حکومت آرام سے بیٹھ کر نہیں کی جاتی۔ اس کے لئے تو چیتے کی پھرتی، باز کی آنکھ اور شیر کا دل چاہیے۔'' وہ اپنا تجربہ اور گہرا مشاہدہ بیان کرتے ہوئے بولا

''تو پھر میرے پتر میں کیا کمی ہے؟'' اس نے تیزی سے پوچھا تو وہ گہری سنجیدگی سے بولا

''کمی یہ ہے کہ وہ اب تک کھیل تماشے ہی میں وقت گزار رہا ہے۔ دنیا داری کیا ہوتی ہے۔ ابھی وہ نہیں جانتا۔ یہ ساری عقل سمجھ اسے لینا ہوگی۔ سیاست کیا ہے۔ اسے سمجھنا ہوگا، پھر وہ اس علاقے پر حکومت کرنے کے قابل ہوگا۔''

''پر میرا پتر اتنا بھی گیا گزرا نہیں ہے۔ جانتا ہے کہ دنیا داری کیا ہوتی ہے۔'' وہ مان سے بولی

''تو اس کی ماں ہے نا، اس لئے ایسا کہہ رہی ہے۔ ورنہ دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے۔ خیر۔! وہ ایک بڑا سیاست دان بن کر اس علاقے پر حکومت کر سکتا ہے۔ اگر اس میں جذباتی پن ختم ہو جائے تو...... میں نے یہی فیصلہ کیا ہے۔ اس بار الیکشن میں اسے ایم پی اے بنوا ہی دوں۔ دریا میں کود دے گا نا تو اسے تیرنا بھی آ جائے گا۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ یہ سنتے ہی بشریٰ بیگم کافی حد تک خوف زدہ لہجے میں بولی

''ویسے چوہدری صاحب۔! اس بار آپ اسے الیکشن نہ لڑوائیں...... ہم اس کی شادی کرتے ہیں دھوم دھام سے ...... ہمارے اکلوتے بیٹے کے لئے ایک سے ایک بڑھ کر رشتے ہیں...... ایک سے ایک بڑھ کر خاندان موجود ہے...... کسی بڑے گھر میں شادی ہو جانے کے بعد وہ خود بخود اپنی ذمے داریوں کو سمجھنے لگ جائے گا۔''

''بات تو تمہاری ٹھیک ہے۔ جب وہ کسی بڑے گھر کا داماد بنے گا تو اور زیادہ مضبوط ہوگا۔ اس کی رسائی اوپر تک جلدی ہو جائے گی۔ پر میں کہتا ہوں وہ کچھ نہ کچھ تو ذمے داری کا احساس دلائے۔ ہمیں پتہ چلے کہ وہ ذمہ داریاں سنبھالنے کے قابل ہو گیا ہے۔''

''وہ جو اس گھر میں ہماری بہو آئے گی نا، وہ خود ہی اس کو ذمے داری کا احساس دلا دے گی۔ رہے یہ کھیل تماشے...... یہ تو خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ آپ کیا تھے؟'' اس نے لبوں میں مسکراتے ہوئے کہا تو وہ ایک دم سے چونک گیا، پھر مسکراتے ہوئے بولا

''ہاں! ہم کیا تھے...... کیا زمانہ یاد دلا دیا تم نے...... خیر تم اپنے بیٹے کی پسند بھی پوچھ لینا...... اگر وہ کسی کو پسند کرتا ہو تو......''

''نہیں......ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ بیٹا ہے وہ میرا۔'' یہ کہہ وہ یوں خاموش ہوگئی جیسے اسے کچھ یاد آ گیا ہو، پھر بولی، ''اچھا آئیں، ناشتہ لگا دیا ہے رانی نے۔'' یہ کہتے ہوئے بشریٰ بیگم پلٹی ہے تو چوہدری جلال بھی اس کے ساتھ چل دیا۔ انہی لمحوں میں چوہدری کبیر حویلی میں داخل ہوا۔ اسے یہ خبر ہی نہ ہوئی کہ اس کے والدین اس کے بارے میں کیا فیصلہ کر چکے ہیں۔

دوپہر سے کچھ پہلے کا وقت تھا۔ چوہدری کبیر تیار ہو کر ڈیرے پر جانے کیے لئے باہر نکلا تھا۔ وہ ڈرائینگ روم میں آیا۔ جہاں چوہدری جلال اوران کا وکیل جمیل اختر باتیں کررہے تھے۔ وہ بھی اشارے سے سلام کر کے بیٹھ گیا۔ تبھی چوہدری جلال نے وکیل جمیل اختر سے پوچھا

''جی وکیل صاحب؟ کیا بنا پھر اس قتل کیس کا؟''

''ظاہر ہے جب اس امین آرائیں جیسے چشم دید گواہ کی گواہی نہیں ہوئی تو فیصلہ ہمارے حق میں ہونا تھا......نہ مدعی نہ گواہ، لیکن ابھی کیس ختم تو نہیں ہوا۔ اندھا قتل ہے۔ فائلوں میں دفن کرتے کچھ وقت لگے گا نا'' وکیل جمیل اختر نے سکون سے یوں کہا جیسے یہ کوئی اہم بات نہ ہو۔

''ہم نے ایسے ہی تو آپ کو وکیل نہیں رکھا، آپ میرے اچھے دوست بھی ہیں۔ خیر یہ مقدمے بازی کی باتیں تو ہوتی رہیں گی۔ سنائیں وکیل صاحب۔! نور پور کی سیاست کیا کہہ رہی ہے۔ الیکشن بھی سر پر ہیں نا'' چوہدری جلال نے لطف لیتے ہوئے پوچھا

''نور پور کی سیاست میں اب تھوڑی بہت ہلچل ہونے کا امکان لگتا ہے۔ سنا ہے، ملک نعیم اس بار الیکشن نہیں لڑے گا۔ جبکہ اس کے لوگ خاصے متحرک ہوگئے ہیں۔'' وکیل جمیل اختر نے گہری سنجیدگی سے کہا

''مجھے نہیں لگتا وکیل صاحب کہ وہ اب الیکشن لڑے گا......اس میں اب وہ دم خم نہیں رہا......اس بار ایم این اے کی سیٹ پر بلا مقابلہ کامیابی ہوگی...... ہاں چھوٹی سیٹ پر کوئی سامنے آ جائے تو کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ آپ کوئی سیٹ اپ بنائیں چھوٹی سیٹ کے لئے۔'' اس نے دبے لفظوں میں اپنا مدعا کہہ دیا۔

''یہ تو آپ پر منحصر ہے نا کہ آپ اب نور پور کو کتنا وقت دیتے ہیں۔ ظاہر ہے لوگوں کو کام کاج سے غرض ہوتی ہے۔ لوگوں کے کام آ کر ہی سیٹ اپ بنایا جا سکتا ہے نا۔'' وکیل جمیل اختر نے صلاح دی

''لوگوں کا کام کیا ہے۔ تھانہ، کچہری یا پھر کوئی دفتر۔! وہاں سب لوگ ہمارے ہی تو لگائے ہوئے ہیں......آپ ان سے کام لیں۔ اگر کوئی نہیں مانتا تو......اس کا تبادلہ کروا دیں گے۔ ویسے بھی میری آئی جی پولیس سے بات ہوئی ہے۔ انہوں نے پوری طرح تعاون کرنے کے لئے کہا ہے۔ آپ بس بے خوف ہو کر کام کریں۔'' اس نے اُکتائے ہوئے انداز میں کہا جیسے عوام کے بارے سن کر اسے اچھا نہ لگا ہو۔

''چوہدری صاحب۔! ہم تو پارٹی کے لئے سب کچھ کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن کوئی بندہ تو ہو سامنے......مطلب، چھوٹی سیٹ کے مقابلے میں کوئی فرد تو ہونا چاہیے نا......جس کے لیے سارا سیٹ اپ بنانا ہوگا۔'' وکیل نے سمجھانے والے انداز میں کہا

''تو یہ ہے نا اپنا کبیر......اب نور پور کو وقت دے گا......آپ پورے اعتماد سے کام کریں۔ خاص طور پر نظر وہاں رکھنی ہے جہاں

مخالفین کا مفاد ہو۔'' اس نے صاف انداز میں کبیر کا نام لے دیا۔

''میں سمجھ گیا چوہدری صاحب۔! آپ کیا چاہتے ہیں۔'' وکیل جمیل اختر نے اتنی بحث کے بعد وہ نام اگلوالیا۔

''بس۔ اگر نا یہ ہے کہ کوئی بھی مخالف ہمارا مقابلہ کرنے لیے سیاست میں آنے کا کبھی خواب بھی نہ دیکھے۔'' اس نے اندر کی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے کہا

''ایسا ہی ہوگا چوہدری صاحب..... خیر اب اجازت دیں'' وکیل جمیل اختر نے خوش کن انداز میں کہا

''اُونہیں..... نہیں، ابھی کہاں جائیں گے آپ۔ ابھی کھانا کھاتے ہیں پھر جایئے گا۔ ابھی باتیں کرتے ہیں۔'' چوہدری جلال نے کہا تو چوہدری کبیر کھڑا ہوتے ہوئے بولا

''میں چلتا ہوں۔ ڈیرے پر کچھ کام ہیں۔''

''ٹھیک ہے'' چوہدری جلال نے کہا تو وہ نکلتا چلا گیا۔

✿......✿......✿

فہد کے گھر جعفر کو آئے ہوئے کافی وقت ہو گیا تھا۔ وہ دونوں ڈرائینگ روم میں بیٹھے ادھر اُدھر کی بہت ساری باتیں کر کے خاموش ہو چکے تھے۔ ملازم دوسری بار چائے لے کر آیا تو جعفر چائے کا سپ لے کر خوشگوار لہجے میں کہا

''تمہارا یہ ملازم کھانا بہت اچھا بناتا ہے۔ یہ چائے..... یہ بھی بہت اچھی بنائی ہے اِس نے۔ وہ پہلے والا ملازم بھی خیر ٹھیک تھا۔ لیکن یہ زیادہ اچھا ہے۔''

فہد نے جعفر کی طرف سُتے ہوئے چہرے سے دیکھا اور پھر اُکتائے ہوئے انداز میں بولا

تم بہت بول چکے ہو یار، اب مطلب کی بات کرو جعفر..... تم مجھ سے کیا بات کرنے آئے ہو؟ صبح سے اب تک یونہی بولے چلے جا رہے ہو۔''

اس پر جعفر نے اسے گھور کر دیکھا اور ایک دم سنجیدہ ہو کر کہا

''تم ٹھیک سمجھے ہو۔ میں تم سے چند ضروری باتیں کرنے آیا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ چند لمحے اس کی طرف دیکھ کر خاموش رہا، پھر کہنے لگا'' پہلی بات یہ ہے فہد۔ ! کیا تم مائرہ سے محبت کرتے ہو؟ اگر اس سے محبت کرتے ہو تو اس کی محبت کا جواب محبت سے کیوں نہیں دیتے ہو؟''

''سچ پوچھو نا۔ مجھے خود نہیں معلوم۔ میں اس سے محبت کرتا بھی ہوں یا نہیں۔'' فہد نے صاف لفظوں میں اعتراف کر لیا، جس پر جعفر الجھتے ہوئے بولا

''یہ کیا کہہ رہے ہو۔ وہ تمہاری محبت کے سہارے نجانے سپنوں کے کتنے محل تعمیر کر چکی ہے..... تمہیں پانے کی خاطر وہ دنیا سے ٹکرا جانے کی ہمت رکھتی ہے اور تم..... تمہیں اس کا احساس تک نہیں؟''

''احساس۔! مجھے کیا احساس کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا...... میں یہ اچھی طرح جانتا ہوں۔۔لیکن......'' اس نے کہنا چاہا تو جعفر اس کی بات کاٹ کر بولا

''لیکن یہ ہے کہ تم اس کے ساتھ شادی نہیں کرنا چاہتے۔ اب تک کیا تم اس کے ساتھ محض وقت گذار رہے تھے۔ وہ صاف لفظوں میں اپنی محبت کا اظہار تم سے کر چکی ہے اور تم اسے مسلسل نظر انداز کر رہے ہو۔ آخر کیوں فہد؟''

''میں اس سے کوئی حتمی بات نہیں کر سکتا۔ شادی، وقت گذاری، محبت کا اظہار، ایسی فضول باتیں نہ کرو...... میرے سامنے ایک پل صراط ہے جعفر......اور مجھے وہ پار کرنا ہے۔ میں اس کی یا کسی کی محبت میں خود کو کمزور نہیں کرنا چاہتا۔ مجھے کچھ اور کرنا ہے۔'' اس نے پہلی بار اپنے دل کی بات سے جعفر کو آگاہ کیا، جسے وہ نہ سمجھتے ہوئے بولا

''محبت کمزور نہیں ہوتی فہد۔ تمہیں جو کرنا ہے۔ وہ کرو۔ لیکن تم ایک کومل سی لڑکی کے سچے جذبات کو یوں نظر انداز کر رہے ہو جیسے ان جذبوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔''

''میں مانتا ہوں جعفر، محبت انسان میں وہ قوت بھر دیتی ہے، جس سے وہ پوری دنیا کے ساتھ لڑ سکتا ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ حد درجہ کمزور بھی کر دیتی ہے۔ مقصد اور محبت میں کبھی نہیں بنی اور میں جو مقصد لئے جہاں پر کھڑا ہوں۔ وہاں سے میں پیچھے نہیں ہٹ سکتا، اور نہ ہی کوئی سمجھوتہ کر سکتا ہوں۔'' اس کی یوں کہنے پر وہ چونک گیا۔ اس لئے تشویش بھرے لہجے میں بولا

''اس وقت جو میرے سامنے فہد بیٹھا ہے یہ وہ تو نہیں ہے جیسے میں جانتا ہوں۔ تم بدل گئے ہو۔ محبت، دوستی، تعلق...... اب تمہارے لئے کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتے۔ جان گیا ہوں۔ شاید اب تمہیں ہم جیسے دوستوں کی ضرورت نہیں رہی۔''

''نہیں۔ تم بہت غلط سمجھے ہو جعفر۔! مجھے افسوس ہوا۔'' اس نے آزردہ لہجے میں شکوہ بھرے انداز میں کہا، پھر لمحہ بھر ٹھہر کے بولا ''تم ایک ذہین...... ایمان دار اور قابل پولیس آفیسر ہو...... تم عام آدمی سے زیادہ بہتر حالات کا تجزیہ کر سکتے ہو...... آؤ۔! میں تمہیں ایک کہانی سناؤں۔ بالکل سچی کہانی...... پھر میں تم سے ایک فیصلہ چاہوں گا......''

''سچی کہانی......اور فیصلہ یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟'' جعفر نے حیرت سے سرسراتی ہوئی آواز میں پوچھا تو فہد نے پرسکون لہجے میں کہا

''پہلے ایک کہانی سن لو۔! ایک چھوٹی سی کہانی...... پھر بات کرتے ہیں......'' فہد نے کہا پھر کسی نامعلوم نکتے پر نگاہیں جماتے ہوئے کہتا چلا گیا۔ ''ایک گاؤں میں غریب والدین کا ایک بیٹا تھا...... وہ کوئی اور نہیں، میں خود تھا...... میرے باپ کا نام فرزند حسین تھا، میری ماں مجھے بہت پیار کرتی تھی۔ میں ان کا اکلوتا بیٹا تھا۔ ایک غریب کسان کا بیٹا، مزدوری کے علاوہ کیا کر سکتا تھا، مگر میرے ماں باپ نے مجھے اسکول میں داخل کروا دیا۔ وہاں پر میرے استاد ماسٹر دین محمد ہوا کرتے تھے۔ میرا بہت خیال کرتے تھے۔ بہت اچھے دن گذر رہے تھے۔ اُس شام میں گھر پر تھا'' یہ کہتے ہوئے وہ خیالوں میں کھو گیا

فہد بیل گاڑی سے چارہ اُتار رہا تھا، ماں چولہے کے پاس بیٹھی ہوئی تھی اور باپ چارپائی پر بیٹھا ہے۔ اچانک فہد کی نگاہ گیٹ کی

طرف اٹھ گئی۔ پھاٹک میں ماسٹر دین محمد کھڑا مسکرا رہا تھا۔ فہد نے چارہ وہیں پھینکا اور بھاگ کر اپنے استاد کی طرف گیا۔ جھک کر سلام کیا اور حیرت سے بولا

''آیئے استاد جی۔! آپ اس وقت ہمارے گھر؟''

''ہاں پتر۔! بات ہی ایسی ہے.....آ، تیرے باپ کے سامنے تجھے بتاؤں۔'' ماسٹر دین محمد نے خوشی سے لرزتے ہوئے لہجے میں کہا اور اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اندر کی جانب بڑھا۔ وہ دونوں صحن کی جانب بڑھے۔ تبھی فہد کا باپ فرزند حسین آگے بڑھ کر ماسٹر دین محمد کو عاجزی سے ملا

''آیئے ماسٹر صاحب۔! ادھر بیٹھیں.....''

اس دوران اس کی ماں بھی اپنا دوپٹہ سنبھالتی اُٹھ کر وہیں ان کے پاس آ گئی۔

''اسلام علیکم بھائی جی.....اللہ خیر سکھ رکھے۔ آپ ہمارے گھر؟'' ماں نے خوشگوار حیرت سے پوچھا

''وعلیکم سلام بہن۔! میں بتاتا ہوں نا کہ میں کیوں آیا ہوں.....لے بھائی فرزند حسین۔! آج میں تمہیں ایک بہت بڑی خوشخبری سنانے آیا ہوں.....تیرے سامنے میں بھی سرخرو ہوا اور یہ فہد بھی۔'' ماسٹر دین محمد نے دبے دبے جوش سے کہا تو فرزند حسین نے یاد کرتے ہوئے کہا

''ہاں ماسٹر جی، میں نے فہد کو پانچویں جماعت کے بعد سکول سے اٹھا لیا تھا۔ میں غریب آدمی، اس کا خرچہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ آپ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ تب سے یہ آپ ہی کا بیٹا ہے جی..... یہ آپ کی مہربانی کہ اس کا خرچ آپ نے اپنے ذمے لے لیا۔ مجھ پر بوجھ نہیں بنا۔''

''بہت سارے غریب والدین اپنے بچوں کو سکول سے اٹھا لیتے ہیں اور انہیں کام پر لگا لیتے ہیں، خیر اب سنو۔! اس فہد نے ہمارے اعتماد کا ہمیں کیا پھل دیا۔۔۔ اپنے فہد نے پورے بورڈ میں پہلی پوزیشن حاصل کر کے پورے علاقے کا سر فخر سے بلند کر دیا۔'' ماسٹر دین محمد نے انتہائی خوشی سے بتاتے ہوئے کہا تو فرزند حسین کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ چند لمحے تو اس سے بولا ہی نہیں گیا، اس کے منہ سے صرف اتنا نکلا

''ہائیں.....!''

یہی حال اس کی ماں کا اور اس کا اپنا بھی تھا۔ ماں نے فرطِ محبت میں فہد کو گلے لگا لیا۔ جبکہ ماسٹر دین محمد فخر سے کہہ رہا تھا

''فرزند حسین کا بیٹا اور ماسٹر دین محمد کا شاگرد، یہ فہد، پورے علاقے کے تمام لڑکوں سے آگے بڑھ گیا ہے۔''

اس پر ماں نے اپنا آنچل پھیلا کر نہایت عاجزی سے کہا

''ہم آپ کو دعا دینے کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتے ہیں ماسٹر دین محمد بھائی۔ مبارک باد کے حقدار تو آپ ہیں۔ اسے آپ نے اپنے بیٹوں کی طرح رکھا.....اس کا صلہ تو ہم نہیں دے سکتے۔ میرا رب ہی آپ کو صلہ دے گا۔''

''اب سنو میں سیدھا سکول سے کیوں یہاں آیا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ ایک لمحے کے لئے رُکا اور پھر بولا ''کل فہد نے اور مجھے نور پور جانا ہے بورڈ کے دفتر۔ وہاں نتیجے کا باقاعدہ اعلان ہوگا اور پوزیشن لینے والے بچوں کو انعام ملیں گے...... اس لیے کل صبح جلدی تیار ہو جانا۔'' ماسٹر دین محمد نے آخری لفظ فہد کو دیکھتے ہوئے کہے تو وہ مستعدی سے بولا

''جی استاد جی۔! میں تیار رہوں گا۔''

''بس ٹھیک ہے۔ میں وہ سوہنے تانگے والے سے کہہ دوں گا۔ وہ ہمیں نور پور لے جائے گا۔ اچھا، میں اب چلتا ہوں...... بہت تھک گیا ہوں۔ سکول سے سیدھا ادھر آ گیا تھا۔'' ماسٹر دین محمد نے اٹھتے ہوئے کہا

''ماسٹر جی کچھ کھا پی لیں...... پھر...... چلے جایئے گا۔'' فرزند حسین نے کہا تو وہ بولا

''او یار کھا پی بھی لیں گے پھر کبھی، ابھی مجھے جانا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے وہ چل دیا۔ تبھی فہد نے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا

''نکے چوہدری کا کیا بنا استاد جی، وہ پاس تو ہو گیا ہے نا؟''

''اس کی قسمت بیٹر۔! اس نے نقل لگائی تھی نا۔ وہ فیل ہو گیا ہے۔ بس تم صبح تیار رہنا۔'' ماسٹر دین محمد نے دکھی لہجے میں کہا اور پھاٹک پار کر گیا۔ فہد پلٹ کر بیل گاڑی سے چارہ اتارنے لگا تو اس کے باپ نے قریب آ کر پیار سے اُسے دیکھتے ہوئے کہا

''بس بھئی، آج سے تمہارا یہ کام دھندہ ختم۔ اب تُو صاحب بندہ بن گیا ہے۔ میں کرلوں گا یہ سب کچھ، تُو جا۔''

وہ بہت خوش تھا، اتنا خوش کہ خوشی سنبھالے نہیں سنبھل رہی تھی۔ رات گئے تک وہ خوش کن خیالوں میں کھویا رہا۔ اس رات اس کے والدین نے اسے جی بھر کے پیار کیا تھا۔ وہ صبح ہی صبح تیار ہو کر اپنے گھر کے پھاٹک کے باہر آن کھڑا ہوا۔ اسے اپنے استاد کا انتظار تھا، جو سوہنے تانگے والے کو لے کر آنے والے تھے۔ اسے تھوڑا ہی انتظار کرنا پڑا۔ سوہنا اپنا تانگہ لے کر آتا ہوا دکھائی دیا۔ ماسٹر دین محمد اس میں سوار تھے۔ فہد اپنے گھر کے سامنے سے تانگے پر سوار ہوا۔ تانگہ گلیوں میں سے گذرتا ہوا گاؤں کی اس کچی سڑک پر آ گیا جو گاؤں سے باہر جاتی تھی۔ گاؤں کی صبح میں جو فطرتی آوازیں ہوتی ہیں اس دن وہ کچھ زیادہ ہی اچھی لگ رہی تھیں۔ تانگے کے چلنے کی آواز، پرندوں کے چہچہانے کی آواز، ہوا کی سرسراہٹ، مویشیوں کے گلے میں گھنٹیوں کی آواز سب بہت بھلا لگ رہا تھا۔

فہد اور ماسٹر دین محمد کے ساتھ سوہنا باتیں کرتا چلا جا رہا تھا۔ تانگہ اپنی مخصوص رفتار سے اس کچی سڑک پر چلتا چلا رہا تھا جو گاؤں سے باہر جاتی تھی۔ تبھی کچی سڑک کے درمیان کچھ فاصلے پر جیپ کھڑی دیکھ کر سوہنے تانگے والے نے کہا

''اللہ خیر کرے۔! یہ چوہدری جلال کی جیپ کیوں راستے میں کھڑی ہے صبح صبح......؟''

''ہو سکتا ہے خراب ہو گئی ہو۔ تم ذرا احتیاط سے تانگہ نکال لینا۔ کہیں ان پر دھول مٹی نہ پڑ جائے۔'' ماسٹر دین محمد نے کہا تو سوہنے تانگے والے بولا

''آپ فکر نہ کریں ماسٹر جی۔''

ذرا سی دیر میں جیپ ان کے نزدیک آ گئی۔ تبھی اس میں سے چند آدمی نکلے۔ ان میں سے ایک آدمی نے ہاتھ کا اشارہ کر کے انہیں للکارتے ہوئے اونچی آواز میں کہا

''اوئے سوہنے..... تانگہ روک۔''

سوہنے نے جلدی سے تانگہ روک لیا تو ماسٹر دین محمد نے پوچھا

''کیا بات ہے پہلوان۔ تم نے تانگہ کیوں رکوایا؟''

اس پر وہ پہلوان نے انتہائی بدتمیزی سے کہا

''تم اور تمہارا شاگرد..... نور پور نہیں جائیں گے..... یہ چوہدری صاحب کا حکم ہے۔''

تبھی جیپ میں بیٹھے ہوئے چوہدری جلال کے خشمگیں چہرے پر پڑی، جس سے غصہ چھلک رہا تھا۔ ماسٹر دین محمد نے کسی حد تک بات سمجھتے ہوئے پوچھا

''کیوں.....؟''

''یہ تم اپنے ہیڈ ماسٹر سے پوچھتے رہنا۔ اب واپس مڑ جاؤ۔'' اس نے پھر بدتمیزی سے کہا تو ماسٹر دین محمد نے سوچتے ہوئے تحمل سے کہا

''بات سن پہلوان۔ اپنے چوہدری صاحب سے کہو۔ اپنے بیٹے کے فیل ہو جانے کا غصہ اس بے چارے غریب پر نہ اُتارے..... نکا چوہدری محنت کرتا تو یقیناً پاس ہو جاتا..... لیکن اُس نے نقل لگائی اور پکڑا گیا..... جو کچھ کیا امتحانی عملے نے کیا۔ ہمارا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔ نہ اس بچے کا، نہ ہیڈ ماسٹر کا۔''

''بکواس نہیں کرو اوئے ماسٹر۔ تم نے صرف اس کمی کے بیٹے کو پوزیشن دلانے کے لئے یہ سب کیا۔ اگر نکا چوہدری پاس نہیں ہوا تو سمجھو علاقے کا کوئی لڑکا بھی پاس نہیں ہوا۔ خیریت اسی میں ہے کہ واپس چلا جا۔''

''میں کرتا ہوں چوہدری صاحب سے بات.....'' ماسٹر دین محمد نے پھر تحمل سے کہتے ہوئے تانگے سے اُتر کر قریب کھڑی جیپ میں چوہدری جلال کے پاس جا کر انکساری سے کہا

''چوہدری صاحب۔! اس بچے نے محنت کی ہے۔ اس لئے تو یہ پوزیشن لے گیا۔ نکے چوہدری۔۔۔'' ماسٹر دین محمد نے کہنا چاہا تو چوہدری جلال نے انتہائی حقارت سے پہلوان کی طرف دیکھ کر بولا

''اوئے پہلوان۔ اِس ماسٹر سے کہو، ہم کمی کمین لوگوں سے بات نہیں کرتے.....''

اس پر ماسٹر دین محمد نے چونک کر اسے دیکھا، اس کے لہجے میں تکبر تھا، پھر بھی وہ خود پر قابو پاتے ہوئے بولا

''ہم کمی کمین ہی سہی چوہدری صاحب، تم اگر تانگہ رکوا لو گے تو کیا ہم پیدل نہیں جا سکیں گے..... نور پور نہ بھی جا سکے تو کیا اس کی

پوزیشن چھن جائے گی۔ سیدھا کیوں نہیں کہتے تم غریب بچوں سے بھی جلتے ہو۔ ہوش کرو چوہدری ہوش۔"

"اوئے پہلوان۔!اس ماسٹر کی بک بک تو بند کرا۔ اب یہ پیدل بھی نور پور نہ جا سکیں۔ دو ٹکے کے لوگ ہم سے مقابلہ کرتے ہیں۔" چوہدری جلال نے حقارت سے کہا تو فہد تڑپ اٹھا۔ وہ کسی خوف اور ڈر کے بغیر بولا

"چوہدری صاحب۔ میرے استاد جی کی شان میں گستاخی نہ کرو۔ یہ اچھا نہیں ہے"

"بھونکتا ہے کتے کے پلے' چوہدری نے دھاڑتے ہوئے کہا تو پہلوان سمیت چوہدری کے لوگ ان دونوں پر پل پڑے ہیں۔ اسے تانگے سے کھینچ کر اتارا اور اسے مارنے لگے۔ استاد دین محمد ان کی مار برداشت نہ کرتے ہوئے زمین پر گر گیا۔ فہد اپنے استاد کو مار سے بچانے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ اسی کی طرف بڑھتا تو لوگ اسے کھینچ کر مارنے لگتے۔ ایسے میں استاد کی پگڑی پرے جا گری تو فہد کا دماغ گھوم گیا۔ اس کے ہاتھ میں بڑا سا پتھر آ گیا۔ اس نے قریب کھڑے آدمی کے سر پر مار دیا۔ اس آدمی کا سر پھٹ گیا۔ تبھی باقیوں نے اسے اٹھایا اور اُٹھا کر ایک درخت میں دے مارا۔ وہ ببول کے درخت سے ٹکرایا تو درد کی ایک شدید لہر اس کے بدن میں اٹھی، جسے وہ برداشت نہ کر پایا اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوتا چلا گیا۔

ماسٹر دین محمد اور فہد دونوں بے ہوش ہو گئے تھے۔ سوہنا تانگے والا ہونقوں کی مانند انہیں دیکھتا رہا۔ چوہدری نے انتہائی حقارت اور نفرت سے انہیں زمین پر پڑے ہوئے دیکھا اور وہاں سے اپنے آدمیوں کے ساتھ گاؤں کی طرف چلا گیا۔ تبھی سوہنے تانگے والے نے انہیں اپنے ہاتھوں سے بمشکل اٹھایا اور نور پور کے ہسپتال کی طرف تیزی بڑھتا چلا گیا۔

وہ دونوں ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے۔ چائے کے کپ میز پر دھرے ہوئے تھے۔ فہد نے ایک طویل سانس لی اور جعفر سے پوچھا

"اب بتاؤ جعفر۔!تمہارا فیصلہ کیا ہے اس لڑکے فہد کے بارے میں۔ جس نے پوزیشن لی تھی مگر اپنا انعام نہ لے سکا، بلکہ زخم کھائے اور پھر دوبارہ کبھی گاؤں نہیں جا سکا۔ میرے والدین کو چوہدریوں نے بہت ذلیل کیا۔ انہوں نے دھمکی دی تھی کہ اگر میں گاؤں میں دکھائی دیا تو وہ مجھے مار دیں گے۔ میرے والدین نے مجھے گاؤں واپس نہیں جانے دیا تھا۔ میں نور پور میں اکیلا اور میرے ماں باپ گاؤں میں تھے۔ وہ بیچارے پہلے ہی میرے لیے تڑپ رہے تھے اوپر سے ان پر چوری کا الزام لگا دیا گیا۔"

"پھر کیا ہوا؟" جعفر نے تڑپ کر پوچھا تو وہ بولا

"ہونا کیا تھا، انہی بے غیرت چوہدریوں کی اپنی بنائی ہوئی پنچائت نے میرے باپ پر الزام ثابت کر دیا۔ چند ایکڑ زمین، جو ہماری روزی روٹی کا واحد ذریعہ تھی، انہوں نے چھین لی اور میرے والدین کو گاؤں سے نکال دیا۔ وہ نور پور آ گئے اور پھر یہیں فوت ہو گئے۔ میرے والدین کو یہی دکھ مار گیا کہ ان پر چوری کا الزام لگا۔ اور پھر قدرت مجھے پاپا کے پاس لے آئی۔"

"یعنی محمود سلیم صاحب کے پاس...... کیسے...... ان کے پاس کیسے؟" جعفر نے تجسس سے پوچھا

"میں اس دنیا میں اکیلا ہو گیا تھا۔ اپنی محنت مزدوری بھی کرتا رہا اور پڑھتا بھی رہا۔ میں نے دسویں جماعت میں پوزیشن لی

تھی...... ماسٹر دین محمد صاحب کے ایک دوست کی وجہ سے میں پڑھنے لگا تھا۔ میرے کالج کے پرنسپل نے مجھے پاپا سے ملوایا۔ انہوں نے مجھے بیٹا بنا لیا۔ کیونکہ ان کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ انہوں نے پرورش کے ساتھ زندگی گذارنے کے لئے میری راہنمائی کی۔ جیسے وہ تمہاری راہنمائی بھی کرتے ہیں۔"

"یوں تم، کالج میں آ گئے اور تب سے ہمارا ساتھ ہوا۔ سوری فہد۔! میں نے غلط سوچا لیکن، اب تم کیا کرنا چاہتے ہو۔" جعفر نے تیزی سے کہتے ہوئے پوچھا

"مجھے تو قرض چکانا ہے۔ اپنی ذات کا قرض۔" اس نے یوں پرسکون انداز میں کہا جیسے طوفان آنے سے پہلے خاموشی چھا جاتی ہے۔ اس پر جعفر چونک گیا، پھر دھیرے سے پوچھا

"کیسے...... کیسے کرو گے؟"

"یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ میں نے زندگی میں اسی لئے اتنی جدوجہد کی ہے۔ میں اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے اپنی محبت تو کیا اپنی زندگی بھی قربان کر سکتا ہوں۔" اس نے پریقین لہجے میں کہا

"تو کیا تم نے پولیس جوائن کرنے بعد نوکری اس لیے چھوڑ دی؟ اگر پولیس میں ہوتے تو تم زیادہ اچھی طرح ان سے بدلہ لے سکتے تھے؟" جعفر نے صلاح دیتے ہوئے کہا تو وہ مایوسی سے بولا

"تم بھی یہ کہہ رہے ہو جعفر؟ یہ میرے پیشے سے بددیانتی ہوتی اور میں ایسا کر ہی نہیں سکتا۔ سرکاری ملازم جتنا بھی اختیار رکھتا ہو...... وہ بہر حال اپنے اختیارات میں محدود ہوتا ہے۔ اور میں آزاد رہنا چاہتا ہوں...... مجھے اپنا زور بازو آزمانا ہے کہ یہ میری ذات پر قرض ہے۔"

جعفر نے یوں دھیرے سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا، جیسے وہ کچھ کہنا چاہتا ہو لیکن کہہ نہیں پا رہا ہو۔ تب اچانک دونوں گلے لگ گئے۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ ان کے دکھ کا مداوا کیا ہے۔

❁......❁......❁

بے حال امین آرائیں اپنے ڈیرے پر انتہائی خستہ حالت میں پڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے سلامے کے قتل کا منظر گھوم رہا تھا۔ اس کے دماغ میں غصہ بگولوں کی مانند اسے پاگل کئے دے رہا تھا۔ اسے وہ حقارت آمیز سلوک یاد آ رہا تھا جو آج ہی چوہدریوں کے پالتو غنڈوں نے اس کے ساتھ کیا تھا۔ انہوں نے اس پر شدید تشدد کیا تھا۔ دوپہر کے بعد وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں ان کے ڈیرے کے اُس کمرے کے فرش پر پڑا تھا، جہاں چوہدریوں نے اسے قید رکھا ہوا تھا۔ وہ زخمی تھا۔ ایسے میں دروازہ کھلا اور اس میں ماکھا نمودار ہوا۔ امین ارائیں نے اس کی جانب غضب ناک انداز میں دیکھا تو وہ حقارت سے بولا

"چل اوئے اُٹھ...... بھاگ یہاں سے......"

''تم اور تمہارے چوہدری نے جتنا تشدد مجھ پر کیا ہے۔ یہ تم لوگوں کو بہت مہنگا پڑے گا۔ میں.....'' امین ارائیں نے کہنا چاہا تو ماکھا ہتک آمیز انداز میں بولا

اوئے چل اوئے اٹھ..... بھاگ جا یہاں سے..... تیری قسمت اچھی ہے کہ ہم تجھے چھوڑ رہے ہیں.....اب تیری کوئی ضرورت نہیں رہی.....تو جا.....''

''قانون اتنا بھی اندھا نہیں ہے..... جتنا تم لوگوں نے سمجھ رکھا ہے۔ آج بھلے ثبوت نہ ہو..... مگر کل تم سب کو عدالت میں آنا پڑے گا۔'' امین ارائیں نے اسے دھمکی دیتے ہوئے کہا

''اوئے زیادہ بک بک کر کے دماغ خراب نہ کر..... ورنہ یہیں دفن کر دوں گا..... تیری زندگی بخش رہے ہیں.....تو شکر منا.....ورنہ جس کیلئے تو گواہی دیتا پھرتا ہے نا اس کی طرح منوں مٹی تلے چلا جائے گا۔ سیانا بن سیانا.....اور دوبارہ چوہدریوں کے خلاف سوچنا بھی مت۔ چل اٹھ.....چل باہر نکل.....'' ماکھے نے کہا تو امین ارائیں بولا

''بہت پچھتاؤ گے تم لوگ.....''

ماکھے نے یہ سنا تو غضب ناک ہو کر ایک تھپڑ اس کے منہ پر جڑ دیا۔ امین ارائیں نے ایک طرف گر گیا۔ پھر دوبارہ سر اٹھایا تو اس کے لبوں سے خون بہہ رہا تھا۔

''اپنے آپ پر ترس کھا اوئے..... یہ جو تیری حالت میں نے بنائی ہے نا..... یہ کچھ بھی نہیں ہے..... تیری ساری ہڈیاں سلامت ہیں اب تک.....تو شکر کر شکر.....اور آرام سے اپنے گھر جا کر گم ہو جا.....ورنہ تُو تو نہیں..... تیرے گھر والے بے چارے پچھتائیں گے۔'' ماکھے نے دانت پیستے ہوئے کہا تو امین ارائیں نے نفرت سے کہا

''تُو چوہدریوں کی طاقت کے بل بوتے پر بھونک رہا ہے ماکھے..... ورنہ تیرے جیسے بدمعاش اس علاقے میں دیکھنے کو بھی نہ ملیں۔ تُو اور تیرا چوہدری ہڈیاں توڑ سکتا ہے۔ گولی مار کر ختم بھی کر سکتا ہے.....لیکن میرا ارادہ نہیں بدل سکتے تم لوگ..... مارنا ہے تو ابھی مار دو.....ورنہ سمجھ لو کہ میں تمہاری موت ہوں''

یہ سن کے ماکھا غصے میں پاگل ہو گیا۔ یہ ایک طرح سے انہیں کھلی دھمکی تھی۔ انہوں نے جتنا بھی تشدد کیا تھا، وہ بے کار گیا تھا۔ وہ اس کا نہ ارادہ بدل سکے تھے اور نہ ہی اسے خوف زدہ کر پائے تھے۔ اس لئے وہ بھناتے ہوئے بولا

''دل تو کرتا ہے کہ ابھی ایک گولی تیرے بھیجے میں اتار دوں جس میں تیرا یہ ارادہ بیٹھا ہوا ہے.....چل پھر..... تجھے گولی مار ہی دیتے ہیں.....نہ تو رہے گا نہ تیرا ارادہ.....'' یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا ریوالور نکالا اور اس کی نال امین ارائیں کی کنپٹی پر رکھ دی جو قطعاً خوف زدہ نہیں ہوا۔ تبھی ٹریگر پر انگلی رکھ کر ہنستے ہوئے بولا..... ''چل جا..... جا کر جو کچھ تو نے کرنا ہے کر.....اپنے دل کی حسرت پوری کر لے.....گولی تو میں تجھے کبھی بھی مار سکتا ہوں۔''

ماکھے نے پھر اسے کوئی بات نہیں کرنے دی۔ اسے بازو سے پکڑ کر تقریباً گھسیٹتے ہوئے باہر کی جانب لے گیا اور دھتکارتے ہوئے باہر سڑک پر پھینک دیا۔

امین ارائیں کو یہ یاد آیا تو اس نے اذیت کو برداشت نہ کرتے ہوئے زور سے آنکھیں بند کر لیں۔ اسے اپنے بدن پر لگے زخموں کی اتنی اذیت نہیں ہو رہی تھی، جتنا کسی کتے کی طرح ذلیل کرنے پر اس کا دماغ تپ رہا تھا۔ اسے اپنے وجود سے کراہت محسوس ہو رہی تھی۔ اچانک وہ اٹھا اور جوتے پہن کر چل دیا۔ اس نے ایک دم سے ہی فیصلہ کر لیا تھا۔

امین آرائیں سیدھا قسمت نگر کی چوکی پر چلا گیا اور چوکی انچارج انسپکٹر کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔ اسے گاؤں ہی کے دو لوگوں نے تھاما ہوا تھا۔ اس کے زخم ابھی تک تازہ تھے۔ انسپکٹر اس کا بیان سن چکا تھا۔ اس لئے حیرت سے پوچھا

''اوئے تُو پاگل ہو گیا ہے جو چوہدری کبیر اور چوہدری جلال کے خلاف پرچہ کٹوانے آ گیا ہے۔ اُو جا، کوئی عقل کا علاج کروا، یہ نہیں ہو سکتا۔''

''انہوں نے مجھ پر تشدد کیا ہے۔ دیکھیں، انہوں نے میرا یہ حال کر دیا ہے۔ تین دن تک انہوں نے مجھے اپنے ڈیرے پر رکھ کر تشدد کیا اور تم ان کے خلاف پرچہ نہیں کاٹ رہے ہو۔'' امین آرائیں نے انتہائی غصے اور بے چارگی سے کہا تو انسپکٹر سر ہلاتے ہوئے لاپرواہی سے بولا

''ہوگا، انہوں نے تم پر تشدد کیا ہوگا...... تم نے کچھ کیا ہوگا تبھی تیرا یہ حال ہوا ہے نا۔''

''انہوں نے میری آنکھوں کے سامنے قتل کیا سلامے کا، میں نے گواہی دینا چاہی تو انہوں نے مجھے عدالت جانے سے روکا...... تا کہ میں گواہی نہ دے سکوں۔ یہ تمہیں بھی معلوم ہے کہ انہوں نے قتل کیا ہے۔ جس کا میں چشم دید گواہ ہوں۔'' امین آرائیں نے اسے یاد دلاتے ہوئے کہا تو وہ جھنجھلا کر بولا

''اور تجھے بھی پتہ ہے کہ میں نے وہی کچھ کرنا ہے...... جو چوہدری نے کہنا ہے...... ہم تو ان کے غلام ہیں، وہ جو کہیں گے، وہی ہوگا۔ میرا مشورہ مان...... تُو چپ کر کے اپنے گھر چلا جا...... یہ جو زندگی کے چار سانس لئے پھرتا ہے نا...... یہ بھی ختم ہو جائیں گے...... اور یہ جو تم نے چشم دید والی رٹ لگا رکھی ہے نا...... اسے بھی بند کر ورنہ یہی تیری جان لے لے گی۔ جا چلا جا......''

''تو پھر یہ تھانے کس لئے ہیں؟...... بند کروا انہیں اور تم بھی جاؤ اپنے گھر...... جب کسی بندے کی آواز ہی نہیں سنی جاتی تو کیا فائدہ......'' امین آرائیں نے طنزیہ لہجے کہا تو انسپکٹر بھڑک اٹھا

''بک بک بند کر اوئے...... میں تیری آواز سن بھی لوں تو کیا ہوگا؟...... کچھ بھی نہیں ہوگا۔ تیری کٹی کٹائی ایف آئی آر ردی کی ٹوکری میں چلی جائے گی...... خوامخواہ کاغذ کالے کرنے کا فائدہ...... تُو جا...... اور جا کر اپنا آپ سنبھال۔''

''انسپکٹر۔! میری ایف آئی آر لکھ لے۔'' امین آرائیں نے ضد کرتے ہوئے کہا

''کیا لکھوں۔! کیا ثبوت ہے تیرے پاس...... تیری گواہی کون دے گا...... کہاں ہیں تیرے زخم...... مجھے تو کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا۔'' انسپکٹر ہنستے ہوئے بولا

''میں جب تھانے کے سامنے خود کو آگ لگا لوں گا تو...... زخم نظر آ جائیں گے۔'' وہ دھاڑتے ہوئے بولا تو انسپکٹر نے سرد مہری سے کہا

''تم جو مرضی کرو...... خود کو آگ لگاؤ یا کنویں میں گر جاؤ...... تمہارا ایسا کرنا بھی فضول ہے...... میں تمہیں بتاتا ہوں...... تم عدالت جاؤ...... وہاں سے پرچے کا حکم لے آؤ...... جاؤ شاباش...... میرا دماغ نہ کھاؤ''

''میں نے پرچہ کٹوانا ہے انسپکٹر...... میں تھانے کے باہر خود کو آگ لگا لوں گا۔۔۔ پھر کچھ نا کچھ تو ہو گا۔'' امین آرائیں نے حتمی لہجے میں کہا تو انسپکٹر نے چونک کر اسے دیکھا پھر بولا

''اچھا تو یہ بات ہے،'' یہ کہہ کر اس نے باہر کی طرف ہانک لگا کر کہا ''اوئے بشیرے،...... اوئے ڈال اوئے اس کو اندر...... اقدام خودکشی کے کیس میں...... ذرا اسے پتہ چلے...... مرنا کسے کہتے ہیں...... ڈال اسے حوالات میں...... اور پانی تک نہیں دینا اسے...... مرتا ہے تو مر جائے......''

اس کی آواز کی بازگشت میں ایک سپاہی نے آ کر انسپکٹر کے حکم پر امین آرائیں کو جکڑ کر حوالات کی طرف لے جانے لگا۔ اس کے ساتھ آئے دونوں بندے ہونقوں کی طرح یہ ساری کاروائی دیکھتے رہے۔ تبھی انسپکٹر نے انہیں گھور کر دیکھا اور وہاں سے چلے جانے کے لئے ہاتھ کا اشارہ کیا تو وہ چپ چاپ تھانے سے باہر نکل گئے۔ انسپکٹر چند لمحے اپنی کرسی پر بیٹھا رہا اور پھر اٹھ کر تیزی سے باہر چلا گیا۔ تھانے میں امین آرائیں کی چیخیں گونجنے لگی تھیں۔

سلمٰی صبح سے مسلسل رو رہی تھی۔ ماسٹر دین محمد دالان میں بیٹھا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اسے چپ کرا دے۔ وہ اسے کہہ کہہ کر تھک چکا تھا۔ اب بھی وہ سسک رہی تھی۔ تبھی ماسٹر دین محمد نے انتہائی دکھی لہجے میں کہا

''چپ کر جا پتر، تو جتنا روئے گی، میرے اندر اتنے ہی زخم بنتے چلے جائیں گے۔ میں نے اسی لئے تمہیں روکا تھا مگر تم......''

''ہمارا قصور کیا ہے؟ یہ لوگ ہمیں جینے کیوں نہیں دے رہے ہیں۔'' سلمٰی جیسے پھٹ پڑی تھی۔ اس کے لہجے میں گویا آگ تھی۔ تبھی ماسٹر دین محمد نے بے چارگی سے کہا

''ہمارا قصور یہ ہے پتر کہ ہم غریب اور کمزور ہیں۔ وہ لوگ طاقت رکھتے ہیں۔ جو چاہیں کریں...... انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔''

''کیا ہم ایک آزاد ملک کے آزاد شہری ہیں؟...... کیا یہ جھوٹ نہیں ہے؟ مجھے تو بالکل جھوٹ لگتا ہے کہ ہم آزاد ملک کے آزاد شہری ہیں...... غلط لکھا ہے کتابوں میں، کہاں جائیں ہم، کس سے فریاد کریں، کس سے انصاف مانگیں؟'' سلمٰی نے تڑپتے ہوئے کہا

''نہیں پتر۔! اس ملک کو بنانے کے لئے بڑی قربانیاں دی گئیں ہیں۔ اب یہ طاقت والے لوگ...... عوام کو اپنی طاقت کے زور پر...... اپنا دست نگر بنائے ہوئے ہیں۔'' ماسٹر دین محمد نے بے بسی سے کہا

''کیوں...... ابا جی کیوں...... کیا یہ طاقت والے سیاست دانوں کا زر خرید ملک ہے۔ ہم ان کے غلام ہیں...... ان جاگیرداروں، وڈیروں کے دست نگر کیوں ہیں؟ ایسی کیا مجبوری ہے اس عوام کو...... کہ یہی ان کی جگہ قربانیاں دیں...... اور یہ لوگ مزے سے حکومت کریں...... عوام پر اسی طرح ظلم کرتے رہیں؟ قربانی تو غریب ہی دیتا ہے۔ سنتالیس سے پہلے، سنتالیس میں اور اب سنتالیس کے بعد بھی۔'' سلمٰی نے بھی وہی سوال کر دیا جو اس ملک کا ہر بے بس شہری اپنے ذہن میں رکھتا ہے۔ اس پر ماسٹر دین محمد نے پریقین لہجے میں اسے سمجھاتے ہوئے بولا

''ایک دن آئے گا پتر، اس عوام کو شعور آئے گا۔ ان طاقت والوں سے وہ اپنا حق چھین لیں گے۔ آج ہمیں ظلم کا سامنا ہے تو کل یہی عوام حکومت کرے گی۔ طاقت عوام کے پاس ہوگی۔ کسی بڑے مقصد کے لیے قربانی تو دینا پڑتی ہے۔''

کب تک؟ ابا جی کب تک؟ اور یہ قربانیاں جس غریب عوام نے دی ہیں۔ آج وہ میری طرح مجبور اور بے بس ہیں۔ نجانے کتنی لڑکیاں مجبوری کی چکی میں پس رہی ہیں۔ ایک لڑکی ہونا ہی ان کے لئے کتنا بڑا جرم بن چکا ہے۔ جو اپنوں کے لئے کچھ کرنا چاہتی ہیں۔ مگر کچھ نہیں کر پا رہی ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے وہ ایک دم سے سسک پڑی۔

''میں تمہارا دکھ سمجھتا ہوں پتر۔ بس میں کمزور ہوں۔ بوڑھا ہوں نا۔ ان سے لڑ نہیں سکتا ہاں۔ ! اتنا کر سکتا ہوں...... اب انتظار چھوڑ کر...... یہاں قسمت نگر ہی سے چلے جاتے ہیں۔'' ماسٹر دین محمد نے حتمی لہجے میں کہا

''ظلم سہیں تو ہم...... ہجرت کریں تو ہم...... کیا اس ظالم معاشرے کا انصاف یہی ہے۔ کیا غریب کی آواز کوئی نہیں سنتا؟'' سلمٰی نے بے بسی اور غصے میں پوچھا

''اوپر والا تو سنتا ہے نا...... تو غم نہ کر...... ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔'' ماسٹر دین محمد نے پریقین انداز سے کہا، پھر اٹھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ سلمٰی نے بے چارگی سے اپنے باپ کی طرف دیکھا اور روتے ہوئے اندر چلی گئی۔ ماسٹر دین محمد نے آسمان کی طرف نگاہ کی اور اپنی آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو پونچھ لیا۔

اسی دوپہر جب ماسٹر دین محمد نماز پڑھ کر مسجد سے آیا تو آتے ہی دالان والی چارپائی پر بیٹھ گیا۔ سلمٰی کو اپنے ابا کی آمد کا احساس ہو گیا تھا۔ کچھ دیر وہ اپنے ابا کے لئے چائے لے کر آئی۔ ماسٹر دین محمد دالان میں بیٹھا ہوا خط لکھ رہا تھا۔ اس کے قریب ہی ڈاک کا لفافہ پڑا تھا۔ اسے سلمٰی کی آمد کا احساس ہی نہیں ہوا۔ وہ اپنے باپ کو خط لکھنے میں محو دیکھتی رہی۔ پھر قریب آ کر دھیرے سے بولی

''یہ لیں ابا جی۔ چائے پی لیں۔''

ماسٹر دین محمد نے سنا اور پھر اپنی بیٹی کی طرف دیکھ کر سکون کا سانس لیتے ہوئے کہا

''لا پتر۔۔!ارکھ دے یہاں، میں ذرا یہ خط لکھ لوں، پھر پیتا ہوں۔''
سلمٰی نے قریب پڑی تپائی پر چائے کی پیالی رکھتے ہوئے پوچھا
''ابا جی۔! بہت عرصے بعد میں نے آپ کو خط لکھتے ہوئے دیکھا ہے۔شاید چند برس پہلے۔ ہمارا تو کوئی ہے نہیں۔آپ یہ خط کسے لکھ رہے ہیں؟''
''ہمارا کوئی نہیں ہے، تمہاری یہ بات درست ہے بیٹی۔اسی لئے میں ایک کوشش کر کے دیکھنا چاہتا ہوں، شاید ہمیں کوئی ٹھکانہ میسر آجائے۔اس گھر سے باہر جو فضا ہے نا وہ ہمیں راس نہیں۔زہر بھرا ہوا ہے اس میں۔'' ماسٹر دین محمد نے انتہائی دُکھ سے کہا تو سلمٰی بولی
''میں جانتی ہوں ابا جی۔! پر اس حبس زدہ فضا میں کب تک ہمارا دم گھٹتا رہے گا۔ نہ سانس روک سکتے ہیں اور نہ ہی سانس لے سکتے ہیں۔''
''دیکھ پتر۔ہم نے یہاں سے جانے کا فیصلہ تو کر ہی لیا ہے۔اب جانا تو ہے۔لیکن ہم جائیں گے کہاں؟ بس اسی لیے یہ کوشش کر رہا ہوں۔'' ماسٹر دین محمد نے سمجھاتے ہوئے کہا
''تب سے میں بھی یہی سوچ رہی ہوں ابا جی۔! کوئی ٹھکانہ، کوئی منزل تو ہو گی نا؟ یہ تو ہم نے سوچا ہی نہیں ہے۔'' وہ اداس ہوتے ہوئے بولی تو ماسٹر دین محمد نے حوصلہ افزا لہجے میں بتایا
''وہی تو، میں نے یہ سوچا ہے پتر کہ جس پتے پر سے ہمیں جو منی آرڈر آتا ہے نا۔وہیں پر میں یہ خط لکھ دوں۔ میں نے اس میں اپنی ساری مجبوریاں لکھ دی ہیں۔''
''ابا جی۔ پہلے بھی تو آپ نے اس پتے پر کئی خط لکھے ہیں۔کسی کا جواب نہیں آیا۔اس کا جواب کہاں سے آئے گا۔'' وہ مایوسانہ انداز میں بولی
''مجھے نجانے کیوں یقین ہے، اس بار اس خط کا جواب ضرور آئے گا۔اور ہم یہاں سے بہت دور، لاہور چلے جائیں گے۔ جہاں ان چوہدریوں کا سایہ بھی ہم پر نہ پڑے۔'' ماسٹر دین محمد نے سوچتے ہوئے کہا
''آپ کا جو پنشن کیس ہے۔اس کا کیا بنے گا؟ اور یہ گھر، یہ کس کے حوالے کر کے جائیں گے۔اتنا سامان کہاں جا کر رکھیں گے۔'' سلمٰی نے تشویش سے پوچھا تو ماسٹر دین محمد نے حتمی لہجے میں کہا
''میرا پتر۔!اس خط کا میں چند دن انتظار کروں گا۔نہ آیا تو میں خود کوشش کروں گا۔کسی نہ کسی شہر میں، کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہو گا نا۔باقی رہا پنشن کیس یا یہ گھر، یہ سب چھوڑنا ہو گا۔ ماضی کی ہر شے بھلانا ہو گی۔اب یہاں نہیں رہنا۔''
''ٹھیک ہے ابا جی۔ اگر گھر بھی چھوڑنا پڑا تو چھوڑ دیں گے۔میں کوئی نوکری کر لوں گی۔ بچوں کو ٹیوشن پڑھا لوں گی۔ کچھ کر لوں گی۔رزق تو اللہ پاک نے ہی دینا ہے۔بس ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔'' سلمٰی نے مضبوط لہجے میں کہا

''شاباش میرے پتر۔ ہم دونوں باپ بیٹی، کچھ نہ کچھ کر لیں گے۔'' ماسٹر دین محمد نے کافی حد تک خوش ہوتے ہوئے یہ کہتے ہوئے پاس پڑا لفافہ اٹھا کر اس میں خط ڈال دیا اور پھر اسے بند کر دیا۔ تبھی سلمیٰ نے پوچھا

''آپ اسے ابھی پوسٹ کر دیں گے؟''

''میں خود جاتا ہوں اسے پوسٹ کرنے۔ رحمت ڈاکیے کا تو پتہ نہیں۔ اپنے گھر میں رکھ کر بھول جائے۔ تو اپنا خیال رکھنا ۔میں سہ پہر سے پہلے شہر جانے والی ڈاک میں دے کر ہی واپس آ جاؤں گا۔''

''ٹھیک ہے ابا جی۔ پر جلدی آ جایئے گا۔'' اس نے کہا اور باورچی خانے کی طرف چل دی۔ ماسٹر دین محمد چائے پیتے ہوئے سلمیٰ کے بارے سوچنے لگا۔ اس کی بیٹی ہی جب یہاں نہیں رہنا چاہتی تو پھر اسے یہاں سے چلے جانا چاہئے۔ اس کے جیتے جی یہاں عزت محفوظ نہیں، کل وہ آنکھیں بند کر گیا تو اسکی بیٹی...... وہ اس سے زیادہ نہ سوچ سکا۔ اس نے جلدی سے پیالی خالی کی اور اُٹھ کر چل دیا۔
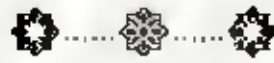
نور پور تھانے کی حوالات میں امین ارائیں پرانی سی ٹوٹی ہوئی چٹائی پر، دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا سوچتا چلا جا رہا تھا۔ اسے خود پر تشدد ہونے کا اتنا دکھ نہیں تھا، جتنا اپنی ہتک اور ذلیل ہو جانے کی چبھن مار رہی تھی۔ ساری رات یونہی گزر گئی تھی۔ اس کے ذہن میں باتیں گونج رہی تھیں۔ اسے رہ رہ کر ماکھے جیسے غنڈے کے طنز بھرے لفظ یاد آ رہے تھے۔

''اوئے زیادہ بک بک نہ کر، ورنہ یہیں دفن کر دوں گا۔ تیری زندگی بخش رہے ہیں تو شکر منا، ورنہ جس کیلئے تو گواہی دیتا پھرتا ہے نا اس کی طرح منوں مٹی تلے چلا جائے گا۔ سیانا بن سیانا اور دوبارہ چوہدریوں کے خلاف سوچنا بھی مت چل اٹھ، چل باہر نکل۔'' یہ لفظ اور یہ ہتک آمیز لہجہ اس کے دماغ میں خنجر کی مانند پیوست ہو گیا تھا اور جیسے اس زخم سے خون بہہ رہا ہو۔ اس پر انسپکٹر کے لفظ نمک بن کر اس اذیت کو مزید بڑھا رہے تھے۔

''بک بک بند کر اُوئے، میں تیری آواز سن بھی لوں تو کیا ہوگا؟ کچھ بھی نہیں ہوگا۔ تیری کٹی کٹائی ایف آئی آر ردی کی ٹوکری میں چلی جائے گی..... خوامخواہ کاغذ کالے کرنے کا فائدہ۔ تُو جا اور جا کر اپنا آپ سنبھال۔''

امین ارائیں نے بے قابو ہو کر اپنے سر کو پکڑا، تاکہ اس کی وحشت کم ہو سکے۔ تبھی حوالات سے باہر ہونے والی آہٹ پر اس نے چونک کر دیکھا تو اپنے بڑے بھائی سراج کو سلاخوں کے پار کھڑے ہوئے پایا۔ وہ دکھ بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ امین آرئیں اٹھا اور اس کے قریب چلا گیا۔ تب سراج نے بھرائی ہو آواز میں کہا

''یہ کیا حالت بنائی ہے تم نے۔ چار دن ہو گئے، میں تمہیں تلاش کر رہا ہوں۔ آج پتہ چلا ہے کہ تم حوالات میں ہو۔ ایسا کیو ں کیا تم نے، پورا گاؤں خاموش ہے تو پھر تمہیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ اپنی جان پر عذاب بنا لو۔''

''بھائی۔! تمہیں پتہ ہے سلاما میرا دوست تھا، جسے انہوں نے مارا۔ وہ بھی میرے سامنے، شرم آتی ہے مجھے۔ میرا ضمیر مجھے

ملامت کرتا ہے۔'' اس نے غصے میں کہا تو سراج اسے سمجھاتے ہوئے بولا

''تو میرا بھائی ہے، تیرے جسم پر لگنے والا زخم، میرے دل پر لگا ہے۔ میں تیرے جذبات سمجھتا ہوں، چوہدریوں نے تمہارے ساتھ ظلم کیا ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ تم یوں خودکشی کرنے لگ جاؤ۔ کیا ضرورت تھی یہاں آنے کی۔''

''بھائی۔!۔ چوہدری جتنا مرضی ظلم کر لیں۔ انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ کیا ہم ان کے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکتے۔'' وہ اپنے بھائی کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے بولا تو سراج نے کہا

''کیوں نہیں کر سکتے۔ میں آ گیا ہوں نا۔ اب دیکھ لیں گے۔ تم حوصلہ کرو۔ آج وقت ان کا ساتھ دے رہا۔ ایسا ہمیشہ تو نہیں رہے گا۔''

''یہ جھوٹی تسلیاں ہیں، میں نے تھانہ کچہری...... سب کچھ کر کے دیکھ لیا ہے۔ وہ اپنی جڑیں بہت مضبوط کر چکے ہیں۔ وہ قتل بھی کر دیں۔ تو ان کا کچھ نہیں بگڑتا۔ اور میں حق سچ کی گواہی بھی نہیں دے سکا۔ مان لیں کہ ہم بے بس ہیں۔'' اس بار اس کے لہجے میں غصے کے ساتھ احتجاج بھی تھا تو اس نے تسلی دیتے ہوئے کہا

''نہیں۔ ہم انہیں کبھی معاف نہیں کریں گے۔ میں اگر یہاں ہوتا تو شاید ایسا نہ ہوتا۔ میں اسی لیے شہر سے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر یہاں آ گیا ہوں۔''

''تو نے شہر چھوڑ کر اچھا نہیں کیا۔ یہاں تو بے بسی کے ساتھ جینا ہے یا پھر ان کے ساتھ سیدھے سیدھے دشمنی کرنا ہوگی۔ میرے دل میں تو ان کے خلاف نفرت ہی بہت ہے۔ پر مجھے اپنی نفرت کے اظہار کا راستہ تو ملے۔ کیا کروں میں۔'' وہ بے بسی سے بولا

''تم فی الحال کچھ نہیں کرو۔ تمہاری وجہ سے سارے گھر والے پریشان ہیں۔ تو ہمت کر میرے بھائی۔ وقت بدلتے دیر نہیں لگتی۔ میں تمہیں یہاں سے نکالنے کا بندوبست کرتا ہوں۔ اب تُو نے تھانیدار کے ساتھ کوئی بات نہیں کرنی۔ میں صبح ہی کچھ نہ کچھ کرتا ہوں۔''

یہ لفظ ابھی اس کے منہ ہی میں تھے کہ ڈیوٹی پر کھڑے سپاہی نے سراج سے کہا

''اوئے جلدی کر سراج...... صاحب آنے والا ہوگا۔''

''ٹھیک ہے بھائی جو تمہاری مرضی، جیسے تم چاہو۔'' امین ارائیں نے اپنے بھائی کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا جہاں اداسی پھیلی ہوئی تھی۔

''میں جلدی تمہیں یہاں سے نکالتا ہوں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تو فکر نہ کر۔'' سراج اسے حوصلہ دیتے ہوئے بولا اور پھر پلٹ کر باہر کی طرف چل دیا۔ امین ارائیں اسے حسرت سے جاتا ہوا دیکھتا رہا پھر زمین پر بچھی ہوئی صف پر آن بیٹھا۔ وہ اپنے بوڑھے ماں باپ کے بارے میں سوچنے لگا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کرے۔ اس غصہ ہی اتنا تھا۔ وہ خود پر قابو نہیں رکھ پا رہا تھا۔

زیادہ وقت نہیں گذرا تھا کہ تھانیدار تھانے میں آ گیا۔ وہ سیدھا حوالات کی طرف گیا اور پھر امین ارائیں کے سامنے جا کھڑا

ہوا۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر سمجھانے والے انداز میں بولا

''تُو ساری رات اِدھر تھانے میں پڑا رہا ہے۔ کوئی تجھے پوچھنے نہیں آیا۔ وہ بھی نہیں آئے جن کا بندہ قتل ہوا تھا اور جن کے لئے تو نے گواہی دینے کے لیے اپنی جان داؤ پر لگائی ہوئی ہے۔ بول کوئی آیا ہے تیرے پیچھے؟''

اس پر امین ارائیں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا

''کوئی آیا ہے یا نہیں، تو بول کیا کہنا چاہتا ہے۔''

''عقل سے کام لے اور اپنی زندگی کے باقی دن سکون سے گذار، تو چوہدریوں کے ساتھ پھڈا نہیں لے سکتا۔ بندہ بن اور اپنا کام کر۔ ذات کی کوڑھ کرلی، چھتیر دں کو چھیے۔'' اس نے حقارت سے کہا

''ہاں تھانے دار جی، میں نے رات بہت سوچا ہے، اس اندھیر نگری میں کیا ہو سکتا ہے، جنگل ہے یہ جنگل۔ یہاں درندے بستے ہیں۔ اور تُو بھی انہی میں سے ایک ہے۔ میری ایف آئی آر لکھ..... ورنہ مجھے مار دے۔ میں اس کے بغیر نہیں جانے والا۔''

''اوئے تو نہیں سمجھے گا، ہمارا وقت نہ برباد کر، سمجھ جا۔ اور جا اپنے گھر، ایف آئی آر تو درج نہیں ہوتی۔ بھول جا۔'' تھانیدار نے کہا تو امین آرائیں بھنائے ہوئے لہجے میں بولا

''میری بھی ضد ہے، مار دو۔''

''اوئے بشیرے اس کا دماغ خراب ہے اب تک۔ لگتا ہے رات تو نے اس کا دماغ صحیح طرح سے ٹھیک نہیں کیا۔ اسے کوئی دوسری خوراک دے۔ جب تک یہ خود باہر جانے کے لیے نہ کہے، اسے اندر ہی رکھ۔'' تھانیدار کے یوں کہنے پر امین ارائیں نے اس کی طرف دیکھا۔ تھانیدار اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتا ہوا جیب سے فون نکال کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

❋ ❋ ❋
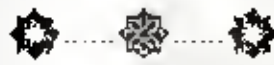
حویلی کے پورچ میں مہنگی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ وہاں سے کچھ فاصلے پر لان میں بچھی ہوئی کرسیوں پہ چوہدری جلال اور چوہدری کبیر دونوں باپ بیٹا بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ وہ ساری باتیں گاؤں اور زمینوں کے بارے میں تھیں۔ تبھی اچانک چوہدری جلال نے مسکراتے ہوئے کہا

''کبیر۔! کیا خیال ہے تمہارا یار۔ کیا، اس دفعہ تمہیں الیکشن نہ لڑوا دیں؟''

باپ کے اس طرح پوچھنے پر اس نے کسی بھی ردعمل کا اظہار کیے بغیر کہا

''میرا کیا خیال ہونا ہے بابا..... آپ جو کہیں گے..... میں تو ویسا ہی کروں گا نا۔''

''بات یہ ہے پتر..... وہ ہے نا ملک نعیم، سیدھی اور سچی بات تو یہ ہے کہ بڑا ہی پیا بندہ ہے۔ لیکن سیاست میں شریف بندوں کا بھلا کیا کام۔ وہ تھانے کچہری کی سیاست نہیں کر سکتا۔ لیکن اُس کا توڑ بھی تو کرنا ہے۔ اس سے پہلے کہ اس بار بھی وہ اپنے پر پرزے نکالے،

اس کے پَر کاٹ دیئے ہوں گے۔ دوبار الیکشن ہارنے کے بعد شاید اب وہ کبھی ہمت نہ کرے۔ خیر۔! وہ سب تو میں دیکھ لوں گا۔ تم اپنا ذہن بناؤ۔ الیکشن تو سر پر آ گئے ہیں سمجھو۔'' چوہدری جلال نے بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں اسے سمجھاتے ہوئے کہا تو وہ عام سے انداز میں بولا

''میرے ذہن کا کیا ہے بابا۔ آپ تو پھر بھی نرمی سے کام لے لیتے ہیں۔ پر مجھ سے نہیں ہوگا یہ۔ بھلا میں ان کمینوں سے ووٹ مانگوں۔''

''اوئے تم نے کونسا مانگنے ہیں ووٹ، یہ جو ہم نے لوگ پالے ہوئے ہیں، یہ تھوڑے ہیں اور انہی۔''

وہ کہہ رہا تھا کہ اس نے اپنے قریب کھڑے منشی کو دیکھا، جو اس کی توجہ کے لئے منتظر تھا، توجہ پا کر منشی فضل دین اس کے قریب ہو گیا۔ چوہدری جلال نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا

''منشی۔! کیا بات ہے؟''

''وہ جی۔ امین آرائیں ہے نا، وہی جسے نکے چوہدری نے.....'' منشی کہتے کہتے رُک گیا تو چوہدری کبیر نے اکتاتے ہوئے کہا

''ہاں ہاں آگے بول.....''

''وہ تھانے میں کل سے بیٹھا ہے اور نکے چوہدری کے خلاف ایف آئی آر لکھوانا چاہتا ہے۔ تھانے کے باہر بیٹھ کر خود کو آگ لگا لینے کی دھمکیاں دے چکا ہے۔'' منشی نے تیزی سے کہا تو چوہدری جلال نے پوچھا

''تمہیں کس نے بتایا۔''

''ایس ایچ او کا فون آیا ہے۔'' اس کے بتانے پر چوہدری کبیر غصے میں بھناتے ہوئے اٹھا۔

''اس کی یہ جرات، میں اسے ابھی تھانے ہی سے اٹھا لیتا ہوں۔''

تبھی چوہدری جلال نے بڑے تحمل سے کہا

''کبیر۔ ارکو اور بیٹھ جاؤ۔''

کبیر نے حیرت سے اپنے باپ کی دیکھا اور پوچھا

''کیوں بابا۔! میں تو کسی کو اپنے خلاف سوچنے کی اجازت بھی نہیں دیتا اور اُس نے یہ جرات کر لی کہ ہمارے خلاف جا کر ایف آئی آر لکھوائے۔ اچھا ہوتا میں اسے وہیں ڈیرے پر ختم کر دیتا۔''

''اتنے جذباتی نہیں ہوتے بیٹا۔! ادھر آؤ، بیٹھو میرے پاس۔''

چوہدری جلال نے اس تحمل سے کہا تو کبیر چند لمحے سوچتا رہا اور پھر بیٹھ گیا۔ چوہدری جلال نے منشی کی جانب دیکھ کر کہا

''اُو جا منشی۔! جا کر ایس ایچ او کو فون کر اور اسے سمجھا دے کہ اس امین آرائیں کو تھانے میں رکھ کر اُسے اچھی طرح سمجھا دے۔ تا کہ بعد میں اسے سوچنے کی بھی جرات نہ ہو۔''

''جی چوہدری صاحب۔! میں ابھی کہہ دیتا ہوں۔'' منشی مودب ہو کر بولا اور اندر کی جانب چلا گیا۔ اس کے چلے جانے کے بعد چوہدری جلال نے اپنے بیٹے کبیر کو سمجھاتے ہوئے کہا

''اوپتر جو کام ہمارے ملازمین کر سکتے ہیں، ان کے لیے خود پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، چل تو اندر جا کر آرام کر۔''

یہ کہہ کر وہ سوچنے لگا لیکن چوہدری کبیر چند لمحے خود پر قابو پا کر اٹھتے ہوئے بولا

''مجھے ڈیرے پر جانا ہے بابا۔''

یہ کہہ کر وہ سنی ان سنی کرتا ہوا پورچ کی طرف چل دیا۔ وہ سارے راستے اپنے باپ کی بات ہی سوچتا گیا۔ اس میں بھی مصلحت تھی۔ اس کا غصہ کسی حد تک ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ لیکن اس کے اثرات ڈیرے پر پہنچ جانے تک ہی تھے۔ اس نے اپنی فور وہیل جیپ روکی اور صحن عبور کر کے ڈیرے کے کاریڈور میں آ گیا۔ اس کی نگاہ صحن میں ایک طرف بندھے کتوں پر پڑی ہے۔ وہ انہیں دیکھنے کے لیے اس طرف بڑھ گیا۔ ایک جگہ رُک کر اس نے ایک کتے کو دیکھا۔ تبھی اس کا چہرہ غصے میں بگڑ گیا، اس نے کتے کو غور سے دیکھتے ہوئے قریب کھڑے ماکھے سے پوچھا

''اوئے ماکھے۔! یہی وہ کتا ہے نا۔ جو مقابلے میں ہار گیا تھا۔''

''جی چوہدری جی، یہی ہے۔ وہ دراصل میں......'' ماکھے نے مودب انداز میں وجہ بتانا چاہی تو وہ غصے میں بولا

''اِسے لے جاؤ اور جا کر گولی مار دو، ہارنے والا یہ کتا، میرے ڈیرے پر نہیں ہونا چاہیے۔''

اس نے جیسے ہی حکم دیا، ایک ملازم فوراً آگے بڑھا اور جلدی سے اس کتے کو کھول کر باہر کی جانب لے گیا۔ کبیر چلتا ہوا کاریڈور میں پڑے ایک صوفے پر جا بیٹھا۔ تبھی ماکھا اس کے قریب جا کر بولا

''بہت قیمتی اور نسلی کتا تھا جی۔ وڈے چوہدری صاحب نے بڑی قیمت دے کر منگوایا تھا۔''

''لیکن اب یہ قیمتی نہیں رہا۔ مجھے ہار جانے والوں سے سخت نفرت ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے کچھ لمحے خود پر قابو پاتے ہوئے خاموش بیٹھا رہا پھر اچانک مسکراتے ہوئے پوچھا ''اوئے ماکھے۔! تیرے ذمے کام لگایا تھا۔ کیا بنا پھر سلمٰی کی نوکری کا؟''

''آپ کی خواہش نہ ہو اور وہ نوکری لگ جائے۔ ایسا تو ہو نہیں سکتا نا۔ پر سچی بات تو یہ ہے، چوہدری صاحب۔! وہ نور پور گئی ہی نہیں اور نہ ہی پھر اس کے بعد گھر سے نکلی ہے۔'' ماکھے نے خوشامد بھرے لہجے میں خوش ہوتے ہوئے بتایا تو وہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولا

''اچھا۔! تو اب وہ اپنے ہی گھر میں بند ہو کر رہ گئی ہے۔ ڈر گئی ہے۔''

''جی چوہدری صاحب۔! اب وہ باہر نہیں نکلتی، پر آپ اسے اتنی سزا کیوں دے رہے ہیں۔ وہ تو۔۔۔'' ماکھے نے کہنا چاہا مگر جان بوجھ کر کہتے ہوئے رُک گیا تو چوہدری کبیر نے اپنے لہجے میں پیار سمیٹتے ہوئے کہا

''اوئے نہیں اوئے۔! سزا نہیں ہے یہ۔ میں اُسے سزا دے ہی نہیں سکتا۔ میں تو اُسے ساری دنیا سے چھپا کر رکھنا چاہتا ہوں۔ مگر وہ میری بات سمجھتی ہی نہیں ہے۔''

''سمجھ جائے گی چوہدری جی۔ سمجھ جائے گی۔ جب آپ اس کا خیال رکھیں گے۔'' ماکھے نے کہا

''خیال ہی تو رکھتا ہوں اس کا۔ مجال ہے کوئی میلی آنکھ اس کی طرف اٹھ جائے۔ میں وہ آنکھیں ہی نہ نکال لوں۔'' چوہدری کبیر نے خیالوں ہی خیالوں میں سلمٰی کا سراپا دیکھتے ہوئے کہا

''یوں کہیں نا چوہدری جی۔ آپ کو اس سے پیار ہو گیا ہے۔'' ماکھے نے کسی حد تک مذاق میں کہا تو ایک دم سے سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا

''میں نہیں جانتا کہ یہ پیار ہے یا کیا ہے۔ بس وہ مجھے اچھی لگتی ہے۔ پورے علاقے میں اس جیسی کوئی لڑکی نہیں ہے۔ اسے خود نہیں معلوم کہ وہ کیا شے ہے۔''

''پر جو سلوک آپ اُن سے کرتے ہیں۔ اس کی سمجھ نہیں آتی۔ اس طرح تو اس کے ذہن میں آپ کے لئے میں نفرت بڑھے گی۔'' ماکھے نے تشویش سے کہا

''اوئے، بھاگتی ہوئی ہرنی کے شکار کا اپنا ہی مزہ ہوتا ہے۔ کہاں جائے گی وہ۔ اس کا باپ، ماسٹر دین محمد اپنی آخری سانسوں پر ہے۔ وہ مر گیا تو سلمٰی کو حویلی ہی نے پناہ دینی ہے۔ ہرنی خود ہی چل کر میرے پاس آجائے گی۔ مجھے کوئی جلدی نہیں ہے اور رہی اس کی نفرت، تو کیا ہوا۔ تعلق تو ہے نا۔ چاہے نفرت کا ہی ہے۔'' چوہدری کبیر نے پھر سے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا تو ماکھا پھر خوشامدی انداز میں بولا

''آپ کی باتیں تو آپ ہی جانیں......''

''تو صرف اتنا جان لے کہ اس پر کسی کی نگاہ نہیں پڑنی چاہیے۔'' چوہدری کبیر نے اسے وارننگ دیتے ہوئے کہا تو ماکھا مؤدب انداز میں سینے پر ہاتھ رکھ کر بولا

''جیسے حکم چوہدری جی۔''

یہ سن کر چوہدری کبیر مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے خیالوں میں کھو گیا۔ ایک گہری مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر رینگ گئی تھی۔

❁......❁......❁
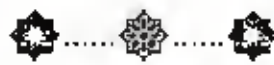
سورج مغربی اُفق میں جا چھپا تھا۔ شہر بھر کی روشنیاں جگمگا اٹھی تھیں۔ موسم خاصا خوشگوار تھا۔ فہد اپنے لان میں اکیلا ہی بیٹھا ہوا تھا۔ پورچ میں ڈرائیور کب کی گاڑی کھڑی کر کے جا چکا تھا۔ وہ باہر جانے کے لئے تیار تھا۔ اُس شام فہد نے خود مائرہ کو ڈنر پر بلایا تھا۔ وہ اپنے آپ میں ہمت جمع کر رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ مائرہ کو سب کچھ بتا دے یا پھر سب کچھ چھپا لے۔ وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ شاید پیارے لوگوں کے لئے کوئی جذباتی فیصلہ کرنا بہت ہی مشکل ہو جاتا ہے۔ جبکہ کچھ دیر پہلے ایک بہت بڑا فیصلہ کرتے ہوئے اس نے لمحہ بھی نہیں لگایا تھا۔

دوپہر کے بعد جعفر سیدھا اس کے پاس آیا تھا۔لنچ کے بعد جب وہ چائے پی رہے تھے کہ اچانک جعفر نے پوچھا

''تو پھر کیا سوچا تم نے؟''

''وہی جو تم جانتے ہو۔'' فہد نے حتمی انداز میں جواب دیا

''دیکھو۔! تمہارا مستقبل یہیں ہے۔تمہاری تعلیم مکمل ہے۔ٹھیک ہے تم نے نوکری نہیں کی۔لیکن تیرے پاپا ایک بہترین بزنس کی شروعات کر چکے ہیں۔جو تمہیں ہر طرح کی معاشی فکر سے آزاد کر دے گا۔ایسا بہت کم لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔'' جعفر نے سمجھاتے ہوئے کہا تو فہد نے اس کی طرف دیکھا اور دھیمے سے لہجے میں کہا

''یہ تم اچھی طرح جانتے ہو۔پاپا نے اتنا کچھ میرے نام کر دیا ہے کہ معاش میرا مسئلہ نہیں ہے۔''

''لیکن جو کچھ تم کرنے جا رہے ہو اور جیسا تم نے سوچا ہے۔ایسا فقط فلموں ،ڈراموں یا پھر قصے کہانیوں ہی میں اچھا لگتا ہے۔حقیقی زندگی میں اس کا کوئی تصور نہیں۔حیرت ہے تم جیسا بندہ اتنا غیر حقیقی فیصلہ کرے گا۔'' جعفر نے دبے دبے غصے میں کہا۔اسے دکھ یہ تھا کہ وہ اس کی بات کیوں نہیں مان رہا ہے۔

''میں تو فیصلہ کر چکا ہوں۔'' اس نے پختہ لہجے میں کہا

''فہد۔! میرے دوست۔ماضی کو دفن کر کے بھول جانا ہی بہتر ہے۔تمہارے ساتھ جو ہوا۔اس نے تمہاری آدھی زندگی نگل لی ہے۔اب انتقام لینے کے چکر میں باقی زندگی بھی خراب کر لو گے۔'' جعفر نے خود پر قابو پاتے ہوئے رسان سے سمجھایا اس پر فہد نے مسکراتے ہوئے کہا

''مجھے حوصلہ دینے کی بجائے ،بزدلی کی باتیں مت کرو۔میرے اس فیصلے میں میری آدھی سے زیادہ زندگی خرچ ہو گئی ہے۔اب جبکہ عمل کا وقت آ گیا ہے،تو مجھے ہر حال میں جانا ہے۔اب تو پاپا نے بھی اجازت دے دی ہے۔میں رک نہیں سکتا۔'' اس نے حتمی انداز میں کہہ دیا

''چاہے تمہاری جان چلی جائے۔وہاں تمہیں بے دردی سے قتل بھی کیا جا سکتا ہے۔کیا تم نے سوچا ہے کہ دشمنوں کے چنگل میں پھنس کر اکیلے کیا کرو گے؟'' اس نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا

''وہ بندہ جو ایک ہی زندگی میں نجانے کتنی بار مر مر کے زندہ ہوا ہو۔اس کے نزدیک ایک موت کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔'' فہد نے مسکراتے ہوئے کہا تو جعفر جلدی سے بولا

تم نے بہت کامیابیاں حاصل کی ہیں۔یہ میں جانتا ہوں کہ تم میں کیسی کیسی صلاحیتیں ہیں۔میں نہیں چاہتا تم انہیں گنوا دو۔''

''یہ سہولیات سے بھری زندگی۔یہ ساری کامیابیاں بھی میرے لیے اہمیت نہیں رکھتیں۔میں مردہ اور بے ضمیر لوگوں جیسی زندگی نہیں گذار سکتا۔میں تو اصل زندگی کی طرف جا رہا ہوں اور تم مجھے مفاد کے مردہ خانے کی سرد کوٹھڑی میں دھکیل رہے ہو۔'' فہد نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''اور مائرہ کی محبت۔! وہ تمہیں کتنا چاہتی ہے وہ جہاں کہے گی اس کے والدین راضی ہوں گے اور انہیں اطمینان ہوگا کہ مائرہ تمہارے ساتھ خوش رہے گی۔ پھر بھی تم......'' اس نے کہنا چاہا تو فہد اس کی بات کاٹ کر بولا

''یہ فقط مائرہ کی اپنی سوچ ہے، محض خوش فہمی۔ اس کے والدین کچھ اور سوچ رہے ہیں۔ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے اور میں اس کی محبت کو دل سے محسوس کرتا ہوں۔ میں نے اسے ہمیشہ اچھا دوست سمجھا ہے اور بس۔''

''تمہیں ذرا پروا نہیں۔ وہ تمہارے بارے میں کیا جذبات رکھتی ہے۔ وہ کیا سوچتی ہے۔'' اس نے طنزیہ لہجے میں کہا

''اب میں اس کے سوچنے پر پابندی تو نہیں لگا سکتا۔ اور یار۔! کیا محبت کی زنجیر سے کسی کو باندھا جا سکتا ہے؟ خیر تم مائرہ کا بہت خیال رکھنا۔ تم دونوں مجھے بہت یاد آؤ گے۔'' اس نے حتمی لہجے میں کہا تو جعفر مذاق اڑانے والے انداز میں بولا

''ایسی بات بھی نہیں ہے کہ ہم تمہارے بغیر جی نہیں پائیں گے۔ تم بہر حال اپنے فیصلے پر تھوڑا مزید غور کر لو۔ ہم پھر اس پر بات کر لیں گے۔''

اس نے کہا تو فہد اس کی طرف چند لمحے دیکھتا رہا، پھر بیٹھے رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے اٹھا اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اس نے اپنی سائیڈ ٹیبل کے دراز سے ایک خط نکالا اور واپس آ کر وہ خط جعفر کو دیتے ہوئے بولا

''آج دوپہر کے وقت ڈاکیا یہ خط دے گیا تھا۔ تم اسے پڑھو، اور اسے پڑھنے کے بعد خود فیصلہ کرو کہ مجھے قسمت نگر جانا چاہئے یا نہیں، لو پڑھو اسے۔''

''خط۔! کہاں سے آیا ہے۔'' جعفر نے خط پکڑتے ہوئے پوچھا۔ مگر فہد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے خط نکالا اور اُسے پڑھنے لگا۔ وہ غور سے پڑھتا رہا، پھر یوں آنکھیں بند کر لیں جیسے کسی بڑے دکھ کو ضبط کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اس نے سُتے ہوئے چہرے کے ساتھ وہ خط لوٹا دیا۔ تبھی فہد نے کہا

''فیصلے کی گھڑی آ پہنچی جعفر، اب مجھے ہی جانا ہوگا۔ اب سوچنے کی گنجائش نہیں۔''

شاید۔! تم ٹھیک کہتے ہو۔'' یہ کہہ کر وہ فہد کی پرواہ کئے بغیر اٹھ کر باہر نکلتا چلا گیا۔ جعفر کے پاس کہنے کے لئے کچھ بھی نہیں تھا۔

وہ اس وقت لان میں بیٹھا یہی سوچ رہا تھا کہ مائرہ کو کس طرح بتائے کہ اس کا قسمت نگر جانا بہت ضروری ہو گیا ہے۔ حالانکہ کل شام ہی وہ دونوں، بہت دیر تک پارک میں بیٹھے رہے تھے۔ کل مائرہ نے اسے بلایا تھا۔ فہد پارک چلا گیا تھا اور مائرہ اپنے چینل سے سیدھے وہاں آ گئی تھی۔ دونوں پارک میں ٹہلتے ہوئے باتیں کرتے رہے تھے۔ وہ بھی اسے سمجھانا چاہتی تھی۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ کچھ دیر باتوں کے دوران مائرہ ہی نے بات کا آغاز کیا تھا

''فہد۔ ابسا اوقات زندگی کے فیصلے کرتے ہوئے کتنی الجھن ہوتی ہے نا۔''

''کوئی فیصلہ کرنا چاہ رہی ہو تم؟'' فہد نے عام سے لہجے میں پوچھا تو مائرہ نے کہا

''ہاں۔! ایک ایسا فیصلہ۔ جس کا تمام تر دار مدار تمہارے فیصلے پر ہے، جس کا اظہار تم کر ہی نہیں رہے ہو۔''

''تم کہنا کیا چاہتی ہو۔'' اس نے مسکراتے ہوئے پھر پوچھا

''فہد۔ میری ماما نے میری شادی کا فیصلہ کر لیا ہے۔ یہاں تک کہ اس نے لڑکا بھی دیکھ لیا ہے۔ وہ کینیڈا میں رہتا ہے اور تم اپنے مستقبل کے بارے میں کچھ نہیں بتا رہے ہو۔'' وہ سنجیدہ انداز میں بولی

''مستقبل کس نے دیکھا ہے مائرہ۔ کل کیا ہونے والا ہے۔ ہم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔'' وہ پرسکون لہجے میں بولا

''لیکن وہ پلاننگ جو آج کی ہو، اسی پر ہی تو مستقبل کا انحصار ہوتا ہے۔ یہ تم بھی جانتے ہو۔'' وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولی

''مائرہ۔ میں اپنے مستقبل کی پلاننگ کر ہی نہیں سکتا۔'' اس نے لاپرواہی کے انداز میں کہا تو مائرہ اُکتائے ہوئے لہجے میں بولی

''کیوں نہیں کر سکتے...... تمہاری یہی باتیں تو مجھے الجھا کر رکھ دیتی ہیں۔ میں نے اپنی ماما سے محض چند دن سوچنے کے لئے مانگے ہیں اور تم ہو کہ میرے جذبات کو سرے سے نظر انداز کرتے چلے جا رہے ہو۔''

''مجھے تمہارے جذبات کا احترام ہے مائرہ۔ اتم میرے لئے بہت قیمتی ہو، لیکن شاید تم، میرے مستقبل کی پلاننگ میں نہیں ہو۔'' اس نے دھیمے لہجے میں صاف کہہ دیا تو مائرہ نے چونک کر اسے دیکھتے ہوئے پوچھا

''یہ...... یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟''

''میں تمہیں سچ کہہ رہا ہوں۔ میں اگر چاہوں بھی نا تو میں تمہارے بارے میں نہیں سوچ سکتا۔'' وہ سکون سے بولا

''میرے بارے سوچنے میں آخر کون سی ایسی رکاوٹیں ہیں۔ مجھے پتہ تو چلے۔'' اس نے پوچھا

''کوئی دوسرا نہیں، میں خود ہی رکاوٹ ہوں اور تم اسے نہیں سمجھ سکو گی۔ کیونکہ میں اپنے مستقبل کی پلاننگ کر ہی نہیں سکا۔ میرے حالات نے بہت پہلے جو پلاننگ کر دی ہے۔ وہ میں تمہیں سمجھا نہیں سکتا۔ یہ کیا ہے۔ کیوں ہے۔ کیسے ہے۔ اسے سمجھنے کے لیے بڑا وقت لگے گا۔ تم میرا انتظار نہ کرو۔'' اس نے صاف لفظوں میں انکار کر دیا۔ اس پر مائرہ کو کافی حد تک شاک لگا تھا۔ وہ چند لمحے خاموش رہی، پھر بڑے اعتماد سے بولی

''لیکن میں آخری وقت تک تمہارا انتظار کروں گی۔ تم اگر ضد کر سکتے ہو تو میں کیوں نہیں۔''

''یہ ضد نہیں ہے۔ میری مجبوری ہے۔ جو میں تمہیں سمجھانا بھی چاہوں تو نہیں سمجھا سکتا۔'' اس نے تحمل سے کہا

''یہی مجبوری تو میں جاننا چاہتی ہوں۔ دنیا کا کون سا ایسا مسئلہ ہے جو حل نہیں ہو سکتا۔ ہم دونوں مل کر ساری مجبوریاں دور کر سکتے ہیں۔'' اس موہوم سی امید کا سہارا لیتے ہوئے کہا

''مائرہ۔ میں تم سے کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی تمہیں انتظار کی سولی پر لٹکتا دیکھ سکتا ہوں۔ میری مجبوری ایک ایسی تلخ حقیقت ہے۔ جسے نہ تم برداشت کر پاؤ گی اور نہ میں۔ یہ دوراہا جو ہماری زندگی میں آ گیا ہے اگر یہاں سے ہمارے راستے الگ ہو جائیں گے نا تو یہ

جدائی ہم برداشت کرلیں گے، جس میں کوئی وعدہ نہیں ہے۔'' فہد نے اسے سمجھانے والے انداز میں کہا

''انتظار کی اذیت تو میں برداشت کروں گی نا۔ تمہیں اس سے کیا۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی

''مجھے معاف کرنا مائرہ۔! انتظار تبھی ہوتا ہے نا۔ جب کوئی آس ہو۔ تمہارے حوالے سے میرے پاس کوئی آس بھی نہیں بچی۔ خود کو ایک نئی زندگی کے لئے تیار کرلو مائرہ۔ اسی میں ہم سب کی بھلائی ہے۔'' وہ دکھتے ہوئے لہجے میں یوں بولا جیسے یہ سب کہتے ہوئے اسے خود دکھ ہو رہا ہو۔ اس پر مائرہ نے اس کے ستے ہوئے چہرے پر دیکھا اور اعتماد سے بولی

''نہیں۔! تم کچھ بھی کہہ لو۔ میں تمہارا انتظار کروں گی۔''

''وقت بہت کچھ بدل دیتا ہے۔ تم اپنے حصے کی خوشیاں ضائع مت کرو۔'' فہد نے ایک دم سے مسکراتے ہوئے کہا تو مائرہ خوشگوار انداز میں بولی

''میری ہر خوشی تم سے ہے فہد۔''

''تم نہیں سمجھو گی......'' فہد نے بے بسی سے کہا اور پھر ایک دم سے موضوع ہی بدل دیا۔ وہ جانتا تھا کہ مائرہ اس سے کوئی بات کرنے آئی تھی لیکن اس نے کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ مائرہ کی زندگی خراب ہو۔ وہ اسے دکھ دینا ہی نہیں چاہتا تھا۔ اک ذرا سی آس دے کر وہ نہ تو اسے انتظار کی سولی پر لٹکا سکتا تھا اور نہ ہی پچھتاوے کی آگ میں جھونک سکتا تھا۔ اس لئے بڑی ہمت کے ساتھ اس نے انکار کر دیا تھا۔

کل سے وہ سوچ رہا تھا۔ اسے مائرہ کا دکھ بھرا چہرہ یاد رہا، جب وہ اس سے جدا ہوئی تھی۔ وہ اسے جاتا ہوا دیکھتا رہا تھا۔ مگر کچھ بھی نہیں کہہ پایا تھا۔ بہت سوچ کر فہد نے مائرہ کو شہر کے سب سے بہترین ریستوران میں ڈنر پر بلوالیا تھا۔ اس نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی اور اٹھ کر چل دیا۔

شہر کے مہنگے ریستوران میں اس وقت وہ دونوں آمنے سامنے تھے۔ مائرہ خوشگوار حیرت میں تھی۔ مائرہ وہ لگ ہی نہیں رہی تھی جیسے وہ عام زندگی میں دکھائی دیتی تھی۔ اس نے بہترین تراش کا سیاہ سوٹ پہنا ہوا تھا۔ ہلکے ہلکے میک اپ میں اس کے نقوش بہت حد تک عیاں ہو گئے ہوئے تھے۔ وہ اہتمام سے تیار ہوئی تھی۔ فہد اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ ویٹر آرڈر لے کر جا چکا تھا، جب مائرہ نے خوشگوار حیرت ملے لہجے میں پوچھا

''فہد، بہت دنوں بعد تم مجھے یوں ڈنر دے رہے ہو۔ میں نے فون پر بھی پوچھا مگر تم نے بتایا نہیں۔ یہ کس خوشی میں ہے۔''

اس پر فہد مسکرایا اور پھر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا

''مائرہ۔! کیا سارے کام خوشی سے ہی کیے جاتے ہیں۔ کچھ کام ایسے بھی ہوتے ہیں، جو نہ چاہتے ہوئے بھی کئے جاتے ہیں۔ اور رہی اس ڈنر کی بات، یہ بھی کسی خوشی میں نہیں۔ بلکہ تم سے چند باتیں کرنے کو دل چاہتا تھا۔ دل پر بوجھ تھا یا شاید کل میں وہ

باتیں نہیں کر پایا تھا۔"

"چند باتیں؟" وہ حیرت سے بولی، پھر خود پر قابو پاتے ہوئے بولی،" چند باتوں کے لئے اس قدر اہتمام کی کیا ضرورت تھی۔وہ فون پر ہی کر لیتے۔"

"تم سے ملنا بھی ضروری تھا مائرہ۔! میں اپنے آبائی گاؤں واپس جا رہا ہوں۔" اس نے کہا

"کتنے دن کے لئے جا رہے ہو۔" مائرہ نے پوچھا

"ہمیشہ کے لئے۔" وہ سکون سے بولا تو مائرہ چونک گئی اور کچھ نہ سمجھتے ہوئے بولی

"تمہارا آبائی گاؤں کیا اتنا دور ہے کہ ہم ہفتے میں ایک بار بھی نہیں مل سکتے؟"

"ہاں۔! میرا آبائی گاؤں کافی دور دراز علاقے میں ہے۔اور اس وقت ملنے کی وجہ یہ کہ میں چاہتا ہوں۔تمہاری رفاقت کی ایک اور یاد کو سمیٹ کر اپنے ساتھ لے جاؤں۔یہ ضروری نہیں کہ جدائی کے لمحوں کو سوگوار ہی کیا جائے، ہنستے مسکراتے جدا ہو جائیں تو جدائی کا دکھ کم ہو جاتا ہے۔"

"میں نہیں جانتی کہ تمہاری دماغ میں کیا ہے۔تم کیوں ایک دم سے اجنبی ہو گئے ہو۔میں یہ محسوس کر سکتی ہوں کہ تمہارے دل میں میرے لئے محبت ہے، لیکن تم اظہار نہیں کرتے۔کیوں نہیں کرتے؟ میں یہ نہیں جانتی۔تمہارا یہ آبائی گاؤں جانے کی ضد کرنا، میری سمجھ میں تو بالکل نہیں آرہا۔" وہ الجھتے ہوئے بولی

"تمہیں سمجھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔میں چاہتا ہوں کہ یہ جو تھوڑا سا وقت ہم مل بیٹھے ہیں اس میں کچھ ایسی خوشگوار باتیں کر لیں جو بعد میں یاد آئیں تو بہت اچھا لگے۔ساری دنیا کو ایک طرف رکھ کر محض دو اچھے دوستوں کی مانند تھوڑا سا وقت گذار لیں، پلیز......" فہد نے یاسیت بھرے لہجے میں کہا

"تم ایسی باتیں کر کے مجھے اور زیادہ دکھی کر دو گے۔میں تم سے یہ نہیں پوچھوں گی کہ تم اپنے آبائی گاؤں کیوں جانا چاہتے ہو۔شاید مجھ سے زیادہ چاہنے والے لوگ ہوں گے وہاں پر۔فہد مجھے یہ دکھ رہے گا کہ تم نے مجھے اپنا اچھا دوست بھی نہیں سمجھا۔" مائرہ نے رنجیدہ انداز میں کہا

"میں نے تمہیں دوست سمجھا ہے تو یوں خوشگوار وقت گذارنے کی خواہش لے کر یہاں بیٹھا ہوں۔تمہارے ساتھ۔" اس نے کہا

"نہیں فہد۔! ایسے تم مجھے بہلاؤ مت۔تم اگر میرے اچھے دوست ہوئے ناں تو اچانک اجنبی ہو جانے کی وجہ بتاتے۔آبائی گاؤں جانے کی ضرورت پر میرے ساتھ بات کرتے۔یہ جو تم سب کچھ اپنے دل میں رکھ کر مجھ سے جدا ہو رہے ہو۔اسے میں کیا سمجھوں؟" اس نے احتجاج بھرے لہجے میں کہا

"کچھ بھی نہ سمجھو۔میں اس سے قطعاً انکار نہیں کرتا کہ میرے دل میں کہنے کے لئے بہت کچھ ہے۔لیکن وہ باتیں جو دکھ دے

جائیں۔انہیں دفن کر دینا ہی اچھا ہوتا ہے خیر۔ایک بات کہوں تم سے۔'' وہ ایک دم سے اپنا لہجہ بدل کر پوچھا

''بولو۔!میں پورے دل سے تمہاری بات سن رہی ہوں۔'' اس نے خلوص سے کہا

''اگر تمہارے دل میں میرے لئے تھوڑی بہت بھی چاہت، خلوص اور احترام ہے نا تو میری ایک بات ضرور مانو گی۔ مجھے بھول جانے کی کوشش ضرور کرو گی۔'' اس نے کہا تو ماءرہ نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے گلوگیر لہجے میں کہا

''اگر تم مجھے بھول جاؤ گے نا تو یقین رکھو فہد۔میں بھی تمہیں بھول جاؤں گی۔میں تمہیں یاد نہیں کروں گی۔تمہاری یادوں کو اپنے قریب نہیں آنے دوں گی۔''

''ماءرہ۔!اپنے آپ کو اذیت دینا بہت آسان ہوتا ہے۔دھیرے دھیرے خود کو سلگاتے رہنے سے کسی کا کچھ نہیں جاتا۔حقیقت پسند ہونا چاہئے۔یوں زندگی سہل ہو جاتی ہے۔'' فہد نے پیار سے کہا

''میں کیسے مان لوں فہد۔کیا تمہاری یہ بات محض ایک تسلی نہیں ہے؟ اپنے آپ کو دھوکہ دینے کی ایک کوشش۔خیر۔میں سمجھ سکتی ہوں کہ تم کیا کہنا چاہ رہے ہو۔آؤ، آج کی اس شام کو خوشگوار بنالیں۔'' وہ بے بسی سے کہتے ہوئے ایک دم سے مسکرا دی، صاف ظاہر تھا کہ یہ زبردستی کی مسکان ہے تو فہد بھی سر ہلاتے ہوئے بولا

''ہاں۔!میں شاید یہی کہنا چاہ رہا ہوں۔''

یہ کہتے ہوئے وہ اس کے چہرے پر بدلتے رنگوں کو دیکھ رہا تھا۔اتنے میں ویٹران کے قریب آ گیا تو وہ دونوں خاموش ہو گئے۔ماءرہ سمجھ گئی تھی کہ وہ کیا چاہتا ہے۔اس نے وہ کوئی بات نہیں کی، جس سے کوئی سوال اٹھتا ہو۔رات دیر تک وہ باتیں کرتے رہے۔کچھ ماضی کی باتیں اور اشارے کنائیوں میں مستقبل کی باتیں۔رات گئے۔وہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔

باقی رات اس نے کانٹوں پہ گذاری۔ذرا ہی دیر کے لئے اسے نیند آئی بھی تو ایک بھیانک خواب نے اسے بیدار کر دیا۔ اس وقت صبح کے آثار نمودار ہو گئے تھے جب اس نے بیڈ چھوڑ کر قسمت نگر جانے کی تیاری شروع کر دی۔

ناشتے کے بعد فہد ڈرائینگ روم میں شلوار قمیص پہنے ہوئے بیٹھا ہوا تھا۔جعفر اس کے پاس تھا۔قریب ہی فہد کا سامان پڑا ہوا تھا۔ جعفر نے اس کی طرف دیکھ کر کہا

''تم واقعی جا رہے ہو، مجھے یقین نہیں ہو رہا؟''

''ہاں، یار، اب جانا بہت ضروری ہو گیا ہے۔میں نے جو تمہیں سمجھایا ہے ویسے ہی کرنا۔پلیز۔'' فہد نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا

''ٹھیک ہے، میں تمہیں نہیں روکوں گا۔لیکن تم ایک وعدہ کرو۔جب بھی تمہیں احساس ہو کہ میں ٹھیک کہتا تھا یا تمہارا فیصلہ درست نہیں تھا۔تب تم لوٹ آؤ گے یا کم از کم ہمیں آواز ضرور دو گے۔'' جعفر کے یوں کہنے پر اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا

”تم لوگوں کے سوا میرا ہے کون، یہ تم اچھی طرح جانتے ہو مگر یہ میری جنگ ہے یار، میں اس میں تم لوگوں کو نہیں جھونکنا چاہتا۔“

”کیا تم نہیں جانتے ہو کہ اگر تم مقتل میں سے بھی آواز دو گے نا تو میں تمہاری آواز پر لبیک کہوں گا، مگر تمہیں یہ کیوں احساس ہے کہ ہم تمہارے کام نہیں آسکتے۔“ جعفر کے لہجے میں شکوہ چھلک رہا تھا۔ تب فہد نے جلدی سے کہا

”مجھے اعتراف ہے کہ تم ایسا ہی کرو گے۔ مگر حوصلہ شکنی کی باتیں نہ کرو۔ مجھے جب بھی ضرورت ہوئی، میں تم لوگوں کو ہی یاد کروں گا۔، مائرہ کا بہت خیال رکھنا، میرے جانے کے بعد سب کچھ اطمینان سے بتا دینا کہ میرا گاؤں جانا کتنا ضروری ہے۔ بس وعدہ کرو، جو تمہیں کہا ہے وہی کرو گے۔“

”میں وعدہ کرتا ہوں۔“ جعفر نے دھیمے لہجے میں کہا۔ اتنے میں محمود سلیم وہیں آگئے۔ وہ بہت جذباتی ہو رہے تھے۔ وہ دل سے نہیں چاہتے تھے، مگر مجبوری میں اسے الوداع کہنے پر مجبور تھا۔ انہیں دیکھتے ہی وہ دونوں اٹھ گئے، پھر فہد اُن کے گلے لگتے ہوئے بولا

”پاپا، آپ اپنا بہت خیال رکھیں گے۔“

محمود سلیم نے بظاہر خوشی سے لیکن غم آلود آواز میں اس کی پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے کہا

”کیوں نہیں رکھوں گا اپنا خیال۔ میں رکھوں گا اپنا خیال، لیکن تم بھی اپنا بہت خیال رکھنا۔ جاتے ہی رابطے کی کوئی نہ کوئی صورت نکلنا بیٹا۔ تمہیں پتہ ہے میں تمہیں بہت مس کروں گا۔“

”میں بھی آپ کو بہت مس کروں گا، لیکن اگر آپ اس طرح غم زدہ ہوئے تو میں بہت مشکل محسوس کروں گا۔“ فہد نے کہا تو محمود سلیم جلدی سے تڑپ کر اسے خود سے الگ کرتے ہوئے بولا

”اُو نہیں نہیں یار میں کہاں غمگین ہوں۔ بس تم جا رہے ہو نا تو یونہی...... میرے پاس ہے نا یہ جعفر، یہ میرا بہت خیال رکھے گا۔“

”پاپا۔ اب اجازت دیں اور میرے لیے بہت ساری دعائیں کرنا۔“ فہد نے مضبوط لہجے میں کہا

”ہاں بیٹا، اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔“ یہ کہہ کر انہوں نے باہر کی جانب قدم بڑھا دیئے۔ ملازم بیگ اور سوٹ کیس لے کر ڈرائینگ روم سے نکلتا چلا گیا۔ فہد اور جعفر بھی باہر پورچ میں ایک دوسرے کے گلے ملے۔ پھر فہد گاڑی میں بیٹھ گیا اور ایک نگاہ ان پر ڈال کر گاڑی بڑھا دی۔

❁......❁......❁

سورج طلوع ہوئے کافی وقت ہو گیا ہوا تھا۔ چاچا سوہنا صحن میں دھری چارپائی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سامنے آئینہ رکھا ہوا تھا جس میں دیکھتے ہوئے وہ سر پر پگڑی باندھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ وہ وارث شاہ کی ہیر کے بول بھی گنگنا رہا تھا۔

”ہیر آکھیا جوگیا جھوٹ بولیں اے...... کون روٹھڑے یار مناوندا اے......“

اتنے میں کچے کمرے سے چھاکا برآمد ہوا۔ وہ بڑے غور سے اپنے باپ کو دیکھتے ہوئے، خوشامدانہ لہجے میں بولا

''واہ واہ...... ابا واہ...... کیا ہیر کی جوگی سے گل بات کروا رہا ہے واہ۔ ویسے کیا گیگ چچ رہ رہی ہے تم پر ابا...... جوانی میں جب تو ٹہور نکال کر پنڈ کی گلیوں میں پھرتا ہوگا نا۔ ہائے ہائے...... کتنی تم پر مرتی ہوں گی نا بھلا۔''

اپنے بیٹے کی بات سن کر چاچا سوہنا خوش ہوتے ہوئے بولا

''اوئے کیا ویلا یاد کرا دیا ہے تو نے۔ اے لاچا، اے کڑھیا کرتا، تلے والا کھسہ، ہتھ میں لمبی ڈانگ۔ تیری ماں نے یہی دیکھ کر ہی تو میرے ساتھ ویاہ کیا تھا۔'' وہ ماضی میں ڈوبتے ہوئے بولا

''اسی لئے پھر تیرے کرتوت دیکھ کر وہ زیادہ دیر زندہ نہیں رہی۔ جلدی اللہ کو پیاری ہوگئی۔'' چھاکے نے طنزیہ کہا تو چاچا سوہنا غصے میں بولا

''یہ کیا بکواس کر رہا تو، اللہ بخشے وہ تو بڑی بھاگاں والی تھی۔ بس تیری صورت میں اک عذاب چھوڑ گئی ہے میرے لیے، تیری وجہ سے میرا گھر آباد نہیں ہو رہا ہے۔''

''اوئے ابا میں تیری تعریف کر رہا ہوں اور تو میری بزتی (بے عزتی) کر رہا ہے۔'' چھاکے نے احتجاج کرتے ہوئے کہا تو وہ تیزی سے بولا

''تیری بزتی نہ کروں تو اور کیا کروں۔ سارا دن ککڑ لئے پھرتا رہتا ہے۔ کوئی عقل کر۔''

''اوابا، جو بات تیرے پتر میں ہے نا وہ کسی میں نہیں۔ اک میں ہی تو ہوں اس پنڈ میں جس کی پورے علاقے میں دس پوچھ ہے۔ سن، یہ ساتھ والے گاؤں میں ایک بیوہ ہے، کہو تو پتہ کروں اس کا؟'' چھاکے نے دبے دبے جوش سے پوچھا

''او تیری خیر ہوئے پترا، آخر خون ہی کام آتا ہے۔ کیسی ہے وہ...... منہ متھے لگتی ہے؟'' وہ خوش ہوتے ہوئے پوچھنے لگا

''ابھی تو پتہ چلا ہے...... تو مجھے پیسے دے میں آج ہی جاتا ہوں اس کے پاس...... پھر کوئی بات کرتے ہیں۔''

اس کے یوں کہنے پر چاچے سوہنے نے جیب سے روپے نکال کر اسے دیئے پھر ڈرتے ڈرتے جذباتی انداز میں بولا

''دیکھ پتر، اس رقم سے اپنے ککڑ کو بادام نہ کھلا دینا۔ اپنی ہونے والی ماں کا پتہ ضرور کر کے آنا۔''

اتنے میں مرغے نے زوردار آواز میں بانگ دے دی۔ چھاکا اس طرف منہ کر کے بولا

''صبر کر صبر۔! تیرے لیے ہی تو محنت کر رہا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ اپنے باپ سے مخاطب ہو کر بولا ''لے فیر ابا، دعا کر، میں چلتا ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے وہ باہر کی جانب لپک گیا۔ جبکہ چاچا سوہنا اک نئی ترنگ سے پگڑی باندھتے ہوئے گنگنانے لگا۔

''ڈولی چڑھدیاں ماریاں ہیر کوکاں۔''

چھاکے نے ایک بار اپنے باپ کو دیکھا، پھر اپنے لبوں پر مسکراہٹ لاتے ہوئے مرغے کو اٹھایا اور باہر والا دروازہ پار کرتا چلا گیا،

اس کا رخ چوراہے کی طرف تھا

چھاکے نے حنیف کی دوکان سے بادام خرید کے دوکان کے باہر ہی موڑھے پر بیٹھ کر اپنے مرغے کو کھلانے لگا۔ وہ اپنے دھیان میں تھا کہ سراج گاؤں کا چوراہا پار کر کے چھاکے کے پاس آ گیا۔ وہ اس کے قریب آ کر بیٹھتے ہوئے بولا

''اوئے چھاکے۔ اُسنا کیا حال ہے تیرا۔ سب ٹھیک چل رہا ہے نا؟''

''میں تو ٹھیک ہوں سراج، اللہ کا بڑا کرم ہے۔ تمہیں پتہ ہے، ایک میں ہی تو ہوں جس کی پورے علاقے میں دس پوچھ ہے۔'' اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ اس کا مرغا بول پڑتا ہے، تبھی وہ سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا، ''لے گواہی بھی سن لے۔''

''یہ بات تو ماننی پڑے گی یار، تیری دس پوچھ تو ہے۔ ورنہ مجھے پتہ ہی نہ چلتا کہ امین ہے کدھر؟ تو نے بڑا احسان کیا ہے یار۔'' سراج نے ممنونیت سے کہا

''احسان کو چھوڑ، تُو یہ بتا تھانے دار کا غصہ کچھ ٹھنڈا ہوا کہ نہیں، کیا کہتا ہے؟'' چھاکے نے تشویش سے پوچھا تو سراج نے آہ بھرتے ہوئے کہا

''اُس کا غصہ کیا ٹھنڈا ہونا ہے یار، وہ تو سیدھے سیدھے چوہدریوں کا بندہ ہے۔ میں نے امین کو سمجھایا ہے۔ وہ میری بات مان گیا ہے۔''

''یہ بہت اچھا کیا تم نے۔ اس کا ذہن بدلے گا تو سب کچھ بھول جائے گا۔ کب تک وہ باہر آ جائے گا۔'' چھاکے نے دھیمے سے لہجے میں پوچھا

''میں تو پوری کوشش کر رہا ہوں۔ آج نہیں تو کل وہ باہر آ جائے گا۔ ویسے یار ان چوہدریوں نے تو اَت مچائی ہوئی ہے۔ نہ تھانے کچہری میں کسی کی چلتی ہے اور نہ پنچائیت میں۔ یوں لگتا ہے ساری دنیا ہی انہی کے ساتھ ہے۔ امین پر بہت ظلم ہوا ہے یار، بہت مارا ہے انہوں نے۔'' سراج نے دکھتے ہوئے دل کے ساتھ کہا

''کہتے تو تم ٹھیک ہو لیکن ایک غریب آدمی کرے بھی تو کیا، کدھر جائے؟'' وہ یوں بولا جیسے وہ اس ماحول اور ظلم کا عادی ہو گیا ہو۔ جیسے قسمت نگر کے باسیوں کے مقدر میں لکھا ہوا وہ قبول کر چکا ہو۔ یہ سن کر سراج کا چہرہ بگڑ گیا یوں جیسے یہ سن کر اسے بہت تکلیف ہوئی ہو۔ تبھی وہ غصے اور دکھ کی ملی جلی کیفیت میں بولا

''اُدکوئی بات نہیں، کب تک ان کا ظلم چلے گا۔ ہم ہی کوشش نہیں کرتے۔ خیر۔ اِنی الحال تو چل میرے ساتھ ڈیرے پر۔ وہاں چل کے باتیں کرتے ہیں، کچھ سوچتے ہیں یار۔'' سراج یہ کہتے ہوئے اٹھا تو چھاکا بھی اس کے ساتھ اٹھ گیا۔
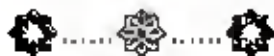
قسمت نگر میں ہر طرف دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ جس کی چمک میں کچے اور بوسیدہ گھروں کی بدحالی زیادہ واضح ہو کر اپنی بے بسی کی داستان سناتے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ لیکن اسی دھوپ میں قسمت نگر کی اکلوتی حویلی کا رعب و دبدبہ کچھ مزید بڑھ جاتا تھا۔ حویلی کے ڈرائینگ روم میں چوہدری جلال اور بشریٰ بیگم دونوں صوفے پر آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ چوہدری جلال شہر جانے کے لئے تیار ہو گیا تھا۔ اتنے میں حویلی اور چوہدرانی بشریٰ کی خاص ملازمہ رانی چائے لے کر آ گئی۔ اس کے ساتھ ہی چوہدری کبیر بھی آ کر ایک طرف صوفے پر بیٹھ گیا۔ رانی چائے بنانے لگی تو چوہدری جلال نے اسے دیکھتے ہوئے کہا

''رانی۔ ذرا کسی کو بلا کر پتہ کراؤ۔ گاڑی تیار ہے کہ نہیں۔''

''جی، پتہ کرتی ہوں۔'' وہ مودب اور دھیمے لہجے میں کہتے ہوئے پلٹ گئی۔ تبھی بشریٰ بیگم بولی

''آپ اطمینان سے چائے تو پی لیں۔ پھر چلے جایئے گا..... کون سا آپ نے کہیں دور جانا ہے، یہیں نور پور ہی تو جانا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ وقت پر واپس بھی آنا ہے۔'' اتنے میں کبیر وہیں آ گیا۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا

''بابا نور پور جائیں گے تو اپنی مرضی سے، واپسی کب ہوگی، یہ تو انہیں بھی نہیں پتہ ہوتا۔ معلوم نہیں کیسے کیسے لوگ، کس کس طرح کے معاملات لے کو بیٹھ جاتے ہیں۔ جیسے یہ ایم این اے بنے ہی انہی کے لئے ہیں۔'' چوہدری کبیر نے ہنستے ہوئے اپنے باپ کی طرف دیکھ کر کہا

''نہیں۔ یہ آج ایسی کسی جگہ نہیں جا رہے ہیں۔ بلکہ یہ وہاں جا رہے ہیں جہاں شاید مستقبل میں ہمیں بہت زیادہ جانا پڑے۔'' بشریٰ بیگم نے زیرلب مسکراتے ہوئے کہا۔ اتنے میں رانی پلٹ آئی اور اس نے آ کر بتایا

''چوہدری صاحب۔ وہ ڈرائیور کہہ رہا ہے کہ گاڑی تیار ہے۔''

''لو بیگم۔! میں تو چلا۔ کہیں اور نہ گیا تو کوشش کر کے جلدی واپس آ جاؤں گا۔'' چوہدری جلال نے اٹھتے ہوئے کہا تو بشریٰ بیگم بھی اٹھتے ہوئے بولی

''میں شدت سے انتظار کروں گی۔''

اس دوران چوہدری کبیر بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ماں بیٹا دونوں اس وقت تک کھڑے رہے جب تک چوہدری جلال باہر نہیں چلا گیا۔ وہ دونوں پھر سے بیٹھ گئے۔ اس دوران رانی چائے بنانے لگی۔ تبھی چوہدری کبیر نے پوچھا

''امی۔ یہ بابا کون سی خاص جگہ گئے ہیں۔''

''وہ اپنے ایک دوست کے پاس گئے ہیں، اُن سے ملنے کے لئے۔ سنا ہے کہ ان ایک پیاری سی بیٹی ہے۔ ظاہر ہے اب تمہارے لئے لڑکی تو ہم نے ہی تلاش کرنی ہے نا۔ ویسے کبیر، ایک بات تو بتاؤ'' ماں نے اسے بتاتے ہوئے پیار سے پوچھا

''پوچھیں۔'' اس نے لاپرواہی کے سے انداز میں جواب دیا تو بشریٰ بیگم نے پوچھا

’’تمہارے بابا نے بھی کہا تھا اور میں بھی چاہتی ہوں کہ تم سے پوچھ لوں۔ کیا تمہاری کوئی پسند ہے تو ہمیں بتاؤ؟‘‘

ماں کے یوں پوچھنے پر وہ چونک گیا۔ وہ خود پر قابو پاتے ہوئے خاموش رہا۔ پھر اپنی ماں کی طرف دیکھ کر مسکراتے کر ہوئے بولا

’’ماں یہ بات پھر کسی وقت کریں گے۔ اس وقت میں نے ڈیرے پر جانا۔‘‘ یہ کہہ کر وہ تیزی سے اٹھا باہر کی جانب چلا گیا۔

بشریٰ بیگم اسے دیکھتی رہ گئی۔ اس نے چائے کے بھرے ہوئے کپ کو دیکھا اور حیران ہوتے ہوئے خود کلامی کے سے انداز میں بولی

’’پتہ نہیں کیا ہے اس کے دل میں، اچھا پھر سہی،‘‘ یہ کہہ کر وہ رانی کی طرف متوجہ ہوتے ہو پوچھنے لگی ’’اے رانی، اب تو بتا مجھے یہ تو آج اتنی جلدی جلدی کام کیوں نمٹا رہی ہے۔ کیا بات ہے؟‘‘

’’وہ چوہدرانی جی۔! آج میں نے جلدی گھر جانا ہے۔ اب آپ سے کیا چھپانا۔ پار گاؤں سے میرے ناوہ ہونے والے سسرال سے مہمان آنے ہیں۔ میں نا......وہ......‘‘ رانی کہتے کہتے رُک گئی تو بشریٰ بیگم انتہائی سنجیدگی سے کہا

’’اچھا، اچھا، تیری شادی کی بات کرنے آئے ہوں گے۔ تو ایسے کر، وہ پینو سے کہہ دے۔ وہ کچن دیکھ لے گی۔ تو جا اور ہاں سن، اپنی ماں سے کہنا، بات ہو جائے تو مجھے ملے آ کر۔‘‘

’’جی، میں کہہ دوں گی۔ چائے بنا دوں آپ کے لئے۔‘‘

’’نہیں اب دل نہیں کر رہا، تو جا، میں پی لوں گی۔‘‘ بشریٰ بیگم نے کہا تو رانی پلٹ کر باہر نکل گئی۔ وہ اکیلی ڈرائینگ روم میں بیٹھی سوچوں میں کھو گئی۔

چوہدری کبیر کو نجانے کیوں اپنی شادی کی بات اچھی نہیں لگی تھی۔ ایسا کیوں ہوا تھا، اسے کچھ بھی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ وہ حویلی سے ڈیرے تک یہی سوچتا آیا تھا۔ اس نے اپنی فور وہیل جیپ ڈیرے کے صحن میں آ کر روک دی۔ اس کے ساتھ گن مین بھی نکل آئے۔ چوہدری کبیر جا کر صوفے پر بیٹھ گیا تو ماکھا اس کے قریب آ کر بڑے مودب انداز میں کھڑا ہو گیا۔ چوہدری کبیر نے اس کی طرف دیکھے بغیر پوچھا

’’او ماکھے سنا۔ سب خیر خیریت ہے نا؟‘‘

’’جی، ساری خیر ہے۔ پر ایک بات ہے چوہدری جی۔ وہ ماسٹر دین محمد......‘‘ ماکھا کہتے کہتے رُک گیا تو وہ لاپرواہی سے بولا

’’کیا ہوا اسے؟‘‘

’’میں نے سنا ہے جی کہ وہ گاؤں چھوڑ کر جا رہا ہے۔

’’کہاں۔! کہاں جائے گا وہ؟‘‘ چوہدری کبیر نے طنزیہ ہنستے ہوئے پوچھا

’’یہ تو پتہ نہیں لیکن یہ خبر ہے پکی۔ آخر کہیں تو جائے گا نا وہ۔‘‘ ماکھے نے پر یقین لہجے میں اپنا خیال ظاہر کیا تو چوہدری کبیر نے نخوت سے کہا

’’تجھے تو پتہ ہے نا ماکھے، مجھے ماسٹر دین محمد کی کوئی پروا نہیں۔ اُسے تو بابا نے بڑی سزا دی ہے۔ اب تو ویسے بھی وہ اوپر جانے والا

ہے۔لیکن یہ سلمٰی یوں ہاتھ سے نکل جائے، یہ تو مجھے منظور نہیں ہے نا۔" یہ کہہ کر وہ مسکرا دیا

"تو پھر کیا کیا جائے چوہدری جی، وہ لوگ کہاں تک سزا برداشت کریں۔" ماکھے نے الجھتے ہوئے کہا

"میں کب کہتا ہوں کہ وہ ساری زندگی سزا ہی برداشت کرتے رہیں۔ سلمٰی میری بات مان جائے تو شہزادیوں کی طرح رہے، نہال کر دوں گا اس کو۔" اس نے خیالوں ہی خیالوں میں نجانے کیا کچھ دیکھتے ہوئے کہا

"اب وہی تو نہیں مان رہی۔ اسی لیے انہوں نے یہاں سے جانے کا فیصلہ کیا ہے۔" ماکھے نے کہا تو چوہدری کبیر تختی سے بولا

"نہیں ماکھے نہیں۔ انہیں ہر حال میں روکنا ہے۔"

"وہ ہی تو میں پوچھ رہا ہوں چوہدری جی۔ آخر کیسے روکیں؟" ماکھے نے پوچھا

"اُو یار۔! انہیں، روپے پیسے کا لالچ دو۔ ہمدردی جتاؤ۔ انہیں کوئی آسرا دے کر روکو۔" چوہدری کبیر نے اس صلاح دی تو ماکھے نے کہا

"چوہدری جی۔ آپ کو پتہ تو ہے ماسٹر دین محمد اس نے کبھی روپے پیسے کا لالچ نہیں کیا، بھوک کاٹ لی اس نے کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا۔ اور پھر وہ جس بات پر اَڑ جاتا ہے نا تو......"

"ماکھے۔! انہیں روکنا تو ہے، چاہیں جیسے روکیں۔ انہیں کیسے روکنا ہے۔ یہ تم اچھی طرح جانتے ہو۔ جب ماسٹر ہی نہیں رہے گا تو؟" چوہدری کبیر نے ماتھے پر تیوریاں چڑھاتے ہوئے کہا

"سمجھ گیا چوہدری جی، سمجھ گیا۔ اب میں انہیں روک لوں گا۔" ماکھے نے یوں کہا جیسے وہ یہی سننا چاہتا ہو۔ تبھی چوہدری کبیر نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا

"ہوں۔ تو پھر جاؤ۔"

ماکھے نے سنا اور سر ہلاتے ہوئے تیزی کے ساتھ وہاں سے نکلتا چلا گیا۔ اسے جاتا دیکھ کر چوہدری کبیر طنزیہ انداز سے ہنس دیا۔ اسے سمجھ آ گئی تھی کہ اپنی شادی کی بات اسے اچھی کیوں نہیں لگی تھی۔

❁......❁......❁

دوپہر ڈھل چکی تھی۔ شام ہونے میں ابھی کافی وقت تھا۔ سلمٰی الگنی پر سے کپڑے اتار رہی تھی۔ وہ کپڑے اکٹھے کر کے اپنے کاندھے پر رکھتی چلی جا رہی تھی۔ ماسٹر دین محمد عصر کی نماز پڑھ کر گھر میں آیا۔ صحن میں آ کر اس نے سلمٰی کو تیزی سے کام کرتے ہوئے دیکھ کر کہا

"آج اتنا سارا کام کر کے تو میری بیٹی تھک گئی ہو گی نا۔"

"نہیں ابا جی۔! میں کہاں تھکی ہوں۔ ابھی تو میں نے یہ سارے کپڑے تہہ کر کے صندوقوں میں بند کرنے ہیں۔ بس یہی رہ گئے ہیں۔ یا پھر کھانے پینے والے تھوڑے سے برتن ہیں۔ انہیں سمیٹنا ہے۔ بس کام ختم؟" سلمٰی تیزی سے بولی تو ماسٹر دین محمد نے انتہائی مایوسی بھرے لہجے میں کہا

''ہاں پتر۔! ایک ہفتے سے زیادہ ہو گیا ہے۔اب تک خط کا جواب نہیں آیا.....لگتا ہے، اس بار بھی خط کا جواب نہیں آئے گا۔کل کا دن دیکھ لیتے ہیں۔''

''اگر کل بھی جواب نہ آیا تو؟'' وہ یوں بولی جیسے اسے خط کا جواب نہ آنے کا پورا یقین ہو

''پھر بیٹی، اللہ مالک ہے۔ کچھ نہ کچھ تو کرنا ہو گا۔'' وہ بولا تو سلمٰی نے طنزیہ انداز میں کہا

''کیا ہے ہماری زندگی، سر چھپانے کیلئے ایسی کوئی جگہ نہیں۔ کم از کم یہ تو سوچ لیں ابا کہ ہم جائیں گے کہاں؟''

''یہی تو میں سوچ رہوں پتر۔اس کی مجھے سمجھ آ گئی ہوتی نا تو میں کب کا یہ گاؤں چھوڑ کے جا چکا ہوتا۔'' ماسٹر دین محمد نے بے چارگی سے کہا

''تو پھر ہم جائیں گے کہاں؟ یوں گھر سے نکل کر دھکے کھانے کا کیا فائدہ؟'' وہ تشویش سے بولی

''تو کیا اپنا آپ چوہدریوں کے حوالے کر دیں؟ وہ جو چاہتے ہیں وہی کریں؟ نہیں میرا پتر نہیں۔ تُو مایوس نہ ہو۔کل ہم نے ہر حال میں چلے جانا ہے۔ رہی بات کہ کہاں جائیں گے۔تو نور پور میں ایک میرا دوست ہے، ہم اس کے پاس جائیں گے، وہ میرے ساتھ سکول میں پڑھاتا رہا ہے۔آگے اللہ مالک ہے خیر تم اپنا یہ سامان بہر حال سمیٹ لو۔'' یہ کہہ کر وہ دالان کی سمت چلا گیا۔ سلمٰی انتہائی مایوسی کے عالم میں الگنی سے کپڑے اتارنے لگی۔ ایسے میں دروازے پر تیز دستک ہوئی۔ ماسٹر دین محمد چارپائی بیٹھتے ہوئے اٹھ گیا۔ تیز دستک پھر ہوئی جیسے کسی کو بہت جلدی ہو۔ وہ آہستہ قدموں سے چلتا ہوا دروازے تک گیا۔اس نے دروازہ کھولا تو گلی میں چوہدریوں کی گاڑی کھڑی تھی اور ماکھا اپنے ساتھ کچھ بندوں کو لئے کھڑا تھا۔ ماکھے کے ہاتھ میں گن تھی، انہیں یوں اپنے گھر کے سامنے دیکھ کر اس کا ماتھا ٹھنکا۔ سہمی ہوئی سلمٰی دروازے کی اوٹ میں دیکھ رہی تھی۔ تبھی ماسٹر دین محمد نے گھر سے باہر آ کر درشتی سے پوچھا

''کیا بات، خیر تو ہے، کیوں آئے ہو تم؟''

''اُو خیر ہے ماسٹر۔بس ایک پیغام دینا تھا تمہیں نکے چوہدری کا۔وہ سن لے۔'' ماکھے نے پوری سنجیدگی سے کہا

''پیغام، نکے تیز چوہدری کا۔کیا بات کر رہے ہو؟'' ماسٹر دین محمد نے حیرت سے پوچھا تو ماکھے نے اس کی حیرت کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا ''بات یہ ہے ماسٹر کہ تو یہاں سے کہیں بھی نہیں جا سکے گا۔''

''کیا بکواس کر رہا ہے تو، میں جہاں بھی جاؤں، تم کون ہوتے ہو روکنے والے۔'' ماسٹر دین محمد کو واقعتاً غصہ آ گیا تھا، اس لئے اس نے سخت لہجے میں جواب دیا تو ماکھا بدتمیزی سے بولا

''یہ نکے چوہدری کا پیغام ہی نہیں حکم بھی ہے۔تو نے یہاں سے جانے کی کوشش کی تو پھر اللہ میاں کے پاس ہی جائے گا۔اس لئے اِدھر ہی گاؤں میں پڑا رہ۔اور وہ تجھے اس لیے روکنا چاہتا ہے کہ اسے تیری بیٹی اچھی لگتی ہے۔''

''بکواس بند کر کمینے۔'' ماسٹر دین محمد کا خون ایک دم سے جوش مار گیا، یہ کہتے ہوئے اس نے ماکھے کے تھپڑ مارنا چاہا کہ ماکھے نے غصے میں اس کا ہاتھ پکڑ کر زور سے دھکا دے دیا۔اسی لمحے سلمٰی کی چیخ نکل گئی

"ابا!"

ماسٹر گھوم کر ایک کار کے بونٹ پر جا گرا۔ ماسٹر دین محمد نے سر اٹھا کر دیکھا وہ فہد کی کار تھی۔ ماسٹر دین محمد سمیت وہاں پر موجود سب لوگوں نے حیرت سے اس اجنبی کو دیکھا، جو کار سے نکل آیا تھا۔ فہد نے کار میں سے نکل کر ماسٹر دین محمد کو اٹھایا، اپنے دامن سے اس کے چہرے پر لگی مٹی صاف کی تو بوڑھا ماسٹر دین محمد اس کے طرز عمل پر سسک کر رہ گیا ہے۔ فہد چند لمحے اپنے روحانی باپ کا چہرہ دیکھتا رہا، اس کی آنکھوں میں آئے آنسو صاف کئے پھر پلٹ کر ماکھے کی طرف دیکھا۔ وہ اس کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی گن کی پرواہ کئے بغیر اس کی طرف بڑھا، ایک ہاتھ سے اس کی گن پکڑ کر پرے پھینک دی، اور دوسری ہاتھ سے زوردار تھپڑ اس کے منہ پر مارا۔ ماکھا لڑکھڑا گیا۔ فہد نے اسے کالر سے پڑا اور دوسرا تھپڑ مارا، وہ گر گیا۔ اسی لمحے ماکھے کے ساتھیوں نے گنیں سیدھی کر لیں تو فہد نے اپنا پسٹل نکال کر بولٹ مارتے ہوئے ماکھے کے ماتھے پر رکھ دیا۔ ماکھے کی آنکھوں میں خوف سے زیادہ انتہائی حیرت تھی۔ وہ فہد کی طرف دیکھ رہا تھا۔ تبھی ماسٹر دین محمد نے تیزی سے آگے بڑھ کر فہد کو روکتے ہوئے کہا

"نہ، نہ پتر نہ، اس کے گندے خون سے اپنے ہاتھ مت رنگنا۔"

فہد نے ماسٹر دین محمد کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے ماکھے سے کہا

"یہ شخص میرا روحانی باپ ہے اور ان کی قدر میرے والدین سے بھی بڑھ کر ہے۔ آج تک تم لوگوں نے جو گستاخیاں کرنا تھیں، کر لیں، جن کا حساب اب تم لوگوں کو چکانا ہے۔ بہت ادھار ہے تم لوگوں کی طرف، کیونکہ میں، ان کا بیٹا اب آ گیا ہوں۔ اس سے پہلے کہ میں خود پر قابو نہ رکھ سکوں، اور تیرے گندے خون کے چھینٹے یہاں اُڑیں، پاؤں پڑ کے معافی مانگ....."

یہ کہتے ہوئے فہد نے ایک ٹھوکر اس کی پسلیوں میں ماردی۔ ماکھا تیزی سے ماسٹر دین محمد کے پیروں کی طرف رینگا اور پیروں پر ہاتھ رکھ دیئے۔

"دفعہ ہو جاؤ یہاں سے۔" ماسٹر دین محمد نے کہا تو ماکھا اپنی گن اٹھا کر گاڑی میں جا بیٹھا، فہد اپنے ہاتھ میں پسٹل لئے انہی کی طرف غور سے دیکھ رہا تھا۔ لمحوں میں اس کے ساتھی بیٹھے اور وہاں سے نکل گئے۔

ماسٹر دین محمد اس کی طرف بڑھا، اس دوران سلمیٰ ان کے پیچھے آ کر کھڑی ہو گئی۔ ماسٹر دین محمد نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا

"تم کون ہو بیٹا؟ میں نے تمہیں پہچانا نہیں؟"

یہ سن کر فہد ایک دم سے جذباتی ہو گیا۔ پھر وہ بھی جذباتی لہجے میں بولا

"وقت کتنا ظالم ہے استاد جی، اپنوں کے چہرے بدل دیتا ہے، میں، میں فہد ہوں فرزند حسین کا بیٹا..... آپ کا شاگرد۔"

ماسٹر دین محمد حیرت اور جذبات میں گم ہوتے ہوئے چونک گیا۔ اس کے منہ سے سرسراتے ہوئے نکلا

"تم..... تم فہد ہو؟ مجھے یقین تھا بیٹا کہ ایک دن تم ضرور لوٹ کے واپس آؤ گے۔"

"لیکن افسوس تو یہ ہے استاد جی، وقت ابھی تک نہیں بدلا۔ میں نے جس حال میں آپ کو آخری بار دیکھا تھا، مجھے آپ اسی حالت میں ملے ہیں۔ لیکن اب آپ فکر نہ کریں۔ میں یہ وقت ہی بدل دوں گا۔" فہد نے دانت پیستے ہوئے کہا تو ماسٹر دین محمد نے اس کی توجہ ہٹانے لے لئے سلمیٰ کی طرف دیکھ کر کہا

"یہ سلمیٰ ہے۔"

فہد اسے دیکھ کر مبہوت رہ گیا۔ وہ بھی حیرت زدہ نگاہوں سے اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ فہد نے جلدی سے ماسٹر دین محمد سے کہا

"آپ چلیں۔" فہد نے کہا تو وہ سب اندر کی طرف چل دیئے۔

فہد اور ماسٹر دین محمد صحن میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ باتیں تھیں کہ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔ تبھی فہد نے کہا

"استاد جی لگتا ہے، وقت نے آپ سے بہت کچھ چھین لیا ہے۔"

اس پر ماسٹر دین محمد نے فہد کا ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے کہا

"ہاں۔! بہت کچھ چھین لیا ہے۔ اتنا کچھ کہ جس کا ازالہ شاید کبھی نہ ہو سکے۔"

تب فہد جذباتی ہوتے ہوئے بولا

"میں آ گیا ہوں استاد جی۔ اپنے سارے قرض چکانے کے لئے۔ یہ قرض تب کا استاد جی، جس دن ہم دونوں نور پور جا رہے تھے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ یہاں پر میں نے چوہدری کے خلاف پورا زور لگا کر ایف آئی آر کٹوانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن کچھ نہ کر سکا، اور اسی وجہ سے میں آج تک عتاب میں ہوں۔" ماسٹر دین محمد آبدیدہ ہوتے ہوئے بولا

"اب نہیں، اب نہیں رونا استاد جی۔ میں آ گیا ہوں نا، ساری کشتیاں جلا کر۔ اور آپ کو معلوم ہے، کشتیاں کیوں جلائی جاتی ہیں۔"

"یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟" ماسٹر دین محمد نے چونک کر پوچھا

"زندگی نے مجھے یہ سبق دیا ہے استاد جی، مرنے کے لئے زندہ ہونا بہت ضروری ہے۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں، کیا مجھے کشتیاں جلا کر یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔" فہد نے پوچھا۔ اس سے پہلے کہ ماسٹر دین محمد جواب دیتا سلمیٰ نے قریب آ کر پوچھا

"ابا جی، کھانا لگا دوں؟"

"ہاں، ہاں پتر" اس نے فہد کی جانب دیکھا اور کہا، "اچھا چل، منہ ہاتھ دھو لے۔ کچھ کھا پی لے۔ پھر باتیں کرتے ہیں اور میں تمہیں بتاتا ہوں کہ ہم پر کیا گذری۔"

ماسٹر وہیں صحن میں پڑی چارپائی پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا جبکہ فہد اٹھ گیا۔ سلمیٰ اسے جاتا ہوا دیکھتی رہی۔ بہت عرصے بعد ان کے آنگن میں تھوڑا سکون تھا، جس میں خوف نہیں تھا۔

چوہدری کبیر نے اپنی فوروھیل حویلی کے پورچ میں روکی اور اتر کر اندر چلا گیا۔ وہ چلتا ہوا آ کر ڈرائینگ روم میں آیا تو اس نے منشی فضل دین کو ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے پایا۔ منشی اسے دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا۔ وہ ایک صوفے پہ بیٹھا تو منشی اس کے پاس آ گیا۔ چوہدری کبیر نے عام سے نارمل لہجے میں پوچھا

''بابا اب تک واپس نہیں آئے منشی؟''

''وہ اپنی پرانے دوست کے پاس گئے ہیں، اللہ جانے آج واپس بھی آتے ہیں یا نہیں کیونکہ وہ بڑے خاص کام سے ہیں نا'' منشی نے خوشامدانہ انداز میں بتایا۔

''خاص کام.....'' چوہدری کبیر نے کہا ہی تھا کہ اس نگاہ ماکھے پر پڑی، جو داخلی دروازے میں آ کر رُک گیا تھا۔ اُن دونوں نے اس کی طرف چونک کر دیکھا۔

''اوئے خیر تو ہے ناماکھے؟'' چوہدری کبیر نے اُلجھتے ہوئے پوچھا

''خیر ہی تو نہیں ہے۔ میں گیا تھا ماسٹر کو سمجھانے، لیکن اس کا پتر آ گیا ہے۔'' ماکھے نے متوحش انداز میں کہا تو دونوں نے یوں حیرت سے اس کی طرف دیکھا جیسے ماکھا پاگل ہو گیا ہو، تبھی منشی نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا

''پتر؟ اُوئے اس کا تو کوئی پتر ہی نہیں ہے۔ وہ کون آ گیا ہے.....اور تجھے ہوا کیا ہے؟'' اس نے ماکھے کی خستہ حالت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا تو ماکھے نے انہیں ساری روداد سنا دی، جسے سنتے ہی چوہدری کبیر کا چہرہ غضب ناک ہوتا گیا۔ جب وہ کہہ چکا تو چوہدری کبیر اٹھ کر کھڑا ہوتے ہوئے بولا

''آ ماکھے دیکھتے ہیں کون آ گیا ہے وہ، جس نے ہماری جُوہ میں آ کر ہمیں ہی للکار دیا ہے۔''

اسی لمحے منشی نے گھبراتے ہوئے کہا

''اوئے نہیں نکے چوہدری جی، آپ بیٹھو، میں دیکھتا ہوں۔ ایک فون کروں گا تھانیدار کو وہ تھانے لے جا کر اس کا دماغ ٹھیک کر دے گا۔ ماسٹر خود منت ترلا کرنے کے لیے ادھر آئے گا۔ میں کس لیے ہوں۔ دیکھتا ہوں میں، آپ بیٹھو نکے چوہدری جی۔''

اس پر چوہدری کبیر چند لمحے خود پر قابو پاتے ہوئے سوچتا رہا پھر بولا

''تُو جا ماکھے ڈیرے۔ چل منشی کر فون اس تھانیدار کو۔ شام تک مجھے وہ اپنے سامنے چاہئے۔''

''میں ابھی فون کرتا ہوں۔ آپ اندر جا کر آرام کریں۔ ابھی سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' منشی نے اعتماد سے کہا تو چوہدری کبیر اندر کی طرف چلا گیا اور ماکھا باہر کی جانب بڑھ گیا۔ ان دونوں کے جانے کے بعد منشی حویلی کے ڈرائینگ روم میں رکھے فون کا ریسور اٹھا کر نمبر ملانے لگا۔ کچھ دیر رابطہ ہو جانے کا انتظار کرنے لگا۔

دوسری طرف تھانے میں فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ دو چار رنگ جانے کے بعد ایک سپاہی نے ریسور اٹھا کر ہیلو کہا تو منشی بولا

''او میں منشی فضل دین بات کر رہا ہوں، حویلی سے، کدھر ہے وہ تمہارا تھانیدار، اس سے بات کراؤ میری۔''

''وہ تو نور پور گئے ہوئے ہیں۔ آج اُن کی عدالت میں پیشی تھی نا جی۔'' سپاہی نے آواز پہچانتے ہوئے تیزی سے جواب دیا۔

''واپس کب آنا ہے اس نے؟'' منشی نے جھنجھلاتے ہوئے پوچھا

''پتہ نہیں جی، مرضی والے ہیں، چاہیں تو ابھی آجائیں یا پھر نہ آئیں خیر تو ہے نا منشی جی، کیسے یاد کیا۔'' سپاہی نے مودب لہجے میں پوچھا

''بھلا تم پولیس والوں کو کسی خیر میں یاد کیا جاتا ہے، وہ جیسے ہی آئے اسے کہنا فوراً مجھے آکر ملے، بہت ضروری کام ہے۔'' منشی نے بگڑے ہوئے انداز میں کہا

''جی بہتر، میں آپ کا پیغام دے دوں گا۔ اور سنائیں ٹھیک ہیں نا آپ۔'' سپاہی نے کہا

''اُو ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔'' منشی نے اکتاتے ہوئے کہا اور ریسور رکھ دیا۔ وہ پریشان ہو گیا تھا۔ چوہدری کبیر سے اس نے وعدہ کیا تھا، اگر پورا نہ ہوا تو اس کے ساتھ کیا ہوگا۔ وہ یہی سوچ کر لرز گیا۔

❁……❁……❁
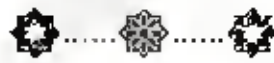
مائرہ اپنے بیڈ روم میں تھی۔ دھیمی روشنی میں یہ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ وہ اپنے بیڈ پر پڑی رو رہی ہے۔ اسے فہد یاد آرہا تھا۔ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ فہد اپنے آبائی گاؤں قسمت نگر چلا گیا ہے۔ اس فہد کی کہی ہوئی بات بہت بے چین کر رہی تھی کہ میں اپنے مستقبل کی پلاننگ کر ہی نہیں سکتا۔ میرے حالات نے بہت پہلے پلاننگ کر دی ہے۔ یہ کیا ہے، کیوں ہے، کیسے ہے؟ اسے سمجھنے کے لیئے بڑا وقت لگے گا۔ تم میرا انتظار نہ کرو۔ مائرہ کو اس وقت تو اس بات کی اتنی سمجھ نہیں آئی تھی اور نہ ہی اس کا پس منظر جانتی تھی۔ اسے جب جعفر نے بتایا تو نجانے اسے یہ کیوں لگا کہ وہ فہد کو کھو چکی ہے۔ ایک دم سے ہی وقت اور حالات اسے کھردرے لگنے لگے تھے۔

وہ اپنے آفس میں بے چین تھی۔ اس لئے شام کے وقت وہ اپنے آفس ہی سے جعفر کے گھر چلی گئی تھی۔ جعفر اس وقت اپنے کمرے میں کسی فائل پر کام کر رہا تھا۔ کچھ دیر ادھر ادھر کی باتوں کے بعد جب اس نے تو فہد کو سمجھانے اور مل کر اس سے بات کرنے کے بارے میں کہا تو جعفر نے اس کے جانے کے بارے میں ساری بات کہہ دی۔ اس نے کچھ بھی مائرہ سے نہیں چھپایا۔ تبھی وہ ایک دم سے افسردہ ہو گئی۔ اس کا افسردہ چہرے پر رنجیدہ احساس پھیل گیا تھا۔ کافی دیر مائرہ خاموش رہنے کے بعد گلوگیر لہجے میں بولی

''تو وہ چلا گیا۔ جعفر۔! مجھے بتاؤ۔ میں نے ایسا کیا کیا ہے جس کی مجھے اس نے سزا دی۔''

''یقیناً وہ تمہاری محبت کا اہل نہیں تھا۔'' اس نے دھیرے سے کہا تو وہ حیرت سے بولی

''تم۔! جعفر یہ تم کہہ رہے ہو۔ جو خود اس پر اپنی جان نچھاور کر سکتا ہے۔ میری بات چھوڑو تم بتاؤ، تم اس کے لئے پرخلوص کیوں ہو؟''

''اس لئے کہ وہ میرا سب سے اچھا دوست ہے۔ مگر تم کہنا کیا چاہتی ہو؟'' اس نے پوچھا

''یہی کہ آخر ایسی کون سی مجبوری تھی جو اس نے یہاں کی پرسکون زندگی چھوڑ کر خود کو قتل گاہ میں جھونک دیا۔'' مائرہ نے غصے میں کہا

''تم صرف اپنے لئے سوچ رہی ہو کہ وہ تمہیں چھوڑ کر چلا گیا۔ میں تم سے یہ سوال کرتا ہوں۔ کیا واقعی اسے تم سے محبت تھی؟'' جعفر کے لہجے میں طنز تھا

''میں اس کے دل بارے تو نہیں جانتی کہ میں اس میں ہوں یا نہیں۔ لیکن اتنا ضرور جانتی ہوں کہ میں اس سے محبت کرتی ہوں ۔اور پھر۔! اس نے یہ احساس بھی نہیں ہونے دیا کہ وہ مجھ سے محبت نہیں کرتا۔'' وہ صاف انداز میں بولی

''تو بس مائرہ۔! ہم اپنے اپنے دائرے میں رہ کر سوچتے ہیں۔ ہم اپنے ہی بنائے ہوئے معیار پر دوسروں کو پرکھتے ہیں۔ کبھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کرتے کہ دوسرے اپنے دائرے میں کیسے زندہ ہیں۔ اُن کے ساتھ کیا بیت رہی ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا تو مائرہ نے بے بسی سے کہا

''میں بہت ڈسٹرب ہوں جعفر۔! یہ دل اسی کے نام پر دھڑکتا ہے نا۔''

''صرف اپنے لئے سوچ رہی ہو نا۔ میں یہ نہیں کہوں گا کہ یہ کیسی خودغرض محبت ہے لیکن ذرا سوچو، تمہاری محبت میں اتنی بھی قوت نہیں کہ یہ جان سکو، وہ یہاں سے کیوں گیا۔ خدارا اسے طنز مت سمجھنا۔'' جعفر نے کہا تو مائرہ نے اس کی طرف چونک کر دیکھا، پھر سرسراتے ہوئے بولی

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟''

''یہی بات میں نے اسے بھی سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ ایک ایک پہلو اس کے سامنے رکھا جو اس نے اپنی دلیلوں سے رد کر دیا۔'' اس نے بے بسی سے کہا

''اُسے کیا ہو گیا ہے۔ وہ جوشِ انتقام میں اس قدر حواس کیوں کھو بیٹھا ہے۔ اور اس طرح اچانک چلے جانا۔'' وہ الجھتے ہوئے بولی

''اچانک نہیں مائرہ۔! وہ اپنی ذات کے ساتھ Commited ہے اس نے کسی سے کچھ نہیں مانگا۔ بلکہ اپنا قرض اتارنے خود ہی چل دیا۔ وہ قرض جس کا بوجھ وہ اپنے کاندھوں پر بچپن سے لئے پھرتا ہے۔ وہ دھیرے دھیرے سلگتا رہا اور اب آگ اس کے بس سے باہر ہو گئی ہے۔ اور اس آگ میں ساری محبت، ساری دوستی اور سارے جذبات جل کر بھسم ہو گئے ہیں میں تمہیں وجہ بتا چکا ہوں کہ وہ کیوں گیا۔'' جعفر نے بے حد جذباتی ہوتے ہوئے کہا، لمحہ بھر سانس لینے کے بعد بولا ''ہم اپنی محبت اور دوستی کو رو رہے ہیں۔ مگر، میں یہ کہتا ہوں۔ کیا اس کے چلے جانے کے بعد ہم اسے بھول جائیں گے۔ کیا اسے اکیلا چھوڑ دیں گے۔ کیا اسے ہم یقین نہیں دیں گے کہ وہ جہاں بھی ہے، ہم دونوں کی محبت اور خلوص اُس کے ساتھ ہے؟''

''کیوں نہیں، میں تو یہ سوچ رہی ہوں کہ اسے واپس لایا جائے۔ وہ جس مجبوری میں وہاں گیا ہے۔ اسے ہم حل کر ختم کر دیں۔ ظاہر ہے اسے ہماری ضرورت تو ہو گی۔'' مائرہ نے کہا

''بس یہی اعتماد چاہئے۔وہ آئے گا ایک دن،ضرور آئے گا۔وہ جیسے شعر کا مصرع ہے نا۔لوٹ آئے گا پرندہ،یہ شجر جانتا ہے۔''
جعفر نے تمتماتے ہوئے چہرے کے ساتھ کہا تو حسرت سے بولی

''ہاں۔!اسے آنا ہی ہوگا۔''

اگر چہ وہ کافی دیر تک فہد کے بارے میں بات کرتے رہے،تاہم اس کا اپنا دل مضطرب ہوگیا تھا۔سر شام ہی وہ اپنے کمرے میں آ کر بند ہوگئی اور اس کے آنسو بہتے چلے گئے۔ وہ ان سارے آنسوؤں کو بہا دینا چاہتی تھی۔وہ ہچکیوں میں رو رہی تھی۔تبھی اس کا سیل فون بجا۔مائرہ نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے اسکرین پر دیکھا،وہ جعفر کا فون تھا۔اس نے کال ریسو کرتے ہوئے بھیگی ہوئی آواز میں کہا

''ہیلو جعفر۔''

''میں جانتا تھا کہ تم اس وقت رو رہی ہوگی۔'' وہ طنزیہ لہجے میں بولا

''نہیں تو۔!میں کیوں روؤں گی۔تم نے غلط اندازہ لگایا۔اور یہ تم نجومی کب سے ہوگئے ہو۔'' اس نے جھوٹ بولتے ہوئے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا

''نہیں مائرہ۔!تم جتنا بھی جھوٹ بولو۔مگر تمہارا دل گواہی دے گا کہ میں سچ کہہ رہا ہوں۔'' وہ دھیمے لہجے میں بولا

''تو پھر اور کیا کروں جعفر۔!فہد نہیں ملتا تھا تو دل اتنا بے قابو نہیں ہوتا تھا۔لیکن اب جہاں پر وہ ہے۔وہاں اکیلا ہے۔میں بے بسی میں کیا کروں۔'' اس نے بے تابی سے کہا

''اُسے کچھ نہیں ہوتا۔خیر۔!تم رونا دھونا بند کرو تو ایک بات کہوں۔'' اس نے یقین دلاتے ہوئے کہا

''کہو۔!میں سن رہی ہوں۔'' وہ آہستگی سے بولی

''کل لنچ میرے ساتھ لو۔تم اپنی پسند کا ریستوران بتاؤ گی یا میں بتاؤں۔'' وہ شوخ انداز میں بولا

''کیوں۔!کوئی خاص بات؟'' اس نے چونک کر پوچھا تو وہ ہنستے ہوئے بولا

''میں صرف دیکھنا یہ چاہتا ہوں کہ روتے ہوئے تمہارا چہرہ کیسا لگتا ہے۔''

''یہ کیا بات ہوئی بھلا۔'' مائرہ نے ایک دم سے مسکراتے ہوئے کہا

''مسکراہٹ آئی ہے نا تمہارے چہرے پر؟''

اس کے یوں کہنے پر وہ چونک گئی،پھر سچ کہا

''ہاں آئی ہے۔''

''اور دوسری بات۔!اپنے اردگرد دیکھو،تمہارے ساتھ مل کر رونے والے بھی کچھ لوگ ہیں۔اور وہ تمہارے اپنے ہیں۔ان کا خیال کیا کرو۔'' وہ پھر اسی شوخ لہجے میں بولا تو مائرہ حیران ہوتے ہوئے پوچھا

"یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟ میں سمجھی نہیں۔"

"کل سمجھاؤں گا۔ تو پھر کل پکا۔ اب اچھے بچوں کی طرح یہ رونا دھونا بند کرو اور سو جاؤ۔ کل بہت ساری باتیں کریں گے۔ میں خود تمہارے پاس آؤں گا تمہارے آفس۔ اب گڈ نائٹ۔"

"گڈ نائٹ جعفر۔" یہ کہہ کر اس نے سیل فون سائیڈ ٹیبل پر رکھا، ٹیبل لیمپ آف کیا اور آنسو صاف کرتے ہوئے لیٹ گئی۔ وہ اپنے دماغ میں کسی طرح کا بھی کوئی خیال نہیں آنے دینا چاہتی تھی۔ اسے لگا جیسے جعفر کا فون اسے پرسکون کر گیا ہے۔ وہ اس کی باتوں پر غور کرتی ہوئی نجانے کب نیند میں کھو گئی۔

صبح جب وہ بیدار ہوئی تو تازگی کا احساس لئے ہوئے تھی۔ وہ تیار ہو کر اپنے آفس چلی گئی۔ دوپہر سے ذرا پہلے جعفر اس کے پاس چینل آ گیا۔ کچھ دیر ادھر ادھر کی باتوں کے دوران کافی آ گئی۔ تبھی مائرہ نے پریشانی میں کہا

"میں نے اپنے ذرائع سے پتہ کیا ہے۔ فہد جس بندے سے ٹکر لینے گیا ہے نا، وہ بہت طاقت ور ہے۔ ایک طرح سے وہ اپنے علاقے پر حکمرانی کر رہا ہے۔ اس کے سامنے اکیلا فہد کچھ بھی نہیں ہوگا۔ وہ تنہا ہے، چوہدری تو اسے۔۔۔۔ بندہ کچھ نا کچھ تو اپنے تحفظ کا احساس کرتا ہے۔"

"بلاشبہ اس کے اندر انتقام کا جذبہ اتنا شدید تھا کہ....." جعفر نے کہنا چاہا تو وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی

"انتقام کا جذبہ جتنا مرضی شدید ہو مگر طاقت کے سامنے کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتا وہ خود اپنی آگ میں جل کر راکھ ہو جائے گا۔ ہمیں کچھ کرنا ہوگا جعفر۔"

"مجھے تو یہی دکھ ہے مائرہ۔! یہاں اتنی دور بیٹھے ہم اس کے لئے کیا کر سکتے ہیں۔" اس نے مائرہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تو طنزیہ لہجے میں بولی

"تم نے ہی کہا تھا نا جعفر، کہ کیا ہم اسے بھول جائیں گے۔ اسے اکیلا چھوڑ دیں گے۔ کیا اسے ہم یہ یقین نہیں دیں گے کہ وہ جہاں بھی ہے۔ ہم دونوں کی محبت اور خلوص اس کے ساتھ رہے گا۔"

"ہاں، کہا تھا، مجھے اچھی طرح یاد ہے، لیکن کیسے؟ یہی تو سوچنے والی بات ہے۔" اس نے الجھتے ہوئے کہا

"جو بھی ہو سکا، ہمیں وہ کرنا تو ہے نا۔ یوں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے تو نہیں رہیں گے۔ سوچنا یہ ہے کہ یہاں بیٹھ کر ہم کیا کر سکتے ہیں؟" وہ پرجوش انداز میں بولی

"تو کیا کریں۔ بتاؤ، میں ابھی وہ سب کچھ کرنے کے لئے تیار ہوں۔" اس نے حتمی لہجے میں کہا

"دیکھو۔! اس وقت سب سے پہلا مسئلہ اس کے تحفظ کا ہے۔ اور ہمیں یہ کرنا ہے کہ کچھ ایسا کریں، جس سے کم از کم اس کا تحفظ ضرور ہو جائے۔" مائرہ سوچتے ہوئے بولی

"یہ پولیس کا کام ہے کہ وہ عوام کو تحفظ دیں۔ اور جہاں پر وہ ہے وہاں انہی لوگوں کی پولیس، تھانہ اور کچہری ہوتے ہیں۔ یہاں فہد کچھ بھی ہو، لیکن وہاں اس کی حیثیت ایک عام شہری کی بھی نہیں ہوگی۔" جعفر نے تشویش سے کہا

"پولیس۔؟ اسے تحفظ دے گی۔ میں کچھ کرتی ہوں۔ تم بھی تو اے ایس پی ہو، مجھے مشورہ دو، میں کیا کروں۔" اس نے جعفر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ بولا

"وہاں کے سارے علاقے کا انچارج ڈی ایس پی ہی ہے۔ اُسے کہلواؤ۔"

یہ سن کر مائرہ نے ایک لمحے کے لئے سوچا، پھر انٹر کام کا ریسور اٹھایا اور نمبر ملانے لگی۔ چند لمحوں بعد ہی رابطہ ہو گیا تو وہ بولی

"مجھے آئی جی پولیس سے بات کرنا ہے۔ ان سے ملائیں۔"

یہ کہہ کر وہ ریسور رکھ دیا اور بے چینی سے رسیور کو تکنے لگی۔ جعفر یوں سر ہلانے لگا جیسے وہ سمجھ گیا ہو کہ مائرہ کیا چاہتی ہے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہوئے رابطہ ہو جانے کا انتظار کرنے لگے۔ کچھ دیر بعد فون کی بزر بجنے پر اس نے جلدی سے ریسور اٹھاتے ہوئے اسپیکر آن کر دیا، پھر لمحہ بھر بعد بولی

"سر میں مائرہ بات کر رہی ہوں۔"

"اوہو۔! بہت دنوں بعد انکل کی یاد آئی ہے۔" دوسری طرف سے خوشگوار انداز میں شکوہ کیا گیا

"سوری انکل، اتنا بزی ہوتی ہوں نا......"

"مجھے پتہ ہے، ٹی وی اسکرین تمہاری مصروفیت بتا رہی ہے آج کل، بتاؤ کیا کام ہے۔"

"ویسے فون تو میں نے کام ہی کے لیے کیا ہے انکل، ایسا ہے کہ نور پور کے ساتھ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے قسمت نگر۔ آج کل وہاں ہمارا ایک دوست گیا ہے۔ ممکن ہے وہاں اس کی جان کو خطرہ ہو۔ اس کی تفصیلات میں آپ کے آفس میں آ کر بتاتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے بیٹا تو آ جاؤ نا۔ یہاں بیٹھ کر آرام سے بات کر لیں گے۔ لیکن آنا جلدی، مجھے کہیں جانا ہے۔"

" اوکے انکل، میں ابھی آئی۔" یہ کہتے ہوئے اس نے رسیور رکھا اور جعفر کو چلنے کا اشارہ کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ جعفر کے چہرے پر دبا دبا جوش تھا۔

❁......❁......❁

قسمت نگر میں دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ موسم خاصا اچھا ہو گیا ہوا تھا۔ فہد نہا دھو کر تیار ہو چکا تھا۔ وہ صحن میں پڑی کرسی پر بیٹھا تو سلمٰی اس کے لئے چائے لے کر آ گئی۔ کرسی کے پاس پڑی تپائی پر کپ رکھتے ہوئے پوچھا

"آپ ناشتہ ابھی کریں گے یا کچھ دیر بعد؟"

"یہ تم مجھے آپ کیوں کہتی ہو۔ پہلے کبھی یوں اجنبیت سے نہیں بلایا کرتی تھی۔ بھول گئی، اپنا اور میرا بچپن؟" فہد نے خوشگوار انداز میں کہا

"آپ کو آپ، اس لئے کہتی ہوں کہ اب آپ بڑے ہو گئے ہیں۔" اس نے شرماتے ہوئے دوسری طرف دیکھتے ہوئے کہا

"میرے ساتھ ساتھ تم بھی تو بڑی ہو گئی ہو۔" وہ ہنستے ہوئے بولا تو سلمیٰ نے چونک کر اسے دیکھا جو اسے بڑے غور سے دیکھ رہا تھا، تب وہ گھبراتے ہوئے بولی

"نہیں۔! میرا مطلب ہے۔ آپ بڑے آدمی بن گئے ہیں اور یہ آپ مجھے ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں۔"

"یہی کہ جب میں نے تمہیں آخری بار دیکھا تھا تم چھوٹی سی تھی۔ اب تمہیں دیکھنے کے لئے اپنی آنکھوں کو بہت کچھ سمجھانا پڑتا ہے۔ روشنی جب زیادہ ہو تو آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔" فہد نے کہا تو سلمیٰ گھبراتے ہوئے بولی

ہاں شاید۔ مجھے یاد نہیں۔ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"اُستاد جی بتا رہے تھے کہ تم نے بی اے کر لیا ہوا ہے۔ کیسے کر لیا یہاں تو بہت مشکل تھا۔" فہد نے پوچھا تو اعتماد سے بولی

"جی۔! میں نے بی ایڈ بھی کر لیا ہے۔ یہ سب ابا جی کے حوصلہ دینے کی وجہ سے ہوا۔ وہ مجھے پڑھاتے رہے اور میں پرائیویٹ امتحان دے کر پاس ہوتی چلی گئی۔ آپ بتائیں ناشتہ لاؤں؟"

"تم بہت اچھی ہو۔" وہ بولا تو سلمیٰ نے حیرت سے کہا

"اتنی سی بات پر آپ نے اتنی بڑی رائے قائم کر لی؟"

"ہاں۔! پھول کو دیکھو تو پہلی نگاہ میں رائے خود بخود بن جاتی ہے۔" اس نے ایک دم سے کہا پھر لمحہ بھر خاموشی کے بعد آرزدہ لہجے میں بولا، "خیر۔! میرے جانے کے بعد میری وجہ سے استاد جی نے بہت مشکل وقت گذارا۔ اس سے تمہاری زندگی بھی متاثر ہوئی۔ اس کا مجھے بہت افسوس ہے۔"

"ہمارا تو جیسے تیسے وقت گذرا، گذر گیا۔ آپ کا وقت شہر میں کیسا گذرا؟" سلمیٰ نے پوچھا تو فہد نے گہری سانس لے کر کہا

"آہ۔! میرا وقت کیسے گذرا۔ ایک غریب دیہاتی لڑکا، جو اپنی پڑھائی پوری کرنے کے لئے دن بھر محنت کرتا رہا۔ اس کا وقت کیسے گذرا ہوگا۔ تم خود اندازہ کر سکتی ہو۔"

"اندازے اور حقیقت میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ فہد صاحب۔ بہت سارے سوال ہیں میرے ذہن میں۔" اس تیز انداز میں کہا

"میں تمہارے ہر سوال کا جواب دوں گا۔ یہاں تک کہ کوئی بھی سوال نہ رہے گا۔ استاد جی آجاتے ہیں تو ناشتہ بھی کر لیتے ہیں۔ پھر میں آج اپنے پرانے دوستوں سے ملنے جاؤں گا۔" اس نے خیالوں میں کھوئے ہوئے انداز میں کہا

"ٹھیک ہے، جیسے آپ چاہیں۔" یہ کہتے ہوئے وہ پلٹ گئی۔ فہد اس کی طرف دیکھتا ہوا مسکرا دیا۔ اسے احساس ہوا کہ ویرانوں میں بھی ایسے نرم و نازک اور خوبصورت رنگوں والے پھول کھل جانا نئی اور انوکھی بات نہیں، جن کی خوشبو سے انسان پورے وجود سے مہک جائے۔

ناشتے کے بعد وہ اپنی کار لے کر سیدھا چوراہے پر چلا گیا۔ فہد کی کار چوراہے میں آ کر رکی تو لوگوں نے چونک کر اس کی جانب

دیکھا۔وہ کار سے اترا اور چلتا ہوا سیدھا ان کے پاس چلا گیا جو برگد کے درخت تلے بیٹھے تاش کھیلنے میں مصروف تھے۔اس نے جاتے ہی اونچی آواز میں کہا

''اسلام علیکم بزرگو۔''

تقریباً سبھی نے یک زبان ہوتے ہوئے سلام کا جواب دیا تو چاچا سوہنا اسے غور سے دیکھنے کے بعد بولا

''اوہ وعلیکم اسلام۔!کون ہے جوان تو؟ پہچانا نہیں تجھے؟''

اس پر فہد نے مسکراتے ہوئے کہا

''لیکن میں آپ سب کو پہچانتا ہوں۔تو چاچا سوہنا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے اس کا لہجہ بھیگ گیا۔پھر درد بھرے لہجے میں اس کے چہرے پر دیکھ کر بولا،''وہ چاچا سوھنا، جواب بوڑھا ہو چکا ہے۔یہ وہ چاچا سوھنا تانگے والا ہے، جس نے میری جان بچائی تھی۔''

چاچا سوھنا ایک دم سے چونک گیا۔تاش کے پتے اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئے۔وہ خوشگوار حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے لرزتی آواز میں بولا

'' اوئے تو فہد ہے،اپنے فرزند حسین کا بیٹا؟''

اس کے یوں پوچھنے پر وہاں دھیمی چہ میگوئی ہونے لگیں۔سبھی حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔فہد نے ہاں میں سر ہلایا تو چاچا سوہنا انتہائی خوشی سے بولا

''اوئے اُش کے بھئی اُش کے،کل شام سے بڑے چرچے ہیں تیرے پورے قسمت نگر میں۔''

''ہاں چاچا۔!تمہارا بیٹا اشفاق جو میرا کلاس فیلو تھا۔کہاں ہے وہ؟''

''پتہ نہیں صبح سے میرے ساتھ ہی گھر سے نکلا ہوا ہے، جی کرے تو ابھی آجائے، یا پھر گھر میں ہوگا۔تو بتا اتنا عرصہ کدھر رہا،اب اچانک کیسے؟'' چاچے سوھنے نے پوچھا تو ہنستے ہوئے بولا

''میں ٹھیک ہوں چاچا۔کیا ساری باتیں ابھی پوچھ لے گا۔میں ہمیشہ کے لئے آگیا ہوں۔اب میں آپ لوگوں کے ساتھ ادھر گاؤں میں ہی رہوں گا۔'' یہ کہہ کر وہ قریب بیٹھے لوگوں سے ہاتھ ملانے لگا۔پھر وہیں ان کے پاس بیٹھ گیا۔تبھی وہیں پر موجود ایک بندے نے کہا

''وہ تو ٹھیک ہے، پر تو رہے گا کدھر؟ تیرے گھر میں تو چوہدری نے اپنے ڈنگر باندھے ہوئے ہیں اور وہ جو تیری چند ایکڑ زمین ہے۔اس پر ان ڈنگروں کے لئے چارہ اُگتا ہے۔''

''میں آگیا ہوں نا۔اب گھر بھی لے لوں گا اور زمین بھی۔'' فہد نے سکون سے کہا تو چاچا سوہنا جلدی سے بولا

''مگر کیسے۔چوہدری کی منت ترلا کر لی ہے تو نے؟''

''نہیں چاچا۔!چوہدری خود چھوڑے گا زمین اور گھر بھی۔اس کی اوقات ہی کیا ہے۔'' اس نے عام سے لہجے میں کہا تو وہاں پر

موجود لوگ چونک گئے۔تبھی چاچا سوھنا جلدی سے بولا

''او فہد پتر۔! چوہدری کے خلاف بات نہ کر۔ادھر بات منہ سے نکلے گی۔اُدھر چوہدری کے کانوں تک پہنچ جائے گی۔شاید تمہیں نہیں پتہ، وہ پہلے سے کہیں زیادہ طاقت ور ہو چکا ہے۔تھانے کچہری میں اسی کی چلتی ہے۔کسی افسر کی مجال ہے جو اس کے آگے چوں چراں کرے۔ہر بار وہی ایم این اے بنتا ہے۔اب بھی وہ ایم این اے ہے۔وہ چاہے تو.....'' چاچا سوھنا کہتا جا رہا تھا کہ فہد نے اس کی بات کاٹ کر کہا

''پتہ ہے مجھے۔کیا آپ لوگوں کو نہیں پتہ دوسروں کے مال پر قبضہ کرنے والا چور، ڈاکو اور لیٹرا ہوتا ہے۔اور چوہدری، چوروں لیٹروں سے بھی زیادہ غلط آدمی ہے۔اس نے تو لوگوں کے وسائل پر قبضہ کیا ہوا ہے۔باقی رہی اس کے ہر بار ایم این اے بننے کی بات۔اب وہ ایم این اے نہیں بنے گا۔لوگ اب جاگ گئے ہیں۔شعور آ گیا ہے۔اب ایسے چور، لیٹرے اور قاتل ایم این اے نہیں بنیں گے۔وقت بدل گیا ہے چاچا۔''

یہاں تو کچھ بھی نہیں بدلا پتر، سب ویسے کا ویسے ہے۔لیکن تو بات سوچ سمجھ کے کر پتر۔!اگر ہمت ہے تو سیدھے اپنا گھر اور زمین لے لے۔ورنہ چپ کر اور خاموش ہو جا۔چوہدری کے کانوں تک بات پہنچتے دیر نہیں لگتی۔'' چاچے سوھنے نے اس سمجھاتے ہوئے کہا

''چاچا۔! کیا یہاں اس چوراہے پر ہونے والی ہر بات چوہدری تک پہنچ جاتی ہے؟'' فہد نے پوچھا

''ہاں۔! ہم میں سے ہی ہیں وہ لوگ، جو اپنی وفاداری جتانے کی خاطر اسے جا کر سب بتا دیتے ہیں۔'' چاچے نے نفرت سے کہا

''یہ وفاداری نہیں، غلامی ہے چاچا۔اچھا ہے، یہ ساری باتیں اس تک پہنچ جائیں۔'' فہد نے کہا ہی تھا کہ اتنے میں ایک طرف سے پولیس وین نمودار ہوئی۔چوراہے پر موجود سب اس کی طرف دیکھنے لگے۔وین اُن کے پاس آ کر رک گئی۔اس میں سے پہلے دو سپاہی ، پھر تھانیدار نکل آیا۔تھانیدار فہد کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی طرف بڑھ آیا۔ اس نے آتے ہی اپنی انگلی سے فہد کی ٹھوڑی کو اٹھایا پھر انتہائی بدتمیزی اور پرغرور لہجے میں بولا

''تم ہو فہد، جس نے چوہدری کبیر کے ملازم پر ہاتھ اٹھانے کی جرات کی ہے۔''

اس پر فہد کو ایک دم سے غصہ آ گیا۔اس نے اپنی انگلی سے اُس کی انگلی کو پرے کرتے ہوئے سرد لہجے میں کہا

''تم بھی تمیز سے بات کرو، ورنہ میری جرات کیا ہے، وہ میں تمہیں ابھی دکھاؤں کیا؟''

اس کے یوں کہنے پر تھانیدار نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔کبھی کسی کی اتنی جرات نہیں ہوئی تھی کہ اس کے سامنے بولے اور فہد نے ان سب لوگوں کے سامنے اسے بے عزت کر کے رکھ دیا تھا۔اس لئے وہ محتاط لہجے میں بولا

''لگتا ہے اپنے آپ کو بڑی توپ شے ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہو، چل تھانے۔وہاں بتاتا ہوں، تمیز کیا ہوتی ہے اور جرات کس چڑیا کا نام ہے۔''

"ایسی دھمکیاں تم یہاں کے غریب اور بے بس انسانوں کو بہت دے چکے ہوانسپکٹر، یہ مجھ پر کوئی اثر نہیں کرنے والیں، اگر تم میں ہمت ہے تو مجھے لے جا کر دکھاؤ تھانے۔ ابھی تیری چڑیا طوطے دیکھ لیتا ہوں۔ لاؤ دکھاؤ، کہاں ہیں میری گرفتاری کے آرڈر؟" فہد نے غصے میں کہا تو اس نے طنزیہ لہجے میں کہا

"کافی ٹیڑھا لگتا ہے۔ چل تجھے گرفتاری کے آرڈر بھی دکھاؤں اور....."

یہ کہتے ہوئے اس نے فہد کی طرف ہاتھ بڑھایا تو فہد نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا، پھر اسے سرزنش کرتے ہوئے بولا

"مجھے ہاتھ لگانے سے پہلے سو دفعہ سوچ لو انسپکٹر، تمہاری بھلائی اسی میں ہے۔" فہد نے اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے کہا، "اب جاؤ یہاں سے، اور ان سے کہنا کہ اگر ان میں دم ہے تو خود سامنے آئیں، تم جیسے مہروں کا سہارا نہ لیں۔"

اس کے یوں کہنے پر، سپاہیوں نے اپنی گنیں سیدھی کر لیں۔ تھانیدار نے فہد پر نگاہیں گاڑے، ہاتھ کے اشارے سے انہیں روک دیا پھر چلنے کا اشارہ کرتے ہوئے، خود وین میں جا بیٹھا۔ حیران و پریشان سپاہی بھی وین میں جا بیٹھے تو وین چل دی۔ دھول کی اوٹ سے چاچے سوہنے کا چہرہ ابھرا جو غور سے فہد کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے بے ساختہ کہا

"اوخوش کیا پتر۔" پھر پاس بیٹھے ایک بندے سے کہا، "اوئے جا اوئے حنیفے سے ٹھنڈی بوتل لے کر آ فہد پتر کے لئے۔ پھر تجھے چھاکے سے بھی ملواتا ہوں۔"

وہ بندہ اٹھ کر حنیفے کی دوکان کی طرف چل دیا۔ لوگوں کے لئے، قسمت نگر میں انوکھا واقعہ ہو گیا تھا۔

کوئی دو تین گھنٹے کی کوشش کے بعد چھاکا اسے سراج کے ڈیرے پر ملا۔ سراج بھی اس کا کلاس فیلو اور بچپن کا دوست تھا۔ اتنے برس بعد ملنے پر انہیں حیرت تو ہونا ہی تھیں۔ وہ تینوں وہاں پڑی چارپائیوں بیٹھے ہوئے تھے۔ حال احوال میں جب وہاں ان کے حالات کا پتہ چلا تو تینوں کے چہرے پر افسردگی چھا گئی۔ فہد بولا

"یار امین کے بارے میں سن کر بہت افسوس ہوا۔ میں سمجھ سکتا ہوں اُس کی ذہنی حالت کیا ہو گی۔ اس انسپکٹر نے اسے غیر قانونی طور پر بند کیا ہوا ہے۔"

"ان چوہدریوں کے لئے تو یہ معمولی بات ہے جس پر چاہیں ظلم کریں۔ غریب آدمی کا تو جینا مشکل کیا ہوا ہے ان لوگوں نے۔ اور وہ کبیر۔ وہ تو ایسا منہ زور ہو گیا ہوا ہے کہ لگتا ہے اپنے باپ کی بھی نہیں مانتا۔ جو من میں آتا ہے وہ کرتا ہے۔" چھاکے نے انتہائی دردمندی سے کہا تو فہد بولا

"یہی تو المیہ ہے نا۔ یہ غریب لوگ تجھارہ کر مار کھاتے رہتے ہیں۔ حالانکہ وہ تعداد میں زیادہ ہیں۔ ان چوہدریوں کی حفاظت کرنے والے بھی تو غریب لوگ ہی ہیں۔ وسائل پر قابض لوگوں نے ایسا نظام بنایا ہوا ہے کہ کسی کو سمجھ ہی نہیں آنے دیتے۔ اور ایسا کر کے یہ غریب خود اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہیں۔"

''یار۔!وہ جو مرضی کریں لیکن دوسروں کو بھی جینے کا حق دیں نا۔ جائیدادیں بنالیں۔ ایم این اے کیا وزیر بن جائیں۔ لیکن غریب کے منہ کا نوالہ تو نہ چھینیں۔ ان پر خوف تو مسلط نہ کریں۔ انہیں بھی جینے دیں۔ بندہ مار کر گواہی دینے والوں پر ظلم کرنا مردانگی تو نہیں ہے۔ظلم ہے یہ۔'' سراج نے تلخی سے کہا

''بات صرف شعور کی ہے۔ایک بندے کو بھی شعور آ گیا تو سمجھو،اسی دن چوہدری کی یہ حکمرانی ختم ہونا شروع ہو جائے گی۔'' فہد نے سکون سے کہا تو چھاکا بولا

''کیسے؟ یہ تو سمجھاؤ ذرا۔ باتیں کرنا بہت آسان ہوتا ہے پیارے۔تم نے شہر کی زندگی دیکھی ہے۔ یہاں رہو گے نا، پر کہاں رہو گے۔ چند دن بعد تم بھی چلے جاؤ گے۔ اُکتا کر، تھک کر، دیوار میں ٹکریں مار مار کر خود کو زخمی کر کے۔''

''اونہیں چھاکے،ان کے ظلم اور زیادتی کا دور اب ختم ہو گیا سمجھو۔ وقت آ گیا ہے کہ یہ سب کچھ تبدیل ہو جائے گا۔نہیں کر سکیں گے اب یہ کسی پر ظلم۔ اب تک اگر وہ ظلم کرتے رہے ہیں تو صرف تم لوگوں کی اپنی وجہ سے۔ جو اپنے ووٹ کا صحیح استعمال ہی نہیں کرتے۔ جس دن انہوں نے اپنے ووٹ کے استعمال کرنے کا گر سیکھ لیا۔ یہ چوہدری نظر نہیں آئیں گے۔'' فہد نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تو چھاکا مایوسی میں بولا

''وہ تب کی بات ہے جب لوگ ووٹ ڈالیں گے۔انہیں تو اپنا نہیں پتہ،تم بات کرتے ہو لوگوں کے شعور کی۔ یہ سراج اس کا بھائی امین، چار دن بعد اس کا پتہ چلا ہے۔اب بھی وہ غیر قانونی طور پر اندر پڑا ہوا ہے پھر بھی کوئی پوچھ دس نہیں یار۔ اسے انصاف کس نے دینا ہے۔''

''کسی چوہدری یا وڈیرے نے نہیں،عوام نے دینا ہے۔دکھاؤں تجھے عوام کی طاقت۔ چل اٹھ، ابھی چلتے ہیں، ابھی امین کو لے کر آتے ہیں۔'' فہد نے بڑے سکون سے کہا اور اٹھ گیا۔سراج اور چھاکا دونوں اس کی طرف۔ ہونقوں کی طرح دیکھنے لگے۔فہد کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔ جسے دیکھتے ہوئے چھاکا اٹھ گیا تو سراج بھی کھڑا ہو گیا۔

❁ .... ❁ .... ❁

چوہدری جلال اپنی حویلی کے ڈرائینگ روم میں بیٹھا تھا۔اس کے پاس ہی چوہدری کبیر بہت ناراض سا غصے میں بھرا ہوا بیٹھا تھا۔ وہ رات واپس نہیں آیا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے آیا تو چوہدری کبیر اپنے منشی پر برس رہا تھا۔اس نے سکون سے بیٹھنے کے بعد پوچھا

''بات کیا ہے منشی، کیوں ناراض ہو رہا ہے یہ تم سے؟''

''او جی نکے چوہدری جی کا جو ملازم ہے نا ماکھا، اسے ماسٹر کے بیٹے نے مارا ہے۔'' منشی نے جھجکتے ہوئے چوہدری جلال کو بات بتا دی، جسے سن کر چوہدری حیران ہوتے ہوئے پوچھا

''ماسٹر کا بیٹا؟ میرے خیال میں تو اس کا کوئی......'' اس نے کہنا چاہا تھا کہ اتنے میں اس کے قریب پڑے فون کی گھنٹی بج اٹھی ۔چوہدری نے بے خیالی میں ریسور اٹھا کے کہا

''ہیلو۔!''

''جی چوہدری صاحب۔! میں ڈی ایس پی نیازی بات کر رہا ہوں۔ کہیے کیسے مزاج ہیں۔''

''ٹھیک ہوں۔ آپ سنائیں۔ کیسے یاد کر لیا۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا

''ایک چھوٹی سی انفارمیشن آپ سے شیئر کرنا تھی، اس لئے فون کرنا پڑا۔'' نیازی نے عام سے لہجے میں کہا

''بولیں۔ کیسی انفارمیشن ہے؟'' اس نے پوچھا

''آپ کے گاؤں قسمت نگر میں کوئی فہد نامی نوجوان آیا ہے۔ کیا یہ بات آپ کے علم میں ہے؟ میں اس کے بارے زیادہ تفصیل سے تو آگاہ نہیں ہوں۔ پر اندازہ ہو رہا ہے کہ وہ کوئی عام آدمی نہیں ہے۔'' نیازی نے بتایا تو بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی۔ حالانکہ اس نے گول مول انداز میں اپنا مدعا کہہ دیا تھا۔

''عام آدمی نہیں ہے۔ کیا آپ کا مطلب ہے وہ کوئی جرائم پیشہ ہے۔'' اس نے پھر بھی پوچھا

''نہیں۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کیا ہے لیکن اوپر سے مجھے اس کا بہت زیادہ خیال رکھنے کو کہا گیا ہے۔'' نیازی نے واضح لفظوں میں کہہ دیا

''تو آپ خیال رکھیں۔ مجھے فون کر کے کیوں بتا رہے ہیں۔'' اس نے کافی حد تک برا محسوس کرتے ہوئے کہا

''چوہدری صاحب۔! آپ برا نہ مانیں۔ وہ آپ کے گاؤں میں آیا ہے۔ ممکن ہے اسے کسی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے۔ ایسی حالت میں اس کے ساتھ تعاون کرنے کو کہا گیا ہے۔ اس لئے میں نے احتیاطاً آپ کو صورت حال سے آگاہ کرنا ضروری سمجھا۔'' نیازی نے تحمل سے کہا

''چلیں ٹھیک ہے۔ میں آگاہ ہو گیا۔ خدا حافظ۔'' وہ اکتاتے ہوئے بولا

''ٹھیک ہے۔ خدا حافظ۔'' نیازی نے کہا اور فون بند کر دیا۔ چوہدری ریسور رکھ کر ماتھے پر انگلی پھیرتے ہوئے سوچنے لگا جب کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو منشی سے پوچھا

''اوئے منشی، یہاں گاؤں میں کوئی فہد نام کا بندہ آیا ہے ان دنوں؟''

''ہاں جی، وہی فرزند حسین کا پتر۔ وہ جس نے آٹھویں کے امتحان میں کوئی پوزیشن لی تھی اور......''

منشی نے بتایا تو بری طرح چونک گیا۔ چوہدری جلال اسی حیرت میں بولا

''یہ فہد۔! کیا یہ وہی ہے، جو ماسٹر دین محمد کے ساتھ تھا؟'' چوہدری جلال نے پوچھا تو برسوں پہلے بیتا ہوا واقعہ اپنی پوری توانائی کے ساتھ اس کے ذہن میں ایک دم سے تازہ ہو گیا۔ بچپن کا فہد اس کی طرف دیکھ کر کہہ رہا تھا کہ میرے استاد کی شان میں گستاخی نہ کرو۔ چوہدری جلال نے خود کلامی کے انداز میں زیر لب کہا،''فرزند حسین کا بیٹا۔ فہد۔''

اسے لگا جیسے وقت تھم گیا ہے یا پھر وہ چلتے چلتے وہاں آ گیا ہے، جہاں سے وہ چلا تھا۔

چوہدری جلال کی آنکھوں میں غصہ، حیرت اور نفرت ایک ساتھ دیکھی جا سکتی تھی۔ اسے لگا جیسے زندگی کا ہر سفر دائرہ ہے اور وہ گھوم کر پھر وہیں آ گیا ہے جہاں سے چلا تھا۔ منشی فضل دین اس کے جذبات سے بخوبی واقف تھا اس لئے آہستگی سے بولا

"جی وہی تو ہے۔ اس نے تو آتے ہی کام دکھانا شروع کر دیا ہے، میں وہی تو بتا رہا تھا آپ کو۔"

تصدیق ہو جانے پر وہ ایک دم سے خاموش ہو گیا، جیسے کوئی انہونی ہو جانے پر ششدر رہ جائے۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی بات کرتا، چوہدری کبیر حقارت سے بولا

"کہاں تک، کہاں تک وہ پر مار سکے گا، ایک ہی حلے میں اس کے پر نوچ لوں گا۔ یہ منشی نے اپنے ذمے نہ لیا ہوتا تو اب تک میں اس کا کام تمام کر چکا ہوتا۔"

"نہیں کبیر پتر نہیں، ابھی نہیں، میں اس معاملے میں تم سے پھر بات کروں گا۔ ابھی تم اس سے دور رہو۔" یہ کہہ کر اس نے منشی کی طرف دیکھا اور لحہ بھر خاموشی کے بعد بولا، "منشی تم اس پر پوری نظر رکھو اور ہاں، یہ دیکھو گاڑی تیار ہے تو پھر ڈیرے پر چلیں۔ پنچائت ہے اُدھر۔"

منشی فضل دین اس کی طرف دیکھتا ہوا باہر کی جانب چلا گیا، اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ چوہدری جلال کی ایسی خاموشی اسی وقت ہوتی ہے جب کوئی بہت گھمبیر معاملہ درپیش ہو۔ کبیر اٹھ کر باہر چلا گیا مگر چوہدری جلال کو احساس نہیں ہوا کیونکہ وہ اپنی سوچ میں کھو گیا تھا۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

تھانہ نور پور قصبے میں تھا جو قسمت نگر جیسے گاؤں سے چند کلو میٹر دور تھا۔ فہد نے اپنی کار تھانے کے احاطے میں جا کر روکی اور نیچے اتر آیا۔ سراج اور چھاکا بھی کار سے باہر آ کر اس کے ساتھ اندر چل پڑے۔ تھانے کے اندر کمرے میں تھانیدار آستینیں چڑھائے، گریبان کے بٹن کھولے، میز پر ٹانگیں رکھے ہوئے کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ ایک سپاہی اس کا سر دبا رہا تھا۔ فہد نے اسے اس مزے کی کیفیت میں دیکھا تو میز بجا کر اپنی آمد کا احساس تھانے دار کو دلایا۔ اس نے آنکھیں کھول کر سب کو دیکھا اور انہیں پہچانتے ہوئے مسکرا دیا۔ چند لمحے ڈرامائی انداز میں ان کی طرف دیکھتے ہوئے خاموش رہا، پھر طنزیہ لہجے میں بولا

"اچھا کیا، تو نے تھانے میں آ کر خود کو پیش کر دیا ہے۔ ورنہ میں جو کچھ تیرے بارے میں سوچ رہا تھا وہ اگر ہو جاتا تو...... خیر تو نے گاؤں کے چوک میں جو ہیرو گیری دکھائی، چل میں اسے معاف کرتا ہوں۔"

فہد اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اس نے اسی طرح طنزیہ انداز میں کہا

"کٹھ پتلیاں ایسے باتیں نہیں کرتیں۔ جو دوسروں کے اشارے پر ناچتے ہیں نا، ان کا اپنا کوئی فیصلہ نہیں ہوتا۔ تُو بول، امین کو تُو نے حبس بے جا کیوں رکھا ہوا ہے۔"

فہد کے یوں کہنے پر اس نے حیرت سے دیکھا پھر اپنی ٹانگیں میز پر سے سیدھی کرتے ہوئے ایک ہنکارا بھرتے ہوئے کہا۔

"ہوں۔! میرے ساتھ قانون کی زبان میں بات کرتا ہے تُو۔ لیکن نہیں جانتا کہ یہاں صرف میرا قانون چلتا ہے۔ میں جو

چاہوں وہی قانون بن جاتا ہے۔"

"اب ایسا نہیں ہوگا انسپکٹر، تو نے امین پر جو ظلم کرنا تھا کرلیا۔ اُسے بلا، کیونکہ میں نے اسے ساتھ لے کر جانا ہے۔ ورنہ تو جانتا ہے دفعہ تین سو بیالیس کیا ہوتی ہے اور بیلف کسے کہتے ہیں۔ مزید جاننا چاہو تو وہ بھی بتا دوں گا جو قانون تُو نے نہیں پڑھا وہ میں پڑھا دیتا ہوں۔" فہد نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا تو تھانیدار نے چونک کر دیکھا پھر غصے میں بولا

"اور اگر میں ایسا نہ کروں تو؟"

"تو مجھے وہ طریقہ بھی آتا ہے، جس طرح تو نے امین کو غیر قانونی طور پر حبس بے جا میں رکھا ہوا ہے۔ میں بھی تیرے ساتھ وہ طریقہ آزمالوں گا۔ سُن۔! قانون ان لوگوں کے لیے ہوتا ہے جو اسے مانتے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے سامنے میز پر پڑی کتاب کو اٹھا کر کہا، "یہ کتاب نمبر ایک ہے نا، اور اس میں امین کے بارے میں کوئی ایف آئی آر نہیں ہے۔ ہے تو دکھاؤ؟"

تھانیدار نے پھر اسے چونک کر دیکھا اور غصے میں بولا

"چھوڑو، رکھو اسے، تمہیں یہ نہیں معلوم کہ اسے عام آدمی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔" یہ کہتے ہوئے تھانیدار نے کتاب کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن فہد نے بجائے کتاب اسے دینے کے، اسے کھول کر دیکھا اور پھر بند کرتے ہوئے وہ کتاب اسے دکھا کر بولا

"میں یہ کتاب لے کر جا رہا ہوں، روک سکتے ہو تو روک لو۔ یا پھر اپنے آفیسر کو فون کر کے میرے سامنے، میری لاقانونیت کے بارے میں بتاؤ۔"

تھانیدار اس کی جرأت پر ششدر رہ گیا۔ اس کے چہرے کے تاثرات ہی بدل گئے۔ تبھی اس نے پہلی بار نرم لہجے میں کہا

"ٹھہرو، میں بلاتا ہوں امین کو......"

یہ کہہ کر تھانیدار نے پاس کھڑے سپاہی کو اشارہ کیا تو وہ تیزی سے باہر کی جانب چلا گیا تو فہد نے کہا

"دیکھ انسپکٹر، میری اور تمہاری کوئی ذاتی دشمنی نہیں ہے۔ اس لیے سمجھا رہا ہوں کہ تُو صرف اپنی ڈیوٹی کر...... ورنہ تو نے یہاں سے بھاگنا ہے اور میں نے تمہیں بھاگنے نہیں دینا۔ جنگ چاہے قانونی ہو یا غیر قانونی، میں وہ لڑنا جانتا ہوں۔"

تھانیدار نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموش رہا۔ وہ حوالات سے امین کو لاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ کچھ دیر بعد سپاہی امین کو لے کر آگیا۔ امین کی حالت بہت خراب تھی۔ سراج نے تیزی سے آگے بڑھ کر اپنے بھائی کو سنبھال لیا۔ فہد نے سراج کو اسے باہر لے جانے کا اشارہ کیا۔ سراج اور چھاکا اسے لے کر باہر کی طرف چلے گئے۔ فہد، تھانیدار کی طرف گہری نگاہوں سے دیکھتا رہا، جب وہ کچھ نہیں بولا تو فہد نے کتاب میز پر رکھی، مڑا اور باہر کی جانب چلا گیا۔ اسے یوں جاتا دیکھ کر سپاہی نے تیزی سے کہا

"یہ کیا ہو گیا سر جی؟"

"ابے چپ، دیکھ لیتا ہوں میں اس کو بھی۔ تُو جا میرے لئے چائے لے کر آ، ساتھ میں پانی کا ایک گلاس بھی لے کر آنا۔"

تھانیدار نے غصے میں کہتے ہوئے پہلے اپنی وردی اور پھر اپنے آپ کو درست کرتے ہوئے بیٹھ گیا۔ سپاہی تیزی سے باہر نکل گیا کہیں فہد سے ہوئی بے عزتی کا سارا غصہ اس پر نہ نکل جائے۔

تھانیدار واقعی ہی بہت زیادہ بے عزتی محسوس کر رہا تھا۔ وہ اپنی میز کے پار کرسی پر بیٹھا سوچوں میں گم تھا۔ اسے فہد کے کہے لفظ یاد آ رہے تھے۔ جو وہ ابھی کہہ کر گیا تھا کہ ”دیکھ تھانیدار، میری اور تمہاری کوئی ذاتی دشمنی نہیں ہے اس لیے سمجھا رہا ہوں کہ تُو صرف اپنی ڈیوٹی کر..... ورنہ تو نے یہاں سے بھاگنا ہے اور میں نے تمہیں بھاگنے نہیں دینا۔ جنگ چاہے قانونی ہو یا غیر قانونی، میں وہ لڑنا جانتا ہوں۔“

وہ لفظ جو اس نے گاؤں کے چوک میں کہے تھے، وہ بھی اسے کچوکے لگا رہے تھے۔

”ایسی دھمکیاں تم یہاں کے غریب اور بے بس انسانوں کو بہت دے چکے ہو انسپکٹر، یہ مجھ پر کوئی اثر نہیں کرنے والی، اگر تم میں ہمت ہے تو مجھے لے جا کر دکھاؤ تھانے۔ ابھی تیری چڑیا طوطے دیکھ لیتا ہوں۔ لاؤ دکھاؤ، کہاں ہیں میری گرفتاری کے آرڈر۔“

جس طرح وہ فہد کے کہے لفظوں بارے سوچ رہا تھا، اسی طرح، اس کے چہرے پر غصے کے تاثرات گہرے ہوتے چلے جا رہے تھے۔ ایسے میں سپاہی ایک ٹرے میں چائے اور پانی کا گلاس رکھے آ گیا۔ تھانیدار کو اس کی آمد کا احساس تک نہیں ہوا۔ سپاہی قریب آ کر ٹرے میز پر رکھ کے بولا

”کیا سوچ رہے ہیں سر جی،“

”وہ فہد، اب میرے دماغ پر سوار ہو گیا ہے۔ جب تک اس کا کچھ نہیں ہوگا۔ مجھے کہاں چین آئے گا بھلا.....“ تھانیدار نے دانت پیستے ہوئے کہا تو سپاہی نے تیزی سے کہا

”اُو سر جی، لگتا ہے وہ کوئی اُچی شے ہے۔ مجھے تو وہ کوئی لمے ہتھ والی چیز نظر آتی ہے۔“

”میں نے بھی لمے ہاتھ ہی تو اس کے کاٹنے ہیں۔ تو اب دیکھتا جا.....“ اس نے سوچتے ہوئے کہا

”سر جی، دیکھ لیں۔ کہیں لینے کے دینے ہی نہ پڑ جائیں۔“ اس نے ڈرتے ہوئے کہا

”اُوئے تو منحوس باتیں ہی منہ سے نکالا کر۔ اوئے تیری اتنی نوکری ہوگئی۔ تجھے اب تک پتہ نہیں چلا کہ قانون کی طاقت کیا ہوتی ہے۔“ وہ حقارت سے بولا

”قانون تو سب کے لیے ایک جیسا ہوتا ہے نا جی؟“ سپاہی نے یاد دلانا چاہا تو پھر اسی حقارت سے بولا ”ہونہہ! سب کے لیے ایک ہوتا ہے۔ اوئے قانون بھی طاقت والوں کا ہوتا ہے۔ سن یہ جو قانون ہوتا ہے نا، اس کا پھندا اگر کسی کے گلے میں فٹ کر دیا جائے نا تو وہ بچ نہیں سکتا۔ بڑے بڑے طرم خان سدھے تیر ہو جاتے ہیں۔ اور یہ فہد کل کا چھوکرا، اسے کیا پتہ قانون کی طاقت کیا ہوتی ہے۔“

”سر جی میں مانتا ہوں قانون کی بہت طاقت ہوتی ہے..... مگر ایک بات بھول رہے ہیں آپ۔“ آخر اس نے سیدھے سبھاؤ کہہ دیا۔

"وہ کیا اوئے......" اس نے چونکتے ہوئے پوچھا

"یہ چوہدری کا علاقہ ہے۔ جو کچھ فہد نے یہاں آ کر کیا، جس طرح قانون کی زبان وہ بولتا ہے، وہ یا تو کوئی پاگل کر سکتا ہے یا پھر بہت عقل اور حوصلہ رکھنے والا۔ سچی بات تو یہ ہے وہ مجھے کوئی معمولی بندہ نہیں لگتا۔ وہ اگر اس علاقے میں آیا ہے تو کچھ سوچ سمجھ کر آیا ہے۔"

سپاہی کے یوں کہنے پر وہ چند لمحے سوچتا رہا پھر دھیمی مسکراہٹ سے بولا

"کہہ تو ٹھیک رہا ہے، پر تو دیکھتا جا بس۔ اس کی ساری سوچ اور سمجھ اس کے دماغ سے نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دوں گا۔ یہ علاقہ چاہے چوہدری کا ہے۔ لیکن تھانے دار بھی اپنے علاقے کا بادشاہ ہوتا ہے۔ تو اپنی چھوٹی سوچ اپنے پاس رکھ......"

یہ کہہ کر اس نے اٹھتے ہوئے اپنی وردی درست کی اور باہر کی جانب چل دیا۔

جس وقت فہد گاؤں کے چوراہے میں پہنچا، اس وقت سراج، چھاکا اور امین اس کے ساتھ تھے۔ چوراہے میں موجود چند لوگ بیٹھے تاش کھیل رہے تھے۔ چاچا سوہنا زور سے پتہ مار کر اونچی آواز میں بولا

"لے فیر......کر توڑ اس پتے کا۔"

لفظ اس کے منہ ہی میں تھے کہ اسی لمحے فہد کی گاڑی آ کر چوراہے میں رکی، جسے سراج چلا رہا تھا۔ چاچے سوہنے سمیت ہر بندے نے ان کی طرف دیکھا۔ وہ چھاکے کو دیکھ کر حیران تھے۔ تبھی فہد اپنی گاڑی میں نکلا تو چاچا سوہنا زوردار آواز میں پھر بولا "کر دیا نا توڑ فہد پتر نے انسپکٹر کا، لے آیا ہے نا امین کو، وہ دیکھو۔"

سارے لوگ حیرت سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ تب فہد نے سراج سے کہا

"جا چھوڑ آ اسے گھر...... پھر جلدی واپس آنا۔ میں ذرا چاچے سوہنے کے پاس بیٹھا ہوں، تم جانتے ہو نا، یہاں بیٹھنا کیوں ضروری ہے۔"

"تاکہ چوہدری تک بات پہنچ جائے۔" سراج نے غصے اور نفرت سے کہا تو فہد ہنستے ہوئے بولا

"وہ تو انسپکٹر خود پہنچا دے گا، مگر عوام کو بھی معلوم ہونا چاہئے۔"

یہ کہہ کر فہد چوراہے میں درخت کے نیچے آنے کے لئے بڑھا۔ سراج گاڑی لے چلا گیا۔ فہد وہاں ان کے درمیان جا کر بیٹھ گیا۔ چاچے سوہنے نے خوشی سے کہا

"واہ پتر واہ...... یہ تیرا ہی کام تھا......شاید اب سوہنے رب کو قسمت نگر کی قسمت پر ترس آ گیا ہے۔"

"او چاچا......بس تو دعا کیا کر......ابھی تو یہ شروعات ہیں......اب دیکھنا، آگے ہوتا کیا ہے۔" فہد نے مسکراتے ہوئے کہا تو چاچا سوہنا بولا

"انسپکٹر نے امین کو ایسے ہی چھوڑ دیا۔ وہ تو کسی کی سنتا ہی نہیں، پر تیرے آگے تو......"

''اب اسے سب کی سننا پڑے گی چاچا۔ جب بندے کی نیت ٹھیک ہو تو رب سائیں بھی کرم کرتا ہے۔'' فہد نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا

''یہ ہوا کیسے؟'' چاچا سوہنا حیرت سے بولا

''تو پھر سن چاچا......''

فہد نے اس کی طرف دیکھا اور ساری روداد سنانے لگا۔

جب سے فہد گاؤں میں آیا تھا تب سے ماسٹر دین محمد زیادہ پر اعتماد دکھائی دے رہا تھا۔ وہ اس وقت صحن میں بچھی چارپائی پر بیٹھا ہوا اپنی ہی سوچوں میں کھویا ہوا تھا کہ سلمٰی اس کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ ماسٹر نے اس کی طرف دیکھا تو وہ چارپائی پر اس کے پاس بیٹھ گئی۔

''سلمٰی پتر۔! کیا بات ہے، کیوں پریشان لگ رہی ہو؟'' ماسٹر دین محمد نے بڑے پیار سے پوچھا

''ابا جی۔! ہم نے تو یہاں سے جانے کا فیصلہ کر لیا تھا؟ کیا فہد کے آنے سے ہم نہیں جائیں گے؟'' اس نے الجھتے ہوئے پوچھا تو وہ بڑے اعتماد سے بولا

''ہاں، مجھے یقین تھا۔ ایک دن ربّ سوہنا ہماری ضرور سنے گا۔ اب مجھے یقین ہو گیا کہ ربّ تعالیٰ کو ہماری بے بسی پر رحم آ گیا ہے۔''

''ابا جی۔ یہ تو ہم سوچ رہے ہیں نا۔ کیا آپ کی اس سے بات ہوئی؟ وہ ہمیں یہاں سے لے جانے آیا ہے یا وہ یہیں رہنے آیا ہے؟'' سلمٰی کی الجھن اسی طرح تھی۔

''وہ یہیں رہنے کے لئے آیا ہے۔'' ماسٹر نے حتمی انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

''سوال تو یہی ہے نا ابا جی۔ وہ شہر کی سہولت بھری زندگی چھوڑ کر اس گاؤں میں کیوں آیا ہے۔ اور پھر وہ رہے گا کہاں؟ یہاں ہمارے ساتھ رہے گا؟ کیا لوگ باتیں نہیں بنائیں گے؟'' اس نے محتاط انداز میں اپنی بات کہہ دی

''میں جانتا ہوں بیٹی۔! تم کیا کہنا چاہتی ہو۔ مگر مجھے یہ بھی یقین ہے کہ اسے اس بات کا پوری طرح احساس ہو گا۔ میں خود غرض بن کر اپنے سارے مسائل کا بوجھ اس پر نہیں ڈال دینا چاہتا۔ چند دن بعد میں اس سے بات کر لوں گا۔'' ماسٹر دین محمد نے سنجیدگی سے سمجھایا

''اور کیا آپ نہیں جانتے۔ ان چند دنوں میں کوئی طوفان بھی آ سکتا ہے۔ کیا چوہدری اس کا وجود یہاں برداشت کریں گے۔ یہاں تو کچھ بھی نہ ہونے سے بہت کچھ ہو جاتا ہے اس کے یہاں اس گھر میں رہنے سے میری ذات......'' وہ تیزی سے کہتے ہوئے رک گئی۔

''تم پریشان نہ ہو پتر۔ جس طرح تمہارے ذہن میں سوال اٹھ رہے ہیں۔ اسی طرح میرے ذہن میں کئی سوال ہیں۔ لیکن یہ بھی سوچو۔ کیا اس کے آنے سے ہمیں تحفظ کا احساس نہیں ہوا؟'' ماسٹر نے اسے حقیقت سے آگاہ کیا

''وہی تو میں کہہ رہی ہوں ابا جی۔ تحفظ کا یہ احساس برقرار رہنا چاہیے لیکن بدنامی کی قیمت پر نہیں۔ اسے کیا پتہ ہم کیسی زندگی جی رہے ہیں۔'' وہ بولی

''تو فکر نہ کر، رب کی منشاء کیا ہے۔ یہ تو وہی جانتا ہے نا۔ میں ایک دو دن میں اس سے ساری باتیں کروں گا۔ میں اسے بتا دوں گا کہ ہم یہاں سے جانے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔'' اس نے کہا تو وہ مطمئن ہو کر بولی

''ٹھیک ہے ابا جی۔''

''اور ہاں۔! وہ اتنے برسوں بعد ہمارے پاس آیا ہے۔ تم اس سے اجنبیوں والا سلوک نہ کرنا پتر۔ رب سائیں اچھا کرے گا۔ وہ اس خوف بھری کالی رات میں تحفظ کا احساس لے کر سورج بن کے ابھرا ہے۔ یہ بھی سمجھنے کی کوشش کرو۔'' اس نے سمجھایا تو وہ سر ہلاتے ہوئے بولی

''میں فہد کا بہت خیال رکھوں گی۔ وہ ہمارا حوصلہ بن کر آیا ہے۔''

یہ کہتے ہوئے وہ اٹھ کر اندر کی طرف بڑھ گئی اور ماسٹر دین محمد اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔ سلمٰی وہی سوچ رہی تھی جو اس کا باپ بھی سوچ رہا تھا۔ اس نے ارادہ کر لیا کہ وہ فہد سے بات ضرور کرے گا۔

❁......❁......❁

سراج کا ڈیرہ گاؤں سے باہر کھیتوں کے درمیان تھا۔ اس وقت سراج کے ڈیرے پر رونق لگی ہوئی تھی۔ فہد، چھاکا، سراج ارائیں اور اس کے دوست کھیتوں کے درمیان ٹیوب ویل کے پاس چارپائیوں بیٹھے ہوئے تھے۔ تھوڑی دور فہد کی کار کھڑی تھی۔ وہ خوشگوار ماحول میں باتیں کر رہے تھے۔ اس دوران سراج نے بڑی ممنونیت سے کہا

''یار بہت خوشی ہوئی ہے میری ماں کو...... کہ امین واپس پلٹ آیا ہے۔ تمہیں بڑی دعائیں رہی تھی۔ کہہ رہی تھی جیسا نیک فرزند بھائی تھا ویسا ہی اس کا پتر ہے۔''

''یار اس سے بڑی خوشی کی بات یہ ہے کہ یہ کسی کو بھی نہیں بھولا، اپنے دوستوں کو تو بالکل بھی نہیں۔'' چھاکے نے اس کی طرف دیکھ کر کہا

''یار فہد۔! ان کی طرح مجھے بھی تجسس ہے تو کہاں رہا اتنا عرصہ......'' سراج نے ان سب کی طرف دیکھ کر تجسس سے پوچھا تو آہستگی سے بولا

''یہ ایک لمبی داستان ہے اور یہ وقت نہیں کہ میں سناؤں۔ میں اب یہاں آ گیا ہوں نا۔ ایک ایک کر کے ساری باتیں سناؤں گا۔''

''وہ تو ٹھیک ہے، لیکن اب تو یہاں رہے گا کہاں؟'' سراج نے پوچھا

''میں سمجھ رہا ہوں، تم کیا کہنا چاہتے ہو۔ میں اپنے ہی گھر میں رہوں گا۔'' فہد نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا

''کیا تو ماسٹر دین محمد کو گھر کو اپنا گھر کہہ رہا ہے۔ وہ بیچارے تو پہلے ہی چوہدری کے ستائے ہوئے ہیں۔ تجھے کہاں تک اپنے پاس رکھیں گے۔ اور تیرا گھر تو چوہدریوں کے قبضے میں ہے۔ غنڈے بدمعاشوں کی ایک فوج ہے اس کے پاس۔ جن کے بل بوتے پر وہ پورے

علاقے پر حکمرانی کرتا ہے۔" سراج نے اسے سمجھایا تو چھاکا تیزی سے بولا

"اور اس کا بیٹا چوہدری کبیر، اس کے ہاتھوں کسی کی عزت محفوظ نہیں۔"

"مجھے سب پتہ ہے۔ رہوں گا تو میں اپنے ہی گھر میں۔ تم لوگوں کو میں کسی امتحان میں نہیں ڈالوں گا۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو سراج نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا

"تو اگر اپنے پیروں پر مضبوط رہے گا نا تو کم از کم میں تیرا ساتھ ضرور دوں گا۔ اپنے لئے تو لڑنا ہی پڑتا ہے۔ مگر جب دوسروں پر مصیبت آتی ہے تو سبھی خوف کھا جاتے ہیں۔ اور پھر اب تو تیرا مجھ پر احسان بھی ہے۔"

"تم ہی ایسا نہیں سوچتے ہو سراج، اصل میں یہی خوف ہی یہاں کے ان سب لوگوں کو اکیلا ہونے کا احساس دے رہا ہے۔ انہیں یہ یقین نہیں کہ ایک ایک اینٹ مل کر دیوار بنتی ہے۔ یہی تو انہیں سمجھانا ہے سراج۔" فہد نے مسکراتے ہوئے کہا

"تو پھر تو کیا کرے گا، یہ تو بتا؟" سراج نے تجسس سے پوچھا تو فہد بولا

"میں فقط باتوں پر نہیں عمل پر یقین رکھتا ہوں۔ دیکھتا رہ میں کیا کرتا ہوں۔"

"کیا مطلب، تم کہنا کیا چاہ رہے ہو؟" چھاکے نے پوچھا تو فہد نے بڑی سنجیدگی سے کہا

"میں آج ہی اپنا گھر واپس لوں گا اور یہ رات اسی گھر میں گذاروں گا۔ آج گھر نہ لے سکا تو کبھی نہ لے پاؤں گا۔ اس لئے مجھے ابھی جانا ہے۔"

اس کے یوں کہنے پر سب نے اس کی طرف چونک کر دیکھا۔ چند لمحے سبھی خاموش رہے جیسے اس نے انہونی کہہ دی ہو۔ پھر سراج نے ایک دم کہا

"میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ آؤ۔"

یہ کہہ کر سراج اٹھ گیا۔ اس کے ساتھ چھاکا بھی اٹھا تو فہد بھی اٹھتا چلا گیا۔ فہد نے چند لمحے ان کی طرف دیکھا پھر خوشی سے بولا

"ٹھیک ہے۔ تم ایسا کرو چھاکے۔! گاؤں میں سے جتنے بھی مزدور مل سکتے ہیں۔ انہیں وہیں لے آؤ۔"

فہد کے یوں کہنے پر چھاکے نے سر ہلایا تو وہ یہ سب وہاں نکلتے چلے گئے۔

ان کے سفر کا اختتام فہد کے اس گھر کے سامنے ہوا جہاں سے وہ آخری بار اپنے استاد دین محمد کے ساتھ نکلا تھا۔ اتنے عرصے بعد وہ اپنے گھر کو دیکھ رہا تھا۔ جس کے ساتھ ہی ساری یادیں ایک دم سے اسے بے حال کر گئیں۔ اس کے اندر غصے کی تیز لہر اٹھ گئی۔ وہاں کئی لوگ پہلے ہی سے موجود تھے۔ چھاکا مزدور لے آیا ہوا تھا۔ گھر کے پھاٹک کے سامنے کار روک کر فہد باہر نکل آیا۔ اس کے پیچھے ہی سراج تھا۔ تبھی چھاکے نے زور سے آواز دی۔

"موبے، اوئے موبے......"

آواز کے جواب میں پہلے تو کسی نے آواز نہیں دی، پھر اندر سے لمبے قد والا موبا باہر آ گیا اور اکڑ والے انداز میں پوچھا

''کیا بات ہے؟''

اس کے جواب میں فہد ذرا آگے بڑھا اور سمجھانے والے انداز میں اس سے کہا

''موبے۔! میرا نام فہد ہے، اور تمہیں معلوم ہے...... یہ میرا گھر ہے...... اس لئے اسے فوراً خالی کر دو۔''

موبے نے پہلے اسے سر سے پیر تک غور سے دیکھا اور پھر طنزیہ لہجے میں بولا

''اوئے کون ہے تو۔ میں نہ تجھے جانتا ہوں اور نہ تیرے گھر کو۔ تیری ہمت کیسے ہوئی مجھے یوں گھر سے بلا کر یہ بات کرنے کی۔''

''تمیز سے بات کرو موبے۔! اور سمجھ جا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ کیونکہ میں تمہیں آرام سے سمجھا رہا ہوں۔'' فہد نے بڑے تحمل سے کہا تو موبا انتہائی حقارت سے بولا

''تڑی لگاتا ہے۔ لڑنے آیا ہے میرے ساتھ۔ اوئے تیری ہمت کیسے ہوگئی اوئے......''

''دیکھو۔! میں تجھ سے لڑنے نہیں آیا۔ پیار سے سمجھا رہا ہوں۔ تو چوہدریوں کا نوکر ہے انہیں جا کر بتا دے کہ میں نے اپنا گھر لے لیا ہے۔'' اس نے پھر تحمل سے کہا تو موبا طنزیہ انداز سے بولا

''ایویں ایں لے لیا۔ تو اندر پیر تو رکھ۔ میں تیری ٹانگیں توڑ دوں گا۔''

''لے پھر میں اندر جا رہا ہوں۔'' فہد نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا اور گھر کے اندر جانے کے لئے قدم بڑھایا تو موبے نے چادر کے نیچے سے گن سیدھی کر لی۔ لیکن اگلے ہی لمحے فہد نے اسی گن پر ہاتھ ڈالا اور وہی گن چھین لی۔ پھر چشم زدن میں اس کا دستہ گھما کر اس کی گردن پر دے مارا۔ موبا زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔ فہد نے وہ گن سراج کو تھما کر موبے کو ٹھوکروں پر رکھ لیا۔ وہ گلی کی کچی دھول میں اٹ گیا۔ فہد نے اسے اٹھایا اور ایک گھونسہ اس کے منہ پر دے مارا۔ اس نے مزاحمت کرنا چاہی۔ فہد نے اپنی کھڑی ہتھیلیاں اس کی گردن کی جڑ میں ماریں تو وہ چکراتے ہوئے زمین پر گر گیا۔ وہ چند لمحے وہیں پڑا رہا پھر اچانک اٹھا اور وہاں سے بھاگتا چلا گیا۔ تبھی فہد نے چھاکے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

''جا چھاکے، اس کا سامان اٹھا کر باہر پھینک دو۔ سورج غروب ہونے سے پہلے مجھے اس گھر کی صفائی چاہئے۔ میں بیٹھا ہوں یہاں پر۔''

یہ سنتا تھا کہ وہ اپنے ساتھ لائے ہوئے بندوں کے ساتھ گھر کے اندر چلا گیا۔ وہ اپنے سب ساتھیوں کے ساتھ گھر کے باہر کھڑا رہا۔ کچھ دیر بعد پھاٹک میں سے جانور نکل نکل کر جانے لگے تھے۔ فہد نے تھوڑی دیر مزید دیکھا اور سراج کو لے کے اندر چلا گیا۔

''اوئے چھاکے۔! جا کچھ اور بندے لے کر آ......'' فہد نے اونچی آواز میں کہا اور ایک چارپائی پر بیٹھ گیا۔ چھاکے نے سن کر ایک بندے کو باہر بھیج دیا۔

ڈھلتی ہوئی دوپہر میں اس پارک کی فضا بہت خوشگوار تھی۔ ہر طرف سبزہ ہی سبزہ تھا۔ دھیمی دھیمی ہوا چل رہی تھی۔ جعفر اور مائرہ ایک ہی سنگی بنچ پر بیٹھے، اس پورے ماحول میں ایک دوسرے سے اجنبی ہوئے لگ رہے تھے۔ کافی دیر یونہی بیٹھے رہنے کر بعد جعفر نے دھیرے سے پوچھا

''کوئی خاص بات مائرہ۔ اتنی الجھی ہوئی کیوں ہو۔ اور یہ تو نے لنچ کے لیے کیوں منع کر دیا؟''

''میں الجھی ہوئی تو نہیں ہوں۔ فہد کے چلے جانے کے بعد یونہی اپنی کم مائیگی کا احساس ہوتا ہے۔ پتہ نہیں کیوں مجھے یہ لگتا ہے کہ میں شاید اس سے محبت ہی نہیں کر پائی۔ یا پھر اسے مجھ سے محبت تھی ہی نہیں تھی یا پھر ہمارے تعلق کے درمیان، کہیں نہ کہیں کچھ غلط ہوا ہے۔ جسے سمجھنا بہت ضروری ہے۔'' مائرہ نے کسی نامعلوم نکتے پر سے نگاہیں ہٹاتے ہوئے کہا تو اس نے پوچھا

''تو پھر کیا سمجھ آئی تمہیں؟''

''اتنی جلدی کیسے سمجھ آسکتی ہے۔ ابھی تو میں خود کو یقین دلا رہی ہوں کہ فہد چلا گیا ہے۔ مجھے تو لگتا ہے کہ جیسے وہ یہیں کہیں ہے، یا پھر چند دن کے لئے فارن چلا گیا ہے۔ میں کیا کروں، میں خود سے کوئی سمجھوتہ ہی نہیں کر پا رہی ہوں کہ وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا ہے۔'' وہ روہانسا ہوتے ہوئے بولی

''کیوں نہیں کر پا رہی ہو سمجھوتہ...... حقیقت کا سامنا کیوں نہیں کر رہی ہو۔ حقیقت سے منہ تو وہ چھپاتے ہیں جن کے اپنے دل میں کوئی کھوٹ ہو۔'' جعفر نے کہا

''میرے دل میں کھوٹ نہیں ہے۔ میں فہد کو بھی الزام نہیں دے سکتی۔ پر میں کیا کروں، میرا یہ من، مانتا ہی نہیں ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں بولی تو وہ حتمی لہجے میں بولا

''اپنے آپ کو سنبھالو مائرہ۔ !یوں آنسو بہاتے رہنے سے کیا ہوگا۔ وہ تجھے بتائے بغیر نہیں گیا۔ بلکہ اس نے تمہیں بتایا۔ اس کے دل میں تمہارے لئے اہمیت تھی نا، تبھی وہ تم سے بہت اچھے انداز میں الوداع ہوا ہے۔ ورنہ وہ کسی کو بتائے بنا بھی جا سکتا تھا۔''

''یہی الجھن تو مارے جا رہی ہے۔ میں یہ جان گئی ہوں کہ وہ اپنا انتقام لینے گیا ہے جو اس کی ذات پر بوجھ تھا۔ وہ اگر یہ قرض نہ چکاتا تو ساری زندگی بے چین رہتا۔ لیکن اصل دکھ تو یہ ہے کہ ہم اس کے پاس نہیں۔ اس کے دکھ میں شریک نہیں ہو سکتے۔ کیا یہ بے بسی نہیں ہے۔'' وہ گہرے تاسف سے بولی

''میں تمہیں بہلانا نہیں چاہتا مائرہ۔ !وہ اگر ہم سب سے یوں تعلق ختم کر کے چلا گیا ہے تو اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ہوگی۔ وہ خود غرض نہیں ہے۔ یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ لیکن کیا ہم اس سے تعلق ختم کر سکتے ہیں؟'' اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا تو وہ پر یقین سے لہجے میں بولی

''نہیں۔ !ہم اس سے کبھی بھی تعلق ختم نہیں کر سکتے۔ وہ ہماری ذات کے ساتھ پوری طرح جڑا ہوا ہے اسے ہم اپنی زندگی سے نہیں نکال سکتے۔''

''تو پھر۔! کیا رونے دھونے سے، اپنا آپ بے حال کرنے سے، اسے کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ تم اپنے آپ کو سنبھالو۔ اس حقیقت کو تسلیم کرو کہ وہ چلا گیا ہے۔ تب اس کے بارے میں سوچ سکتے ہیں۔ یقین مانو مائرہ۔ ہم یہاں رہ کر بھی اس کی بہت مدد کر سکتے ہیں۔ وہ دنیا کے ایسے کونے میں نہیں چلا گیا۔ جہاں تک ہماری رسائی نہ ہو۔'' اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا

''تم ٹھیک کہتے ہو جعفر۔ مجھے اپنا آپ سنبھالنا ہوگا۔ لیکن ہم اس کی یہاں رہ کر کیسے مدد کر سکتے ہیں...... ہمیں کچھ معلوم تو ہو۔ اس کے حالات کیا ہیں۔'' اس نے چونکتے ہوئے کہا تو وہ اسے حوصلہ دیتے ہوئے بولا

''میں سب دیکھ لوں گا۔ بس مجھے وہ پہلے والی ہنسی مسکراتی مائرہ چاہیے۔ پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

اس کے یوں کہنے پر وہ ذرا سا مسکراتے ہوئے بولی

''تمہاری بات مان لیتی ہوں جعفر۔! لیکن وعدہ کرو کہ تم مجھے وقت دیا کرو گے۔''

''پکا وعدہ۔'' اس سنے دھیمے سے لہجے میں کہا، پھر ہنستے ہوئے بولا۔'' پتہ نہیں میں کب سے یہی چاہ رہا تھا، کہ تم مجھ سے وقت مانگو۔ بھلا میں تمہیں وقت نہ دوں، یہ کیسے ممکن ہے یار۔''

جعفر نے ایک دم مسکراتے ہوئے کہا، جیسے اسے کوئی بہت بڑی خوشی مل گئی ہو۔ مائرہ ہلکا سا ہنس دی پھر بولی

اب میں بتاتی ہوں کہ میں نے لنچ کے لئے کیوں منع کر دیا تھا۔ آج میں بہت تھک گئی ہوں۔ آفس میں بہت زیادہ کام تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ آج بہت دیر تک کھلی فضا میں بیٹھی رہوں۔ میں نے سوچا تمہیں بھی بلا لوں۔''

''یہ تو بہت اچھا کیا تم نے۔ میں بھی گھر میں بور ہو گیا تھا۔ میرا بھی دل چاہ رہا تھا۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ دھیمے لہجے میں بولی

''اچھا ویسے، فہد سے تمہارا کوئی رابطہ ہوا؟''

''نہیں۔! اصل میں جس گاؤں میں وہ ہے۔ وہاں سیل فون کے سگنل نہیں ہیں۔ وہ اپنے قریبی قصبے نور نگر میں جب جاتا ہے تو وہاں سے فون کرتا ہے۔ اس کے گاؤں میں لینڈ لائن فون بھی نہیں جو اس سے رابطہ رہے۔ اس لئے اب تک ایک بار ہی اس سے رابطہ ہوا ہے۔'' جعفر سنے یوں جواب دیا جیسے اس کا دل بجھ گیا ہو۔ وہ فہد کے ٹرانس میں سے نکل ہی نہیں رہی تھی۔ جبکہ مائرہ اپنی ہی دھن میں کہتی چلی جا رہی تھی۔

''کہتے ہیں کہ ہم اتنی ترقی کر گئے ہیں۔ کہاں کی ہے ترقی...... اپنے ہی ملک کے بہت سارے حصے ابھی ایسے ہیں۔ جہاں بنیادی سہولیات تک میسر نہیں ہیں۔ نجانے اس طرف توجہ کب ہو گی؟''

''کیا تم نہیں جانتی ہو کہ دیہاتی اور دور دراز کے علاقوں میں ترقی کیوں نہیں ہوتی؟'' جعفر نے کہا

''جانتی ہوں جعفر، اصل میں اس مسئلے کے دو پہلو ہیں، ایک روایتی مفاد پرست سیاست دان اور دوسرے عوام خود۔'' اس گہری سنجیدگی سے کہا۔

''کیسے؟'' جعفر بولا

''مفاد پرست سیاست دان یہی چاہتے ہیں کہ عوام ان کی محتاج رہے۔ان کی حاکمیت برقرار رہے۔علم کی روشنی ان تک نہیں پہنچنے دیتے۔کیونکہ ان مفاد پرستوں کی موت ہے شعور اور تعلیم شعور دیتی ہے۔جاگیرداری نظام کی موت ہے تعلیم۔'' وہ ایک دم سے پر جوش لہجے میں بولی تو جعفر نے اسے یاد دلاتے ہوئے کہا

''ہماری بات فون سے چلی تھی کہ یہ.....''

''اب ضرورت بن گئی ہے۔عوام دوسرے لوگوں سے رابطہ کریں گے باشعور ہوں گے۔کوئی جھگڑا ہو گیا،فون ہوگا تو فوراً پولیس کو کال ہوگی،نہیں کوئی سنے گا تو اخباروں کو میڈیا کو اور اعلیٰ حکام کو فون کال ہوں گیں۔ورنہ چھوٹی پنچائتوں میں انصاف کا خون ہوتا رہے گا۔یار،ہسپتال جیسی بنیادی سہولت نہیں ہے،یہ ظلم نہیں؟'' مائرہ نے سنی ان سنی کرتے ہوئے دکھ بھرے لہجے میں تو جعفر نے کہا

''اور عوام کیسے؟''

''میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ وہ اپنا حق چھین کیوں نہیں لیتے ان سیاست دانوں سے۔ان مفاد پرست سیاست دانوں کے چنگل سے کیوں نہیں نکلتے؟صحیح معنوں میں اپنی آزادی کا شعور کیوں نہیں حاصل کرتے۔جب تک وہ اپنا آپ نہیں بدلیں گے اس وقت تک،وہ یونہی پستے رہیں گے،ان پر ظلم ہوتا رہے گا۔یہی مسئلے کا حل ہے۔'' وہ اسی دکھ سے بولی،جیسے ایک دم سے سب کچھ بدل دینا چاہتی ہو۔تب جعفر نے اس کی طرف دیکھ کر کہا

''کاش میرے پاس جادو کی چھڑی ہوتی،میں ایک دن میں ہی سب کچھ ٹھیک کر دیتا۔ویسے ہمیں خود بھی اپنا خیال کرنا چاہیے۔اب دیکھو،تمہیں ضرورت محسوس ہوئی تبھی تم نے سوچا۔اب جسے ضرورت ہوگی۔وہی خیال کرے گا۔''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن فہد سے رابطہ بھی تو ضروری ہے نا۔ہمیں وہاں کے بارے میں معلوم تو ہونا چاہئے۔اسے بھی احساس ہو کہ ہم اس کے ساتھ ہیں۔اسے حوصلہ ملے گا۔'' اس نے اپنے بات کا مدعا بتایا

''شکر ہے تم نے یہ تو مانا کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے،ٹھیک کر رہا ہے۔'' جعفر نے ہنستے ہوئے کہا

''مجبوری ہے،خوشی میں تو نہیں نا۔ان حالات کو قبول تو کرنا پڑے گا نا۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی تو مذاق اڑانے والی انداز میں بولا

''ویسے،تمہارے خوش نہ رہنے سے،اس کے حالات درست ہو جائیں گے؟یقیناً نہیں۔!ان حالات کو نارمل انداز میں لو.....تو بہتر سوچ پاؤ گی۔ورنہ تمہیں اپنا آپ سنبھالنا بہت مشکل ہو جائے گا۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو جعفر۔!مجھے اپنا آپ سنبھالنا ہوگا۔لیکن تنہائی میں سوچوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔یوں لگتا ہے۔میں تنہا ہو گئی ہوں۔'' اس نے عام سے لہجے میں اعتراف کیا

''تم اگر خوش رہنے کا وعدہ کرو تو میں تمہارے ساتھ ہوں۔دوسروں سے کہیں زیادہ میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔'' جعفر نے

اس کی طرف پیار بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا تو مائرہ نے اس کی طرف چونک کر دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولی

’’ٹھیک ہے۔ہم دونوں بہت اچھے دوست ہیں۔میں اپنی ساری سوچیں تم سے شیئر کر لیا کروں گی۔وہ بھی جو پہلے شیئر نہیں کیا کرتی تھی۔‘‘

’’یہ میری خوش قسمتی ہو گی مائرہ۔!‘‘ وہ خوش ہوتے ہوئے بولا تو مائرہ نے اس کی جانب دیکھا اور بولی

’’مجھے تم پر اعتماد ہے جعفر۔‘‘ یہ کہہ کر وہ چند لمحے اس کی طرف دیکھتی رہی پھر بولی، ’’اب چلیں؟‘‘

’’اب کہاں؟‘‘ اس نے پوچھا

’’ایک اچھے سے لنچ کے لئے، من سے کافی بوجھ اترا ہے تو بھوک چمک اٹھی ہے۔‘‘ مائرہ کے یوں کہنے پر وہ کھلکھلا کر ہنس دیا ۔اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا تو مائرہ نے اپنا ہاتھ اسے تھما دیا۔وہ دونوں اٹھے اور پارک سے باہر جانے والی سمت کی جانب بڑھ گئے۔

❁.......❁.......❁

چوہدری جلال کا ڈیرہ علاقے کے لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔وہ لوگوں کے درمیان میں بیٹھا بڑے شاہانہ انداز میں بات سن رہا تھا۔ وہاں پنچائیت چل رہی تھی۔ایک آدمی اپنی بات کر رہا تھا

’’چوہدری صاحب۔!ان دو بھائیوں کے درمیان زمین کی تقسیم پر جھگڑا ہے۔کون سی زمین کون لے گا،یہی جھگڑا اب ان دو خاندانوں کے درمیان لڑائی بن گیا ہے۔‘‘

’’ہوں۔‘‘ چوہدری جلال نے ہنکارا بھرا، پھر ان کی طرف دیکھ کر بولا۔’’تم لوگ کیا چاہتے ہو؟‘‘

اس سے پہلے کہ ان میں سے کوئی آدمی جواب دیتا۔موبا اور منشی تیزی سے وہاں آ کر ایک جانب کھڑے ہو گئے۔موبے کی خستہ حالت پر چوہدری نے ان کی طرف چونک کر دیکھا۔وہاں پر موجود سب لوگوں کی توجہ بھی ان کی طرف چلی گئی تو چوہدری نے ان کی طرف دیکھ کر پوچھا

’’اوئے منشی، خیر تو ہے۔کیا ہوا ہے اسے؟‘‘

’’اسی سے پوچھ لیں۔‘‘ یہ کہہ کر اس نے موبے کو ٹہوکا دیتے ہوئے کہا،’’اوئے بتا اوئے۔‘‘

تبھی موبا رو دینے والے انداز میں یوں بولا جیسے اس پر بہت ظلم کر دیا گیا ہو۔

’’وہ جی فہد ہے نا۔وہ جو ماسٹر کے گھر آیا ہے۔اس نے آ کر سارے ڈنگر کھول دیئے ہیں اور گھر پر قبضہ کر لیا ہے۔مجھے بہت مارا ہے جی۔‘‘

اس کے یوں کہنے پر دونوں باپ اور بیٹے نے اس کی طرف دیکھا جیسے انہونی ہو گئی ہو۔لوگوں کے چہروں پر خوف چھا گیا۔چوہدری کبیر ایک دم غصے میں اٹھتے ہوئے بولا

''میں دیکھتا ہوں، چل موبے میرے ساتھ۔ میں بتاتا ہوں اُسے، علاقے میں غنڈہ گردی کیسے کرتے ہیں۔''

''ٹھہرو کبیر۔'' چوہدری جلال نے سکون سے کہا، پھر موبے کی طرف دیکھ کر بولا ''پہلے پوری بات سننے دو۔''

''بات تو سن لی ہے بابا۔ یہ کیا تفصیل بتائے گا۔'' چوہدری کبیر نے غصے میں کہا

''سن لینے میں کیا حرج ہے۔'' چوہدری جلال نے اسی سکون سے کہا پھر موبے کی طرف متوجہ ہو کر بولا ''بتا ہوا کیا ہے؟''

اس پر موبے نے پوری تفصیل بیان کر دی۔ وہاں موجود مجمع پر سکوت طاری ہو گیا تھا۔ آخر میں اس نے کہا

''انہوں نے اپنا سامان رکھ کر ہی مجھے یہاں آنے دیا ہے۔ سارا سامان سراج کے گھر سے آیا ہے۔''

''یہ سراج کون ہے؟'' چوہدری جلال نے اچانک اس کی بات کاٹ کر پوچھا تو منشی نے تیزی سے کہا

''جی، وہ امین آرائیں کا بھائی ہے۔ جسے فہد آج ہی تھانے سے لے آیا ہے۔''

''بابا۔ اس فہد کی یہی سزا ہے کہ اسے ابھی ختم کر دیا جائے۔ اور ساتھ میں اس سراج کو بھی۔'' کبیر نے غصے میں پاگل ہوتے ہوئے کہا

''نہیں کبیر، مجھے نہیں لگتا کہ وہ اکیلا ہے۔ ایک اکیلا بندہ اتنا بڑا قدم نہیں اٹھا سکتا۔ اوئے منشی۔''

''جی چوہدری صاحب۔!'' وہ تیزی سے بولا

''لے جا موبے کو اور اس کی دیکھ بھال کر، اور کسی کو بھیج، ڈنگروں کے بندوبست کرنے کا کہو۔ میں دیکھتا ہوں۔'' وہ یوں بولا جیسے یہ بات کوئی اہمیت ہی نہ رکھتی ہو۔ چوہدری ان لوگوں کی طرف متوجہ ہو گیا یوں جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ ''ہاں بتا۔! کیا کہہ رہے تم؟''

چوہدری کبیر نے اپنے بابا کی طرف غصے سے دیکھا اور پھر اٹھ کر ڈیرے سے چلتا چلا گیا۔ جبکہ وہ اپنے بیٹے کے غصے کا احساس کر رہا تھا۔ اسے پورا یقین تھا کہ وہ سیدھا حویلی جائے گا اور یہ ساری بات اپنی ماں کو بتائے گا کہ اس کے باپ نے علاقے کے لوگوں کے سامنے بے عزتی کروا دی۔

دھوپ میں حویلی چمک رہی تھی۔ بشریٰ بیگم اپنے کمرے سے نکل کر ڈرائینگ روم میں آ گئی۔ جہاں حویلی کی با اعتماد اور نوجوان ملازمہ رانی کو باہر دالان میں دیکھنے لگی۔ وہ فرش پر بیٹھی ہوئی سوچوں میں گم تھی۔ اس کے چہرے پر عجیب دکھ پھیلا ہوا تھا۔ جیسے کوئی بات اسے اندر ہی اندر سے کھا رہی ہو۔ وہ اس کے قریب دالان میں چلی گئی۔ وہ اس قدر کھوئی ہوئی تھی کہ اسے بشریٰ بیگم کے آنے کا احساس تک نہیں ہوا۔ وہ دالان میں پڑے صوفے پر آ کر بیٹھ گئی پھر دھیمے سے لہجے میں بشریٰ بیگم نے اسے مخاطب کیا

''رانی......او......رانی......''

جس پر رانی یوں چونکی جیسے اس کی چوری پکڑی گئی ہو۔ اس لئے تیزی سے بولی

''جی......جی......بیگم صاحبہ جی''

''اے رانی کیا بات ہے، کن خیالوں میں گم ہے تُو، کیا سوچ رہی ہے؟'' اس نے نرم لہجے میں پوچھا

''ک...... کک...... کچھ نہیں...... بس یونہی۔'' وہ ہڑبڑاتے ہوئے بولی تو لبوں پر خوشگوار مسکراہٹ لاتے ہوئے بولی

''یہ عمر ہی ایسی ہوتی ہے۔ ہر وقت خیالوں میں کھوئے رہنے کو دل چاہتا ہے۔ کھلی آنکھوں سے بڑے خوب صورت خواب دیکھتا ہے بندہ۔ بس اس وقت ہار جاتا ہے جب حقیقت میں دنیا کچھ اور طرح کی اسے دیکھنے کو ملتی ہے۔''

''غریب کے خواب کیا ہوتے ہیں بیگم صاحبہ...... اور پھر اس معاشرے کی عورت...... ایک کھونٹے سے کھولی اور دوسرے کھونٹے سے باندھ دی اس کی اپنی کوئی مرضی نہیں ہوتی۔ کبھی کبھی تو جینا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔'' اس نے انتہائی دکھ سے کہا تو بشریٰ بیگم نے چونکتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور پھر سمجھاتے ہوئے بولی

''یہ تو کیا سوچ رہی ہے رانی۔ اتنا تلخ سوچوں گی نا، تو زہر بدن میں پھیل جائے گا۔ اسی معاشرے کی عورت بن کر سوچ۔ تبھی زندگی آسانی سے کٹے گی۔ عورت تیرے جیسے کسی غریب گھر کی ہو یا میرے جیسے کسی امیر گھر کی۔ اس کا مسئلہ ایک جیسا ہی ہوتا ہے۔''

''ایسا کیوں ہوتا ہے بیگم صاحبہ، عورت بھی تو انسان ہوتی ہے نا۔'' وہ اسی لہجے میں بولی تو بشریٰ بیگم نے کہا

ہاں۔! ہوتی ہے، مگر اس معاشرے میں اپنا آپ منوانا بہت مشکل ہے۔ وہ چاہے اپنے جگر کا خون دیتی رہے۔ پھر بھی اسے وہ حیثیت نہیں ملتی جو اسے ملنی چاہئے۔ وہ اپنی مرضی کی مالک شاید کبھی نہ ہو سکے۔ تو سوچا نہ کر۔''

''اپنی سوچوں پر کہاں اختیار ہوتا ہے بیگم صاحبہ۔ اک یہی تو میری سہیلی ہے۔'' وہ مایوسیت سے بولی تو بشریٰ بیگم پھر سے چونک گئی۔ وہ چند لمحے اس کی طرف دیکھتی رہی پھر بولی

''چل اٹھ جا، میرے لئے چائے بنا لا۔ اپنے لئے بھی بنانا، پھر تجھے بتاتی ہوں کہ آج کیا بنانا ہے۔'' بشریٰ بیگم کے یوں کہنے پر رانی نے حیرت سے اسے دیکھا اور پھر خاموشی سے اٹھ گئی۔

وہ آزردہ ہو گئی تھی۔ بشریٰ بیگم حسرت زدہ چہرہ لئے سوچوں میں ڈوب گئی۔ وہ اپنے خیالوں سے اس وقت نکلی جب چوہدری جلال کی جیپ حویلی کے پورچ میں آ کر رکی۔

اس وقت چوہدری جلال اور بشریٰ بیگم دونوں ڈرائینگ روم میں بیٹھے چائے پی رہے تھے کہ اتنے میں باہر سے کبیر آ گیا۔ اس نے اپنے والدین پر ایک نگاہ ڈالی اور غصے میں کسی سے بات کیے بغیر آگے بڑھ گیا تو چوہدری جلال نے اپنی گھمبیر آواز میں اسے پکارتے ہوئے کہا

کبیر، ادھر آؤ۔ بیٹھو ہمارے پاس۔''

وہ جاتے ہوئے ایک دم سے رک گیا، پھر پلٹ کر سامنے والے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا

''جی......''

''میں جانتا ہوں کہ تم اس قدر ناراض کیوں ہو۔لیکن تمہیں ناراض ہونے کی بجائے حالات پر غور کرنا چاہئے۔حالات دیکھ کر وار کرنے والا ہی کامیاب ہوتا ہے۔'' چوہدری جلال نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا

''کچھ بھی ہے بابا جانی۔اس واقعے سے پورے علاقے میں ہماری کتنی بے عزتی ہوگی، یہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔انہیں روکنا بہت ضروری ہے۔'' کبیر نے انتہائی غصے میں کہا، جیسے اس کا بس نہ چل رہا ہو۔اس پر چوہدری جلال نے گہری سنجیدگی سے کہا

''اوئے پاگل۔!حملہ آور کو یہی برتری ہوتی ہے کہ وہ حملے کے لئے تیار ہو کر آتا ہے۔اس لئے غفلت کا فائدہ اٹھالیتا ہے۔اس کی فتح وقتی ہے۔فہد جتنا بھی پھنے خاں ہوگا۔وہ اب سزا کا مستحق ہے، لیکن حالات دیکھ کر۔''

''بابا جانی۔!آپ بدل گئے ہیں یا آپ مجھے بدل دینا چاہتے ہیں۔پہلے آپ مجھے یوں کبھی نہیں روکتے تھے۔اب کیوں؟''اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

''وقت، میرے بیٹے وقت۔اس لئے تم جذباتی فیصلے کرنے کی بجائے حالات کی نزاکت کو دیکھ کر فیصلے کیا کرو۔اب دیکھو۔اگاؤں کے لوگ خاموش تماشائی بنے رہے، اور موبے کو چھڑانے کے لئے کوئی بھی آگے نہیں بڑھا، کیوں؟''اس نے کبیر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا، جہاں غصہ ابل رہا تھا

''یہی تو میں کہہ رہا ہوں۔آج وہ تماشائی بنے ہیں۔کل ہمارا تماشا بنانے کیلئے نکل کھڑے ہوں گے۔ہمارا دبدبہ ختم ہوتے ہی وہ ہمارے سر پر سوار ہو جائیں گے۔''اس نے تیزی سے اپنی دلیل دی تو زہریلی سی مسکراہٹ سے بڑے غرور سے بولا

''اوئے نہیں ہوتا ہمارا دبدبہ ختم۔تم خود کو ٹھنڈا کر کے سوچو۔حالات کچھ اور کہہ رہے ہیں۔''

''آج فہد نے اپنا گھر لے لیا۔کل اس نے زمین لے لی تو پورے علاقے میں......'' کبیر نے کہنا چاہا تو بشریٰ بیگم نے یاد دلاتے ہوئے کہا

''گھر اور زمین اس کی ملکیت ہیں۔ہمارا قصور وار ماسٹر دین محمد تھا۔فہد اور اس کے ماں باپ نے تو یونہی سزا کاٹی۔اب اتنے برسوں بعد وہ اپنی جگہ واپس لے بھی لے تو کیا حرج ہے۔ہمیں شور شرابا نہیں کرنا چاہئے۔اس کی زمین بھی اسے واپس کر دینی چاہئے۔اسی میں عزت ہے ہماری۔''

اس کے یوں کہنے پر کبیر نے چونک کر اپنی ماں کو دیکھا اور پھر اپنے لہجے کو نرم بناتے ہوئے بولا ''پر یہ طریقہ تو نہیں ہے نا۔وہ آتا ہمارے پاس منت سماجت کرتا۔اور ہم اسے واپس کر دیتے۔اس نے غنڈہ گردی کی ہے...... یہ تو برداشت نہیں۔''

''ہر معاملہ گولی کی زبان میں یا پھر جلد بازی میں نہیں ہوا کرتا۔ہمارا ایک سیاسی پس منظر بھی ہے۔وہ وقت گذر گیا جب لوگ ڈانگ سوٹے سے ڈر جایا کرتے تھے۔اب تم بھی، کھیل تماشے چھوڑ دو۔سیاست کے داؤ پیچ سیکھو۔آج وہی زمیندار کامیاب ہے جو سیاست کرتا ہے۔اور لوگوں کو اپنی عقل سے باندھ کر رکھتا ہے۔'' چوہدری جلال نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا

''یہ سیاست بھی نا...... بندے کو کمزور کر دیتی ہے۔'' کبیر نے برا سا منہ بنا کر تبصرہ کیا تو چوہدری جلال نے کہا

''نہیں، ایسا نہیں ہے۔ یہی تو میں تمہیں سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ سیاست بڑی قوت ہے، جسے چاہیں باندھ کے رکھ دیں۔ لیکن، سیاست کے میدان میں بہت سنبھل کر چلنا پڑتا ہے۔ سیاست جذبات سے نہیں، ٹھنڈے دماغ سے کی جاتی ہے۔ اب تو عام آدمی بھی ووٹ دیتے ہوئے چکر دے جاتا ہے۔ عوام کو سمجھو کبیر عوام کو۔''

''پر بابا جانی......اس فہد کا حوصلہ تو دیکھیں۔'' کبیر کی سوئی ابھی تک اس پر اٹکی ہوئی تھی۔

''یہ ہوئی نا سوچنے والی بات۔ انہیں حوصلہ کہاں سے ملا، وہ سراج جو اس کے ساتھ تھا۔ وہ امین آرائیں کا بھائی تھا نا۔ اس نے تو ہماری مخالفت کرنی ہے۔ سوچو، اب بہت سکون سے انہیں زیر کرنا ہوگا۔'' چوہدری جلال نے اسے حالات کے بارے سمجھاتے ہوئے کہا

''کبیر، تم اپنے بابا کی بات کیوں نہیں سمجھ رہے ہو۔ حالات یہ ہیں کہ الیکشن ہونے والے ہیں۔ اس کے لیے ہمیں بہت سوچنا ہے۔ یہ سمجھنا ہے کہ دشمن کوئی سازش تو نہیں کر رہا؟'' بشریٰ بیگم نے کہا

''تمہیں پتہ ہے کبیر، میں دشمن کو کبھی معاف نہیں کرتا۔ بھلا دشمن کو بھی چھوڑا جاتا ہے۔ اصل فتح اس وقت ہوتی ہے جب دشمن کی چال کا پہلے پتہ چل جائے۔ اس میں دماغ لگانا پڑتا ہے۔'' چوہدری جلال نے کہا تو بشریٰ بیگم اسے احساس دلاتے ہوئے بولی

''یہ ذہن میں رکھو کبیر کہ کل تم نے اس خاندان ہی کا نہیں اپنے بابا کا سیاسی وارث بھی بننا ہے۔ اب تم دماغ کا استعمال زیادہ کیا کرو۔''

اتنے میں رانی ان کے قریب آ کر ہلکی سی آواز میں بولی

''کھانا لگ گیا ہے، چوہدرانی جی۔''

تبھی بشریٰ بیگم نے اٹھتے ہوئے کہا

چوہدری صاحب۔! یہ باتیں ہوتی رہیں گی۔ چلیں پہلے کھانا کھاتے ہیں۔'' یہ کہہ کر بشریٰ بیگم اٹھ گئی تو وہ دونوں باپ بیٹا بھی اٹھ گئے۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

شام کے سائے پھیل گئے تھے۔ سورج مغربی افق میں ڈوب گیا۔ سلمٰی کچن میں چولہے کے پاس بیٹھی ہوئی سوچوں میں گم تھی۔ اس کی ٹھوڑی اس کے گھٹنے پر تھی۔ وہ بہت افسردہ دکھائی دے رہی تھی۔ اگرچہ مدقوق سا بلب روشن تھا، لیکن چولہے کی آگ سے اس کا چہرہ سنہری دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے خبر سن لی تھی کہ فہد نے اپنا گھر واپس لے لیا اور اس میں سامان بھی رکھ دیا ہے۔ تب سے وہ مسلسل سوچے چلی جا رہی تھی کہ یہ آپ نے کیا کیا فہد۔! بنا سوچے سمجھے اتنا بڑا قدم اٹھا لیا۔ اگر آپ کو کچھ ہو گیا تو؟ ہم تو پہلے ہی بے بس ہیں۔ کس خطرے میں ڈال دیا ہے آپ نے۔ برسوں بعد جینے کا ایک سہارا نصیب ہوا تھا۔ صرف ایک دن سکھ کا سانس لینے کو ملا۔ کیا ہمارے نصیب میں کبھی سکھ نہیں ہوگا۔ اب نجانے کیا ہوگا؟ میں اور میرا بوڑھا باپ کیا کر سکیں گے؟ نجانے کس طرح کا انجام سوچ کر وہ ایک دم سے رو پڑی۔

اچانک اسے لگا جیسے فہد آ کر اس کے باپ کے پاس صحن بیٹھ گیا تھا۔ سلمٰی جلدی سے اٹھی اور کچن کے دروازے کے ساتھ جا لگی، ان کی باتیں اسے صاف سنائی دے رہی تھیں۔ اس کا باپ کہہ رہا تھا۔

''فہد۔ ! یہ میں نے کیا سنا ہے......تو نے......!''

آپ نے بالکل ٹھیک سنا ہے۔ میں نے اپنا گھر واپس لے لیا ہے۔'' فہد نے سکون سے کہا

''وہ بہت ظالم لوگ ہیں فہد'' ماسٹر دین محمد نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا تو وہ حوصلہ دیتے ہوئے بولا

''تو کیا ہوا استاد جی۔ ! دنیا کفر کے ساتھ تو رہ سکتی ہے......ظلم کے ساتھ نہیں۔ آپ یقین رکھیں، جتنا ظلم انہوں نے کرنا تھا کر لیا۔ اب ان کا کسی پر اٹھنے والا ہاتھ سلامت نہیں رہے گا۔''

''تم اکیلے۔ ! میرا مطلب ہے......مقابلہ تو قوت کا قوت کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ کسی بھی وقت تمہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ میں بوڑھا آدمی ہوں۔ ڈانگ سوٹا بھی نہیں اٹھا سکتا۔ پھر تمہارا ساتھ کیسے دے سکوں گا۔'' اس نے دکھ سے کہا تو وہ مسکراتے ہوئے بولا

''آپ یقین رکھیں، وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ مجھے ڈانگ سوٹے کی نہیں آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔''

''میرے بوڑھے اور لاغر وجود کا خیال کرنا۔ میں نے بہت سزا کاٹی ہے اور اب......'' آخری لفظ کہتے ہوئے ماسٹر کا لہجہ رندھ گیا۔ وہ جو کہنا چاہتا تھا کہہ نہیں پایا۔ تب فہد اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیتے ہوئے انتہائی جذباتی انداز میں کہا

''استاد جی۔ ! آپ میرا حوصلہ ہیں۔ ایک آپ ہی تو اس دنیا میں میرا آسرا ہیں۔ مجھے حوصلہ دیں۔''

''حوصلہ تو بڑا ہے پتر۔ ! بنا حوصلے کے صبر نہیں ہو سکتا۔ میں نے بڑا حوصلہ کیا ہے۔ لیکن میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ اس عمر میں اپنا سب کچھ کھو دوں۔ تیرے جیسا بیٹا لوٹ آیا ہے۔ یہی میرے لیے سات خزانوں جیسی خوشی سے کم نہیں۔'' وہ حسرت آمیز لہجے میں بولا

''وہ دن ختم ہو گئے استاد جی، وقت اب آپ کے قدموں میں خوشیاں ڈھیر کرے گا۔ بس آپ مجھے حوصلہ دیں۔ مجھے آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔'' فہد نے ماسٹر دین محمد کا ہاتھ دبا کر چھوڑ دیا۔

ماسٹر چند لمحوں تک اس کی طرف دیکھتا رہا اور پھر اعتماد سے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے پیار سے فہد کا کاندھا تھپتھپایا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی تھی۔ تبھی سلمٰی بھی اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے ہلکا سا مسکرا دی۔

❁......❁......❁

رات کا اندھیرا کافی گہرا ہو گیا تھا۔ سراج کے ڈیرے پر کچے کمرے میں دیا روشن تھا۔ سراج کمرے کے باہر بڑے اضطراب سے ٹہل رہا تھا۔ وہ بار بار اپنی ریسٹ واچ پر دیکھتا اور پھر گہرے اندھیرے میں دیکھنے لگتا تھا۔ اچانک ایک طرف اس نے اپنی نگاہیں جما دیں۔ بڑے سے آنچل سے منہ چھپائے ایک لڑکی فصلوں کے درمیان بنے راستے پر محتاط انداز میں چلی آ رہی تھی۔ سراج ایک دم سے محتاط ہو گیا۔ لحہ بہ لحہ وہ لڑکی قریب ہوتے ہوئے ڈیرے پر آ گئی۔ اس نے آنچل ہٹایا۔ وہ حویلی کی ملازمہ رانی تھی۔ وہ سراج کے ساتھ فوراً ہی

کچے کمرے میں چلی گئی۔اس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔وہ بہت خوف زدہ تھی۔

''بہت دیر کر دی رانی تم نے، اتنے دن ہو گئے مجھے آئے ہوئے۔آج وقت ملا ہے تمہیں؟'' سراج نے شکوہ بھرے لہجے میں کہا تو رانی نے خوف زدہ لہجے میں گلہ کرتے ہوئے کہا

''میں نے دیر کر دی؟ اپنا پتہ ہی نہیں۔اتنی دیر بعد آئے ہو شہر سے۔مجھے تو لگتا ہے تم ہی دیر کر دو گے اور مجھے کوئی اور لے جائے گا۔''

''کیسی باتیں کر رہی ہو تم؟'' سراج نے چونکتے ہوئے کہا تو رانی غصے میں بولی

''میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔دو دن پہلے پار گاؤں سے آئے تھے مجھے دیکھنے کے لئے۔اماں بتا رہی تھی کہ انہیں رشتہ پسند آ گیا ہے۔اب انہوں نے منگنی کر دی تو...... پھر کوئی اور ہی لے جائے گا نا مجھے۔''

''میرے سوا تجھے کوئی نہیں لے جا سکتا۔یہ امین والا معاملہ نہ آ جاتا نا۔تو اگلے مہینے میں نے خود آ جانا تھا تا کہ تیرے والدین سے تیرا رشتہ مانگ سکوں۔'' سراج نے تلخی سے کہا

''یہی تو وجہ ہے کہ میں تجھے اتنے دن ہو گئے ملنے نہیں آ سکی۔اب جو حالات بن گئے ہیں، ان میں اگر حویلی والوں کو شک بھی ہو گیا تو پھر میری خیر نہیں ہے۔'' رانی نے خوف زدہ لہجے میں کہا

''تُو کیا اُن کی کوئی زر خرید ہے۔چھوڑ دے نوکری ان کی اور اپنے گھر بیٹھ۔میں بھیجتا ہوں اپنے والدین کو تمہارے گھر۔'' سراج نے کہا

''میں نے بات کی تھی اپنی ماں سے، وہ تو راضی ہے۔انہیں تیرا جیسا داماد کہاں سے ملے گا، پر ابا شاید راضی نہ ہو۔وہ غیر برادری میں رشتہ نہیں کرے گا۔'' رانی نے بتایا تو سراج نے سکون سے پوچھا

''یہ تیرا بھی دل چاہتا ہے یا......؟''

''مجھ پر شک نہ کرو سراج۔میں نے تجھے اپنا دل دیا ہے۔میں تجھے نہیں بھول سکتی۔مگر یہ ذات پات کی رکاوٹیں، امیری، غریبی، اب تو یہ حویلی والے مخالفت کریں گے۔'' رانی نے بھی غصے میں کہا تو سراج بولا

''تو ساری دنیا کو چھوڑ، اپنی بتا تُو کیا چاہتی ہے؟ یہ بات یاد رکھنا، میں نے چوہدریوں سے بدلہ ضرور لینا ہے۔''

''میں آج بھی تیری ہوں اور کل بھی تیری تھی۔اب سارا معاملہ تجھ پر ہے۔'' وہ حتمی لہجے میں بولی

''تو بس پھر میرا یقین کر، میں تجھے کسی اور کی نہیں ہونے دوں گا۔چاہے جو بھی مخالفت کرے۔آ بیٹھ، دیکھ میں تیرے لئے کیا کچھ لایا ہوں اور تو سنا میرے بغیر تیرے دن کیسے گذرے۔'' سراج نے خمار آلود لہجے میں کہا تو رانی اس کی طرف دیکھ کر شرماتے ہوئے خود میں سمٹ گئی۔تبھی وہ مسکرا دیا۔وہ دونوں باتوں میں کھو گئے۔

❁......❁......❁

دن کی روشنی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ سورج خاصا چڑھ آیا تھا۔ سلمٰی گھر کے سارے کام سمیٹ کر دالان میں آ کر بیٹھی ہی تھی کہ گیٹ پر دستک ہوئی۔ وہ مخصوص دستک تھی، جس کے ساتھ ہی اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ وہ اٹھ کر تیزی سے گیٹ کی طرف گئی اور اسے کھول دیا۔ سامنے فہد کھڑا تھا۔ وہ ایک طرف ہو گئی تا کہ وہ گھر کے اندر آسکے، تبھی فہد نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا

''استاد جی نہیں آئے ابھی تک؟''

''نہیں، نماز پڑھنے کے لئے گئے ہوئے ہیں۔ ابھی تک واپس نہیں آئے۔ آج تو ضرورت سے زیادہ ہی انہیں دیر ہو گئی ہے۔'' اس نے بتایا تو فہد نے پلٹتے ہوئے کہا

''اچھا ٹھیک ہے، میں پھر آتا ہوں۔ تب تک استاد جی بھی آجائیں گے۔''

تبھی سلمٰی نے جلدی سے کہا

''آپ نے ناشتہ نہیں کرنا..... آپ بیٹھیں، ابا جی ابھی آتے ہی ہوں گے۔ اور میں آپ سے ایک بات بھی کہنا چاہ رہی ہوں۔ آپ بیٹھیں نا۔''

فہد نے اس کی جانب دیکھا اور مسکراتے ہوئے آگے بڑھا اور گیٹ پار کر کے صحن میں پڑی کرسی پر جا بیٹھا۔ اتنے میں سلمٰی بھی گیٹ بند کر کے آ گئی۔ وہ پاس بیٹھی تو فہد نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا

''بولو۔! کیا بات کہنا چاہتی ہو۔''

''فہد۔! کیا آپ نہیں جانتے۔ یہاں رہتے ہوئے آپ کسی بھی خطرناک صورت حال سے دوچار ہو سکتے ہیں۔ کوئی بھی دشمن، کسی بھی وقت آپ کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔'' سلمٰی نے سمجھانے والے انداز میں کہا تو فہد مسکرا دیا اور پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا

''سلمٰی۔! میں نے اس آگ میں کودنے سے پہلے بہت کچھ سوچا ہے۔ بچپن سے لے کر آج تک یہی کچھ تو سوچ رہا ہوں مجھے یقین ہے کہ یہ جنگ ہم ہی جیتیں گے۔''

''مگر۔! سوچ اور حقیقت میں بڑا فرق ہے۔ ہم سوچتے اپنی مرضی سے ہیں۔ فتح اور شکست کا تعین بھی خود کرتے ہیں لیکن، حقیقت اٹل ہوتی ہے۔ وہ ہماری دسترس میں نہیں ہے۔ محض سوچ لینے سے حالات کو نہیں بدلا جا سکتا۔ یہ نہیں سوچا آپ نے؟'' اس نے پوچھا

''تم ٹھیک کہتی ہو۔ حالات کو بدلنے کے لئے بہت کچھ کیا جاتا ہے۔ لیکن جب ارادہ کر لیا جائے، تب حالات بدلنا شروع ہو جاتے ہیں۔'' فہد نے مسکراتے ہوئے کہا

''آپ اکیلے، میرا مطلب ہے، یہ کس طرح ممکن ہوگا۔ ایک طرف آپ اکیلے اور دوسری جانب ان حویلی والوں کے اتنے لوگ؟'' اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا

''میں خود کو تنہا سمجھ کر ہی یہاں آیا ہوں۔ میں نے تو کسی کا سہارا لینے کے بارے میں بھی نہیں سوچا۔ ہاں۔! اگر تم گھبرانے کی

بجائے مجھے یقین دو کہ مجھے حوصلہ دینے والے میرے اپنے اسی گاؤں میں ہیں تو......'' اس نے پرسکون لہجے میں کہا تو سلمیٰ نے چونک کر حیرت سے اسے دیکھا پھر دھیمے سے لہجے میں بولی

''کون اپنے؟''

''تم......اور کون؟'' فہد نے اعتماد سے اس کی طرف دیکھ کر کہا تو جیسے سلمیٰ کی سماعتوں کو یقین نہیں آیا۔

''کیا کہا آپ نے، میں سمجھی نہیں۔'' اس نے دوبارہ پوچھا

''ہاں سلمیٰ، تم میری اپنی ہو۔ کیا بچپن کی یادیں فقط تمہیں ہی یاد ہیں، مجھے نہیں۔ میں کچھ بھی نہیں بھول سکا ہوں آج تک...... جہاں خود پر ٹوٹنے والی قیامتیں یاد ہیں۔ وہاں میں ان لمحوں کو بھی سینے سے لگائے پھرتا ہوں۔ جو اسی آنگن میں کھیلتے ہوئے گذرے ہیں۔'' اس نے بڑے ہی اعتماد سے کہا سلمیٰ کتنے ہی لمحے ان لفظوں کو سمجھنے کی کوشش میں ساکت رہی، پھر ایک دم سے بولی

''میں...... میں...... وہ، آپ کے لئے چائے لے آؤں...... میں...... وہ چائے......'' یہ کہتے ہوئے وہ گھبراہٹ اور شرماتے ہوئے تیزی سے اندر کی جانب چلی گئی۔ فہد اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔ فہد ناشتہ کر کے آیا تھا۔ اسے چائے کی اتنی طلب بھی نہیں تھی۔ اسے احساس تھا کہ جب تک استاد جی نہیں آئے وہ کچن سے باہر نہیں نکلے گی۔ سو وہ اٹھ کر باہر نکلتا چلا گیا۔ اس کا رخ چھاکے کے گھر کی طرف تھا۔

چاچا سوہنا صحن میں بچھی چارپائی پر بڑا جذب کے ساتھ کافی کے بول گا رہا تھا۔

جس پٹے پھل بدھے ہوون آوے باس رومالوں

دردمنداں دے سخن محمد دین گواہی حالوں۔

(جس رومال میں پھول باندھے ہوئے ہوں، اس رومال سے بھی خوشبو آتی ہے۔ اور جو دردمند دل ہوتے ہیں ان کی گواہی ان کی باتوں سے عیاں ہو جاتی ہے۔)

چاچا سوہنا گا رہا تھا کہ اتنے میں چھاکے کا مرغا اس کے قریب آ کر اونچی آواز میں بول پڑا۔ اس نے خاموش ہو کر مرغے کو دیکھا اور پھر جیسے ہی گانے لگا، مرغا یوں بول دیا جیسے چاچے کا گانا اسے اچھا نہ لگ رہا ہو۔ اس نے چونک کر مرغے کی طرف دیکھا، صورت حال یہ بن گئی کہ چاچا سوہنا جیسے ہی گاتا ہے مرغا بول پڑتا، جیسے مرغا اسے گانے نہ دے رہا ہو۔ چاچے کو غصہ چڑھ گیا۔ وہ مرغے کو مخاطب کر کے کہنے لگا

''مجھے اب پتہ چلا ہے کہ تو ہی میرا اصل میں دشمن ہے۔ آج میں تجھے نہیں چھوڑوں گا۔ نہیں چھوڑوں گا تجھے۔ آج تیری میرے ہاتھ سے لکھی گئی ہے تو نے ذلیل کر کے رکھ دیا ہے۔''

یہ کہہ کر وہ اٹھا اور مرغے کے پیچھے لگ گیا۔ جو اسے دیکھتے ہی بھاگ گیا۔ اسے قابو کرنے کی کوشش میں چاچے کا سانس چڑھ گیا۔ وہ حالوں بے حال ہو گیا۔ اس دوران چھاکا گھر کے اندر سے باہر آیا تو یہ صورت حال دیکھ کر چونک گیا۔ چاچا مرغے کے پیچھے بھاگتے ہوئے زور زور سے کہہ رہا تھا

''نہیں چھوڑوں گا تجھے، آج تیری میرے ہاتھ سے لکھی گئی ہے۔''

آخر چاچے نے مرغے کو پکڑ لیا تو چھاکے کے منہ سے بے ساختہ نکلا

''او مر گیا شہزادہ...... اوئے ابا، یہ ظلم نہ کر، نہ مار میرے شہزادے کو۔ تجھے تیرے کسی پرانے عشق کا واسطہ۔''

''میں اس کارُولا آج ختم ہی کر دوں گا۔ تُو چھری لا۔'' چاچے نے انتہائی غصے میں کہا ہی تھا کہ اتنے میں باہر کار کا ہارن بجا۔ تبھی چھاکے نے زور سے کہا

''باہر فہد ہوگا۔ مجھے لینے آیا ہے، دیکھ ابا تُو چھوڑ دے میرے شہزادے کو۔''

چاچے نے ایک لمحے کو سوچا اور مرغے کو وہیں چھوڑ کر باہر کی طرف لپک گیا۔ تبھی چھاکا نے مرغے کو مخاطب کر کے کہا

''اوئے بندہ بن، ابے کو تنگ نہ کیا کر۔''

مرغا یوں بولا جیسے سمجھ گیا ہو تو چھاکا اسے چھوڑ کر باہر چلا گیا۔ باہر فہد کار میں تھا۔ چاچا اس کے پاس کھڑا حال احوال پوچھ رہا تھا۔ چھاکا کار میں بیٹھا تو کار چل دی۔

فہد نے اپنے گھر کے سامنے کار روکی اور چھاکے کے ساتھ اندر چلا گیا۔ صحن میں چارپائیاں پڑی ہوئی تھیں، جن پر سراج یوں بیٹھا ہوا تھا، جیسے ان کے انتظار میں ہو۔ علیک سلیک کے بعد یونہی گپ شپ کرنے لگے۔ تب اچانک سراج نے فہد سے پوچھا

''یار۔! ایک بات بتا۔ اس دن بھی تو ٹال گیا تھا۔''

''پوچھ، کیا پوچھنا چاہتا ہے۔'' فہد نے مسکراتے ہوئے کہا تو اس نے پوچھا

''لاہور میں اتنا اچھا مستقبل چھوڑ کر تم اتنی دور یہاں آ گئے ہو۔ صرف چوہدری سے اپنا انتقام لینے کے لئے؟''

''انتقام۔! نہیں، میں نے چوہدری سے انتقام ہی لینا ہوتا نا تو میں وہیں رہ کر اپنی مرضی سے اسے نقصان پہنچا سکتا تھا۔ میں یہاں تبدیلی چاہتا ہوں۔ اس کا یقین تمہیں آئندہ آنے والے چند دنوں میں ہو جائے گا۔''

''کیوں، تم کیوں چاہتے ہو تبدیلی؟'' چھاکے نے پوچھا

''میں نے اپنے ساتھ ایک وعدہ کیا ہے۔ یہاں آ کر میں نے اپنی ذات کا ہی نہیں، اس مٹی کا قرض بھی ادا کرنا چاہتا ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے فہد کے لہجے میں ایک ایسا عزم چھلک رہا تھا، جس میں طوفان پوشیدہ تھا، سراج نے چونک کر اس کی طرف دیکھا، پھر بولا

''مٹی کا قرض چکانے کے لئے تو مٹی ہونا پڑتا ہے۔ پر یہ ہوگا کیسے؟'' سراج نے کہا

''میں فرعونیت کا راج توڑنا چاہتا ہوں۔ چوہدری نے جو یہاں خوف طاری کر رکھا ہے، وہ ہمیشہ کے لئے ختم کرنا چاہتا ہوں۔ کیا تم نہیں چاہتے ہو؟'' فہد نے پوچھا

''کیوں نہیں فہد۔! میرا بھائی امین۔ ان کے ظلم کا شکار ہوا۔ حوالات، رسوائی، مار پیٹ، بے عزتی۔ میرے بھائی نے چوہدری

کے لئے جھوٹی گواہی نہیں دی تھی ۔ یہ جرم اسے لے ڈوبا۔ وہ ذہنی مریض بن چکا ہے ۔ میں چوہدری کو کیسے معاف کر سکتا ہوں ۔‘‘

’’سراج ۔! خوف کی اس فضا میں ، لوگ چاہیں زبان سے کچھ نہ کہیں ۔ مگر ان کے دلوں میں وہی سب کچھ ہے جو تم چاہتے ہو ۔ وہ سوچتے بھی ہیں ۔ لیکن انہیں راستہ نہیں ملتا ۔ انہیں شعور نہیں کہ وہ اپنے جذبات کی اظہار کیسے کریں ۔ اس کے لئے مجھے تم جیسے دلیر لوگوں کی ضرورت ہے ۔ کاندھے سے کاندھا ملانا ہوگا ۔‘‘ فہد نے پر جوش انداز میں کہا تو چھاکے نے تیزی سے پوچھا

’’پر تم کیا چاہتے ہو؟‘‘

’’یہی کہ ہمارے ذمے جو کام ہے ، ہمیں وہ کرنا ہے ، جنہیں کرنا چاہئے تھا ۔ انہوں نے نہیں کیا اسی لئے تو چوہدری جیسے لوگ وسائل پر قابض ہو گئے ہیں ۔‘‘ فہد نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا

’’ہاں یہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو ۔ چوہدری جیسے لوگ ہم غریبوں کے ذریعے ہی غریبوں پر حکمرانی کر رہے ہیں ۔‘‘ چھاکا اپنا سر ہلاتے ہو بولا

’’دیکھو ۔! یہ لوگ اپنی حکمرانی اور دولت میں اضافے کے لئے ہر طرح کا حربہ استعمال کرتے ہیں ۔ جس کے نتیجے میں عوام پس رہی ہے ۔ وہ غریب سے غریب تر ہوتے چلے جا رہے ہیں ۔ وہ محض اپنی لاعلمی میں ان لٹیروں کے ہاتھ مضبوط کر رہے ہیں ۔ کیا غریب کی اپنی بقا کے لئے کچھ نہیں کرنا چاہئے ؟‘‘ فہد نے دکھ سے کہا

’’تمہاری بات دل کو لگتی ہے فہد ۔ مگر الجھن وہی ہے ، یہ ہوگا کیسے ؟‘‘ سراج نے الجھتے ہوئے کہا

’’یہی تو لوگوں کو سمجھانا ہے کہ وہ اپنی ذات کا احساس کریں ۔ لوہے کو کاٹنا ہے ۔ تو لوہا بننا ہوگا ۔‘‘ فہد نے کہا

’’یہ بھی تو ذہن میں رکھو نا ۔ تم یہاں کی عوام کا مزاج اتنی جلدی نہیں بدل سکو گے ۔ وہ تمہاری بات کیوں سنیں گے ۔‘‘ سراج نے تیزی سے کہا تو فہد نے سمجھایا

’’میں دیکھ چکا ہوں ۔ یہاں کی عوام میں چوہدری کے خلاف نفرت ہے ۔ اس کی دہشت سے لوگ ڈر جاتے ہیں ۔ اب دیکھو ۔! اس گھر سے میرا جذباتی تعلق ہے تو میں نے یہ گھر لے لیا ۔ میں نہیں ڈرا ۔ اب زمین چوہدری خود دے گا ۔ عوام پر یہی ثابت کرنا ہے کہ طاقتور چوہدری نہیں بلکہ خود عوام ہیں ۔‘‘

’’دیکھو فہد ۔! میں تو چوہدری سے نفرت کرتا ہوں ۔ اس لئے میں تو تمہارا ساتھ دوں گا ۔‘‘ سراج نے حتمی لہجے میں کہا تو فہد پر جوش لہجے میں بولا

’’بس مجھے یہی حوصلہ چاہئے ۔ دیکھنا ۔! عوام کا مزاج ہی نہیں ۔ یہاں سب کچھ بدل جائے گا ۔ آؤ چلتے ہیں ۔ گاؤں میں بہت سارے لوگوں سے ملنا ہے ۔‘‘ یہ کہہ کر وہ اٹھا تو وہ دونوں بھی اٹھتے چلے گئے ۔

حویلی کے سرسبز لان میں خوشگواریت پھیلی ہوئی تھی۔ سہ پہر کا وقت تھا۔ ایسے میں چوہدری جلال اندر سے باہر لان میں آ گیا، جہاں منشی فضل دین پہلے ہی موجود تھا۔ چوہدری پرسکون سا آ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ چند لمحے سوچتے رہنے کے بعد اس نے منشی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

''اوئے منشی۔! گاؤں میں ایک لڑکے نے اتنا ہنگامہ کر دیا۔ اور ہم کچھ بھی نہیں کر سکے۔''

جس پر منشی نے خوشامدانہ لہجے میں کہا

''جناب چوہدری صاحب۔! صرف مجھے ہی نہیں۔ کسی کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ کیا کرے گا۔ مجھے ذرا سا بھی اندازہ ہوتا نا، تو میں ایسا کچھ بھی نہیں ہونے دیتا۔''

''وہ لڑکا، ماسٹر دین محمد کے گھر آیا ہے۔ جس میں خود سانس باقی نہیں ہے۔ گاؤں میں اور کون ہے اس کے ساتھ، جو اس لڑکے میں اتنی ہمت آ گئی کہ ایک ہی دن میں اس نے اتنا ہنگامہ کر دیا۔ ہمارے نوکر کو مارا اور ڈنگر کھول دیئے۔'' چوہدری نے الجھتے ہوئے کہا

''وہ جی، گاؤں کے چند کمینوں کے لڑکوں سے ملا تھا۔ جو کبھی اس کے ساتھ پڑھتے رہے تھے۔ ان میں سوائے سراج کے کسی نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔'' منشی نے وضاحت سے بتایا تو چوہدری نے اس کی طرف دیکھا اور کہا

''ہوں۔! تو اس نے آتے ہی اپنے مطلب کے بندے تلاش کر لئے۔ تیرا کیا خیال ہے، اب اس لڑکے فہد کے ساتھ کیا کرنا چاہیے؟''

''کرنا کیا ہے جی۔! وہی جو پہلے کرتے ہیں۔ حکم کریں، گاؤں کے چوک میں کھڑا کر کے چار چھتر لگوا کر یہاں سے بھگا دیتا ہوں۔'' منشی نے تیزی سے کہا

''اگر چار چھتر لگانے سے بات بن سکتی نا، تو یہ موقعہ ہی نہیں آنا تھا۔ نا مجھے یہ بتا۔! تجھے ذرا بھی پتہ نہیں چلا کہ وہ کیا کرنے والا ہے۔'' چوہدری کے لہجے میں غصہ عود آیا تھا، جیسے وہ منشی کو اس کا قصوروار سمجھتا ہو۔

''عرض کیا ہے نہ چوہدری جی۔! گمان میں بھی نہیں تھا۔ پر اب بھی کچھ نہیں ہوا۔ چار بندے بھیج کر اسے وہاں سے نکال باہر کرتے ہیں۔ قبضہ ہی لینا ہے نا مکان کا تو وہ لے لیتے ہیں۔'' منشی نے یوں کہا جیسے یہ کوئی اتنا اہم کام نہ ہو۔

''منشی۔! تو اب بھی میری بات نہیں سمجھ رہا ہے۔ اسے وہاں سے نکالنے میں، بلکہ دنیا ہی سے نکال دینے میں مجھے تیری مدد کی ضرورت نہیں اور نہ ہی تو کر سکتا ہے۔'' چوہدری نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا

''تو آپ کیا چاہتے ہیں چوہدری صاحب۔'' اس بار منشی نے الجھتے ہوئے پوچھا تو چوہدری بولا

''ذرا سوچو۔! اس کے اتنے برس بعد گاؤں میں واپس آ جانا۔ اپنا گھر واپس لینا اور سب سے خطرناک بات، گاؤں والوں کا تماشائی بنے رہنا۔ اس میں کوئی نہ کوئی بات ہے ضرور۔ جاؤ جا کر معلوم کرو۔ ایسا کیوں ہوا۔ گاؤں والوں کا دماغ کیسے خراب ہو گیا۔ اس

کے ساتھ جو سلوک ہوگا وہ تو ہم کریں گے ہی۔ تاکہ وہ ساری عمر یاد رکھے۔''

''میں سمجھ گیا چوہدری جی۔! جیسا آپ چاہیں۔ میں پتہ کرتا ہوں۔ چاہے مجھے ماسٹر دین محمد ہی سے کیوں نہ ملنا پڑے'' منشی نے تیزی سے کہا تو چوہدری سوچ میں پڑ گیا۔ منشی چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر پلٹ کر وہاں سے چلا گیا۔ چوہدری نے ٹھیک کہا تھا کہ منشی کو اس کے ارادوں کے بارے میں پتہ کیوں نہیں چلا اور گاؤں کے لوگ ان سے اس حد تک متنفر ہو گئے ہیں کہ ان کے نوکر کو بچایا تک نہیں، یہ نہ صرف خطرناک بات تھی، بلکہ منشی کی نااہلیت تھی۔ اسی لئے منشی کو کسی پل چین نہیں آ رہا تھا۔

شام ہونے کو آ گئی تھی۔ اسے کچھ اور نہیں سوجھا تو وہ سیدھا ماسٹر دین محمد کے گھر چلا گیا۔ اسے یہی ٹھیک لگا کہ ماسٹر کو ڈرا دھمکا دے تاکہ فہد مزید کچھ نہ کر سکے۔ اسے خود ماسٹر ہی روک لے۔

اس وقت ماسٹر اور فہد کھانا کھا چکے تھے۔ سلمیٰ برتن سمیٹ کر لے جا رہی تھی کہ باہر دروازے پر دستک ہوئی، جس کے ساتھ ہی منشی فضل دین نے آواز لگاتے ہوئے کہا

''ماسٹر دین محمد۔! گھر پر ہی ہونا.....''

اس کی آواز سنتے ہی ماسٹر دین محمد نے تشویش سے کہا

''یہ تو منشی کی آواز لگتی ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے فہد کی طرف دیکھا۔ تبھی فہد نے اشارے سے سمجھایا کہ اسے اندر ہی بلا لے۔ جس پر ماسٹر نے اونچی آواز میں کہا'' ہاں.....ہاں.....گھر پر ہی ہوں۔ آ جاؤ۔''

اس دوران سلمیٰ وہاں سے ہٹ کر اندر چلی گئی۔ اگلے چند لمحوں میں منشی اندر آیا تو فہد کو دیکھ کر الجھ گیا کہ بے وقت آ گیا ہے، پھر ان کے پاس بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھتے ہی ماسٹر دین محمد نے پوچھا

''ہاں منشی۔! کیسے آنا ہوا؟''

تبھی اس نے فہد کی پروا نہ کرتے ہوئے کہا

''دیکھ ماسٹر۔! آپ کے اس مہمان نے جو حرکت کی ہے۔ وہ سراسر غلط ہے۔ کیا اس کا احساس ہے آپ کو ماسٹر جی۔ ہم گاؤں والے جو آپ کی اتنی عزت کرتے ہیں۔ اس کا یہ صلہ دیا آپ نے۔ جانتے ہو، اس سے وڈے چوہدری صاحب کس قدر ناراض ہوئے ہیں۔ انہوں نے خاص طور پر مجھے بلا کر آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ میں آپ کو سمجھاؤں۔''

منشی کے منافقانہ لہجے میں چھپی دھمکی کو سن کر فہد نے گھمبیر لہجے میں کہا

''اوئے منشی سن۔! میں اس گاؤں میں مہمان نہیں ہوں۔ یہ میرا گاؤں ہے۔ یہاں میرا اپنا گھر ہے، جسے میں نے خالی کروایا۔ میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔ تم اور تمہارے چوہدری نے آج تک جو غلط کیا۔ اس کا جواب دہ کون ہے، تو یا تیرا چوہدری؟''

''میں ماسٹر کو سمجھانے آیا ہوں کہ چوہدری نے.....'' منشی نے کہنا چاہا تو فہد بات کاٹ کر بولا

''صرف میری سنو منشی۔!تم لوگوں نے اگر استاد جی کی عزت کی ہوتی۔تو آج یہ اس حال کو نہ پہنچتے۔تُو انہیں کیا سمجھانے آیا ہے؟''

''یہی کہ تم نے ٹھیک نہیں کیا۔'' منشی نے آرام سے کہہ دیا

''تو پھر یہ بات مجھ سے کہو۔انہیں کیا کہہ رہے ہو۔اور مجھے چوہدری کی ناراضگی کی کوئی پروا نہیں ہے۔آج کے بعد میرے کسی بھی معاملے میں استاد جی کے پاس آنے کی ضرورت نہیں۔سمجھے تم۔'' فہد نے غصے میں کہا

''لڑکے تم چوہدری کی طاقت بارے نہیں جانتے ہو۔وہ تمہیں چیونٹی کی طرح مسل کر رکھ دے گا۔یہ اس کی مہربانی ہے کہ تم لوگوں کو سمجھانے کے لئے مجھے یہاں بھیج دیا۔'' منشی نے طنزیہ لہجے میں کہا تو فہد نے اس کی طرف دیکھ کر سرد لہجے میں پوچھا۔

''تم مجھے دھمکانے آئے ہو؟''

''دھمکانے نہیں، حقیقت بتانے آیا ہوں۔تم غنڈہ گردی کی بجائے ان کے پاس جا کر منت سماجت کرتے۔وہ تمہیں تمہارا گھر دے دیتے۔انہوں نے اتنے برس تمہارے گھر اور زمین کی حفاظت کی۔اس احسان کے بدلہ یوں دے رہے ہو۔شکر کرو،انہوں نے تمہاری نادانی کو نظر انداز کرتے ہوئے مجھے بھیجا۔'' منشی نے احسان جتاتے ہوئے کہا

''تم آنکھوں والے اندھے ہو منشی۔!تم سے بات کرنا فضول ہے۔میں نے اپنا گھر واپس لے لیا۔یہ بات اپنے چوہدری کو بتا دینا کہ میں اسی طرح اپنی زمین بھی لے سکتا ہوں مگر لوں گا نہیں۔کیونکہ وہ یہ زمین مجھے خود دے گا۔'' فہد نے طنزیہ لہجے میں کہا تو منشی چونک کر بولا

''لڑکے لگتا ہے تمہارے سر پر خون سوار ہے،اس بوڑھے کا......''

''خبردار۔!آگے ایک لفظ بھی کہا تو۔یہ میرے استاد جی ہیں۔تمیز سے بات کرو۔'' فہد نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا، پھر بولا۔''اور سنو۔!میں خون خرابہ نہیں چاہتا۔اپنا حق لینا چاہتا ہوں۔اگر تمہارے چوہدری نے طاقت دکھانے کی کوشش کی تو میں اس کا دیسا ہی بھرپور جواب دوں گا،جیسا وہ چاہے گا۔بتا دینا اسے۔''

''تم ہوش میں تو ہو۔یہ کیا کہہ رہے ہو۔'' منشی نے کہا

''اصل میں تمہارے جیسے خوشامدی،اپنے مفاد کی خاطر،چوہدری جیسے لوگوں کو ظلم کرنے پر اُکساتے ہیں۔جب میرے باپ کو یہاں سے تنگ کیا گیا۔اس وقت تم لوگ کہاں تھے۔جاؤ، جا کر اسے کہہ دو۔استاد جی کی جتنی ہتک انہوں نے کرنی تھی، کر لی۔اب اگر ان کے بارے میں سوچے بھی تو دھیان سے سوچے۔اور اب جاؤ تم یہاں سے۔''

''ماسٹر۔!یہ لڑکا بڑا جذباتی ہو رہا ہے۔اپنے ساتھ تمہاری عزت بھی مٹی میں رول دے گا۔'' منشی نے ماسٹر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو وہ بولا

''یہ لڑکا جو کچھ بھی کہہ رہا ہے۔ٹھیک کہہ رہا ہے۔اب تم جاؤ۔اور اب تم بھی دھیان سے بات کرنا۔''

پہلی بار ماسٹر کے منہ سے ایسی حوصلے والی بات سن کر حیران رہ گیا۔اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ماسٹر بھی ایسی بات کر سکتا ہے۔اسی لئے جھجکتے ہوئے بولا

''ماسٹر۔! میں تو جاتا ہوں لیکن ، یہ ٹھیک نہیں ہے۔''

''تجھے کہا ہے نا جاؤ۔'' فہد نے کہا تو منشی اٹھ کر وہاں سے چل دیا۔

منشی پلٹ تو آیا تھا مگر حیران تھا کہ وہ ماسٹر جو کبھی ان کے سامنے بولنے کی جرات نہیں کرتا تھا، اس نے اسے بے عزت کر کے گھر سے باہر نکال دیا۔ اس کے اندر آگ لگ چکی تھی۔ وہ اسی آگ میں سلگتا ہوا سیدھا حویلی چلا گیا۔ چوہدری جلال اور چوہدری کبیر ڈرائنگ روم میں ہی تھے۔ وہ دونوں باتیں کر رہے تھے کہ منشی ان کے پاس جا پہنچا۔ اس کے چہرے پر غصہ اور شرمندگی تھی، جسے دیکھ کے چوہدری جلال نے پوچھا

''او کیا ہوا منشی تجھے؟''

''میں ماسٹر دین محمد کے گھر گیا تھا اسے سمجھانے کے لئے، وہیں سے آ رہا ہوں۔'' منشی نے بے چارگی سے کہا

''تو پھر سمجھایا اسے، کیا کہتا ہے؟'' چوہدری جلال نے تجسس سے پوچھا تو منشی نے کہا

''وہاں فہد بھی تھا۔ انہوں نے میری بات ہی نہیں سنی بلکہ مجھے بہت بے عزت کیا جی انہوں نے۔''

''کیا، اس نے تمہاری بے عزتی کی؟'' چوہدری جلال ایک دم غصے میں آتے ہوئے بولا

''جی چوہدری صاحب۔ وہ تو کہہ رہا تھا کہ میں کیا جانتا ہوں چوہدریوں کو، اب زمین میں نے نہیں چوہدری خود مجھے دیں گے۔'' منشی نے طنزیہ لہجے میں بتایا

''اس کی یہ جرات۔'' چوہدری کبیر یہ کہہ کر وہ اٹھنے لگا تو چوہدری جلال نے اسے اشارے سے روکتے ہوئے کہا

''پوری بات بتا۔''

منشی نے ساری بات کچھ ایسے انداز میں سنائی کہ دونوں باپ بیٹے غضب ناک ہو گئے۔ تبھی چوہدری جلال نے انتہائی غصے میں کہا

''اس کا مطلب ہے، وہ فہد نہیں بول رہا۔ اس کے پیچھے ضرور کوئی اور طاقت بول رہی ہے۔ ٹھیک ہے منشی میں اسے دیکھتا ہوں۔ اب تم جاؤ۔''

''جو حکم چوہدری صاحب۔'' منشی نے کہا اور وہاں سے نکلتا چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی چوہدری کبیر نے کہا

''بابا، یہی وقت ہے، اس کو ختم کر دیں، ورنہ وہ بہت تنگ کرے گا۔ پودے کو نکلتے ہی اس کو ختم کر......''

''غلط سوچ رہے ہو تم، وہ پودا نہیں رہا۔ وہ جو سوچ بھی لے کر آیا ہے، فہد نے اسی سوچ ہی سے مرنا ہے۔ وہ پاگل نہیں ہے کہ یونہی خودکشی کرنے یہاں آ گیا۔ بہت سوچ سمجھ کر اس پر ہاتھ ڈالنا ہو گا۔'' چوہدری جلال نے پرسوچ انداز میں کہا تو کبیر اپنے باپ کی بات سن کر بے بسی سے خود پر قابو پانے لگا۔ اس کا خون کھول اُٹھا تھا۔ اس سے وہاں بیٹھا نہیں گیا۔ اسے اپنے باپ کی بات بری لگی تھی۔ کبیر کے حساب سے اس کا باپ خواہ مخواہ محتاط تھا۔ اسی لئے وہ اندر کی طرف چلا گیا جبکہ چوہدری جلال پہلی بار سنجیدگی سے اس کے بارے میں

سوچنے لگا۔ وہ کبیر کی سوچ سے بے خبر تھا۔

رات گہری ہوگئی تھی۔ چوہدری کبیر کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اسے نیند نہیں آرہی تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے سلمٰی کا چہرہ گھوم رہا تھا۔ وہ مسلسل سوچتا چلا جارہا تھا کہ فہد اپنا بدلہ ضرور لے گا۔ وہ ہمیں نیچا دکھانے آیا ہے۔ وہ مجھ سے سلمٰی کو بھی چھین سکتا ہے۔ وہی فہد میرے راستے کی دیوار بن گیا ہے۔ وہ مجھے پھر سے ہرانے آگیا ہے۔ اب میں ہار جانا برداشت نہیں کرسکتا۔ یہی وقت ہے۔ اسے ختم کردینا ہی ہوگا۔ میں اس دیوار کو گرا سکتا ہوں تو پھر دیر کس بات کی...... ابھی اور اسی وقت۔ یہ سوچتے ہی وہ بھنا کر اٹھا۔ اس نے بیڈ کی دراز کھول کر اس میں سے ریوالور نکالا اور کمرے سے باہر نکلتا چلا گیا۔ وہ سیڑھیاں اتر کر ڈرائینگ روم میں آیا، جہاں دھیمی روشنی تھی۔ وہ محتاط انداز میں جارہا ہوتا کہ سامنے دیکھ کر وہ ٹھٹکتے ہوئے رک گیا۔ سامنے اس کی ماں بشریٰ بیگم کھڑی اسے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں سختی تھی۔ وہ چند لمحوں تک اسے یوں دیکھتی رہی جیسے اس کی چوری پکڑ لی ہو۔ پھر سرزنش کرنے والے لہجے میں بولی

''کبیر۔! اس وقت اتنی رات گئے، کہاں جارہے ہو؟''

''کہیں نہیں ماں، کہیں نہیں جارہا ہوں۔'' اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا تو گہرے لہجے میں بولی

''تو پھر اتنی رات گئے یوں...... باہر؟''

''بس ماں یونہی نیند نہیں آرہی تھی، سوچا باہر کھلی فضا میں جاؤں، شاید نیند آجائے۔ پر آپ اس وقت یہاں کیا کررہی ہیں؟'' اس نے یوں کہا جیسے وہ بھی سمجھ رہا ہو کہ ماں یہاں کیوں ہے۔

''میں تو کب کی یہاں بیٹھی سوچ رہی ہوں۔ میری چھوڑ، تو بتا، کیوں پریشان ہے؟'' بشریٰ بیگم نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا

''نہیں ماں میں پریشان تو نہیں ہوں؟'' اس نے تیزی سے یقین دلانے والے انداز میں کہا

''میں ماں ہوں تمہاری، جانتی ہوں تیرے بارے میں۔ اگر تیرے دل میں کوئی بات ہے تو مجھے بتا۔ میں تیری ہر پریشانی......'' بشریٰ بیگم نے کہنا چاہا تو اس نے ٹوکتے ہوئے کہا

''نہیں ماں میں بتا رہا ہوں نا، مجھے کچھ نہیں ہے۔''

''دیکھ تیرا بابا۔ تجھے بڑا آدمی دیکھنا چاہتا ہے۔ تو اتنا پڑھ لکھ نہیں سکا لیکن اتنی بڑی جاگیر کی دیکھ بھال بہت بڑی ذمے داری ہے۔'' وہ بولی تو کبیر نے لاپرواہی سے کہا

''تو پھر کیا ہوا۔ جاگیریں بندے ہی سنبھالتے ہیں۔''

''میں مانتی ہوں۔ تُو ہمارے لئے اب بھی وہی چھوٹا سا کبیر ہے۔ لیکن دنیا داری کے معاملات بہت بڑے ہیں۔'' وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولی

''اتنی فکر مند کیوں ہو ماں۔ آپ خواہ مخواہ جذباتی ہو رہی ہو..... میں جانتا ہوں اس دنیا کے ساتھ کیسا معاملہ کیا جاتا ہے۔ طاقت ہے تو سب جھکتے ہیں۔ ورنہ وہ ہمیں جھکا دیں گے۔ آپ غم نہ کرو۔ سب ٹھیک ہے۔ جائیں سو جائیں۔'' اس نے پھر اسی لاپرواہی سے کہا تو بشریٰ بیگم بولی

''تمہیں یوں دیکھ کر کیا میں سو سکتی ہوں؟''

''جائیں، اپنے کمرے میں جا کر سو جائیں۔ میں بھی سو جاتا ہوں۔'' اس نے یہ کہہ کر وہ اپنی ماں کو کاندھوں سے پکڑا اور اندر کی طرف لے کر چل دیا۔ ایسے لمحات میں بشریٰ بیگم نے سکون کا سانس لیا۔ اسے یقین تھا کہ وہ اب جا کر سو جائے گا۔ اتنا تو اسے اپنی اولاد کے بارے میں پتہ تھا۔

چوہدری کبیر رات گئے تک نہ سو سکا۔ اس کے ذہن میں اپنی بے عزتی ہونے اور سلمیٰ کے کھو جانے کا ڈر کسی ناگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔ جب وہ اپنے آپ سے بھی خوف کھانے لگا تو الماری میں پڑی شراب کی بوتل اٹھا کر کھولی اور پیتا چلا گیا۔

اس کی آنکھ صبح سویرے ہی کھل گئی۔ وہ بستر سے اٹھ کر ناشتہ کیے بغیر اپنی جیپ لے کر ڈیرے کی طرف نکل گیا۔ وہ اپنے ڈیرے میں صوفے پر بیٹھا گہری سوچ میں کھویا ہوا تھا کہ اس کا خاص ملازم ماکھا آ گیا۔ اس نے چوہدری کبیر کی طرف دیکھا اور قریب آ کر بولا

''چوہدری جی، اگر آپ ناراض نہ ہوں تو ایک بات پوچھوں؟''

چوہدری کبیر نے اس کی طرف دیکھا اور اداس ڈھیلے سے لہجے میں کہا

''ہاں پوچھو۔!''

''جب سے آپ آئے ہیں، میں تب سے دیکھ رہا ہوں جی۔ آپ کچھ پریشان لگ رہے ہیں۔ کیا بات ہے جی۔'' اس نے تشویش سے پوچھا تو چوہدری نے ایک طویل سانس لے کر کہا

''میں پریشان نہیں ہوں ماکھے۔! بس وہ سلمیٰ ہے نا، اس کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ وہی ایک لڑکی مجھے پسند آئی ہے۔ لگتا ہے کہ اب وہ میری ضد بن جائے گی۔ اسے حاصل تو کرنا ہے۔ سوچ رہا ہوں کیسے؟''

''چوہدری جی۔! مجھے اتنی عقل سمجھ تو نہیں ہے۔ پر اتنا ضرور سمجھتا ہوں۔ دلوں کے معاملے میں زور زبردستی نہیں چلتی۔ آپ نے اس کا دل جیتنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ اس طرح وہ کیسے.....'' اس نے کہنا چاہا لیکن کبیر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا

''اوئے ماکھے۔! یہ جو دلوں والے معاملے ہوتے ہیں نا۔ میری سمجھ میں نہیں آتے۔ میں نے تو ہمیشہ چھین کر حاصل کرنا سیکھا ہے۔ اور سلمیٰ کو چھین لینا ہی ہوگا۔ ایسے وہ ہاتھ نہیں آئے گی۔ اتنا تو میں بھی جانتا ہوں۔''

''مگر اب فہد آپ کے اور سلمیٰ کے درمیان دیوار بن سکتا ہے۔'' ماکھے نے گہرے لہجے میں کہا

''یہی تو، اسی دیوار کی وجہ سے ان کے بارے سوچنا ہے۔ دیکھتے ہیں یہ دیوار کتنے دنوں میں گرتی ہے۔ پھر سلمیٰ خود میرے

سامنے آکر انہی دیواروں کے تحفظ کیلئے بھیک مانگے گی۔ وہ فہد والا سہارا ابھی دیکھ لے۔ اب تو مزہ آئے گا۔ ان دونوں کے ساتھ کھیلنے کا۔“ کبیر نے یوں کہا جیسے اسے من پسند کھیل مل گیا ہو۔ اس پر ماکھے نے مسکراتے ہوئے کہا

”چوہدری جی۔ پہلے اپنے دل کو ٹٹول کر دیکھ لیں۔ جہاں معاملہ دل کا ہونا، وہاں کھیل نہیں کھیلا جاتا۔ اسے اپنا بنا لیا جاتا ہے۔ یا پھر اس کے بن جاتے ہیں۔“

”اوئے ماکھے۔! یہ کمزور لوگوں کی باتیں ہیں۔ یہ تم بھی جانتے ہو۔ میں چاہوں تو اسے ابھی اور اسی وقت حاصل کرلوں..... مگر آسانی سے ہاتھ آنے والی شے میں میری کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔“ کبیر نے نخوت سے کہا

”پر یہ جو محبت ہوتی ہے نا۔ اس میں زور زبردستی نہیں چلتی۔“ ماکھے نے اسے احساس دلایا

”اوئے تو مجھے پیار محبت کے سبق نہ پڑھا۔ اور نہ ہی میں یہ سبق پڑھنا چاہتا ہوں۔ میں تو سیدھی بات جانتا ہوں۔“ اس نے غرور سے کہا

”ٹھیک ہے چوہدری جی۔! ہوگا تو وہی جیسا آپ چاہیں گے۔“ ماکھا ایک دم سے خوشامد پر اتر آیا۔

”ہاں۔! اب سلمٰی کو اہمیت دینا پڑے گی اور جو اہمیت میں اسے دینا چاہتا ہوں۔ اسے اب دنیا دیکھے گی۔ سلمٰی اتنی آسانی سے کسی کی نہیں ہو سکتی۔“ وہ کسی حد تک غصے میں بولا تو ماکھے نے کہا

”ٹھیک ہے چوہدری صاحب۔! آپ ٹھیک کہتے ہوں گے جی“

”اوئے جاؤ۔ دفعہ ہو جاؤ..... اب“ کبیر نے اس کی طرف دیکھ کر غصے میں کہا تو ماکھا چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر کمرے سے باہر نکلتا چلا گیا۔ چوہدری کبیر پھر سے سوچوں میں ڈوب گیا۔

✿ ✿ ✿

چینل کی عمارت دن کی روشنی میں چمک رہی تھی۔ عمارت کے اندر خاصی گہما گہمی تھی۔ مائرہ راہداری میں تیزی سے اپنے کمرے کی جانب آرہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں کچھ کاغذ پکڑے ہوئے تھے۔ وہ اپنے کمرے میں داخل ہوئی تو جعفر کو وہاں دیکھ کر ایک دم سے خوش ہو گئی۔ وہ خوشی سے بھرپور لہجے میں بولی

”او جعفر، تم آ گئے۔ بہت اچھا کیا۔“

”خیریت تو ہے نا مائرہ، اس طرح جلدی میں بلایا مجھے، کیا مسئلہ ہے؟“ جعفر نے سنجیدگی سے پوچھا تو مائرہ میز کے عقب میں کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی

”صبر تو کرو، بتاتی ہوں۔“ یہ کہتے ہوئے اس نے کاغذوں کی طرف دیکھا اور ایک طرف رکھ دیئے۔ پھر پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولی ”میں کئی دنوں سے ایک رپورٹ پر کام کر رہی تھی۔ ایک بہت بڑے گروہ کا انکشاف ہوا ہے جو جعلی دوائیاں

بنا کر بڑے پیمانے پر مارکیٹ میں فروخت کر رہا ہے۔ دراصل اس گروہ میں بہت بڑے بڑے نام بھی ہیں۔"

"کون سے نام ہیں ان میں؟" اس نے تیزی سے پوچھا تو پرسکون لہجے میں بولی

"بتاتی ہوں، بلکہ تمہیں ہی بتاؤں گی۔ میں اکیلی اس پر کام نہیں کر رہی ہوں، بلکہ پولیس ڈیپارٹمنٹ کے اعلیٰ آفیسر بھی شامل ہیں۔ وہ جگہ، جہاں یہ دوائیاں بنتی ہیں، اور اب بھی جہاں سٹاک موجود ہے۔ وہاں سے انہیں رنگے ہاتھوں پکڑنا ہے۔"

"مطلب، چھاپہ...... پہلے تم نے نہیں بتایا، آج کیوں؟ اور ابھی......" اس نے اسی تیزی سے پوچھا تو مائرہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی

"اس کی دو وجوہات ہیں۔ پہلی یہ کہ میں چاہتی ہوں کہ اس کا ڈراپ سین تمہارے ہاتھوں ہو، بلاشبہ اس کا کریڈٹ تمہیں جائے گا......اور جانا بھی چاہئے۔"

"اور دوسری وجہ؟" جعفر نے پوچھا تو مائرہ عجیب حسرت بھرے لہجے میں یاسیت سے کہا

"اگرچہ میرے ساتھ بہت سارے لوگ ہیں لیکن پتہ نہیں کیوں میں خالی پن محسوس کر رہی ہوں۔ مجھے لگا کہ میرا اپنا کوئی میرے ساتھ ہو۔ جس کے سہارے میں خود کو بہت مضبوط سمجھوں۔"

اس کے یوں کہنے پر جعفر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پھر جذباتی انداز میں خوش ہوتے ہوئے بولا۔

"مجھے خوشی ہوئی مائرہ کہ تم نے مجھے اپنا کہا اور میں......" تبھی مائرہ اس کی بات کاٹتے ہوئے مصنوعی اکتاہٹ سے بولی

"اچھا اب جذباتی ڈائیلاگ مت مارنا۔ ایک عاشق مزاج نوجوان کی بجائے پولیس آفیسر بن کو سوچو۔"

"میں تبھی پولیس والا بن کر سوچوں گا نا کہ جب مجھے اس کیس کے بارے میں معلوم ہوگا۔ میرے سامنے تو ایک حسین لڑکی ہے جسے دیکھ کر سوائے جذباتی مکالموں کے اور کچھ سوچا ہی نہیں جا سکتا ہے۔" جعفر ایک دم سے پرسکون ہو کر رومانوی لہجے میں بولا

"کہا نا بند کرو یہ جذبات نگاری۔ ہم نے آج ہی چھاپہ مارنا ہے۔ اپنے آفس پہنچو۔ تمہیں آرڈر مل جائیں گے۔ اور سنو میں تمہیں اس کیس کے بارے میں پوری تفصیل وہیں آ کر بتاتی ہوں۔ تم اب فوراً نکلو اور چھاپے کی تیاری کرو۔"

"او کے۔" جعفر نے ایک دم سے کھڑے ہوتے ہوئے کہا تو مائرہ نے اسے بھرپور نگاہوں سے یوں دیکھا جیسے ابھی صدقے واری ہو جائے گی۔

اگلے دو اور تین گھنٹوں کے دوران ایک ویران سے مقام پر کوٹھی نما گھر کے سامنے مائرہ کی کار آ رکی۔ اس کے ساتھ ہی چینل کی ویگن آن رکی۔ اس کے پیچھے ہی پولیس کی گاڑی آ کر رک گئی۔ گاڑیاں رکتے ہی اس میں سے کئی سارے بندے نکل آئے۔ پولیس کے جوانوں نے تیزی سے گھر کو گھیرے میں لے لیا۔ تبھی مائرہ اور جعفر دروازے کی جانب بڑھے۔ کوٹھی کے اندر سے مختلف طرف سے باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ دونوں دبے قدموں اندر داخل ہو کر آگے بڑھتے گئے۔ ان کے پیچھے دروازہ کھلا ہوا تھا جس میں سے

سب لوگ دھڑ دھڑ اندر داخل ہوتے گئے۔ اچانک ان کے سامنے ہال نما کمرہ آ گیا۔ وہ سب دوائیاں پیک کرنے میں مصروف تھے۔ یوں اچانک پولیس کو سامنے دیکھ کر وہاں پر موجود لوگ خوف زدہ ہو کر بھاگنے لگے۔ پولیس والے انہیں پکڑنے لگے۔ کچھ ہی دیر بعد ساری کوٹھی چھان ماری اور وہاں پر موجود ہر بندے کو گرفتار کر کے انہیں گاڑی میں بیٹھا دیا گیا۔ اس سارے دورانیے میں وہاں ہونے والی ساری کار وائی کو چینل والے کور کرتے رہے۔ آدھے گھنٹے سے بھی کم دورانیے میں وہ انہیں لے کر واپس پلٹ گئے۔

مائرہ چینل آتے ہی بے حد مصروف ہوگئی۔ اس نے اپنی رپورٹ فائل کی اور گھر کے لئے نکل پڑی۔ جس وقت وہ گھر کے قریب تھی، اس کی رپورٹ آن ائیر ہوگئی۔ چینل میں باس اپنے کمرے میں ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ اس پر مائرہ کی کوریج چل رہی تھی۔ باس کے ساتھ ایک سینئر صحافی پورے انہماک سے دیکھ رہا تھا۔ باس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی، وہ مائرہ کے کام کو تحسین کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔ تبھی باس نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا

”مائرہ، بہت محنت کر رہی ہے۔ اس کی رپورٹ میں جان ہوتی ہے۔ عوام کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے.....شاندار رپورٹ بناتی ہے۔“

”جی، یہ جتنی محنت کر رہی ہے، اتنی عوام میں مقبول بھی ہو رہی ہے۔ اصل میں مائرہ کا سٹائل یہ ہے کہ وہ سمجھوتہ نہیں کرتی۔ بلکہ کسی بھی ایشو کو اس طرح لیتی ہے جیسے یہ اس کے اپنے اوپر بیت رہا ہو۔ ظاہر ہے اس میں اس کے اپنے جذبات بھی آ جاتے ہیں اور وہ پوری طرح وقف ہو جاتی ہے۔“

”ہوں اں ں۔! نائس۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اس کی محنت اپنے منہ سے خود بولتی ہے۔ سب سے بڑی خوبی جو تم اس رپورٹ میں دیکھ رہے ہو۔ اس کا بولڈ ہونا ہے۔ کس طرح فورسز کے ساتھ ہے۔“ باس نے تعریف کی تو صحافی بولا

”جی یہ تو ماننا پڑے گا کہ یہ ایک بہادر لڑکی ہے اور یہ بھی کہ یہ آپ کے چینل کا سب سے فیورٹ پروگرام ہے۔“

”مجھے پتہ ہے.....“ باس نے زیادہ بات نہیں کی۔ یہ کہہ کر وہ پھر ٹی وی کی طرف دیکھنے لگا۔ ایسا ہوتا ہے، باس لوگ اپنے ورکر کی چاہتے ہوئے بھی زیادہ تعریف نہیں کرتے، یہ ان کا معاشی مسئلہ ہوتا ہے۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ لوگ کس قدر اس پروگرام کو دیکھ رہے تھے۔ الیکٹرونکس کی مارکیٹ میں ایک دوکان کے باہر لوگوں کا رش لگا ہوا تھا۔ ٹی وی اسکرین پر مائرہ بول رہی تھی۔

”یہ دوائیاں بنانے والا گروہ، انسانیت کے لیے وہ زہر ہے جو انسانی صحت کے لیے قاتل ہے۔ اس گروہ کی پشت پناہی کرنے والے وہ طاقت ور لوگ ہیں، جن کے نام اگر آپ کے سامنے آئیں تو آپ یقین نہیں کریں گے۔ بڑے بڑے جلسوں میں تقریریں کرنے والے، میڈیا پر انسانیت کی خاطر قربان ہونے والے، انسانیت کے یہ دشمن اتنا بھی نہیں سوچتے کہ یہ ادویات بچوں کے لیے بھی ہیں۔ وہ معصوم بچے جوان جیسے بے رحم قاتلوں کے دور میں پیدا ہو رہے ہیں۔ یہ صرف جعلی ادویات ہی نہیں بنا رہے بلکہ اعضاء کی چوری میں بھی ملوث پائے گئے ہیں۔ کچھ نام آپ سن چکے ہیں اور یقیناً آپ اُن ناموں کو سننے کے لئے بھی بیتاب ہوں گے، جو اس میں ملوث ہیں۔ وہ نام میں آپ کے سامنے ضرور لاؤں گی اور یہی میرا مقصد ہے کہ معاشرے کے ان بھیانک چہروں کو سامنے لایا جائے تا کہ آپ انہیں

پہچان سکیں۔ناظرین یہاں لیتے ہیں ایک چھوٹا سا بریک، ہمارے ساتھ رہئے گا۔''

اس کے ساتھ ہی مائرہ کی آواز معدوم ہوگئی اور اسکرین پر اشتہار چلنے لگا۔تبھی وہاں عوام میں ایک بندہ حیرت سے بولا

''بھئی واہ، یہ مائرہ بھی نا جب بھی کسی گروہ پر ہاتھ ڈالتی ہے تو پکا ہی ڈالتی ہے۔اب دیکھنا، بڑے بڑے چہرے بے نقاب ہو جائیں گے۔''

''ابھی شروع میں جن لوگوں کے نام لے رہی ہے۔سیاسی حلقوں میں ان کا کتنا بڑا نام ہے۔پر یہ صاف بچ جائیں گے۔'' قریب کھڑے دوسرے شخص نے مایوسانہ لہجے میں تبصرہ کرتے ہوئے کہا

''چل یار، مائرہ تو اپنا کام کر رہی ہے نا۔'' وہ آدمی یہ کہہ کرٹی وی اسکرین کی طرف متوجہ ہو گیا۔

پروگرام ابھی ختم نہیں ہوا تھا، مائرہ نے اپنے گھر کے پورچ میں کار روکی اور تھکی ہوئی اندر چلی گئی۔اس کے پاپا حبیب الرحمٰن ٹی وی لاؤنج میں ٹی وی دیکھ رہا تھا۔جس پر مائرہ کی رپورٹ چل رہی تھی۔اسکرین پر پولیس کا ایک اعلیٰ آفیسر بات کرر ہا تھا۔

''مس مائرہ نے بہت حوصلے، محنت اور صبر سے تحقیق کی۔ہم نے ان کی تحقیق اور معلومات سے بھر پور فائدہ اٹھایا اور اس گروہ کو پکڑنے میں کامیاب ہوگئے۔مس مائرہ جیسے لوگ اگر معاشرے میں اپنی ذمہ داری نبھائیں تو کوئی مشکل نہیں کہ جرائم کا قلع قمع نہ ہو سکے۔''

اس کے ساتھ ہی آواز معدوم ہوگئی۔

مائرہ اپنے پاپا کو پروگرام دیکھتے ہوئے خوش ہوگئی تھی،اسی لئے خوشگوار انداز میں بولی

''ہائے پاپا۔کیسے ہیں آپ؟''

''ٹھیک ہوں بیٹی۔اتم کیسی ہو؟'' اس نے یوں کہا جیسے وہ ابھی رپورٹ کے سحر سے باہر نہ آیا ہو۔تبھی وہ اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بولی

''میں بالکل ٹھیک ہوں۔''

''بھئی آج تمہارے چینل سے تمہارا کام دیکھا پتہ چلتا ہے کہ تم بہت محنت کر رہی ہو۔تمہاری بہت تعریف ہو رہی ہے۔'' پاپا کے لہجے میں فخر چھلک رہا تھا۔

''یہ تو کچھ بھی نہیں پاپا۔میں تو اس سے بھی آگے کا سوچ رہی ہوں۔بہت سارے پلان ہیں میرے ذہن میں۔''

''گڈ۔!ان لوگوں کو بے نقاب کرنا ہی ہوگا، جو عوام کو دھوکہ دے رہے ہیں۔میڈیا پر آکر بڑے بڑے دعوے کرنے والے، عوام کو سبز باغ دکھانے والے،اور پارسا بننے کی کوشش میں ہلکان ہونے والوں کے بارے میں بتانا چاہئے کہ اصل میں وہ کس قدر مجرمانہ ذہنیت رکھتے ہیں۔اور پھر معاشرے کے ان ناسوروں کو سیاست کرنے کا کوئی حق نہیں، جو صرف اپنی مجرمانہ سرگرمیوں کی پردہ پوشی کے لیے حکومت میں آتے ہیں۔تاکہ اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کرسکیں۔'' حبیب الرحمٰن نے گہرے دکھ بھرے جذبات سے کہا

''اسی بات کا تو دکھ ہے، یہاں اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال ہی نہیں ہوتا بلکہ عوام کی فلاح و بہبود کی بجائے اپنی مجرمانہ سرگرمیوں کو تحفظ دیا جاتا ہے۔اس میں سراسر نقصان تو عوام ہی کا ہے نا۔'' وہ بولی

''میڈیا نے سب کھول کر رکھ دیا ہے۔ان کے چہرے عوام کے سامنے ہیں، فیصلہ اب عوام کے ہاتھوں میں ہے اگر اب بھی وہ ان جیسے سیاست دانوں کو دوبارہ منتخب کرلیں گے تو پھر عوام کی اپنی قسمت خراب ہے۔'' حبیب الرحمٰن نے کہا

''نہیں پاپا، آپ اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ اب وہ پہلے والا وقت نہیں رہا، عوام تنگ آچکے ہیں ان بہروپیوں سے۔وہ اپنا فیصلہ کرنا جانتے ہیں۔'' وہ خوشگوار انداز میں بولی

''میں مانتا ہوں، ایسا ہی ہے لیکن اس کا دائرہ کار ان لوگوں تک بھی پھیلانا ہے جو دور دراز کے علاقوں میں رہتے ہیں اور جاگیرداروں، وڈیروں نے عوام پر تسلط کیا ہوا ہے۔'' حبیب الرحمٰن نے سکون سے کہا

''میں اس آپشن پر بھی سوچ رہی ہوں پاپا۔کوئی صورت سامنے آئی تو پلان کرلوں گی، ابھی تو یہاں کا گند ہی نہیں سمیٹا جا رہا۔ آپ یہ رپورٹ پوری دیکھیں، پھر ہم اس پر بات کرتے ہیں۔میں چینج کر کے آتی ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے وہ اٹھی اور جلدی سے آگے بڑھ گئی۔پاپا پھر ٹی وی میں کھو گئے۔

انہی لمحات میں جعفر اپنے تھانے میں کام میں مصروف تھا۔اس کے سامنے ایک فائل پڑی تھی اور وہ اس میں کھویا ہوا تھا۔تبھی اس کے میز پر پڑا فون بجا۔اس نے بے دھیانی کے سے انداز میں فون اٹھا کر کہا

''ہیلو!''

''میں خان ظفر اللہ خان بات کر رہا ہوں، جانتے ہو نا۔''

دوسری طرف سے بات سن کر وہ بڑے سکون سے بولا

ہاں جانتا ہوں اور بہت ہی اچھی طرح جانتا ہوں۔آپ حکومتی پارٹی کے ایم این اے ہیں۔اس کے علاوہ وہ بھی جانتا ہوں، جو لوگ نہیں جانتے۔''

''میں نے بھی تمہارے بارے پتہ کیا ہے۔سنا ہے تم بڑے ایمان دار، قانون کے پابند اور اصول پرست قسم کے نئے نئے پولیس آفیسر ہو۔نئی نئی نوکری میں ہوتا ہے ایسا۔ایمان داری کا بڑا بخار چڑھا ہوتا ہے۔''

''جی آپ نے صحیح سنا ہے۔بتائیں، میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں۔'' جعفر نے سکون سے کہا

''وہ جو تو نے اور اس صحافی لڑکی نے اپنا کارنامہ دکھایا ہے نا۔اس پر بہت واہ واہ ہوگئی۔بڑی داد مل گئی تم لوگوں کو، اب کوئی میڈل شیڈل بھی مل جائے گا لیکن اب بہت ہوگیا۔وہ جتنے بندے بھی پکڑے گئے ہیں انہیں تم ہی نے چھوڑنا ہے۔کیسے، یہ مجھے نہیں پتہ۔''

ایم این اے کی بات سن کر وہ زیر لب مسکرایا اور پھر سنجیدہ لہجے میں بولا

''پہلی بات یہ ہے ظفر صاحب کہ آپ نے جو کچھ کہا انجانے میں کہہ دیا۔ اس لیے پہلی غلطی معاف کرتا ہوں۔ اب میرا جواب سن لیں کہ وہ بندے رہا نہیں ہوں گے۔ ان کے ساتھ وہی ہوگا جو قانون کہتا ہے۔''

''لگتا ہے تیرا دماغ درست نہیں جو میرے ساتھ اس لہجے میں بات کر رہے ہو یا پھر مجھے جانتے نہیں ہو۔'' دوسری طرف سے انتہائی طنزیہ لہجے میں کہا گیا

''میرا دماغ درست ہے اور پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میں وہ کچھ جانتا ہوں جو عوام نہیں جانتے۔ دوبارہ پھر بتا دوں کہ میں نے وہی کہا ہے، جو میں نے کرنا ہے جو میرا ضمیر مجھے کہے گا۔ میری تحقیقات جاری ہیں۔ میں پوری کوشش کر رہا ہوں۔ یہ اس لیے بتا رہا ہوں کہ پھر آپ کو دوبارہ اس طرح کا فون کرنے کی زحمت نہ ہو۔ بہتر یہی ہے کہ مجھے میرا کام کرنے دیں۔'' جعفر نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا تو غصے میں کہا گیا

''نہیں، نہیں اے ایس پی نہیں، میں جان گیا ہوں تُو سیدھی طرح ماننے والا نہیں۔ میں کرتا ہوں تیرا کچھ۔''

''تو کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تیری اتنی ہمت بھی نہیں ہے کہ یہی بات کہنے کے لیے تو یہاں میرے آفس آ جائے۔ اب مجھے ہی آنا ہوگا تیرے پاس۔ انتظار کر میرا۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا

''واہ! حوصلہ، تیرے حوصلے کی داد دیتا ہوں۔ پر اب تو بچ جا.....'' ایم این اے نے کہا تو جعفر غصے میں بولا

''دھمکی مت دو، بلکہ جو کچھ کرنا ہے اب کر ڈالو۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ تو کتنا بھاگ سکتا ہے۔''

''بہت جلد! تجھے پتہ چل جائے گا۔ لہٰذا اب بھی وقت ہے سوچ لے۔'' دوسری طرف سے کہا گیا

''باتوں میں وقت ضائع نہیں کرتے ایم این اے صاحب اگر کچھ کر سکتے ہو تو کرو، کیونکہ میں نے تجھے اور تیرے گینگ کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈالنا ہے۔'' جعفر نے سکون سے خود پر قابو پا کر کہا تو ایم این اے نے ہلکا سا قہقہہ لگاتا ہوا بولا

''تُو بچہ ہے ابھی۔ تجھے نہیں معلوم، تیرے جیسے کئی پولیس آفیسروں کو میں نے ٹریننگ دی ہے۔ آج وہ بڑے مزے سے نوکری کر رہے ہیں اور زندہ ہیں۔'' ایم این اے نے نیا پینترا بدلا

''مگر مجھے تمہاری ان باتوں سے خوف نہیں ہنسی آ رہی ہے۔ میں یہ کہہ رہا ہوں تو اپنی طاقت دکھا اور پھر میرا حوصلہ دیکھ۔'' وہ غصے میں بولا

''تو نہیں مانتا تو نہ مان۔ بندے تو میں نے چھڑوا ہی لینے ہیں۔ ہاں تیرے جسم پر بھی میڈل سجوا دوں گا۔ پر افسوس وہ جسم زندہ نہیں ہوگا۔'' ایم این اے نے غصے میں کہا

''میں اس دن کا انتظار کروں گا اور تو بھی انتظار کر کہ کب تجھ تک پہنچ جاتا ہوں۔'' جعفر نے کہا تو ایم این اے دھاڑتے ہوئے بولا

''چلو، خواب دیکھتے رہو۔'' یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ جعفر ریسور کی دیکھ کر مسکرا اور اسے کریڈل پر رکھ دیا۔

سلمٰی کچن میں چائے بنا رہی تھی۔ صحن میں دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ دالان میں کری پر فہد بیٹھا ہوا کسی گہری سوچ میں تھا۔ کچھ ہی دیر بعد سلمٰی دو مگ چائے لا کر قریب پڑے میز پر رکھے اور سامنے پڑی کرسی پر بیٹھ گئی۔ دونوں دالان ہی میں آمنے سامنے بیٹھے خاموشی سے چائے پینے لگے۔ تبھی اچانک سلمٰی نے پوچھا

''ایک بات پوچھوں فہد۔ آپ برا تو نہیں مانیں گے؟''

''میں کیوں برا ماننے لگا؟ تم نے جو کہنا ہے، پوچھو۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا

''اگر آپ مجھ پر اعتماد کریں تو کیا آپ بتائیں گے کہ یہاں کیا مقصد لے کر آئے ہو؟'' اس نے اعتماد سے پوچھا تو فہد نے سب لے کر سنجیدگی سے کہا

''سلمٰی ۔! میرا یہاں آنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ میں زمین کے ذرا سے ٹکڑے میں دلچسپی رکھتا ہوں۔ میں اس لئے آیا ہوں کہ تم یہاں ہو، استاد جی ہیں۔ یہ مجھے عزیز ہیں۔ انہی پر مجھے اعتماد ہے اور ایسا ہی اعتماد میں چاہتا ہوں۔''

اس کے یوں کہنے پر سلمٰی چونک گئی۔ پھر تیزی سے بولی

''مطلب، میں آپ پر اعتماد کروں اور آپ جو بھی کرتے چلے جائیں۔ میں اس پر کچھ نہ بولوں، کوئی سوال نہ کروں آپ سے؟''

''ہاں۔! مجھے وہ اعتماد بخش دو سلمٰی۔ میں تمہیں احترام کی اس سطح پر دیکھنا چاہتا ہوں۔ جہاں تمہیں دیکھنے کے لئے مجھے بھی اپنا سر اٹھانا پڑے۔ تم فقط ماسٹر دین محمد جیسے مجبور باپ کی بیٹی نہ رہو۔ بلکہ امیدوں کا تناور پیڑ بن جاؤ۔ یہ میری جذباتی باتیں نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے پورا ہونے میں بس تھوڑا وقت حائل ہے اور بس۔'' فہد کے لہجے میں سے اعتماد چھلک رہا تھا۔

''اور اگر ایسا نہ ہوا تو؟'' وہ گھبراتے ہوئے بولی

''بس۔! ابھی میں سننا نہیں چاہتا۔ اتنے برس میں نے زندگی کی بساط پر مہروں کو آگے پیچھے ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ کون، کہاں پر کیسے کس کو مات دیتا ہے۔ یہی سمجھا ہے میں نے۔ اگر تم مجھ پر یقین رکھو اور میرا حوصلہ بن جاؤ۔ تو کچھ بھی ناممکن نہیں رہے گا۔ ایک خاص منزل تک تمہیں میرے ساتھ چلنا ہوگا۔'' فہد نے اسکی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا

''میں تو چل پڑوں گی فہد۔! لیکن، مجھے یقین تو ہو کہ ہماری منزل ایک ہے۔'' وہ بڑے اعتماد سے بولی

تبھی فہد نے چونکتے ہوئے اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ اس نے تیزی سے فہد کی طرف دیکھا اور پھر شرم سے کچھ چند لمحوں بعد اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے بولی

''میں آپ کے ساتھ ہوں۔''

''بس یہی حوصلہ مجھے چاہئے تھا۔'' فہد نے پر جوش عزم سے کہا تو سلمٰی اپنا ہاتھ چھڑانے لگی۔ وہ شرم سے اٹھ کر وہاں سے جانے لگی تو فہد نے کہا، ''یوں نہیں ابھی اور اسی وقت اپنی بات کا ثبوت دو، ابھی میرے ساتھ باہر چلو۔''

''کہاں؟'' وہ ایک دم ٹھٹک کر بولی

''یہاں باہر، کھلی فضا میں۔سنا ہے تم کئی دنوں سے باہر نہیں نکلی ہو۔چلو۔'' فہد نے کہا تو وہ چند لمحے سوچتی رہی پھر سر ہلاتے ہوئے اثبات میں عندیہ دے دیا۔

روشن دن میں سرسبز کھیت کی پگڈنڈی پر فہد اور سلمٰی باتیں کرتے ہوئے آرہے تھے۔ایسی ہی ایک جگہ رک کر سلمٰی نے کہا

''آج میں بہت خوش ہوں فہد۔! پتہ ہے اتنے دنوں بعد میں گھر سے نکلی ہوں۔ مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے۔آپ کو یہ قسمت پور کیسا لگ رہا ہے؟''

''سچ پوچھوں تو خوابوں جیسا، یوں جیسے اپنی ماں کی گود سے آملا ہوں۔خیر۔ مجھے یہ بتاؤ۔تم نے اپنے مستقبل کے بارے میں کیا سوچ رکھا ہے۔'' فہد نے ایک دم سے سنجیدہ ہوتے ہوئے پوچھا

''فہد۔! جس کے پاس کوئی امید یا کوئی آس ہوتی ہے۔خواب بھی تبھی دیکھے جا سکتے ہیں نا۔بس یہاں رہتے ہوئے زندگی گذار رہی ہوں۔چند محدود سے دائروں میں تعلیم حاصل کر رہی تھی اور بس۔'' وہ سوچتے ہوئے عام سے لہجے میں مایوسی سے بولی

''تم ٹھیک کہتی ہو۔خواب ہوں نا، تبھی ان کی تعبیر حاصل کرنے کے لئے کوشش کی جاتی ہے۔'' وہ بولا

''ہاں۔! میں یہ جانتی ہوں فہد۔! پرندے میں اڑنے کی صلاحیت فطری ہوتی ہے۔اسے اڑان بھرنا سکھایا نہیں جاتا۔مگر جب اس کے پر ہی کٹے ہوئے ہوں۔تب وہ کیسے اُڑ سکتا ہے۔'' سلمٰی حسرت سے بولی

''مطلب۔کیا کہنا چاہ رہی ہو تم؟'' فہد نے پوچھا

''میں یہاں سکول میں پڑھا سکتی تھی۔میری جاب بھی ہوگئی تھی۔لیکن چوہدری کبیر کی وجہ سے میں یہ نوکری بھی نہیں کر پائی۔اس کی نگاہ بہت گندی ہے۔میں اسی کی وجہ سے اپنے گھر تک محدود ہوگئی ہوں۔''

فہد چونک گیا پھر جذباتی انداز میں بولا

''سلمٰی۔! اڑنے کا شوق اور ہمت پیدا کرو دل میں۔پرواز کرنے کا حوصلہ اور طاقت میں دوں گا۔جس قدر چاہو پرواز کرو۔کوئی نہیں روک سکے گا۔''

فہد کے یوں کہنے پر سلمٰی نے حیرت سے کہا

''آپ......آپ دیں گے مجھے طاقت......''

''ہاں میں۔! کیا بچپن کی یادوں کی اوٹ سے کسی خواب نے نہیں جھانکا...... بولو سلمٰی، کیا تمہاری زندگی میں میری ذات کا کوئی حوالہ نہیں ہے۔ابھی تم نے سوال کیا تھا کہ میں یہاں کیوں آگیا ہوں۔کیا تمہارے دل نے کوئی جواب نہیں دیا۔'' فہد نے اسے یاد دلایا

''آپ کی آمد سے سارے جواب مل گئے تھے فہد۔! اب میں خواب دیکھا کروں گی۔ مجھے حوصلہ مل گیا ہے۔محبت انسان کو قوت

دے دیتی ہے اور میں یہ قوت محسوس کر رہی ہوں فہد۔'' وہ شرگیں لہجے میں بولی

''سچ......! سلمیٰ۔'' فہد نے خوشی سے پوچھا تو اس نے آنکھوں سے اثبات کا اشارہ دے دیا۔ تبھی فہد خوشی سے بھر گیا، جس کا اظہار اس کی آواز میں تھا۔ اس نے کہا

''میں یہی چاہتا تھا۔ اب دیکھنا سب ٹھیک ہو جائے گا......اور بولو کیا کرنا چاہتی ہو۔''

''بہت کچھ، ستاروں کو چھونا چاہتی ہوں۔'' اس نے عزم سے کہا تو فہد نے نرمی سے اس کا ہاتھ پکڑا اور اس طرف چل پڑا، جدھر گاڑی کھڑی ہوئی تھی۔

وہ کار میں آہستہ آہستہ کھیتوں کے درمیان کچی سڑک پر سے چلتے چلے جا رہے تھے۔ قریب ہی سراج کا ڈیرہ تھا۔ اچانک سامنے چوراہے پر منظر دیکھ کر سلمیٰ کے حواس گم ہونے لگے۔ اس سے پہلے کہ وہ چیخ مارتی، فہد نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

❁......❁......❁
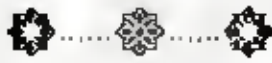
دن کی تیز روشنی میں سراج اپنے ٹریکٹر پر آ رہا تھا۔ اس نے دور ہی سے دیکھ لیا تھا کہ راستے میں چوراہے پر کوئی جیپ لے کر اس کے راستے میں یوں کھڑا تھا کہ سراج کو اپنا ٹریکٹر لا زما روکنا پڑتا۔ وہ جیسے ہی قریب پہنچا تو سامنے ماکھا اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس کا راستہ روکے کھڑا تھا۔ اس نے ٹریکٹر روکا اور ماکھے کو مخاطب کر کے پوچھا

''کیا بات ہے ماکھے، یوں راستہ کیوں روکا ہوا ہے۔ خیر تو ہے نا تجھے؟''

''تم خود سمجھ دار ہو۔ میرا نہیں خیال کہ تجھے چھوٹی موٹی بات سمجھانا پڑے گی۔'' ماکھے نے اکھڑ لہجے میں کہا

''کھل کر بات کرو کیا کہنا چاہتے ہو۔ یا پھر میرا راستہ چھوڑ دو۔'' سراج نے تحمل سے کہا

''رستہ تو ہم دیں گے آج۔ لیکن تم جانتے ہو کہ ہم جب چاہیں تمہارا راستہ روک لیں اور تمہارا ہر رستہ بھی بند کر دیں۔ اس لئے ذرا دھیان سے رہو۔'' ماکھے نے اسے دھمکی دیتے ہوئے کہا

''دیکھ او ماکھے۔! تم میں اتنی جرات نہیں ہے کہ تو کسی کا راستہ روک لے یا بند کر دے۔ نوکر بندے کا کیا ہوتا ہے۔ ہاں۔! اگر تو اپنے چوہدریوں کا کوئی پیغام لے کر آیا تو صاف صاف کہہ، پہیلیاں کیوں ڈال رہا ہے۔'' سراج نے اپنا غصہ دباتے ہوئے کہا لیکن طنز پھر بھی اس کے لہجے میں گھل گیا تھا۔ تبھی ماکھے نے غصے میں کہا

''تو پھر سن۔! یہ جو فہد شہر سے آیا ہے نا۔ اس کی وجہ سے اپنی قسمت خراب مت کر لینا۔ تم جانتے ہو کہ نکے چوہدری نے تیرے بھائی امین کے ساتھ کیا کیا تھا۔ وہ حال تمہارا بھی ہو سکتا ہے۔''

اس کے یوں کہنے پر سراج تڑپ اٹھا۔ اس نے انتہائی غصے میں اونچی آواز میں کہا

''چوہدریوں کو یہ بات جا کر کہہ دے ماکھے۔ فہد یہاں آتا یا نہ آتا۔ میں نے اپنے بھائی کا انتقام ضرور لینا ہے اور آئندہ مجھے کوئی

دھمکی نہیں دینا۔ میں نے فہد کا ساتھ ہر صورت میں دینا ہے۔ اب راستہ چھوڑ دو۔''

ماکھے نے سراج کی بات سنی اور اپنی کسی دھمکی کا اثر نہ ہوتے دیکھ کر اپنی گن سیدھی کر کے بولٹ چڑھایا اور اس کی طرف سیدھی کر کے بولا

''سراج، میں ابھی تمہیں گولی مار سکتا ہوں۔ لیکن نکے چوہدری کا حکم ہے کہ تمہیں صرف سمجھانا ہے۔ ورنہ تو موت مانگے گا اور وہ نہیں ملے گی۔ کیا تجھے اپنے بھائی کو دیکھ کر عبرت نہیں ملی۔''

بکواس بند کر و اوئے...... اسی کو دیکھ کر چوہدریوں سے انتقام لینے کا حوصلہ پیدا ہوا ہے...... تم اس کے نوکر ہو...... اتنی بڑی بات مت کرو...... تیری اوقات ہی نہیں ہے...... جاؤ، نکے چوہدری کو بھیجو وہ مجھ سے بات کرے...... چلو راستہ چھوڑ دو ورنہ......''

یہ کہتے ہوئے سراج نے بھی گن نکال لی۔ ماکھا اسے دیکھ کر ایک لمحے کے لئے چونک گیا۔ اور اس وقت وہ حواس باختہ ہو گیا جب فہد کی گاڑی وہاں آن رکی۔ اس میں سلمٰی گھبرائی ہوئی بیٹھی تھی۔ اس کے لئے یہ منظر بہت وحشت ناک تھا۔ فہد نے ایک نظر سلمٰی کو دیکھا اور نگاہوں ہی نگاہوں میں اسے حوصلہ دے کر کار سے باہر آ گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا، ماکھے نے حیرت سے سلمٰی کی طرف دیکھا جو کار میں بیٹھی ہوئی تھی۔ پھر اپنے ساتھیوں کے ساتھ جیپ میں جا بیٹھا۔ تبھی سراج نے اونچی آواز میں کہا

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے فہد۔ تم چلو، میں آتا ہوں۔''

فہد گاڑی میں بیٹھ گیا۔ سلمٰی بہت خوف زدہ تھی۔ اس نے ایک نگاہ سلمٰی کی طرف دیکھا اور کار گاؤں کی طرف بڑھا دی۔ فہد سمجھ رہا تھا کہ یہ منظر کیا کہہ رہا ہے۔

فہد دالان میں آ کر بیٹھ گیا تھا۔ کچھ دیر بعد سلمٰی پانی لے کر آ گئی۔ اس نے جگ قریب پڑے چھوٹے میز پر رکھا اور اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی

''فہد، یہ میری کیسی قسمت ہے...... ذرا سی خوشی ملتی ہے تو، ساتھ خوف کے مہیب سائے کیوں منڈلانے لگتے ہیں۔ ادھوری خوشی کیوں ہے میرے نصیب میں۔''

''تم ایسے کیوں سوچ رہی ہو؟'' فہد نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا تو تیز انداز میں بولی

''ٹھیک ہے آپ کے آنے سے مجھے تحفظ کا احساس ہوا ہے۔ لیکن آپ سے جو چوہدریوں کی دشمنی بڑھ رہی ہے۔ ان حالات میں اور کیا سوچا جا سکتا ہے۔''

''یہ تو ہونا ہی ہے۔ کون چاہتا ہے کہ اس کی حکمرانی ختم ہو۔ ہر وہ بندہ جو اُن کی حکمرانی ختم کر سکتا ہے۔ وہ اس کے دشمن بن جائیں گے۔'' وہ دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا تو وہ تشویش زدہ لہجے میں بولی

''وہ آپ کو...... نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں۔ دیکھا نہیں کس طرح وہ......''

''سلمٰی ۔! کسی بھی غلط فہمی میں نہیں رہنا۔دشمنی میں جان بھی جاسکتی ہے اور ہر اس بندے کو خطرہ ہے،جس کا تعلق میرے ساتھ ہے۔اس کی جان بھی جاسکتی ہے۔'' فہد نے ایک دم سے حتمی لہجے میں کہا

''اس کا مجھے پوری طرح احساس ہے۔ہم تو پہلے ہی گھٹ گھٹ کر جی رہے ہیں۔ہماری زندگی بھی کیا زندگی ہے،مگر آپ یہ سب کچھ چھوڑ کر اچھا مستقبل اپنا سکتے ہیں۔کیوں اپنی جان برباد کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔'' سلمٰی نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا

''یہ سب بھول جاؤ سلمٰی ۔!اور یہ یاد رکھو کہ میں نے اپنا سب کچھ وہیں شہر چھوڑ دیا ہے۔اب میرا جینا مرنا یہیں ہے۔یہاں سے چلے جانا بہت آسان ہے۔مگر کیا چوہدریوں کو یونہی ظلم کرنے کے لئے چھوڑ دوں۔نہیں سلمٰی ۔!جتنا میرے بس میں ہے۔میں وہ کروں گا ۔اس راہ میں کوئی میرا ساتھ دے یا خوف زدہ ہو کر میرا ساتھ چھوڑ دے۔'' اس نے صاف لفظوں میں کہہ دیا

''میں اپنے لئے خوف زدہ نہیں ہوں۔مجھے آپ کی فکر ہے۔میرا کیا ہے،میرا وجود تو نہ ہونے کے برابر ہے۔مٹی تھی،مٹی ہوں اور مٹی رہوں گی۔'' سلمٰی نے انتہائی مایوسانہ انداز میں کہا

''نہیں سلمٰی ۔!تم مٹی نہیں ہو۔تم تو سونے سے بھی زیادہ قیمتی ہو۔اپنے دماغ سے یہ خیال نکال دو کہ تم کچھ بھی نہیں ہو۔تم پڑھی لکھی ایک باشعور لڑکی ہو۔جس میں یہ صلاحیت ہے کہ جو دوسروں کو بھی شعور بانٹ سکے۔'' فہد نے اسے احساس دلاتے ہوئے زوردار انداز میں کہا تو سلمٰی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پھر ایک عزم سے کہا

''کیا میں ایسا کر سکتی ہوں۔کیا میرا وجود،آپ کے کسی مقصد میں کام آسکتا ہے۔اگر ایسا ہے تو میں پوری جان سے حاضر ہوں۔مجھے بتائیں کیا کرنا ہوگا؟''

''اب تک یہی بات تو میں تمہیں سمجھا رہا ہوں۔یہاں کا ہر فرد میرا مددگار ہو سکتا ہے اور سلمٰی تم ،ایک تمہی تو میرا حوصلہ ہو۔تم وہ کچھ کر سکتی ہو جو کوئی دوسرا نہیں کر سکتا کیونکہ ایک تمہی ہو جسے میں پہلے سب سے زیادہ قریب سمجھتا ہوں۔اس سفر میں میری ہم سفر ہو۔'' وہ بے حد جذباتی لہجے میں بولا

''مجھے بتائیں فہد۔!میں آپ کے لئے کیا کر سکتی ہوں؟'' سلمٰی حتمی انداز میں پوچھا

''خود میں اُتنی ہمت پیدا کر لو کہ خوف کے جتنے بھی سائے پھیل جائیں۔تم ہر حال میں حوصلہ مند رہو۔جتنا بڑا طوفان آجائے۔تم ثابت قدم رہو......اور تم جانتی ہو ایسا کیسے ممکن ہے۔'' فہد نے اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سکون سے کہا تو وہ فہد کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی

''محبت،یہ محبت ہی ہے جو طوفان سے لڑنے کا حوصلہ پیدا کرتی ہے۔کیا آپ کو مجھ سے محبت ہے؟''

''محبت لفظوں کا کھیل نہیں ،ثابت کر دینے کا نام ہے سلمٰی ۔'' فہد نے شہد آگہیں لہجے میں کہا

''میں آپ کے ساتھ ہوں۔ہر دم،ہر گھڑی،ہر جگہ۔ثابت کر دوں گی۔'' سلمٰی عزم سے بولی

"تو میرا یقین رکھو۔! ان چوہدریوں کا خوف ذہن سے اتار کر جیو۔ اپنی سہیلیوں سے ملو۔ ہر کسی کے دکھ درد میں کام آؤ۔ وہ وقت زیادہ دور نہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر حوصلہ دیتے ہوئے بولا تبھی اس نے نرمی سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور کہا

"میں آپ کے لئے کھانا لگاتی ہوں۔"

سلمٰی یہ کہتے ہوئے اٹھ گئی۔ اس کا شرم سے سرخ چہرہ دیکھ کر فہد مسکرا دیا۔ وہ تیزی سے کچن میں چلی گئی۔

کھانے کے دوران ہی سلمٰی کی کچھ سہلیاں آگئیں۔ فہد کھانے کے بعد وہ اٹھ گیا۔

وہ سیدھا اپنے گھر آیا جہاں سراج اور امین آمنے سامنے بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ وہ بھی ان کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں چھا کا چائے لا کر ان کے سامنے رکھتے ہوئے بولا

"لو بھئی۔! میں نے تو اپنی طرف سے کڑک چائے بنائی ہے اب جیسی بھی ہے پی لینا۔"

"اوئے تو لا تو سہی، باتیں ہی کرتا رہے گا۔" سراج نے ہنستے ہوئے کہا۔ اس پر چھا کا شوخی سے بولا

"او سراج اک ہی تو چھا کا ہے پنڈ میں، جس کی پورے علاقے میں دس پچھ ہے۔ اسے چائے بھی بنانی نہیں آئے گی۔"

"تیری دس پچھ تو ہے لیکن چھاکے یار۔! تو کوئی کام کیوں نہیں کرتا؟" فہد نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ اس کے یوں کہنے پر وہ ایک دم سے جذباتی ہوتے ہوئے بولا

"کیا کام کروں بتا۔ چند جماعتیں پڑھی ہیں، کون سا افسر لگ جانا ہے۔ کرنی تو یہی محنت مزدوری ہے نا۔ باپ بھی یہی کرتا آیا ہے اور اب میں بھی یہی کروں گا...... روٹی پوری کر لیں یہی بڑی بات ہے۔"

"کیوں۔! کیا تیرے سر میں بھیجا نہیں ہے؟" یہ کہتے ہوئے خود ہی سوچتے ہوئے بولا "نہیں یہ شعور ہی نہیں کہ ملک کے وسائل پر ان کا بھی حق ہے۔ ان کے وسائل تو کسی اور کے قبضے میں ہیں۔ یہی بات تو ان گاؤں والوں کو سمجھانی ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے سراج کی طرف دیکھ کر کہا، "سراج۔! تم میری ایک مدد کرو۔ یہاں گاؤں میں کوئی خالی زمین اگر کوئی فروخت کر رہا ہے تو میں وہ خریدنا چاہتا ہوں۔"

"زمین...... چاچا عمر حیات بیچنا چاہتا ہے۔ اس کے خاندان والے خود خریدنا چاہتے ہیں۔ چوہدریوں کے پاس پنچائت بھی چل رہی ہے ان کی۔ مگر تم اس کا کرو گے کیا؟" سراج نے سوچتے ہوئے کہا

"میں اسے کسی مقصد کے لئے استعمال کرنا چاہتا ہوں۔ وہ مقصد کیا ہے۔ یہ میں بعد میں بتاؤں گا۔ فی الحال جتنی جلدی ممکن ہو سکے یہ کام کرو۔" فہد نے حتمی لہجے میں کہا تو سراج بولا

"سمجھو۔ تمہارا یہ کام کل ہی ہو جائے گا۔"

"اور پرسوں کاغذی کاروائی کے بعد رقم بھی ادا کر دوں گا۔ اور چھا کے تم یہ آوارہ مت پھرا کرو بلکہ میرے ساتھ رہا کرو۔ بہت سارے کام ہوتے ہیں کرنے کے لئے۔" پھر دھیمے لہجے میں امین ارائیں سے کہا، "تم اور سراج پورے دھیان سے رہا کرو، ادھر ادھر کا

خیال کرکا پورا خیال رکھو، دشمن کا کوئی پتہ نہیں۔'' فہد نے تیزی سے کہا

''نہیں فہد۔! مجھے اس وقت تک سکون نہیں ہوگا جب تک میں اپنے دوست کے قتل کا بدلہ نہ لے لوں۔تم دونوں نے میرے ساتھ وعدہ کیا تھا، کیا ہوا وہ؟ کیسا اندھیر ہے یار، میں قتل کا چشم دید گواہ ہوں، اور میری کہیں شنوائی نہیں۔''

''تو فکر نہ امین، کل ہی تیری ایف آئی آر درج ہوگی، تم کل تیار رہنا، تھانے چلیں گے۔'' فہد نے اسے یقین دلایا

''میں ہر وقت تیار ہوں فہد۔'' امین نے جذباتی ہوتے ہوئے کہا۔تبھی سراج تشویش سے بولا

''یار۔! ایک بات میرے دماغ میں کھٹک رہی ہے۔ ما کھا اگر میرا راستہ روک سکتا ہے تو ہمارے ہی کسی اپنے کو نقصان بھی پہنچا سکتا ہے۔میری مانو تو اب رات یہاں نہ رہا کرو۔استاد جی کے گھر رہ یا میرے پاس۔''

''کہتے تو تم ٹھیک ہو۔چلو ایسا ہی کرتے ہیں۔ابھی یہ چائے تو پیئں۔ٹھنڈی ہو رہی ہے۔'' فہد نے کہا اور چائے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

چائے پینے کے بعد سراج اٹھ گیا۔

'' فہد میں تمہاری کار لے کر جا رہا ہوں۔''

''ٹھیک ہے جاؤ'' فہد نے کہا اور امین سے باتیں کرنے لگا۔ چھاکا اور سراج باہر نکل گئے۔گاؤں کے چوک میں جا کر چھاکا اتر گیا۔اس نے حنیف دوکان دار سے اپنے مرغے کے لئے میوے لئے اور اپنے گھر کی جانب چل دیا۔چھاکے کے گھر میں وہی ویرانی تھی۔ چاچا سوہنا گھر پر نہیں تھا۔اس نے ایک طویل سانس لی اور اپنے مرغے کو پکڑ لیا۔

چھاکا اپنے مرغے کو لیے چارپائی پر بیٹھا ہوا، اسے بادام کھلا رہا تھا اور ساتھ میں اس سے باتیں کر رہا تھا۔

''دیکھ شہزادے، میں نے تیری ٹہل سیوا میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔اس لیے اب تو نے مقابلہ جیت کر دکھانا ہے۔میری کنڈھ نہیں لگنے دینی۔'' اس پر مرغا یوں بول اٹھا، جیسے وہ اس کی بات سمجھ رہا ہو۔تبھی چھاکا اپنی دھن میں کہتا چلا گیا۔''ہاں۔! شاباش، تو میری گل سمجھتا ہے۔تجھے تو پتہ ہے اک ہی تے میں ہوں اس پنڈ میں جس کی دس پچھ ہے..... اگر تو ہار گیا نا تو پھر میری کیا عزت رہ جائے گی بھلا۔''

اس کی باتوں کے دوران چاچا سوہنا گھر آ گیا۔وہ صحن میں آیا اور قریب پڑی چارپائی پر خاموشی سے آ کر لیٹ گیا۔چھاکے نے اپنے باپ کو حیرت سے دیکھا۔ہر وقت اپنے آپ کو خوش رکھنے والا چاچا سوہنا آج اتنا خاموش کیوں ہے۔ چھاکے نے دھیرے سے پوچھا

''ابا، خیر تو ہے نا، بڑا چپ ہے۔نہ مجھے کچھ کہا نہ میرے شہزادے کو۔تیری طبیعت تو ٹھیک ہے نا، کہیں کسی نئے عشق میں ناکام تو نہیں ہو گیا۔''

''اوئے پتر، ٹھیک ہے میری طبیعت۔اب میں نے کیا عشق کرنا ہے یار۔اب تو بس آگے کی فکر ہے۔وہ جس طرح میاں محمد بخش سرکار نہیں کہتے۔سدا نہ باغیں بلبل بولے۔سدا نہ باغ بہاراں..... سدا نہ ماپے حسن جوانی سدا نہ صحبت یاراں۔'' چاچے سوہنے کی آواز میں نجانے کیوں سوز در آیا تھا۔چھاکا ایک دم سے جذباتی ہو گیا۔اس نے اپنے مرغے کو ایک طرف اچھالا اور اپنے باپ کے پاس جا کر بیٹھ

گیا، پھر بڑے پیار سے پوچھا

''ابا۔! خیر تو ہے نا، ایسی باتیں کیوں کر رہا ہے؟''

''اُو پتر اس قسمت نگر کی قسمت پتہ نہیں کیا ہے..... پہلے تو صرف چوہدریوں کا خوف تھا۔ اب فہد کے آنے سے خوف بڑھ گیا ہے، پتہ نہیں کیا ہوگا۔'' چاچا سوہنا تشویش سے بولا تو چھاکے نے کہا

''فہدان کی طرح ظالم تو نہیں ہے ابا۔ وہ تو خود چوہدریوں کے ظلم کا شکار ہوا تھا۔''

''اوئے چھاکے، اگر فہد کوئی تیرے اور میرے جیسا عام سا بندہ ہوتا نا تو کوئی ڈر نہیں تھا۔ اس کے ہاتھ مضبوط ہیں تو وہ ان چوہدریوں سے ٹکر لینے آ گیا ہے۔ مجھے ڈر یہ ہے پتر کہ جب دو ہاتھی آپس میں لڑ پڑیں نا تو نقصان اس بستی کا ہوتا ہے جہاں ان کی لڑائی ہو، پتہ نہیں اب اس قسمت نگر کا کیا ہوگا۔'' اس کے لہجے میں سے خوف چھلک رہا تھا۔

''اُو ابا، رب سائیں چنگا کرے گا تو ایویں خوف نہ کھا۔ بلکہ حوصلے کا انجکشن لگوا، قسمت میں جو ہونا ہو وہ ہو کر رہتا ہے۔ وہ پار گاؤں کی بیوہ بارے پتہ کیا تھا میں نے.....'' چھاکے نے مذاق میں کہنا چاہا تو وہ اس کی بات کاٹ کر اکتاہٹ سے بولا

''اُو جا، جا کر اپنے ککڑ کو بادام کھلا۔ میرا سر نہ کھا۔ مجھے کچھ دیر آرام کرنے دے۔'' چاچے سوہنے نے جیسے ہی کہا تو مرغا بول اٹھا۔ چھاکا پہلے تو اپنے باپ کو بڑی گہری نگاہوں سے دیکھتا رہا پھر کاندھے اچکا کر ایک طرف جا بیٹھا۔ چاچا سوہنا ہلکے ہلکے گنگنانے لگا۔

''لُوۓ لوۓ..... بھر لے کڑئیے..... جے کر بھانڈا بھرنا.....''

اس کی آواز میں سوز نجانے کہاں سے آ گیا تھا۔

سراج کچھ دیر بعد ہی چاچے عمر حیات کو اس کے کھیتوں میں جا ملا۔ اس نے سڑک کنارے کار روکی تو وہیں دونوں ایک کھیت کی منڈھیر پر بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔

''چاچا، سنا ہے کہ تو اپنی زمین بیچ رہا ہے؟ کیا یہ سچی بات ہے؟'' سراج نے صاف لفظوں میں پوچھا

''ہاں پتر۔! مگر میرے بھائی بیچنے ہی نہیں دے رہے۔ وہ خواہ مخواہ مجھے اذیت دے رہے ہیں۔ زمین بیچنا میری مجبوری بن گئی ہے پتر۔'' عمر حیات نے بتایا

''ایسی بھی کیا مجبوری چاچا، تمہاری زمین ہے، تم خود کاشت کرو۔ بیچنے کی کیا ضرورت ہے۔ کیا مجبوری بن گئی ہے۔'' سراج نے پوچھا تو عمر حیات نے ایک سرد آہ بھرتے ہوئے کہا

''کاش پتر، کوئی تیرے جیسا میرا پتر ہوتا تو میں بھی سر اٹھا کر اپنے بھائیوں کا مقابلہ کر لیتا۔ تو جانتا ہے کہ میری ایک ہی بیٹی ہے، میرے بھائی صرف جائیداد کی خاطر اسے مجھ سے چھین لینا چاہتے ہیں۔ میں اپنی بیٹی کو ساری عمر کے لیے اذیت میں نہیں ڈال سکتا۔''

''ایسے کیسے چھین لیں گے وہ تجھ سے، اتنی بھی اندھیر نگری نہیں ہے۔'' سراج نے کہا

''ہے، اندھیر نگری ہے پتر، تو یہاں نہیں رہا، تجھے نہیں پتہ۔ پر تیرے بھائی کے ساتھ جو ہوا، وہ تو نہیں جانتا؟ چوہدری میرے بھائیوں کے ساتھ ہے۔ کسی دن چپکے سے مجھے قتل بھی کر سکتے ہیں۔ میری دھی اس دنیا میں تنہا رہ جائے۔ نہیں پتر، میں اس کی جلد از جلد شادی کر کے، اسے اپنے گھر کی کرنا چاہتا ہوں۔ یہی زمین میری دشمن بنی ہوئی ہے۔ میں اب اسے نہیں رکھنا چاہتا۔'' چاچے عمر حیات نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا تو اس نے پوچھا

''کیا اس لیے نہیں بک سکی زمین؟''

''ہاں، خریدار کسی بھی پھڈے سے ڈرتے ہیں، میرے بھائی اور چوہدری ان کا جینا حرام کر دیں گے۔'' چاچے نے کہا تو سراج نے اچانک سر اٹھا کر کہا

''چاچا تم اس کی جو رقم مانگتے ہو، میں دیتا ہوں۔ کر لو سودا، اگر تمہارا دل مانے تو، پھڈے میں دیکھ لوں گا۔''

''تم یا فہد؟'' عمر حیات نے حیرت سے پوچھا

''فہد ہی سمجھ لو۔'' سراج نے صاف گوئی سے کہا

''یہ میں اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ کل چوہدریوں نے اس زمین کے معاملے میں پھڈا ڈالنا اور میں تمہیں جانتا ہوں، تم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ وہ بہت ظالم ہیں۔'' چاچے عمر حیات نے کہا تو سراج غصے میں بولا

''یہ ہم دیکھ لیں گے۔ بس تُو ثابت قدم رہنا۔''

''جہاں چاہے بیان لے لینا۔'' چاچے عمر حیات نے فیصلہ کن لہجے میں کہا

''ٹھیک ہے۔ آج شام اپنی رقم لے کر لکھ پڑھ کر لینا۔ میں اور فہد آ جائیں گے۔'' سراج نے حتمی انداز میں کہا تو چاچے عمر حیات نے کہا

''میں انتظار کروں گا۔''

یہ کہہ کر وہ دونوں اس بارے باتیں کرنے لگے۔ قسمت نگر میں اک نیا باب لکھا جانے والا تھا۔

* ...... * ...... *

چوہدری کبیر صوفے پر بیٹھا ہوا اور ماکھا اس کے قریب کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر غصہ تھا۔ اس نے سوچتے ہوئے لہجے میں کہا

''ہوں، تو اس کا مطلب ہے سراج سیدھے طریقے سے نہیں سمجھا۔ اب اسے اچھی طرح سمجھانا پڑے گا۔''

''اس کا تو رنگ ڈھنگ ہی بدلا ہوا ہے چوہدری صاحب۔! اب تو وہ اپنے ساتھ اسلحہ بھی رکھتا ہے۔ پہلے ان میں اتنا حوصلہ نہیں تھا۔'' ماکھے نے بتایا

''کیا اسلحہ بھی؟...... اسے یہ حوصلہ ملا کیسے؟

"فہد نے، یہ حوصلہ انہیں فہد ہی نے تو دیا ہے اور وہ بھی وہیں آ گیا تھا۔" یہ کہتے ہوئے جیسے اسے یاد آ گیا، تبھی اس نے جھجکتے ہوئے کہا، "اور ایک بات اور بتاؤں تکے چوہدری جی......"

"ایسی کیا بات ہے ماکھے؟" کبیر نے حیرت سے پوچھا

"فہد کے ساتھ کھیتوں میں سلمٰی بھی تھی چوہدری جی۔ لگتا ہے وہ بھی فہد کا حوصلہ پا کر گھر سے باہر نکلی ہے۔ اکیلی اس کے ساتھ تھی۔"

یہ سنتے ہی کبیر حیران رہ گیا۔ وہ حیرت اور غصے میں بولا

"سلمٰی...... فہد کے ساتھ؟ اس کا مطلب ہے سلمٰی بھی...... وہ بھی اپنے پر نکالنے لگی ہے۔ نہیں چھوڑوں گا، اب فہد کے دن قریب آ گئے ہیں، اب اسے نہیں چھوڑوں گا۔"

"تو پھر اس سارے فساد کی جڑ، فہد ہی کا کام کر دیں؟" ماکھے نے پوچھا

"ہاں۔ اوہ اب جہاں بھی ملے۔ اس کا کام......" یہ کہتے ہوئے وہ ایک دم سے رک گیا پھر سوچتے ہوئے مسکرا کر سفاکانہ لہجے میں بولا، "لیکن نہیں۔ پہلے سلمٰی کو اُٹھا کر پار ڈیرے میں پہنچا دو۔ میں کچھ دن فہد کا تڑپنا دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"جیسے حکم چوہدری صاحب۔! میں آج رات ہی اسے اٹھا لیتا ہوں۔ یہ کام ہو گیا سمجھے۔" ماکھے نے یوں کہا جیسے اس کی اپنی مرضی بھی اسی میں ہو۔ وہ اپنا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ تبھی کبیر نے کہا

"اور دیکھو۔! گاؤں میں کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونی چاہئے کہ سلمٰی ہے کدھر۔! میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ فہد اسے کیسے تلاش کرتا ہے۔ یہ کھیل بھی کھیل کر دیکھتے ہیں یار۔ مار تو اسے دینا ہی ہے۔"

"ایسا ہی ہوگا۔ چوہدری جی۔" ماکھا خوشی سے بولا

"چل اب جا، تم صبح وہیں پار والے ڈیرے پر میرا انتظار کرنا وہیں آؤں گا۔" کبیر نے کہا تو ماکھا تیزی سے باہر نکلتا چلا گیا۔ چوہدری کبیر سوچ میں گم تھا اور اس کے چہرے پر غصے کے آثار تھے۔

❁......❁......❁

اس وقت رات کا پہلا پہر ختم ہو چکا تھا۔ ماسٹر دین محمد کے گھر صحن میں فہد بستر پر پڑا ہوا تھا کہ اچانک اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اسے آہٹ کا احساس ہوا تھا۔ اسے خطرہ محسوس ہوا تو اس نے سرہانے کے نیچے سے پسٹل نکالا اور آہستگی سے باہر کی جانب لپکا۔ اسے ایک سایہ صحن عبور کرتا ہوا دکھائی دیا۔ جیسے ہی وہ سایہ اس کے پسٹل کی رینج میں آیا تو اس نے کڑک کر کہا

"رُک جاؤ۔! ورنہ گولی مار دوں گا۔"

وہ سایہ ایک دم سے ٹھٹک گیا پھر پلٹ کر گن سیدھی کی ہی تھی کہ فہد نے فائر کر دیا۔ وہ سایہ پلٹ کر گرا۔ فہد تیزی سے اس کے سر پر جا پہنچا۔ وہ ماکھا تھا اور اوندھے منہ زمین پر گرا ہوا تھا۔ وہ اپنی ٹانگ پر ہاتھ رکھے ہوئے تکلیف کی شدت سے کراہ رہا تھا۔ فہد کو آگے

بڑھتے دیکھ کر خوف زدہ ہو گیا۔ اس کے چہرے پر ایسا پھر تاثر پھیل گیا جیسے موت کو اپنے سامنے دیکھ کر سر جھکا چکا ہو۔ فہد نے اس کے سر پر پسٹل کی نال رکھ دی۔ پھر اس کی گن پکڑ کر سرد لہجے میں بولا

''کیوں آئے ہو؟ سچ بتانا، ورنہ......''

یہ کہتے ہوئے فہد نے اس کی گردن پر پاؤں رکھ دیا تو ماکھا کراہتے ہوئے بولا

''س...... سس...... سلمیٰ کو اٹھانے، نکے چوہدری نے حکم......''

وہ بتا رہا تھا کہ ایسے میں سلمیٰ نے کمرے سے نکلتی ہوئی یہ بات سن لی۔ وہ ایکدم سے خوف زدہ ہو گئی۔ تبھی شدید غصے میں فہد نے اس سے کہا

''کیا سمجھا ہوا ہے تم لوگوں نے اس گھر کو۔ تم اور تیرے چوہدری کو معلوم نہیں کہ اس گھر کی حفاظت کرنے والا آ گیا ہے، پھر بھی پاگل پن کیا ہے تم لوگوں نے؟''

لفظ اس کے منہ ہی میں تھے کہ ماسٹر دین محمد اندر سے باہر نکل آیا۔ وہ باہر کی صورتحال دیکھ کر گھبرا گیا۔ ایسے میں ماکھا دہشت زدہ لہجے میں بولا

''میں چلا جاتا ہوں۔ پھر آئندہ کبھی اس گھر کی طرف منہ نہیں کروں گا۔''

''ماکھے۔! تیری زندگی اور موت کے درمیان بس ایک لمحہ ہے۔ میں چاہوں تو اس چار دیواری کا تقدس پامال کرنے پر تمہیں ابھی سزا دے دوں۔ لیکن تو کسی کا نوکر ہے۔ تیرے مر جانے سے انہیں کوئی فرق نہیں پڑنے والا...... تیری جگہ کوئی اور آ جائے گا۔'' فہد نے کہا تو ماکھا چونک گیا۔ چند لمحے سر جھکائے رہا پھر عجیب سے لہجے میں بولا

''مجھے معاف کر دے یا پھر مجھے گولی مار دے۔ میرا مر جانا ہی اچھا ہے۔''

''میں نہیں...... تجھے وہ ماریں گے، جن کے لئے اب تو بے کار گھوڑا ہے۔ میں تم پر گولی بھی ضائع نہیں کروں گا۔ جاؤ دفعہ ہو جاؤ۔'' فہد نے اپنا پاؤں اس پر سے ہٹاتے ہوئے کہا۔ ماکھے نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا تو ماسٹر دین محمد کی آواز آئی

''اس سے پوچھا نہیں کہ یہ کس لئے رات کے اندھیرے میں یہاں آیا ہے؟''

''یہ مجھے مارنے آیا تھا استاد جی، پوچھ لیں اس سے۔'' فہد نے اونچی آواز میں بتایا تو ماکھا پھر سے چونک گیا۔ پھر ہکلاتے ہوئے بولا

''نہیں...... ہاں......''

''جاؤ یہاں سے، پھر پلٹ کر بھی نہ دیکھنا۔ بتا دینا انہیں میں ابھی جاگ رہا ہوں۔'' فہد نے کہا تو ماکھا اٹھا اور لنگڑاتا ہوا دروازہ کھول کر باہر چلا گیا۔ فہد نے پلٹ کر ماسٹر دین محمد سے کہا

''آپ آرام کریں استاد جی، صبح بات کریں گے۔'' یہ کہہ کر وہ ان کی طرف دیکھتا رہا۔ سلمیٰ اور ماسٹر دین محمد حیرت زدہ سے

واپس پلٹ گئے۔فہد پھر سے اپنے بستر پر آ گیا۔نینداس کی آنکھوں سے اُڑ چکی تھی۔

فہد منہ ہاتھ دھو کر صحن میں دھری کرسی پر آن بیٹھا۔جس کے پاس ہی چار پائی اور ایک کرسی خالی پڑی تھی۔درمیان میں میز تھی۔سلمٰی چائے کا کپ میز پر رکھا اوراس کے ساتھ پڑی کرسی پر بیٹھ گئی۔فہد نے کپ اٹھایا تو سلمٰی نے کہا

''رات آپ نے ماکھے کو یہ کیوں نہیں کہنے دیا کہ وہ مجھے اغواء کرنے آیا تھا؟''

''اس لئے سلمٰی کہ استاد جی پہلے ہی بہت کمزور ہو چکے ہیں۔میں نہیں چاہتا کہ یہ سچ انہیں مزید خوف زدہ کر دے۔''فہد نے آہستگی سے کہا

''کیا وہ اس پر خوف زدہ نہیں ہو سکتے کہ اگر آپ کو کچھ ہو گیا تو کسی کو جان سے ختم کر دینا، کیا زیادہ بھیانک نہیں ہے؟''سلمٰی نے خوف زدہ لہجے میں پوچھا

''سلمٰی تم کیوں نہیں سمجھتی ہو۔عزت کا معاملہ مر جانے سے بھی زیادہ مار دیتا ہے۔تم نہیں جانتی ہو کہ وہ اپنی ذات پر ہر طرح کا ظلم سہہ کر صبر کرتے رہے ہیں۔لیکن انہوں نے یہاں سے جانے کا فیصلہ کیوں کیا۔صرف اسی لئے.....''اس نے سمجھاتے ہوئے کہا

''میں جانتی ہوں فہد۔لیکن اگر آپ کو ہماری وجہ سے کچھ ہو گیا۔تو پھر ہم کیا کریں گے۔یہ خود غرضی نہیں ہے بلکہ احسان کا ایسا بوجھ ہو گا۔جو نہ ہمیں جینے دے گا اور نہ ہی ہمیں مرنے دے گا۔''سلمٰی نے ایک دم جذباتی ہوتے ہوئے کہا تو فہد نے گہری سنجیدگی سے کہا

''تم ایسا کچھ بھی نہ سوچو، میں اگر یہاں پر ہوں تو یہ میرا اپنا مقدر ہے۔جس کے لئے میں اپنی جان ہتھیلی پر رکھ چکا ہوں تم پر یا استاد جی پر احسان نہیں بلکہ میں تو اس احسان کا بدلہ چکانے کی کوشش کر رہا ہوں جو استاد جی نے مجھ پر کیا۔''

''اس بار تو ان کا وار خالی چلا گیا۔تم کیا سمجھتے ہو کیا آئندہ وہ ایسی اوچھی حرکت نہیں کریں گے۔وہ ہمیں یونہی معاف کر دیں گے؟''سلمٰی کے لہجے سے خوف نہیں جا رہا تھا۔اس پر فہد نے یقین بھرے لہجے میں کہا

''وہ آئندہ بھی ایسی ہی اوچھی حرکت کریں گے۔انہوں نے ہمیں معاف کیا کرنا ہے۔ان کا بس چلے تو ہمیں اس دنیا سے ہی نکال دیں۔لیکن تم بتاؤ، کیا ہم مر جائیں؟''

''میں آپ سے وعدہ کر چکی ہوں فہد۔میں ہمیشہ آپ کے ساتھ ہوں۔چاہے میری جان چلی جائے۔''وہ عزم سے بولی تو فہد نے مضبوط لہجے میں سمجھایا

''تو پھر یہ بات جان لو سلمٰی، ہم ایک جنگل میں رہ رہے ہیں۔اور جنگل کا قانون صرف اور صرف طاقت ہوتا ہے۔بچتا وہی ہے جسے اپنی حفاظت کرنا آتا ہو۔جو اپنی حفاظت نہیں کر سکتے وہی پستے ہیں۔انہی پر ظلم ہوتا ہے۔انہی کا خون بہایا جاتا ہے۔خود کو مضبوط کرو سلمٰی۔''

''میں واقعی خود کو کمزور سمجھتی رہی ہوں۔لیکن جب سے آپ آئے ہیں۔میں نے خود کو بہت مضبوط کر لیا ہے۔آپ آزما کر تو دیکھیں۔''اس نے فہد کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سچائی بیان کر دی۔

''اپنوں کو آزمایا نہیں کرتے۔ میں تو گہری اندھیری رات سے سورج نکالنے آیا ہوں۔ جس نے میرا ساتھ دینا ہے، وہ آجائے ......اور بس۔'' فہد نے مسکراتے کہا اور سلمیٰ کی آنکھوں میں دیکھا۔ سلمیٰ نے چونکتے ہوئے اس کی طرف دیکھا، جذباتی انداز میں کچھ کہنے کے لئے لب وا کئے، مگر کچھ نہ بولی، لبوں پہ آئے لفظوں کو اپنے اندر ہی محفوظ کر لیا۔ شاید اس نے لفظوں میں اظہار کرنا مناسب خیال نہ کیا ہو۔ پھر بولی

''آپ کے لئے ناشتہ لاؤں۔ ابا جی تو نجانے کہاں بیٹھ گئے ہوں گے؟''

''نہیں، وہ آئیں گے تو کرلوں گا۔ تم چائے ایک کپ چائے اور لے آؤ۔'' فہد نے سوچتے ہوئے کہا تو سلمیٰ مسکراتے ہوئے اٹھ گئی۔

ناشتہ کرنے کے بعد فہد اپنے گھر جانے کی بجائے سراج کے گھر چلا گیا۔ وہاں سے اس نے امین کو اپنے ساتھ لیا اور نور پور کی جانب چل پڑا۔ اس نے امین سے وعدہ کیا ہوا تھا کہ تھانے میں ایف آئی آر ضرور درج ہوگی۔

وہ نور پور تھانے جا پہنچے۔ انسپکٹر فون پر بات کر رہا تھا۔ فہد اور امین اس کے پاس جا کر کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ انسپکٹر نے ایک بار ان کی طرف دیکھا پھر جان بوجھ کر ان کی طرف توجہ نہیں دی اور بات کرتا رہا۔

''سنا پھر، تیرے لالے کا کیا حال ہے، سنا ہے کافی مال بنا رہا ہے۔'' یہ کہہ کر وہ دوسری طرف سے چند لمحے سنتا رہا، پھر فہد کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''ہاں کچھ لوگ بڑے ٹیڑھے ہوتے ہیں۔ انہیں الف کی طرح سیدھا کرنا ہی تو ہمارا کام ہے۔''

فہد نے اس کی طرف غصے سے دیکھا اور ریسور چھین کر کریڈل پر رکھ دیا۔ اس حرکت پر انسپکٹر نے بھنا کر دیکھا۔ فہد نے اس کی طرف دیکھ کر کہا

''کچھ لوگ باتوں سے نہیں مانتے، انہیں منانا پڑتا ہے۔''

''لگتا ہے تیرا دماغ ٹھیک کرنا ہی پڑے گا۔'' انسپکٹر نے سرد سے لہجے میں کہا

''پہلی بات تو یہ ہے انسپکٹر کہ میرا دماغ ٹھیک ہے اور دوسری بات یہ کہ تم اس قابل نہیں ہو کہ میرے دماغ کے بارے سوچ سکو۔ خیر۔! امین کی ایف آئی آر درج کرو۔'' فہد نے سکون سے کہا

''کیسی ایف آئی آر؟'' وہ انجان بنتے ہوئے بولا

''وہی جنسِ بے جا کی، جو یہ لکھوانے آیا تھا۔ پھر سن لو، چوہدری کبیر نے اسے اپنے ڈیرے پر رکھا، تشدد کیا اور پھر تم نے اسے حوالات میں رکھا۔'' فہد نے اسے جتایا تو انسپکٹر قہقہہ لگا کر بولا

''بہت معصوم ہو تم یار۔ میں اپنے خلاف ہی ایف آئی آر لکھوں گا۔''

''اب نہیں لکھو گے تو چند دن بعد لکھو گے۔ وہ بھی اپنے ہاتھوں سے۔ وہ قتل جو کبیر نے کیا اور جسے تم چھپانے کی کوشش کر رہے ہو ۔ وہ اندھا قتل بن کر داخل دفتر نہیں ہوگا۔ یہ سن لو انسپکٹر۔'' فہد نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا

’’اتنا قانون نہ جھاڑ، وہ کیس عدالت نے ختم کر دیا ہے۔‘‘ انسپکٹر نے حقارت سے کہا

’’وہ کیس ری اوپن بھی تو ہو سکتا ہے۔‘‘ فہد نے اطمینان سے کہا تو انسپکٹر چونک گیا۔ جبکہ وہ کہتا چلا گیا ’’خیر۔! وہ تو ری اوپن ہو گا۔ تم جس بے جا کی ایف آئی آر ابھی درج کرو، چوہدری کبیر کے خلاف......‘‘

انسپکٹر نے بھی سکون سے سنا اور پھر لا پرواہی سے بولا ’’ٹھیک ہے اپنی درخواست دے دو، میں اس پر کاروائی کرتا ہوں اور اگر اس میں تشدد بھی لکھوانا ہے تو اس کا میڈیکل ہوگا، یہ تو پتہ ہوگا تمہیں۔‘‘

’’میں تمہارے حیلے اور بہانے جانتا ہوں کہ یہ تم کیوں کر رہے ہو۔ میرے کہنے پر ایف آئی آر لکھو گے تو اچھا ہے ورنہ یہ تو لکھنا تو پڑے گی۔ یہ تو پتہ ہوگا تمہیں۔‘‘ فہد نے طنزیہ لہجے میں کہا

’’ٹھیک ہے، لکھتا ہوں، خیر پہلے میں تفتیش کر دوں گا کہ یہ تم سے رقم لے کر چوہدری پر الزام تو نہیں لگا رہا۔‘‘ انسپکٹر ہنستے ہوئے بولا

’’ٹھیک ہے تم اپنا کام کرو، ہاں یہ بتا دو عدالت کا حکم ماننا ہے، یا اپنے کسی آفیسر کا۔‘‘ یہ کہہ کر فہد اٹھنے لگا تو انسپکٹر ایک دم سے ہنس دیا پھر اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا

’’چل لکھوا، میں بھی دیکھتا ہوں کہ تو کیا تیر مار لے گا۔‘‘

جس پر فہد نے امین کو اشارہ کیا تو اپنا بیان لکھوانے لگا۔

❁......❁......❁

چوہدری کبیر کی گاڑی ڈیرے پر آ کر رک گئی۔ وہ تیزی سے گاڑی میں سے نکل کر دالان کی جانب بڑھا۔ ملازمین آگے بڑھ کر اسے سلام کرتے چلے گئے۔ ایک ملازم نے آگے بڑھ کر سلام کرتے ہوئے کہا

’’سلام چوہدری صاحب۔‘‘

اس پر چوہدری کبیر نے دھاڑتے ہوئے پوچھا

’’اوئے، یہ ماکھا کدھر ہے؟‘‘

’’ادھر ہی ہے چوہدری صاحب۔ آپ تشریف رکھیں میں ابھی لاتا ہوں اسے......‘‘ اس نے جلدی سے کہا

’’جا جلدی کر......اس لے کر آ میرے سامنے۔‘‘ کبیر نے غصے میں کہا تو ملازم پلٹتے ہوئے بولا

’’جی...... میں ابھی لایا۔‘‘

ملازم چلا گیا اور چوہدری کبیر دالان میں مضطرب سا ٹہلنے لگا۔ پھر اس وقت رک کر دیکھا جب ماکھا اسی ملازم کے سہارے اس کے سامنے آ گیا تو اس نے پوچھا

’’اوئے ماکھے، ساری رات گذر گئی تمہارا انتظار کرتے ہوئے۔ تجھ سے کام تو کیا ہونا تھا۔ خود گولی کھا کر ادھر بیٹھے ہو۔‘‘

''میں گیا تو تھا۔لیکن مجھے پتہ نہیں تھا کہ فہد پہلے ہی میرے انتظار میں ہے۔عین وقت پر اس نے.....'' اس نے کہنا چاہا تو چوہدری کبیر نے غصے میں اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا

''تو پھر تم نے اسے گولی کیوں نہیں ماردی۔خود گولی کھا کر یہاں کیوں آئے ہو۔دل کرتا ہے اب تجھے گولی ماردوں۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے پاس کھڑے ملازم سے گن پکڑ لی۔انہی لمحوں میں ماکھے کو فہد کی بات یاد آ گئی۔ماکھے نے خوف زدہ اور حیرت زدہ سے انداز میں کہا

''آپ بے شک گولی ماردیں، مجھے پتہ نہیں تھا کہ وہ وہاں پر ہے۔ورنہ میں اسی حساب سے جاتا۔''

تبھی چوہدری کبیر غصے میں پاگل ہو کر اور گن کا بولٹ چڑھاتے ہوئے دھاڑا

''ماکھے۔! تو مان لے.....تو بے کار ہو گیا ہے.....تو اب کچھ نہیں کرسکتا۔''

''ایک موقع اور دے دو چوہدری جی۔پھر چاہے گولی ماردینا۔'' ماکھے نے عجیب سے لہجے میں کہا

''ماکھے۔! تو ہمارا پرانا وفادار ملازم ہے۔اسی لیے تجھے معاف کیا، جا، تجھے ایک موقعہ دیتا ہوں۔اب فہد کو ختم کرنا ہے۔دفعہ ہو جا، ورنہ میں پہلے تیرا ہی کام نہ کردوں گا۔'' یہ کہتے ہوئے کبیر نے گن ملازم کی طرف اچھال دی۔جسے ملازم نے دبوچ لیا۔پھر آگے بڑھ کر کار کی جانب چلا گیا۔ماکھے نے اس کی طرف غور سے دیکھا۔چوہدری کبیر کار میں بیٹھ کر وہاں سے چلا گیا۔

❁.......❁.......❁

حبیب الرحمٰن ڈرائنگ روم بیٹھا فون سن رہا تھا کہ مائرہ چائے کا ٹرے اپنے ہاتھوں میں لے کر آ گئی۔اس نے ٹرے میز پر رکھا اور ایک کپ اپنے پاپا کو دے کر اس کے قریب صوفے پر بیٹھ گئی۔حبیب الرحمٰن فون بند کر کے اس کی جانب متوجہ ہوا، تو لاڈ سے بولی

''پاپا۔! آج صبح بڑی خوشگوار ہے۔بڑے دنوں بعد آپ کے ساتھ یوں چائے پینے کا موقعہ ملا ہے۔''

حبیب الرحمٰن اس کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا

''آج میری آف ہے نا، ویسے وہ تمہاری رپورٹ کی بہت تعریف کی جارہی ہے۔مجھے بہت فون ملے ہیں۔اب بھی یہی بات ہو رہی تھی۔''

''بالکل پاپا، مجھے بھی بہت فون آئے ہیں۔اصل میں پاپا لوگ تنگ آچکے ہیں ایسے سیاست دانوں سے، وہ اس ماحول سے نکلنا چاہتے ہیں، تبدیلی چاہتے ہیں۔'' مائرہ نے کہا تو اس کے پاپا بولے

''مائرہ۔! سیاست پر روایتی جاگیرداروں اور صنعت کاروں کی گرفت اتنی مضبوط ہے کہ وہ جو چاہتے ہیں وہی کرتے ہیں۔حکمرانی سے لے کر معیشت تک یہی لوگ چھائے ہوئے ہیں۔اور وہ جو حقیقی عوام ہیں۔وہ جذباتی نعروں، تصوراتی سبز باغوں اور فلاحی مملکت کے خواب دیکھتے دیکھتے اپنی دوسری نسل بوڑھی کر چکی ہے۔''

''پاپا۔! آپ کا تعلق تو بزنس کمیونٹی سے ہے۔آپ لائن کے کس طرف ہیں عوام میں سے ہیں یا تاجروں کے ساتھ؟'' مائرہ فوراً سوال کردیا

''بات یہ نہیں کہ میں کس طبقے سے تعلق رکھتا ہوں۔ بات یہ کہ میرے دل میں اپنی وطن کے لیے کتنا مثبت جذبہ ہے۔ میں اپنی ملک کو کیا دے سکتا ہوں۔ میں اگر بزنس کر رہا ہوں تو اس ملک کی عوام ہی میں سے ہوں، جبکہ ہوا یہ ہے کہ روایتی سیاست نے ہمارے وطن کو کس جگہ لا کھڑا کیا ہے۔ کیا ترقی کی ہے ہم نے؟ بلکہ خود کو کھوکھلا کر رہے ہیں۔'' پاپا نے دکھ سے کہا

''ہم اسے یوں بھی دیکھ سکتے ہیں پاپا کہ مادیت پرستی میں دولت کمانے کی دھن نے کرپشن کی راہ دکھائی اور ہم فقط اپنے لیے سوچتے ہیں۔ ملک کا نہیں سوچا۔'' وہ بولی

''بالکل۔! اب دیکھو۔ ملک کی مجموعی ترقی کس طبقے کے کھاتے میں جاتی ہے وہی نا، جو حکمران رہے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اس وقت ہمارا وطن ترقی یافتہ ہوتا یا کم از کم ترقی کی راہ پر گامزن ہوتا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم وہیں کھڑے ہیں۔ فلاحی مملکت کے خواب کو ہم نے چھوا بھی نہیں۔ یہ کتنی تکلیف دہ بات ہے۔'' پاپا نے دکھ میں لپٹے ہوئے لہجے میں کہا

''میں یہ بات سمجھ سکتی ہوں۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ عوام آج بھی بنیادی سہولیات کو ترس رہے ہیں۔'' مائرہ نے اپنے باپ کی تائید کی۔

''عوام پس رہے ہیں۔ جب تک ایوانوں میں اس کی رسائی نہیں ہوگی۔ ان کے مسائل کیسے حل ہو سکتے ہیں۔ کون کرے گا حل؟'' اس نے کہا مائرہ تیزی سے بولی ''سوری پاپا۔ آپ بھی تو محض طاقت کے حصول کی جنگ لڑ رہے ہیں، سیاست کا کھیل......''

''میں مانتا ہوں روایتی سیاست محض طاقت کا کھیل ہے۔ لیکن جب ایک طبقہ ہی تمام تر وسائل پر قابض ہو جاتا ہے تو پھر ایسی جنگ کا اخلاقی جواز پیدا ہو جاتا ہے۔ کیا تم نہیں جانتی اس ملک کا اصل مسئلہ کیا ہے؟'' حبیب الرحمٰن نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا

''غربت، جہالت، بے روزگاری......'' اس نے کہا

''نہیں۔! حق دار کو اس کا حق نہ ملنا ہے۔ کیا عوام کا حق نہیں کہ انہیں، تعلیم، روزگار، صحت، ان سب کی سہولیات ملیں، انصاف ملے۔ خیر۔! یہ ایک لمبی بحث ہے ایسے میں ہم جیسے لوگوں کو اب میدان میں آنا چاہئے۔ ورنہ وہ کیا کہتے ہیں کہ ہماری داستاں نہ ہوگی داستانوں میں۔'' حبیب الرحمٰن نے اپنا موقف بتایا

''حق تو عوام کو بھی حاصل ہے۔ ایک جمہوری حکومت عوام ہی سے تو بنتی ہے۔'' مائرہ نے کہا

''یہ فقط نظریہ ہے، حقیقت میں اس ملک کی اکثریت غریب عوام ہے اور ایوانوں میں کتنے فیصد ان کے نمائندے ہوتے ہیں؟'' پاپا نے کہا تو مائرہ بولی

''جی پاپا۔! جس طبقے کو شعور آ جاتا ہے۔ وہی اپنی بقاء کی جدوجہد کرتا ہے۔ اگر عوام کو شعور آ جائے اور وہ اپنے جیسا نمائندہ چن لیں تبھی یہ ممکن ہے۔''

''تو بس۔! بات تمہاری سمجھ میں آ گئی۔ اور جو میں نے کہا تھا کہ تجھے دیکھ کر مجھے سیاست کا خیال آیا تو یہ غلط نہیں۔ آپ میڈیا

کے لوگ بہت بڑا کام کر رہے ہو، شعور دے رہے ہو، لیکن نرا شعور کیا کرے گا، جب اس شعور کو درست سمت ملے۔'' پاپا نے اسے سمجھایا

''تھینک یو پاپا۔ مجھے اب بہت زیادہ حوصلہ مل گیا۔'' وہ خوش ہوتے ہوئے بولی

''اب میں تم سے کیا کہنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ میڈیا دانشور لوگوں کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہ ان پر ذمے داری عائد ہوتی ہے کہ وہ عوام کو درست شعور دیں، ہمارا اصل مسئلہ کیا ہے؟ وہ بتائیں۔ ایک قوم بن جانے کی جدو جہد کریں۔ ایک جمہوری ملک میں اصل طاقت عوام ہی ہیں۔ یہ شعور اجاگر کریں کہ وہ اپنی طاقت کو کیسے استعمال کریں کہ یہ ملک ایک فلاحی مملکت بن جائے۔ فلاحی مملکت ہی ہمارا خواب ہے۔'' پاپا نے یوں کہا جیسے خواب دیکھ رہا ہو۔

''میں سمجھ گئی پاپا کہ آپ مجھ سے کیا چاہ رہے ہیں۔ میں پوری کوشش کروں گی۔'' مائرہ نے سر ہلاتے ہوئے کہا

''گڈ۔! آپ جہاں پر بھی ہو۔ اپنے دائرہ کار میں کوشش کرو۔ یہی وقت کا تقاضا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے پاپا نے کپ میں سے سپ لیا۔ اس کے بعد وہ دیر تک باتیں کرتے رہے، یہاں تک کہ بہت سارا وقت گزر گیا۔ تبھی مائرہ آفس جانے کے لئے اٹھ گئی۔

چینل جاتے ہی باس کا بلاوا آ گیا۔ اس لئے کچھ کئے بغیر وہ باس کے آفس چلی گئی۔ وہ جب سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی تو باس نے کہا

''کل آپ کی رپورٹ آن ایئر ہو جانے کے بعد مجھے بہت فون ملے۔ بہت سراہا گیا ہے آپ کی رپورٹ کو۔ لوگوں نے بہت تعریف کی ہے آپ کی مائرہ۔! بہت خوشی ہوئی۔ آپ اسی محنت اور لگن سے کام کریں۔''

''تھینکس سر، یہ میرے لیے اعزاز ہے سر۔! میں سمجھتی ہوں کہ یہ آپ کی وجہ سے ہوا۔ میں نے آپ سے بہت سیکھا ہے۔'' مائرہ دھیمے سے کہا

''وہ ٹھیک ہے، لیکن یہ تمہاری محنت اور لگن کا نتیجہ ہے۔ اور بہت سارے لوگ بھی تو ہیں۔ وہ تمہاری طرح کیوں نہیں سیکھتے۔! اصل میں تم اپنے کام کو پوری دیانت داری سے کرتی ہو۔ اسی لیے تمہارے کام میں جان ہوتی ہے۔ اور تم نے ان لوگوں کو بے نقاب کیا ہے، جنہیں ہم بہت طاقتور خیال کرتے ہیں۔'' باس نے اعتراف کیا

''سر۔! میں سمجھتی ہوں کہ آپ جو کر رہے ہیں یا اسے پوری توجہ سے کریں یا پھر نہ کریں۔'' اس نے کہا

''ایسا ہی ہونا چاہیے اور ہاں۔! اب اسی کامیابی کو اپنی منزل نہ سمجھ لینا۔ ابھی تم نے اس سے بہت آگے جانا ہے۔'' باس نے سمجھاتے ہوئے کہا، پھر ایک لمحہ کے لئے رُک کر بولا، ''آپ کو بتا دوں کہ اب رضوی صاحب آپ کے ہیڈ نہیں ہوں گے، انہیں نیوز شعبے کا ہیڈ بنا دیا گیا ہے، آج سے آپ اپنے شعبے کی ہیڈ ہیں۔ ابھی آپ کو لیٹر مل جاتا ہے۔ مبارک ہو آپ کو۔''

اس اچانک خوشی پر مائرہ ایک دم سے چونک گئی، تاہم خود پر قابو پاتے ہوئے بولی

''تھینک یو سر۔! میری محنت اور وقت دونوں، میری کامیابی، میرے پاس لے آئیں گے۔ ابھی مجھے بہت کچھ کرنا ہے۔ میں آپ کی توقعات پر پورا اتروں گی۔''

''بس یہی جذبہ رہنا چاہیے۔ کامیابی نہیں، کامیابیاں تمہیں ملتی رہیں گی۔ بہر حال جو ذمہ داری بھی لو اس بھر پور انداز میں نبھاؤ۔ او کے۔ وش یو گڈ لک'' باس نے کہا تو وہ اٹھتے ہوئے بولی

''تھینک یو سر..... آپ مجھے بہت حوصلہ دیتے ہیں۔''

اس پر باس مسکرا دیا تو وہ باہر نکلتی چلی گئی۔

مائرہ اپنے آفس میں آ کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ پھر اپنا سیل فون نکال کر جعفر کے نمبر پش کر دیئے۔ اس کے چہرے پر خوشی پھیلی ہوئی تھی۔ دوسری طرف جعفر اپنے آفس میں ایک فائل دیکھ رہا تھا۔ اس کا سیل فون بجا تو اس نے اسکرین پر دیکھا۔ تب اس کے چہرے پر تھکن بھری مسکراہٹ آگئی۔ جعفر نے فون پک کر لیا۔

''ہیلو، جعفر..... کیا ہو رہا ہے؟''

جعفر نے کام چھوڑ کر کرسی سے ٹیک لگائی اور خوشگوار انداز میں بولا

''کہنے کو تو کہہ سکتا ہوں کہ میں فٹ بال کھیل رہا ہوں۔''

اس پر مائرہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولی

''تم بھی نا......''

''مائرہ، لگتا ہے آج تم بہت خوش ہو۔'' اس نے خوشی سے کہا تو مائرہ نے پوچھا

''تمہیں کیسے پتہ کہ میں بہت خوش ہوں آج؟''

''بہت عرصے بعد تمہارے لہجے میں کھنکھناہٹ سنی ہے۔ بہت اچھا لگا مجھے۔'' جعفر نے مخمور لہجے میں کہا

''ہاں، خوش تو ہوں۔ ایک بہت ہی اچھی خبر ہے اور سب سے پہلے تمہیں سنانا چاہتی ہوں۔'' اس نے جعفر کے لہجے پر غور کئے بنا کہا

''بولو۔'' وہ آہستگی سے بولا

''میرے کام کو بہت سراہا گیا ہے اور میری ترقی ہوگئی ہے۔'' وہ پر جوش انداز میں تیزی سے بولے

''بہت مبارک ہو، بہت ہی اچھی بات ہے۔ تم اس کی حقدار ہو اور مجھے یقین ہے۔ بہت ساری کامیابیاں تمہارے قدم چومیں گیں۔'' جعفر نے خوش ہوتے ہوئے کہا تو وہ بولی

''مجھے یہ بتاؤ کہاں ہو تم؟''

''میں گھر پر ہوں۔'' اس نے بتایا

''اچھا پھر میں آ رہی ہوں۔ ہم اس اچھی خبر کو مل کر سیلی بریٹ کریں گے۔ اس میں تم بھی پوری طرح شریک ہو۔'' مائرہ نے پر جوش لہجے میں کہا

''میں منتظر ہوں۔ یہ میری خوش قسمتی ہوگی کہ میں آپ جیسی عظیم صحافی.....'' اس نے مصنوعی عاجزی سے کہا تو مائرہ اس کی بات ٹوکتے ہوئے بولی

''او کے.....او کے، پٹڑی سے مت اترو۔''

یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا اور پھر اس کی بات کو سوچتے ہوئے ایک دم سے خوش ہو گئی۔ پھر اس سے زیادہ دیر بیٹھ کر کام نہیں ہوا۔ وہ اٹھی اور جعفر کے پاس جانے کے لئے نکل گئی۔

کچھ ہی دیر بعد وہ جعفر کے گھر پہنچ گئی۔ وہ اکیلا ڈرائینگ روم میں بیٹھا ہوا تھا۔ مائرہ کے ہاتھوں میں دو بڑے بڑے بیگ تھے، جن میں کھانے پینے کی چیزیں تھیں۔ جتنی دیر میں اس نے وہ سارا سامان پھیلایا، جعفر چائے بنا کر لے آیا۔ اس وقت جعفر اور مائرہ دونوں آمنے سامنے بیٹھ کر کھاتے ہوئے، باتیں کر رہے تھے۔ تبھی مائرہ نے کہا

''کتنی سادہ سی سیلی بریشن ہے میری کامیابی کی، لیکن مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے۔''

''ہوں۔! اصل میں انسان انہی میں خوش رہتا ہے، جہاں اسے سراہا جائے، جن کے ساتھ وہ اپنائیت محسوس کرے ۔ یہ حالات ہی ہیں جن سے انسان خود اپنے لیے خوشی کشید کرتا ہے۔'' جعفر اس کی طرف دیکھ کر بولا

''جعفر۔! یہ کیسے حالات ہیں۔ میں فہد کے لئے اپنے دل میں اتنی محبت رکھتی ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ اس میں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔ تو پھر میری محبت اپنا آپ کیوں نہیں منوا پا رہی ہے۔ کیا میری محبت میں کوئی قوت، کوئی کشش نہیں ہے؟'' اس نے انتہائی دکھ سے پوچھا

''اسی بات کو دوسرے پہلو سے سوچو۔ اگر کسی دوسرے کے دل میں بھی اتنی ہی بے لوث اور خالص محبت ہو تمہارے لئے تو؟'' جواب دینے کی بجائے اس نے سوال کر دیا۔ مائرہ نے چونک کر اسے دیکھا پھر بولی

''یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟''

''میں نے ایک بات کہی ہے تم سے۔ ممکن ہے فہد کے دل میں ایسی ہی محبت کسی دوسرے کے لئے ہو یا میرے دل میں تمہارے لئے ہو۔ ایسے میں ہم کس کو کیا الزام دے سکیں گے۔'' جعفر نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تو مائرہ فرار کے طور پر جھنجلاتے ہوئے بولی

''مجھے تمہاری کوئی بات سمجھ نہیں آ رہی ہے۔ مجھے...... مجھے.....نہیں معلوم تم کیا کہنا چاہ رہے ہو۔''

''میں تم سے فقط اتنا کہنا چاہتا ہوں۔ کسی پر بھی شک مت کرو۔ نہ اپنی محبت پر اور نہ کسی کے خلوص پر۔ یہ دل کے معاملات ہیں۔ جن پر اختیار نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ اپنا اختیار بھی نہیں رہتا۔'' جعفر نے وضاحت کی

''یہی دل ہی تو ہے جو اپنے اختیار میں نہیں ہے۔ ایسے میں زندگی ایک بوجھ لگنے لگتی ہے نا۔'' اس نے تائید چاہی

''مائرہ۔! زندگی کو بوجھ بھی ہم خود بنا لیتے ہیں۔ جب ہم اپنی ذات پر شک کرتے ہیں۔ تم بس خوش رہنے کی کوشش کیا کرو۔ زندگی کب اور کہاں سے محبت دیتی ہے۔ اسے مت سوچو۔ نچھاور ہونے والی محبت کا احساس کرو۔'' جعفر نے اُس کی آنکھوں میں

دیکھتے ہوئے کہا تو وہ سوچتے ہوئے بولی

''ہاں۔! زندگی سے محبت تو خود حاصل کرنا پڑتی ہے۔'' یہ کہہ کر محبت پاش نگاہوں سے اس کے طرف دیکھتے ہوئے بولی۔''اچھا چلو، کھاؤ پیئو۔اور کچھ نہ سوچو۔''

''جیسے تمہاری مرضی۔'' اس نے کاندھے اچکاتے ہوئے کہا تو اس نے قہقہہ لگا دیا تو وہ سر ہلاتے ہوئے بولا

''مجبوری ہے......''

پھر ایک دم سے دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور قہقہہ لگا کر ہنس دیئے۔

❁......❁......❁
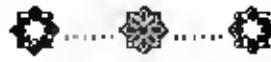
چوہدری جلال حویلی کے ڈرائینگ روم میں تنہا بیٹھا فون پر بات کر رہا تھا۔

''ہاں ہاں، ٹھیک ہے جناب۔اس اجلاس پر آپ کا کام یقیناً ہو جائے گا۔یہ میرا وعدہ رہا۔لیکن آپ بھی تو خیال رکھیں نا؟'' انہی باتوں کے دوران منشی اور انسپکٹر آ گئے۔ چوہدری کو فون پر بات کرتے دیکھ کر ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ وہ بات کرتا چلا جا رہا تھا'' ہاں۔!بالکل ٹھیک ہے۔میں کر دوں گا سفارش'' چوہدری نے ان کی طرف دیکھ کر انسپکٹر کو بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ بیٹھ گیا۔'' ہاں بس۔!اجلاس سے دو دن پہلے مجھے مل لیں۔اچھا خدا حافظ۔'' یہ کہہ کر چوہدری نے ریسور رکھ دیا پھر چند لمحے سوچتے رہنے کے بعد منشی فضل دین سے پوچھا

''ہاں بھئی انسپکٹر......کیا حال ہے تمہارا، کیسے آنا ہوا؟''

''میرا حال تو ٹھیک ہے چوہدری صاحب، مگر لگتا نہیں ہیں کہ اب حالات ٹھیک رہیں گے، بہت مشکل سا معاملہ بن گیا ہے چوہدری جی۔'' انسپکٹر نے مایوسانہ لہجے میں کہا تو چوہدری نے پوچھا

''ایسی کیا بات ہو گئی ہے جو تو اتنا مایوس لگ رہا ہے۔''

''جس جن کو بڑی مشکل سے بوتل بند کیا تھا نا، وہ جن دوبارہ بوتل سے باہر آ گیا ہے۔'' وہ اسی لہجے میں بولا

''اوئے پہلیاں نہ ڈال انسپکٹر، سیدھی بات کر۔'' چوہدری نے اکتائے ہوئے لہجے میں پوچھا

''فہد آیا تھا آج تھانے، امین ارائیں کو لے کر، جس بے جا کی ایف آئی آر لکھوانے۔ چوہدری کبیر کے خلاف۔'' انسپکٹر نے طنزیہ لہجے میں کہا تو چوہدری جلال نے حیرت اور استعجاب بھرے انداز میں کہا

''تو؟''

''اوپر سے ڈی ایس پی صاحب کا فون بھی کروا دیا اس نے، درخواست دی تھی اس نے اوپر۔ مجھے وہ ایف آئی آر درج کرنا پڑی۔'' انسپکٹر نے یوں کہا جیسے اسے بہتے ندامت ہو رہی ہو۔ چوہدری جلال نے چونکتے ہوئے انتہائی غصے میں کہا

''اور تو نے ایف آئی لکھ دی؟ مجھ سے پوچھے بغیر۔ کیا میں تیرے دماغ میں گولی اتار کر ابھی تیری اوپر جانے کی ایف آئی آر نہ لکھ دوں؟'' چوہدری جلال نے غصے اور حیرت سے کہا تو انسپکٹر خاموش رہا تو اس نے پھر پوچھا اوئے بول اوئے بک، بکتا کیوں نہیں ہے؟''

تبھی انسپکٹر نے ڈرتے ہوئے کہا

''جی، میں اور کیا کرتا۔ بتایا نا جی کہ اس نے ڈی ایس پی کو فون کر دیا۔ اب مجھے ان کا حکم تو ماننا تھا نا چوہدری صاحب۔ اب اللہ جانے آپ کے ڈی ایس پی صاحب سے کیسے تعلقات ہیں؟''

''اوئے انسپکٹر، اوئے بے وقوف تجھے میرے تعلقات کی کوئی عقل سمجھ نہیں ہے۔ تیری یہ جرات، میرے اس سے تعلقات جیسے بھی ہوں، پر تو اپنے اوپر غور کر۔ تو اپنا بھی بوجھ برداشت نہیں کر سکا اور فوراً ایف آئی آر درج کر دی۔ لگتا ہے اب تیرا دانہ پانی یہاں سے ختم ہو گیا ہے۔ تو اس قابل ہی نہیں رہا۔''

''اونہ چوہدری صاحب۔ میں تو آپ کا خادم ہوں نوکر ہوں آپ کا۔ کیا کچھ نہیں کیا میں نے آپ کے لیے۔ اب یہ فہد آپ کے بھی قابو نہیں آرہا تو میں اکیلا کیا کر سکتا ہوں۔'' انسپکٹر نے خوف زدہ ہوتے ہوئے کہا۔ اس پر چوہدری جلال کا غصہ اور زیادہ غضب ناک ہو گیا۔

''تُو اکیلا، پہلے کیا کرتا تھا اس علاقے میں۔ کس کے بل بوتے پر دندناتا پھرتا تھا۔ کوٹھیاں، بنک بیلنس کیسے بنا لیا تو نے...... یہ سب کچھ اب تیرے کسی کام کا نہیں۔ تیرے لیے بس ایک اشتہاری بندہ ہی کافی ہے۔''

''خدا کے لیے ایک موقعہ دیں چوہدری صاحب، ابھی تو ایف آئی آر ہی کٹی ہے نا۔'' انسپکٹر نے منت بھرے لہجے میں کہا تو چوہدری جلال نے ایک لمحہ کو سوچتے ہوئے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا،

''ٹھیک ہے، جا، میں دیکھتا ہوں۔''

''بہت شکریہ چوہدری صاحب۔'' یہ کہہ کر وہ تیزی سے اٹھا اور اسی تیزی سے باہر کی طرف چلا گیا۔ تبھی چوہدری جلال نے منشی کی طرف دیکھ کر کہا

''منشی، یہ فہد کچھ زیادہ ہی پَر نکالنے لگا ہے۔''

''تو پھر پَر کاٹ دیں نا جی اس کے۔'' منشی نے یوں ن کہا جیسے اس نے اس کے دل کی بات کہہ دی ہو

''تُو ایسا کر، اسے کسی طرح اپنی زمین لینے پر اُکسا۔ بندہ لگا اس کے پیچھے...... جو اُسے غیرت دلائے کہ وہ ہم سے اپنی زمین لے لے۔'' چوہدری نے سوچتے ہوئے کہا تو منشی سمجھتے ہوئے بولا

''سمجھ گیا چوہدری صاحب، سمجھ گیا۔ میں ابھی کسی کے ذمے لگا دیتا ہوں۔'' منشی فضل دین نے کہا اور خاموش ہو گیا۔ چند لمحے ایسے ہی کھڑا رہا تو چوہدری جلال نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا

''کیوں کھڑے ہو؟''

''ایک اطلاع ہے چوہدری صاحب۔!''اس نے دھیمے لہجے میں کہا تو چوہدری جلال لاپرواہی سے بولا

''کیسی اطلاع۔!کوئی خیر کی ہے یا......''

''خیر کی نہیں لگتی چوہدری صاحب۔!وہ، عمر حیات ہے نا۔جس کا اپنے بھائیوں کے ساتھ جھگڑا تھا زمین کے معاملے میں......''منشی نے بتایا

''ہاں......کیا ہوا اُسے؟''چوہدری جلال نے پوچھا

''عمر حیات نے اپنا گھر اور زمین بیچ دی ہے۔''منشی نے بتایا تو چوہدری جلال نے پوچھا

''کسے بیچ دی۔!وہ تو ہم خریدنا چاہ رہے تھے۔کس نے خرید لی۔''

''فہد نے......سودا طے ہو گیا ہے۔کچھ رقم دے دی ہے اور باقی کاغذات مکمل کر ہونے پر ادا ہو جائے گی۔''منشی نے بڑے عجیب سے لہجے میں کہا جیسے اسے خود یہ اچھا نہ لگا ہو۔

''یار یہ فہد کر کیا رہا ہے۔جہاں ہمارا مفاد ہوتا ہے۔یہ وہیں پر آ کر دار کرتا ہے۔خیر۔ایں دیکھتا ہوں وہ کس طرح زمین لیتا ہے۔عمر حیات کے بھائیوں کو پیغام دے دو کہ وہ مجھے آ کر ملیں۔''چوہدری جلال نے سوچتے ہوئے کہا

''جی، میں ابھی بندہ بھجوا دیتا ہوں۔''وہ تیزی سے بولا

''اور سنو۔!اس معاملے پر گہری نگاہ رکھنی ہے۔فہد کہیں زمین کا قبضہ نہ لے لے۔''چوہدری جلال نے کہا

''جی میں آپ کو پوری طرح باخبر رکھوں گا۔''منشی نے ادب سے کہا تو چوہدری جلال سوچتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں بولا

''اب اس فہد کے بارے میں پتہ کرنا پڑے گا۔آخر اتنے دھڑلے سے ایسا سب کچھ کیسے کر رہا ہے۔جا منشی تو جا۔''

''جی چوہدری، جاتا ہوں۔''

جیسے ہی اس نے کہا تو چوہدری جلال نے اُسے جانے کا اشارہ کیا اور فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔منشی باہر کی جانب چلا گیا۔اس کے چہرے پر خوشی کا اظہار تھا۔چوہدری جلال نے فون اٹھایا، نمبر ڈائل کرنے لگا۔اس کے چہرے پر پریشانی تھی۔رابطہ ہوتے ہی اس نے پوچھا

''ہاں جنید......کیسے ہو؟......اچھا تمہارے ذمے ایک کام لگا رہا ہوں۔وہ فوراً کر کے مجھے اطلاع دو......ہاں ہاں بتا رہا ہوں نا، فہد نامی لڑکا ہے ادھر۔ناک میں دم کر رکھا ہے اس نے......زمین خریدی ہے اس نے یہاں......وہ تمہارے آفس تو آئے گا نا......بس اس سے اگلی پچھلی معلومات لینی ہے، کوئی سرا پتہ مل گیا تو اس کے بارے سب معلوم ہو جائے گا......ہاں ہاں فوراً، میں تمہارے فون کا انتظار کروں گا۔''یہ کہہ کر چوہدری نے فون کریڈل پر رکھ دیا۔اس نے سوچ لیا تھا کہ اب اسے زیادہ موقع نہیں دینا ہوگا۔

دن کی روشنی پھیلی ہوئی تھی ۔چوراہے میں فہد ،امین ، چھاکا اور چند دوسرے لوگ بیٹھے ہوئے تھے ۔ان کے درمیان بڑی گرما گرمی میں باتیں چل رہی تھیں ۔تبھی ایک بندے نے تیز لہجے میں کہا

''ماکھے نے جو سراج کو دھمکی دی ہے نا ۔یہ چوہدری جلال کی طرف سے نہیں چوہدری کبیر کی طرف سے ہے ۔یہ ماکھا ،نکے چوہدری کا کارندہ ہے ۔یہ سب جانتے ہیں ۔''

''کارندہ کسی کا بھی ہو ۔دھمکی تو ان لوگوں کی طرف سے ملی ہے نا ۔کیا یہ گاؤں کے لوگوں کو انسان نہیں سمجھتے ۔جس طرح ان چوہدریوں کا جی کرتا ہے ۔کیا یہ سارے لوگ اسی طرح چلیں ۔انسان نہ ہوئے مشینیں ہو گئیں ۔''فہد نے کہا تو امین بولا

''میں ان دھمکیوں میں آنے والا نہیں ۔سارا گاؤں جانتا ہے کہ میں خود ان سے بدلہ لینا چاہتا ہوں ۔اور یہاں میرے جیسے کئی ہوں گے علاقے میں جو اپنے دلوں میں یہی خواہش چھپائے بیٹھے ہیں ۔''

''وہ وقت بڑی جلدی آنے والا ہے امین ۔جب یہ ظالم خود منہ چھپاتے پھریں گے ۔انہوں نے صرف کمزوروں پر ظلم کرنا سیکھا ہے ۔''فہد نے وہاں موجود لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو ایک بندہ بولا

''یہ تمہاری بھول ہے فہد ۔!اگر کوئی سیدھی طرح ان کی بات نہ مانے تو وہ دوسری طرح اس سے بات منوا لیتے ہیں ۔انہوں نے تمہیں خود ڈھیل دے رکھی ہے ۔''

''کیا مطلب ۔!''فہد نے اس کی طرف مسکرا دیکھ کر دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ بندہ طنزیہ انداز میں بولا ''مطلب یہ ہے ،تم نے اپنا گھر تو اچانک لے لیا ۔اب وہ انتظار کر رہے ہیں کہ اپنی زمین واپس لو ۔اگر تم میں ہمت تو اب زمین لے کر دیکھو ۔تمہیں نہ صرف چوہدریوں کی طاقت کا اندازہ ہو جائے گا ۔بلکہ یہ بھی جان لو گے کہ تم کتنے پانی میں ہو...... ہے تم میں ہمت ؟''

فہد نے چونک کر دیکھا اور پھر تحمل سے مسکراتے ہوئے بولا

''میں جانتا ہوں کہ چوہدری کیا چاہتے ہیں ۔مجھے اتنی جلدی نہیں ہے ۔زمین بھی یہیں ہے ،چوہدری بھی اور میں بھی ۔یہ وقت بتائے گا ۔زمین کیسے لی جاتی ہے ۔''

''اوئے میرے بھائی ۔!چوہدری انتہائی بزدل بندہ ہے ۔اگر فہد اس کے راستے کی دیوار بن گیا ہے تو وہ اس دیوار کو گرا کیوں نہیں دیتا ۔زمین تو بعد کا معاملہ ہے ۔اب اگر اس میں ہمت ہے تو دوبارہ اپنے ڈنگر باندھ کر دکھائے ۔''امین نے غصے میں کہا تو بندہ بولا

''میں نے کہا نا ،وہ تم لوگوں کو نظر انداز کر رہا ہے ۔اب اگر اپنی زمین لے گا نا فہد تو اسے لگ پتہ جائے گا ۔''

''اصل میں قصور چوہدری کا نہیں کہ وہ لوگوں پر ظلم کرتا ہے ۔قصور لوگوں کا ہے جو اپنی مجبوریوں کی وجہ سے اس کا ظلم سہے جا رہے ہیں ۔اُس تک بات پہنچا دو اب ظلم کے دن تھوڑے ہیں ۔''فہد نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ بندہ بولا ''میں اب بھی سمجھتا ہوں فہد ۔!ان کے سامنے تم کچھ بھی نہیں ہو ۔اپنا آپ بچا کر یہاں سے چلے جاؤ ۔یہی تیرے لیے بہتر ہو گا ۔''

''اور تم یہ جان لو۔اب ان کی یہاں حیثیت کچھ نہیں رہے گی۔ یہ دھمکی نہیں حقیقت ہے۔'' امین نے جذباتی لہجے میں کہا تو فہد بولا

''تلوار کے وار کو لاٹھی پر نہیں روکا جاتا اور نہ ہی گولی کو ہاتھ روک سکتے ہیں۔ جنگ جیتنے کے لئے دشمن کے ہتھیار سے بڑا ہتھیار رکھنا پڑتا ہے۔اور وہ ہتھیار ہے میرے پاس۔ چوہدری یا اس کے حواری کسی بھول میں نہ رہیں آؤ چلیں۔''

فہد نے کہا اور اٹھ کر گاڑی کی جانب چل دیا۔امین اس کے ساتھ جا بیٹھا تو گاڑی چل دی۔ چوپال میں خاموشی چھا گئی تھی۔ فہد نے امین کو گھر چھوڑا اور خود سراج کے ڈیرے کی طرف چل دیا۔

دوپہر ڈھل کر شام کی جانب بڑھ رہی تھی۔فہد اور سراج آمنے سامنے چارپائیوں پر بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ چوراہے میں ہونے والی بات سن کر سراج نے بتایا

''میں آج ملا تھا چاچے عمر حیات سے۔منشی پہنچ گیا تھا اس کے پاس،اور اپنی آفر کر وا دی۔''

''کیا کہا چاچے عمر حیات کو منشی نے۔پوری بات معلوم کی؟'' فہد نے مسکراتے ہوئے پوچھا تو سراج بولا

''ہاں کی۔وہ منشی آیا تھا اسے اکسانے کے لیے۔ بلکہ اسے بے ایمانی پر مجبور کرنے آیا تھا۔ جب منشی اس سے مل کر گیا تو چاچا عمر حیات میرے پاس گھر آ گیا۔اس نے مجھے ساری بات بتا دی۔اس نے منشی کو انکار کرتے ہوئے کہا ہے کہ اب میں زبان دے چکا ہوں۔رقم وصول کر لی ہے۔.....وہ زمین فہد کو ہی دے گا۔''

''انکار سننے کے بعد،ظاہر ہے چوہدری اطمینان سے تو نہیں بیٹھے گا۔اب وہ کچھ نہ کچھ تو ضرور کرے گا۔'' فہد نے سوچتے ہوئے کہا

''اصل میں ان دونوں خاندانوں کے درمیان جھگڑا بھی تو چوہدریوں نے کروایا ہے۔تاکہ یہ زمین وہ لے سکیں اور ہاں،ایک بات اور،چاچے عمر حیات کا یہ کہنا ہے کہ وہ تمہاری رقم بھی دبا جانے کا لالچ دے رہا تھا۔اس کا کہنا یہ ہے کہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے فہد زمین اپنے نام کروا لے۔اگر اسے کچھ ہو گیا تو معاملہ خراب بھی ہو سکتا ہے۔یہ مسئلہ ختم ہو جائے تو وہ اطمینان سے اپنی بیٹی کی شادی کر دے۔'' سراج نے اسے بتایا تو فہد سوچتے ہوئے ہوئے بولا

''وہ ٹھیک کہتا ہے۔کچھ بھی ہو سکتا ہے۔''

''تو پھر لکھت پڑھت کر کے زمین اپنے نام کراؤ۔کل ہی عدالت چلتے ہیں۔'' سراج نے صلاح دی

''کل ضرور عدالت میں چلیں گے،مگر اس قتل کیس کے لیے جس کی گواہی امین دینا چاہتا تھا،اسے ری اوپن کروانا ہے۔چاچے عمر حیات والی زمین کدھر جا رہی ہے،لے لیں گے۔ پہلے امین سے جو وعدہ کیا ہے وہ پورا کرنا ہے۔'' فہد نے سوچتے ہوئے کہا تو سراج چونکتے ہوئے بولا

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟''

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں سراج۔ خیر تم شام کو گھر آؤ گے تو اس پر تفصیل سے بات ہو گی۔ ابھی میں چلتا ہوں۔'' فہد نے کہا اور اٹھتا چلا گیا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اب قسمت نگر کی فضائیں بدلنے والی ہیں۔

❁.......❁.......❁

مائرہ اپنے گھر سے آفس کے لیے نکل کر پورچ میں اپنی گاڑی کے پاس آئی تو اس کا سیل فون بج اٹھا۔ اس نے اپنا بیگ گاڑی میں رکھا اور فون کال ریسیو کرتے ہوئے کہا۔''ہیلو.....''

دوسری طرف سے کھردری آواز میں کہا گیا

''سنو، یہ جو تم اپنی ٹی وی رپورٹ کے لیے آگ سے کھیل رہی ہو نا۔ اس کا انجام بہت برا ہے۔ کم از کم تمہارے لیے.....تم نے ہمیں بہت نقصان پہنچایا ہے۔ جس کا خمیازہ تمہیں بھگتنا پڑے گا۔''

''کون ہو تم اور یہ کیا بکواس کر رہے ہو۔'' مائرہ نے تیزی سے غصے میں کہا

''میں نے کہا نا، صرف میری سنو.....فضول بک بک نہ کرو۔ ورنہ تیری سزا میں زیادہ اضافہ ہو جائے گا، صرف سنو۔ آگ سے کھیلنا بند کرو ورنہ تم اس طرح جل جاؤ گی کہ خود تمہیں پتہ نہیں چلے گا۔ تمہارے ساتھ ہوا کیا ہے۔'' دوسری طرف سے کہا گیا تو مائرہ بولی

''تم مجھے دھمکی دے رہے ہو؟''

''تمہیں سمجھا رہا ہوں۔ لیکن اگر تم چاہو تو اسے دھمکی سمجھ سکتی ہو۔ نا سمجھی میں اگر تم نے اپنی ٹی وی رپورٹ بنائی ہے تو اب اس کو بھول جاؤ۔ اس کی پیروی مت کرو، اسی میں تمہاری زندگی ہے۔''

''میں نہیں ڈرتی۔ میں ایسا ہی کرتی رہوں گی۔ تم جیسے بزدل میرا راستہ روک سکتے ہیں تو روک لیں۔'' اس نے بے خوفی سے کہا

''میں تمہیں صرف سمجھا رہا ہوں۔ ورنہ تم اب تک ہمیشہ کے لیے گہری اور میٹھی نیند سو چکی ہوتی۔ آزمانا چاہتی ہو تو آزما لو۔ تم ہر وقت ہماری نگاہ میں ہو۔'' کسی نے غراتے ہوئے کہا تو مائرہ طنزیہ لہجے میں بولی ''اور میں تمہیں خود ڈھونڈ نکالوں گی۔ تم تو سامنے نہیں آؤ گے تو.....'' مائرہ نے مزید کہنا چاہا مگر اس کے لفظوں کے دوران ہی آنے والا فون بند ہو گیا۔ اس نے غصے میں فون کی طرف دیکھا اور گاڑی میں بیٹھ گئی۔ گاڑی چلاتے ہوئے وہ تیزی سے سوچ رہی تھی۔ جب کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو مائرہ نے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے سیل سے نمبر پش کر دیئے۔

اس وقت جعفر اپنے آفس میں کھڑا فائل دیکھ رہا تھا۔ اس کا سیل فون بج اٹھا۔ اس نے کال ریسیو کی تو مائرہ بولی ''سوری جعفر۔! میں تمہیں آج پھر ڈسٹرب کر رہی ہوں۔ کیا تم میرے آفس آ سکو گے؟''

''آپ بلائیں، ہم نہ آئیں، ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ میں حاضر ہو جاتا ہوں۔ ویسے خیریت ہی ہے نا'' اس نے بڑے نرم لہجے میں کہا

''آج ایک نیا پراجیکٹ ہے جو میں تمہارے ساتھ مل کر کرنا چاہتی ہوں، اس کے متعلق ڈسکس کرنا تھا۔ ویسے مجھے آج فون ملا ہے۔ کسی نے مجھے دھمکی دی ہے۔'' مائرہ نے بتایا تو جعفر نے سکون سے پوچھا

''کیسا فون؟ کیسی دھمکی؟ اور کب''

''ابھی کچھ منٹ پہلے۔'' یہ کہہ کر اس نے تفصیل بتادی۔

''پریشان نہیں ہونا۔ میں ہوں نا تمہارے ساتھ، ڈھونڈھ نکالیں گی اسے۔'' جعفر نے اسے تسلی دی

''یہ کوئی نئی بات تو نہیں ہے۔ یہ دھمکیاں تو ملتی رہتی ہیں، ان کا کیا ہے۔ بس تم جلدی سے آجاؤ۔'' مائرہ نے کہا

''مجھے بہت خوشی ہوئی مائرہ۔ اب تو یوں لگتا ہے کہ جیسے وہ کالج لائف والے دن لوٹ آئے ہیں۔'' وہ خوشی سے بولا

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن میں نے تمہیں کتنی بار کہا ہے کہ یہ بالکل ناکام عاشقوں جیسے لہجے میں مجھ سے بات نہ کیا کرو۔'' وہ ایک دم شوخی سے بولی تو جعفر نے شرارت سے

''کیا ہوگیا ہے میرے لہجے کو، ویسے مجھے تمہاری ایک بات سے اختلاف ہے۔''

''وہ کیا؟'' مائرہ نے حیرت سے پوچھا

''کیا بندہ محبت میں ناکام بھی ہوسکتا ہے؟ ایسا ہو نہیں سکتا کہ بندے کو محبت بھی ہو اور وہ اس میں ناکام ہوجائے۔'' جعفر نے گہرے انداز میں کہا تو مائرہ بھی سنجیدگی سے بولی

''تم لاکھ اختلاف کرو۔ مگر حقیقت کو جھٹلایا تو نہیں جاسکتا نا۔ دل میں سچی محبت بھی ہو اور وہ رنگ نہ لا سکے۔ یہ ناکامی ہی تو ہے۔''

''یہاں قصور محبت کا نہیں۔ اس وجود کا ہے جس میں یہ محبت موجود ہے۔ تم کیا سمجھتی ہو۔ محبت کی راہ پر چلنا آسان ہوتا ہے۔ بڑے امتحان ہوتے ہیں اس راہ میں۔'' اس نے پریقین لہجے میں کہا تو مائرہ بولی

''چل چھوڑ یہ محبت وغیرہ کا فلسفہ۔ زندگی کی حقیقت، محبت سے کہیں زیادہ طاقتور ہے۔ بس جلدی سے آجاؤ۔''

''جیسے آپ کا حکم، بندہ تو ہمہ وقت حاضر ہے، آرہا ہوں۔'' جعفر نے خمار آلود لہجے میں کہا تو مائرہ ہنستے ہوئے بولی

''باز نہیں آؤ گے، ٹھیک ہے۔ میں انتظار کر رہی ہوں۔''

یہ کہتے ہوئے اس نے فون بند کردیا اور پوری توجہ سڑک پر لگادی۔

چوہدری جلال حویلی کے لان میں موجود تھا۔ چوہدری کبیر کی گاڑی آکر پورچ میں رکی۔ وہ اس میں سے وہ نکل کر سیدھا چوہدری جلال کے پاس آگیا۔ پاس آکر اس نے اپنے باپ کو سلام کیا اور سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولا

''بابا، میں فہد کی بات کرنے آیا ہوں۔ پتہ نہیں کیوں آپ اسے ڈھیل دیئے چلے جارہے ہیں۔ چند منٹوں میں اسے ختم کر کے

ساری ٹینشن ختم کی جاسکتی اور آپ......" وہ کہتے ہوئے رک گیا۔ چوہدری جلال نے اس کی طرف دیکھا اور سکون سے بولا

"مانا۔! کہ ریوالور کی گولی سے وہ چند منٹوں میں ختم ہوسکتا ہے۔ لیکن اس کے بعد جو طوفان بدتمیزی اٹھے گا۔ اس کا تمہیں اندازہ نہیں ہے۔"

"کیا مطلب بابا۔! کون ہے اس کے پیچھے رونے والا، ماسٹر دین محمد؟" کبیر نے تیزی سے پوچھا

"میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ وہ سانپ ہے۔ جسے زور زبردستی سے نہیں، بلکہ منتروں سے پٹاری میں بند کیا جائے گا۔ کیا آج تک تمہیں ایسا ذہین دشمن ملا ہے؟" چوہدری جلال نے اپنے بیٹے کی جانب دیکھ کر کہا

"مان لیا بابا کہ وہ بہت طاقتور ہوسکتا ہے۔ لیکن ہمارے علاقے میں آ کر ہمیں ہی للکارے، یہ ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ بعد میں جو ہوگا دیکھا جائے گا۔" اس نے بے خوفی سے کہا

"ابھی اس نے کیا ہی کیا ہے، صرف اپنا گھر ہی واپس لیا ہے نا۔ اس کے علاوہ اس نے کیا تیر مار لیا؟" چوہدری جلال نے لاپرواہی سے کہا

"یہی بات تو مجھے یہ سمجھ میں نہیں آ رہی ہے کہ آپ اسے نظر انداز کیوں کر رہے ہیں۔ علاقے میں جگہ جگہ بیٹھ کر وہ ہمارے خلاف باتیں کرتا ہے۔ اور پہلی بار میرے خلاف تھانے میں ایف آئی آر کٹوادی۔" کبیر نے گویا اس کے گناہ گنوا دیئے۔

"یہی تو میں نے کہا ہے نا۔ تم جذباتی نہ ہوا کرو۔ دشمن کو کبھی معمولی نہیں سمجھنا چاہئے۔ یہ بات سمجھ لو کہ وہ ایک ذہین دشمن ہے۔ اتنے طویل عرصے بعد اس کا دوبارہ گاؤں میں لوٹ آنا کوئی معمولی بات نہیں، وہ بہت سوچ سمجھ کر یہاں آیا ہے۔" چوہدری جلال نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا

"تو پھر کیا ہوا بابا۔! اس کی ساری ذہانت، اس کا سوچنا سمجھنا، چند منٹوں کا کھیل ہے۔ مجھے اجازت دیں، میں ابھی اسے ختم کر دیتا ہوں۔" کبیر نے تیزی سے کہا

"نہیں۔! میں تمہیں ابھی اجازت نہیں دوں گا۔ اسے سیاسی میدان ہی میں مار کر یہاں سے ذلیل و رسوا کر کے بھیجنا ہے۔ وہ ساری زندگی ہمارے لگائے ہوئے زخم کو یاد رکھے۔ وہ سیاست ہی کیا، جس میں اپنے دشمن پر قابو نہ پایا جا سکے۔ میری چھٹی حس کہہ رہی ہے۔ فہد صرف ایک مہرہ ہے۔ اس کے پیچھے کوئی گہری چال ہوگی۔" چوہدری جلال نے یقین بھرے لہجے میں کہا

"کون چل سکتا ہے یہ چال؟" کبیر نے تشویش سے پوچھا

"یہی تو پتہ کرنا ہے۔ دیکھو کوئی بندہ اس طرح خودکشی کرنے یہاں نہیں آسکتا۔ میں مانتا ہوں اس کے دل میں ہمارے خلاف انتقام بھرا ہوا ہے۔ وہ مر گیا تو سب ختم ہوگیا۔" چوہدری جلال نے پھر سوچتے ہوئے لہجے میں کہا

"او نہیں بابا...... وہ کوئی مہرہ شہرہ نہیں ہے۔ اس نے آتے ہی اپنا ایک تاثر بنالیا ہے، اور آپ کچھ اور ہی سوچنے لگے۔" کبیر نے

ایک دم سے باور کرایا

''اتنی دیدہ دلیری پھر بھی نہیں ہوتی۔سیاست بھی شطرنج کی طرح ہوتی ہے،ایک بھی غلط چال چلی اور کھیل ختم،شہہ مات ہوتے دیر نہیں لگتی پتر۔''اس نے سنجیدگی سے کہا

''کچھ بھی نہیں ہوگا بابا۔بس ایک بار آپ مجھے اجازت دیں۔''کبیر حسرت ناک لہجے میں بولا تو چوہدری جلال نے سخت لہجے میں کہا

''اپنے غصے پر قابو رکھو کبیر۔!مجھے پہلے ہی ایک قتل کو دبانے میں مشکل ہو رہی ہے۔میں یہ معاملہ دیکھ لوں گا۔''

اپنے باپ کے لہجے پر کبیر ایک دم سے چونک گیا اور حیرت اور غصے کے ملے جلے لہجے میں بولا

''بابا۔!میں پھر کہوں گا،آپ اسے ڈھیل دے کر اچھا نہیں کر رہے ہیں۔''

یہ کہہ کر وہ غصے میں اٹھا اور وہاں سے چلا گیا تو چوہدری جلال گہری سوچ میں ڈوبتا چلا گیا۔

شام کے سائے پھیل گئے تو چوہدری جلال حویلی کے کاریڈور میں آرام کرسی پر آ بیٹھا۔فہد نے اسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس کہاں سے قابو کرے۔منشی فضل دین نے اس کے قریب آ کر سلام کیا۔چوہدری نے اس سے پوچھا۔

''بتا منشی۔!کیا کہتا ہے وہ عمر حیات۔بات اس کی سمجھ میں آئی کہ نہیں؟''

''نہیں چوہدری جی۔!وہ کسی طرح بھی نہیں مانتا۔میں نے اسے یقین دلانے کے لئے یہ بھی کہا کہ آ کر چوہدری صاحب سے بات کر لو مگر وہ حویلی آنے پر راضی ہی نہیں ہوا۔''منشی نے کچھ ایسے انداز میں کہا کہ چوہدری نے بُری طرح چونک کر منشی کی طرف دیکھا،جیسے اس نے بڑی ہتک محسوس کی ہو۔چند لمحے خاموش رہ کر چوہدری جلال نے تحمل سے کہا

''تو اس کا مطلب ہے۔وہ بھی فہد کی زبان بولنے لگا ہے۔تم نے سمجھایا نہیں کہ ہم پنچائیت کے ذریعے بھی زمین اس سے لے سکتے ہیں۔''

''بہت سمجھایا میں نے اسے۔میں نے پنچائیت کی بات بھی کی مگر اس کی یہی رٹ ہے کہ میں نے زبان دے کر رقم لے لی ہے۔اشٹام بھی لکھ کر دے دیا ہے۔''منشی نے دھیمے لہجے میں بتایا

''منشی۔!تم جانتے ہو کہ ہم پنچائیت کیوں بلاتے ہیں تاکہ فیصلہ اپنی مرضی کے مطابق کروا سکیں۔اب یہ پنچائیت ریونیو آفیسر کے پاس ہوگی۔ابھی زمین فہد کے نام تو نہیں ہوئی ہے نا۔''چوہدری جلال نے مسکراتے ہوئے کہا

''میں سمجھ گیا چوہدری صاحب۔!عمر حیات وہاں تو جائے گا۔''منشی خباثت سے مسکراتے ہوئے بولا

''اب اگر اسے یہاں کچھ کہتے ہیں تو بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔فہد کی نگاہیں ہماری کمزوریوں پر ہوں گی۔وہ خواہ مخواہ شور مچائے گا۔جب ہمارا کام آفیسر خود کر دے گا تو کیا ضرورت ہے یہاں سر دردی لینے کی۔''اس نے لاپرواہی سے کہا تو منشی بولا

’’میں سمجھ گیا چوہدری صاحب۔ میں آج ہی چلا جاتا ہوں اور انہیں ساری بات سمجھا آتا ہوں۔‘‘

’’تم نور نگر جا کر آفیسر کو سمجھا آؤ کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔ اب پنچائیت ہوگی اور ہماری مرضی کا فیصلہ ہوگا۔‘‘ چوہدری نے سکون سے کہا

’’ظاہر ہے، پانی تو انہی آفیسروں کے پلوں کے نیچے سے گذرتا ہے۔ زمین نام ہوتا تو ایک طرف، وہ لوگ فائل ہی گم کر دیں۔ تو انہیں کون پوچھنے والا ہے۔‘‘ منشی نے کہا

’’اور ہاں، جاتے ہوئے باغ سے کچھ پھلوں کی ٹوکریاں لے جانا۔ اور اسے بتا دینا کہ ایک دو دن میں ہی پنچائیت بلائے۔ ضرورت پڑی تو میں بھی آ جاؤں گا۔‘‘ چوہدری نے اکتاہٹ سے کہا

’’جیسے آپ کا حکم۔ میں چلتا ہوں۔‘‘ منشی بولا اور منشی واپس پلٹ گیا۔ چوہدری مسکرا اٹھا۔

❁.....❁.....❁

سورج اچھا خاصا چڑھ آیا تھا۔ چاچا سوہنا حسب معمول صحن میں تنہا بیٹھا سوچوں میں گم تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے سر اٹھایا اور اندر کی طرف منہ کر کے آواز دی۔

’’چھاکے ......اُو پتر چھاکے‘‘

چند لمحوں بعد چھاکا اندر سے باہر کر بولا

’’ہاں، ابا۔ ابول، کیا بات ہے؟‘‘

یہ کہہ کر وہ اس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

’’وہ پتر..... آج تو ابھی تک گھر میں ہے، باہر نہیں گیا؟ اپنے لنگڑ سے بھی کوئی بات نہیں کر رہا۔‘‘ چاچا سوہنا اداسی میں یوں بولا جیسے اسے کوئی الجھن ہو۔

’’ہاں ابا۔! آج کچھ بھی کرنے کو دل نہیں کر رہا۔ وہ فہد کے ساتھ سراج گیا ہے نا پنچائت میں نور پور۔ رقم تو انہوں نے ادا کر دی ہے اب زمین نام ہی ہو گی۔ بس یہی سوچ آ جاتی ہے کہ کوئی خطرے والی بات نہ ہو.....‘‘ چھاکے نے تشویش سے کہا تو چاچا سوہنا ایک لمبی سانس لے کر بولا

’’زمین نام ہوتی ہے یا نہیں۔ یہ الگ بات ہے۔ مگر خطرے والی بات یہ ہے کہ پنچائیت میں چوہدری جلال خود جائے گا۔ اس لئے کچھ بھی ہوسکتا ہے......‘‘

’’پھر تو ممکن ہے وہاں خطرہ ہو۔‘‘ وہ تیزی سے بولا

’’یہی تو ڈر ہے پتر۔! چوہدری جلال کی بات نہ مانی گئی تو وہ کوئی بھی طوفان کھڑا کر سکتا ہے۔ اس کے پاس تو غنڈوں کی فوج ہے۔‘‘ چاچے سوہنے نے کہا

''اب کیا ہو سکتا ہے ابا'' وہ پھر تشویش سے بولا

''اللہ خیر کرے گا۔ ہم تو بس دعا ہی کر سکتے ہیں نا'' اس نے یوں کہا جیسے خود کو تسلی دے رہا ہو۔

''ہاں ابا! اللہ خیر کرے گا۔ تو آرام کر۔ میں تیرے لیے دوکان سے بوتل لے کر آتا ہوں'' یہ کہتے ہوئے چھا کا اٹھا اور باہر کی جانب چل دیا۔ چاچا سوہنا کچھ دیر بیٹھا سوچتا رہا پھر خاموشی سے لیٹ گیا۔

٭٭٭

دن کا پہلا گذر چکا تھا۔ نور پور پر سورج اپنی آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ سرکاری عمارتوں میں ریونیو آفس کی گیروے رنگ کی عمارت کے سامنے چوہدری جلال کی گاڑی آ کر رک گئی۔ منشی نے جلدی سے باہر نکل کر چوہدری کے لیے دروازہ کھولا۔ چوہدری جلال بڑے کروفر سے باہر نکلا ہی تھا کہ وہیں پر فہد کی گاڑی آ رکی۔ اگلے ہی لمحے کار میں سے فہد باہر آ گیا تو منشی نے تیز مگر آہستگی سے کہا

''یہ ہے وہ فہد۔''

فہد کی نگاہ چوہدری جلال پر پڑی تو اس کے کانوں میں برسوں پہلے کی آواز گونجی گئی کہ ''میں کمی کمینوں لوگوں سے کلام نہیں کرتا۔''

ایسا ہی حال کچھ چوہدری کا بھی تھا۔ برسوں پہلے کا کمزور سا لڑکا اب بھرپور جوان ہو کر اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے تب جس نفرت سے کہا تھا کہ ''میرے استاد کی شان میں گستاخی مت کرو'' وہ آج بھی ویسی ہی نفرت اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو چند لمحے دیکھتے رہے۔ تبھی منشی نے کہا

''چلیں چوہدری صاحب اندر۔''

چوہدری نے کچھ نہیں کہا بلکہ خاموشی سے بڑے کروفر کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ سراج اس دوران فہد کے پیچھے آن کھڑا ہوا تھا۔ اس نے فہد کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر ہلکے سے دبایا تو وہ بھی اندر کی جانب چل دیا۔

ریونیو آفس کے اندر فہد، چوہدری جلال، سراج، ریونیو آفیسر چاچا عمر حیات اور دوسرے چند معززین بیٹھے ہوئے تھے۔ ریونیو آفیسر نے بات کا آغاز کرتے ہوئے کہا

''یہ سب معززین نور پور کے ہیں۔ انہیں میں نے دعوت دی ہے کہ آپ یہاں آئیں تا کہ ہم کسی فیصلے پر پہنچیں۔ جی پہلے چوہدری صاحب۔! آپ فرمائیں۔''

چوہدری جلال نے سب کی طرف دیکھا اور پھر سنجیدگی سے اپنا موقف کہنے لگا

''عمر حیات اور اس کے بھائیوں میں کافی عرصے سے تنازعہ چل رہا ہے۔ ان کا فیصلہ میرے پاس ہی تھا۔ عمر حیات کے بھائیوں کا یہ کہنا ہے کہ کوئی دوسرا آدمی نقد رقم دکھا کر بہت تھوڑی قیمت پر زمین ہتھیا رہا ہے۔ اسی سلسلے میں وہ بے چارے میرے پاس آئے کہ وہ تو زیادہ قیمت دینے کو تیار ہیں، کیونکہ حق تو عمر حیات کے بھائیوں کا بنتا ہے۔ عمر حیات کو اگر اپنے بھائیوں سے اچھی رقم مل رہی ہے تو زمین

انہیں دے دینا چاہیئے۔‘‘

’’آپ کیا کہتے ہیں فہد صاحب۔؟‘‘ ریونیو آفیسر نے فہد کی طرف دیکھ کر کہا

’’پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ چوہدری صاحب جو ہیں۔ یہ فریق بن کر آئے ہیں یا منصف؟‘‘

’’ظاہر ہے وہ پنچائتی ہیں، عمر حیات کے بھائیوں نے ان سے فیصلہ کروانا چاہا، اسی لئے انہیں یہاں بلایا ہے۔‘‘

’’معاملہ۔ میرے اور چاچے عمر حیات کا ہے۔ درمیان میں یہ چوہدری کیا کر رہا ہے۔‘‘ فہد نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا تو چوہدری نے غصے میں اس کی طرف دیکھا۔ فہد نے ایک جھٹکے میں اس کی ذات کی نفی کر کے رکھ دی تھی۔ اس پر چوہدری جلال خود پر قابو پاتے ہوئے کہا

’’یہ میرے علاقے کے لوگ ہیں۔ میرے پاس اپنی استدعا لے کر آئے ہیں۔ اب میں ان کے حق نہیں بچاؤں گا تو اور کون بچائے گا۔‘‘

’’جس بندے نے برس ہا برس سے ایک غریب کسان کی زمین دبا رکھی ہو اور اس کے گھر پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہو۔ کیا ایسا آدمی پنچائیتی کہلانے کا حق دار ہے۔ اس بات کا فیصلہ چوہدری سے کروالیں کیونکہ یہ منصف تو کیا پنچائتی کہلانے کا حقدار بھی نہیں ہے۔‘‘ فہد نے طنزیہ لہجے میں کہا تو چوہدری ایک دم سے چونک گیا۔ فہد نے اصل بات سے پہلے ہی اس کو ذہنی طور پر کچل کے رکھ دیا تھا۔ اس پر شہر کے ایک معزز نے پوچھا

’’چوہدری صاحب۔! یہ کیا بات ہے۔ آپ اس کا جواب دیں گے؟‘‘

’’یہ فقط اصل بات سے گمراہ کر رہا ہے۔ جس مسئلے کے لیے ہم یہاں بیٹھے ہیں، وہ حل کریں۔‘‘ چوہدری نے ہوش مندی سے کہا تو فہد تیزی سے بولا

’’چلیں، فیصلہ یہیں کرتے ہیں۔ اگر میرا کہا جھوٹ ثابت ہو جائے تو میں یہ زمین نہیں لوں گا، اور نہ رقم واپس لوں گا۔ اور اگر یہ چوہدری جھوٹا ثابت ہوا تو اس کی سزا کیا ہوگی؟‘‘

’’جواب دیں چوہدری صاحب، خاموش کیوں ہیں۔‘‘ اس معزز نے پھر اسے پوچھا

’’اصل میں اس کے باپ نے چوری کی تھی اور......‘‘ چوہدری جلال نے غصے میں کہا تو فہد ایک دم سے بھڑک اٹھا۔ اس نے انتہائی غصے میں کہا

’’بکواس بند کرو چوہدری۔! میرے باپ پر الزام لگاتے ہوئے تمہیں شرم آنی چاہیے...... سچ تو ہے کہ تم نے اپنے بندوں کے ذریعے...... میرے باپ پر ظلم کر کے علاقہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا...... آج انصاف کا پیکر بنے...... علاقے والوں کے حقوق کی حفاظت ہارے بات کر رہے ہو...... خبردار۔! میرے باپ کی شان میں گستاخی کی تو...... ایسی ہی غلطی تم ایک بار پہلے بھی کر چکے ہو۔‘‘

''فہد صاحب۔! یہ کیا ہو گیا ہے آپ کو۔ آپ خود پر قابو رکھیں۔ پرسکون ہو جائیں پلیز'' ریونیو آفیسر نے جلدی سے اسے روکتے ہوئے کہا

''اصل میں اس بندے نے میری زمین دبائی ہوئی ہے۔ اگر واپس کر دیتا تو مجھے نئی زمین خریدنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ اور جب زمین کا مالک اپنی زمین بیچنے کے لیے راضی ہے تو یہ پنچائتی کون ہے جو دوسروں کا وقت برباد کر رہا ہے۔'' فہد نے صاف لفظوں میں کہا تو دوسرا معزز بولا

''جس نے زمین بیچنی ہے وہ کیا کہتا ہے؟''

اس پر ریونیو آفیسر نے عمر حیات سے پوچھا

''عمر حیات۔! کیا آپ نے اپنی زمین بہ رضامندی و رغبت اور پوری قیمت پر فروخت کی ہے؟''

''جی بالکل۔! مجھے پوری ادائیگی ہو گئی ہے۔ یہ اس چیک کی نقل ہے جو فہد نے مجھے دیا ہے۔ رقم میرے اکاؤنٹ میں ہے۔ رقم مجھے مل گئی۔'' اس نے صاف انداز میں اپنا بیان دے دیا

''اگر آپ کے بھائی لینا چاہیں تو؟ اتنی رقم تو وہ بھی دے رہے ہیں۔'' ریونیو آفیسر نے پوچھا

''میں ان کے ہاتھوں زمین بیچنا ہی نہیں چاہتا۔ وہ کم تو کیا۔ ایک ٹکا بھی نہیں دینا چاہتے۔ یہ میں جانتا ہوں، اس کی وجہ میرے اپنے خاندانی معاملات ہیں۔ میں نے زمین فہد کو بیچ دی ہے۔ فقط عدالت ہی میں نہیں ہر جگہ میرا یہی بیان ہے۔'' عمر حیات نے کہا

''اب کیا کر سکتے ہیں چوہدری صاحب۔! مالک رقم لے چکا ہے۔ اس نے راضی خوشی اپنی زمین بیچ دی۔'' ریونیو آفیسر نے چوہدری کی طرف دیکھ کر کہا

''اس کا فیصلہ تو اب عدالت میں ہوگا۔ جو اس کے بھائیوں کا قانونی حق ہے۔'' یہ کہتے ہوئے چوہدری اٹھنے لگا تو فہد نے طنزیہ انداز میں کہا

''میدان چھوڑ کر مت بھاگو چوہدری۔ اس طرح تم ان معزز لوگوں کے فیصلے کی توہین کر رہے ہو۔''

''اگر تم میں ہمت ہے تو اپنی زمین واپس لے لو......'' چوہدری جلال نے اپنی طاقت کے خمار میں وہ کہہ دیا جو نہیں کہنا چاہیے تھا۔ یہ کہہ کر وہ تیزی سے چلا گیا۔ وہاں پر موجود سب لوگ اس کی طرف دیکھتے رہ گئے۔ بلاشبہ یہ ان سب لوگوں کی ہتک تھی۔ کافی دیر تک ان کے درمیان خاموشی چھائی رہی۔ تب ریونیو آفیسر نے سب کی طرف دیکھ کر پوچھا

''تو پھر کیا فیصلہ ہے آپ لوگوں کا؟''

''حق تو فہد ہی کا بنتا ہے۔'' ایک معزز نے کہا تو اس کی تائید وہاں موجود سب نے کر دی۔ اس پر ریونیو آفیسر نے فیصلہ کن انداز میں کہا

''فہد۔! آپ اطمینان رکھیں۔زمین آج ہی آپ کے نام کر دیتے ہیں۔''

''تھینک یو۔آفیسر۔!'' فہد سکون سے بولا

''لیکن اب آپ کو بہت محتاط رہنا ہوگا۔آخر وہ علاقے کا ایم این اے ہے۔میرا تو زیادہ سے زیادہ تبادلہ کروا دے گا۔اس سے زیادہ کیا کر سکتا ہے۔'' ریونیو آفیسر نے پھیکی سی مسکراہٹ سے کہا تو فہد سر ہلاتے ہوئے بولا

''میں جانتا ہوں سر۔''

ریونیو آفیسر نے وہاں آئے لوگوں کا شکریہ ادا کیا اور ان کے ساتھ اٹھ گیا۔سراج اور فہد بھی باہر نکلتے چلے گئے۔

''کیا چوہدری اتنی آسانی کے ساتھ زمین سے دستبردار ہو جائے گا؟'' سراج نے پوچھا تو فہد نے دھیمے سے کہا

''نہیں سراج ابھی کہاں۔!اب جا کر تو میں نے سانپ کے بل میں ہاتھ ڈالا ہے۔''

''وہ کیسے؟ میں سمجھا نہیں،سانپ کے بل میں ہاتھ؟'' سراج نے حیرت سے پوچھا

''ہاں۔!وہ چاچے عمر حیات کی اسی زمین کو حاصل کے لیے بڑے لمبے عرصے سے محنت کر رہا تھا۔اسی نے ان بھائیوں میں پھوٹ ڈلوائی ہوئی تھی۔عین اس وقت پر جب چاچا عمر حیات بے بس ہو گیا تھا،یہ زمین میں نے لے لی۔تم کہہ سکتے ہو سراج یہ زمین میں نے چوہدری سے چھینی ہے۔'' فہد نے سنجیدگی سے کہا

''واقعی فہد،وہ اس چوٹ کو کیسے برداشت کر سکتا ہے۔وہ کوئی نہ کوئی ہنگامہ ضرور کرے گا۔اب ہمیں بہت محتاط رہنا ہوگا۔'' سراج نے سوچتے ہوئے کہا

''میں تو کہتا ہوں وہ کوئی نہ کوئی ہنگامہ کرے میرے ساتھ۔کوئی وار کرے مجھ پر،جس کا میں خود دفاع کروں اور اسے اس کی اوقات بتاؤں کہ تھانے کچہری کی سیاست کرنے والے،صرف لوگوں کو خوف زدہ کر کے ہی اپنی حکمرانی قائم رکھ سکتے ہیں۔عوام کو فائدہ نہیں دے سکتے۔'' فہد نے غصے میں کہا جیسے اس کا خود پر بس نہ چل رہا ہو،برسوں بعد اپنے اس دشمن کو سامنے دیکھا تھا،جس کے لئے اس نے اپنی زندگی تیاگ دی تھی۔اس کی حالت سے بے نیاز سراج نے عمارت سے باہر نکلتے ہوئے پوچھا

''یار ایسے لوگ ایوانوں میں جا کر کیا کرتے ہیں۔''

''صرف اپنے مفادات کا تحفظ،یہ قومی مفاد کیا سوچ سکتے ہیں۔سچ پوچھو تو ایسے لوگ چپڑاسی بننے کے قابل نہیں ہوتے۔جن کے ہاتھوں میں بے روزگاروں کے لیے نوکریاں دے دی جاتی ہیں اور وہ ان کی بولی لگاتے ہیں......تف ہے ایسی سوچ پر۔'' فہد نے غصے میں حقارت سے کہا تو سراج بولا

''خیر اب ہمیں سوچنا ہے کہ چوہدری کیا کر سکتا ہے؟''

''جو بھی کرے،میں تو ہر وقت تیار ہوں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور ایک دوسرے دفتر کی جانب چل پڑا،جہاں زمین اس کے نام ہونی تھی۔

قسمت نگر آ جانے تک ان میں خاموشی رہی۔ یہاں تک کہ گاؤں کا چوراہا آ گیا۔ سراج وہیں اتر کر رک گیا جبکہ فہد چلا گیا۔ وہاں کافی سارے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ سراج ایک جگہ چارپائی پر جا کر بیٹھ گیا تو ایک بزرگ نے پوچھا

”اوئے سراج، کیا بنا پر زمین کے فیصلے کا۔ سنا ہے تم بھی نور پور گئے تھے۔“

”ہونا کیا تھا، چاچے عمر حیات نے زمین بیچی، فہد نے خریدی۔ اللہ اللہ خیر صلا۔ زمین فہد کے نام ہو گئی۔“

ہائیں۔! ایچی ایسا ہو گیا، چوہدری نے کچھ نہیں کہا۔ اس کے ہوتے ہوئے زمین کیسے فہد کے نام ہو گئی؟“ وہاں موجود ایک بندے نے حیرت سے تبصرہ کیا

”جیسے ہوتی ہے۔ اوئے چوہدری کا صرف خوف طاری ہے تم لوگوں پر۔ ڈرتے ہو تم لوگ۔ اس لیے وہ ظلم کرتا ہے۔ ورنہ وہ کوئی اتنا دلیر نہیں ہے۔“ سراج نے کہا

”بات دلیر یا بزدل کی نہیں، وہ طاقت ور ہے۔ یہ حقیقت ہے۔ تم لوگوں کو پتہ اس وقت لگے گا جب زمین کا قبضہ لو گے۔ قبضہ لینا ہی تو سب سے بڑا کام ہے۔“ اس بزرگ نے خوف زدہ انداز میں کہا

”چاچا عمر حیات تو ابھی قبضہ دے رہا ہے۔ وہ تو......“ سراج نے کہنا چاہا تو دوسرا بندہ بات کاٹ کر بولا

”وہ نہیں۔۔! اس کے بھائی۔ زمین پر قدم نہیں رکھنے دیں گے۔ چوہدری بھی ان کے ساتھ ہے۔ تیری رجسٹریاں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔ ایویں ہی خوش نہ ہوتے پھرو۔“

”تم لوگ یونہی ڈرتے رہو اور دوسروں کو ڈراتے رہو اس سے لیکن اب ہم نہیں ڈرنے والے۔ قبضہ بھی لے لیں گے۔“ سراج نے دلیری سے کہا

”جب لو گے تبھی نا۔“ پہلے نے طنزیہ انداز میں کہا

”تم لوگ بھی یہیں ہو، ہم بھی یہیں ہیں۔“ سراج بولا

”ویسے وہاں پر ہوا کیا۔ یہ تو بتاؤ۔“ بزرگ نے پوچھا تو سراج روداد بتانے لگا۔

❁......❁......❁

جعفر اپنے گھر کے ڈرائنگ روم میں باہر جانے کے لئے تیار بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر خوشی کا تاثر تھا۔ وہ چند لمحے سوچتا رہا پھر اپنا سیل فون نکال کر نمبر پش کر دیئے۔

دوسری طرف مائرہ لیپ ٹاپ پر مصروف تھی۔ سیل فون بجنے پر چونک اٹھی۔ اس نے اسکرین پر نمبر دیکھے تو مسکراتے ہوئے فون رسیو کرتے ہوئے بولی

”ہیلو جعفر، کہو کیا بات ہے۔“

''کیا ہو رہا ہے؟'' جعفر نے خمار بھرے لہجے میں کہا تو مائرہ نے شوخ انداز میں جوب دیا

''کام کر رہی ہوں۔تمہاری طرح مزدوری نہیں۔''

''اب اگر میں کہوں کہ آؤ، کہیں بیٹھ کر کچھ کھاتے پیتے ہیں اور کچھ باتیں کرتے ہیں، تو کیا کہو گی؟'' اس نے شرارت سے کہا تو مائرہ مسکراتے ہوئے بولی

''میں یہ کہوں گی کہ میرے پاس فضول کاموں کے لیے وقت نہیں ہے، تو پھر؟''

''تو پھر تم ایک بہت ہی اہم نیوز سے محروم رہ جاؤ گی۔'' اس نے سکون سے کہا۔اس پر مائرہ چونکتے ہوئے بولی ''نیوز ...... کیسی نیوز؟''

''وہ جس نے تمہیں دھمکی دی تھی نا۔میں نے اسے تلاش کر لیا ہے۔'' جعفر نے عام سے لہجے میں کہا تو مائرہ خوش ہوتے ہوئے بولی

''واؤ...... کیسے؟ کیسے تلاش کیا؟''

''میں نے ان کی ساری انفارمیشن لے لی ہے۔اور خود ایکشن کروں گا اور بہت جلد وہ گرفتار ہو جائیں گے۔'' اس نے بتایا تو مائرہ پر جوش ہوتے ہوئے بولی

''اوکے۔! مجھے بہت خوشی ہوئی۔اس دھمکی دینے والے کو مجھے ایک بار دکھانا ضرور، لیکن یہ سب کیسے ہوا، اتنی جلدی تم نے انہیں کیسے تلاش کر لیا، وہ کس گینگ......''

''صبر صبر، اتنی جلدی کیا ہے۔اندر کا صحافی جاگ اٹھا ہے۔میں بتا دوں گا لیکن ابھی میرے پاس وقت نہیں ہے۔'' جعفر نے اپنی ہنسی دباتے ہوئے کہا تو مائرہ خجل سی ہوتے ہوئے، مگر پیار کے ساتھ بولی

''بدلہ لے رہے ہو نا۔''

''بالکل بھی نہیں، بس تم سے ملنے کا بہانہ بنا رہا ہوں۔'' اس نے صاف کہہ دیا۔

''یہ بات ہے، تو چلو ٹھیک ہے۔میں کچھ دیر بعد یہاں سے نکلتے ہوئے تمہیں کال کروں گی۔وہیں پارک میں ملتے ہیں۔میں نے تم سے ایک بات بھی کرنی ہے۔اب کہیں ڈیوٹی کا بہانہ کر کے نہ نکل جانا۔'' مائرہ نے پیار سے کہا

''ٹھیک ہے جناب، میں انتظار کروں گا۔آنکھیں فرش راہ کر کے۔'' یہ کہہ کر اس نے مسکراتے ہوئے فون بند کر دیا۔تبھی مائرہ بھی فون بند کرتے ہوئے خیالوں میں کھو گئی۔پھر بہت ہی پیارے انداز میں مسکراتے ہوئے ایک دم شرما گئی۔

شام کے سائے تیزی سے پھیلتے جا رہے تھے۔جعفر اور مائرہ دونوں پارک میں ٹہلتے ہوئے جا رہے تھے۔وہ باتیں کرتے ایک بنچ پر جا کر بیٹھ گئے تو مائرہ نے پوچھا

''ہاں اب بتاؤ جعفر...... کیسے معلوم ہوا تمہیں اس کے بارے میں؟''

''یہ بہت آسان تھا۔ میں اس گینگ کے پیچھے کافی دنوں سے ہوں۔ اور دوسرے طریقوں کے علاوہ میں ان کے نمبرز بھی چیک کررہا ہوں۔ بس وہ نمبر میرے سامنے آگیا تو میں جان گیا کہ وہ کون ہے۔'' اس نے عام سے انداز میں کہا تو مائرہ نے تجسس سے پوچھا

''کون ہیں وہ؟''

''وہی جن کے بندے ہم نے اندر کیے ہوئے ہیں۔ بہت پریشر ہے ان کے بارے میں کہ میں ان کو چھوڑ دوں۔ نوٹوں کی گڈیاں اٹھائے پھر رہے ہیں۔'' وہ بولا

''اور تم مان نہیں رہے نا۔ اگر انہوں نے یہ محسوس کیا کہ ان کی بات نہیں بنے گی تو وہ تمہیں جانی نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں؟'' مائرہ نے تیزی سے کہا

''ہاں تو اور کیا پیار کریں گے۔ اس کے لیے میں ہر وقت تیار ہوں، موت تو آنی ہے۔'' جعفر نے کہا تو مائرہ تڑپ کر بے ساختہ بولی

''اللہ نہ کرے۔'' پھر جعفر کے احساس کرنے پر خود ہی شرما کر کہا،'' مجرم کا کیا ہوتا ہے وہ..... خیر کیا تم نے ان کو پکڑنے کا پلان کر لیا ہے؟''

''ہاں کر لیا ہے۔''

''دیکھا جعفر۔! اگر دوست ایک دوسرے کا ساتھ دیں تو بڑے سے بڑے مسئلے حل ہو جائیں۔ جیسے تم نے کوشش کر کے ان دھمکی دینے والوں کا تلاش کر لیا۔ ویسے تمہارا میرے لیے پریشان ہونا مجھے بہت اچھا لگا۔'' وہ شرماتے ہوئے بولی تو جعفر کو بہت اچھا لگا۔ تبھی وہ پیار سے بولا

''ایک تم ہی تو میری دوست ہو۔ بلکہ دوست سے بھی بڑھ کر جس کا خیال رکھنا ہی، میری زندگی ہے۔ اس تعلق میں اک اعتبار ہی تو ہے۔ مان ہوتا ہے نا، اور مائرہ یہ تعلق ہر کسی سے ہو بھی نہیں سکتا۔''

''بالکل جیسے میں اور تم۔! کتنے برس سے ہم ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ دوست ہیں، ساتھ پڑھے۔ پھر ملتے بھی رہے۔ فہد کے چلے جانے کے بعد ہم اچانک ایک دوسرے کے اتنے قریب آگئے۔ ایسا کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ ہماری قربت اعتبار اور مان کا اظہار ہی تو ہے۔'' مائرہ اپنی سوچ واضح انداز میں کہہ دی

''مجھ پر اعتبار کرنے کا اور مان دینے کا بہت شکریہ مائرہ۔!'' وہ اس کے لفظوں سے سرشار ہوتا ہوا بولا

''شکریہ کہہ کر مجھے چھوٹا مت کرو جعفر۔! حقیقت یہ ہے کہ فہد کے جانے کے بعد، جس طرح میں ٹوٹ گئی تھی اور جیسا مجھے سہارا تم نے دیا، اس پر تو میں تمہاری احسان مند ہوں۔ وہ نجانے کب لوٹ آئے گا۔ میرے انتظار کی اذیت تم نے کم کی ہے جعفر۔!'' وہ اداس ہوتے ہوئے بولی تو جعفر نے کہا

''میں تمہارا دوست ہوں نا۔ میں نے ہی خیال نہیں رکھنا تو پھر کسی اور نے خیال کرنا تھا۔''

''تم فقط میرے دوست ہی نہیں، اس سے بھی بہت کچھ بڑھ کر ہو۔ ہم ایسا کیوں نہیں کرتے، ہم دونوں مل کر بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ تمہارا ساتھ نہ صرف حوصلہ دیتا ہے بلکہ نیوز کی دنیا میں تہلکہ مچا سکتے ہیں۔'' مائرہ نے اچانک کہا اور کہہ کر مسکرا دی اس پر جعفر بھی مسکراتے ہوئے بولا

''ضرور۔! یہ اچھا ہے، سارا دن تمہیں یاد کر کے بور ہونے سے تو بہتر ہے۔''

اس پر مائرہ نے ہلکا سا قہقہہ لگایا تو اک جلترنگ کا سا احساس چاروں طرف بکھر گیا۔ وہ کچھ دیر تک خاموش رہے۔ پھر جعفر نے کہا

''آؤ، کہیں سے کھانا کھاتے ہیں۔''

اس پر مائرہ نے مسکراتے ہوئے کہا

''چلو، کھانا بھی تمہاری پسند کا میری طرف سے۔''

دونوں ایک ساتھ اٹھے اور پارک سے باہر کی جانب چل دیئے۔ سورج مغرب میں اتر چکا تھا۔

❁.......❁.......❁

رات کا اندھیرا پھیل گیا تھا۔ چوہدری جلال حویلی کے ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوا تھا۔ ریونیو آفس سے واپسی پر چوہدری جلال بہت غصے میں تھا، کسی میں اتنی جرات نہیں تھی کہ اس سے بات کر سکے۔ ان اس کا غصہ کم ہوا تھا تو منشی بھی اس کے پاس آ کر تبصرہ کرتے ہوئے بولا

''لگتا ہے ریونیو آفیسر اس کے ساتھ مل گیا ہے۔ حالانکہ میں رات اس سے مل کر اور اسے بتا کر آیا تھا۔ اور فہد، اس نے بھی ذہانت دکھانے کی کوشش کی ہے۔ ویسے اگر وہ عمر حیات والی زمین لے گیا۔ تو ہماری شکست ہوگی۔ کم از کم ہم اسے ایسا نہیں کرنے دیں گے۔''

''او نہیں کوئی شکست نہیں ہے۔ میں خود اس کا زور دیکھنا چاہتا ہوں۔ وہ کہاں تک کیا کرتا ہے۔ میں اس کا بندوبست کر دوں گا۔ چاہے وہ اس کی اپنی زمین کا ٹکڑا ہے یا عمر حیات سے خریدی ہوئی زمین۔'' چوہدری جلال نے بڑے سکون سے کہا

''چوہدری صاحب! ایک طرف اسے آپ ذہین کہہ رہے ہیں اور دوسری جانب اس کا زور دیکھنا چاہتے ہیں۔ سمجھ نہیں آئی بات۔'' منشی نے الجھتے ہوئے کہا

''میں نے اس کے بارے میں فیصلہ کر لیا ہوا ہے۔ اسے کس حد تک جانے کی اجازت دینی ہے۔ یہ میں جانتا ہوں۔ میں یہ بھی دیکھنا چاہتا ہوں منشی، کہ اس علاقے کے لوگ ہمارے ساتھ کس حد تک وفادار ہیں۔'' چوہدری جلال نے کہا تو اس کے لہجے میں شکوے اور غصے کی ملی جلی کیفیت تھی۔ اس پر منشی نے الجھتے ہوئے رائے دی۔

''آپ کی باتیں آپ ہی جانیں۔ لیکن میرا یہ خیال کہتا ہے کہ اب اسے ڈھیل نہیں دی جا سکتی۔ وہ ہمارے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔''

''ہاں، اب اس کا راستہ روکنا ہی ہوگا۔لیکن کیسے، یہ میں بعد میں بتاؤں گا۔'' یہ کہہ کر چوہدری جلال خاموش سے سوچنے لگا۔تبھی پورچ میں گاڑی رکتی ہے۔وہ اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔تبھی چوہدری کبیر غصے میں دندناتا ہوا اندر آ گیا،اس نے ایک نگاہ اپنے باپ پر ڈالی اور دانت پیستے ہوئے پوچھا

''باباجی۔!یہ میں کیا سن رہا ہوں۔اس فہد کے بچے نے آپ کے ساتھ بدتمیزی کی ہے۔''

اس پر چوہدری جلال نے اس کی طرف ایسی نگاہوں سے دیکھا کہ کبیر کے اندر آگ دھڑ دھڑ جلنے لگی۔

چوہدری جلال اپنے بیٹے کے اندر کو سمجھ چکا تھا۔وہاں بھی آگ بھڑک اٹھی تھی۔اس کی آنکھوں کی سرخی اس کا اندر عیاں کر رہی تھی ۔وہ ایک دم سے خوف کھا گیا کہ یہ آگ کہیں اس کے اپنے خرمن ہی کو نہ لگ جائے۔اس لئے بڑے تحمل سے بولا

''بدتمیزی نہیں، یہ اس کے اندر کی آگ بھڑک رہی تھی۔مجھے نہیں اندازہ تھا کہ اس کے اندر اتنی آگ بھری ہوئی ہے۔لگتا ہے وہ بچپن سے اسی آگ میں جل رہا ہے۔''

''بابا۔!اس سے پہلے کہ اس کے اندر کی آگ ہم تک پہنچے،اسے اس کی اپنی آگ ہی میں جلا دینا چاہیے۔'' چوہدری کبیر نے انتہائی غصے میں کہا تو چوہدری جلال بولا

''کیسے؟ کیا اسے تم گولی مار دو گے؟ یہ گولی مارنا جتنا آسان ہے۔ہمارے لیے یہ اتنا ہی مشکل ہو جائے گا۔ہمارا سیاسی کیریئر داؤ پر لگ جائے گا۔یہ تم کیوں نہیں سمجھتے ہو۔وہ اگر یہاں واپس آیا ہے تو کچھ سوچ کر ہی آیا ہے۔''

''اس کی ساری سوچیں، اسی کے ساتھ ختم ہو جائیں گی بابا۔ریونیو آفس میں اس کی بدتمیزی کا یہی مطلب ہے کہ اس نے ہمیں للکارا ہے۔اس کا جواب تو ہمیں دینا ہی ہوگا۔'' وہ تیزی سے بولا

''کبیر۔!اگر ہم فقط جاگیردار ہوتے تو اب تک اس کی زبان گدی سے نکال کر زبان پر رکھ دیتے۔اور نہ ہی اس کی اتنی اوقات ہے کہ ہمارے سامنے آ کر کھڑا ہو جائے۔وہ ساری عمر بھی لگا رہے تو ہمارے قد کو نہیں چھو سکتا۔معاملہ کچھ اور ہے۔'' چوہدری جلال نے سوچتے ہوئے لہجے میں کہا تو چوہدری کبیر نے الجھتے ہوئے پوچھا

''آپ کیا کہنا چاہتے ہیں، کیا معاملہ ہو سکتا ہے؟''

''میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ حالات پر غور کرو۔اور پھر فہد کا گاؤں میں آجانا۔یہاں کے ڈی ایس پی نے یونہی فون نہیں کر دیا تھا۔تمہارے خلاف پہلی بار جس بے جا کی ایف آئی آر درج ہونا، یہ سب ایک ہی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔میں نے پتا کیا ہے۔ڈی آئی جی سے کہلوایا گیا تھا۔کوئی طاقت ہے جو ہمارے خلاف ہو چکی ہے۔فہد ایک نقاب ہے۔اصل طاقت کا چہرہ اس کے پیچھے چھپا ہوا ہے۔''

چوہدری جلال نے یوں کہا جیسے وہ معاملے کہ تہہ تک پہنچ گیا ہو۔اس پر چوہدری کبیر نے انتہائی حقارت سے کہا

''تو پھاڑ دیتے ہیں یہ نقاب۔دیکھتے ہیں پھر کون سامنے آتا ہے۔آپ اس کھیل کو جتنی دیر تک سمجھیں گے،اس وقت تک سارا

کھیل بگڑ چکا ہوگا بابا۔ مجھ سے جو ہو سکا، میں وہ کردوں گا، لیکن فہد کا پتہ صاف کرنا بہت ضروری ہے۔ میں اسے معاف نہیں کر سکتا۔“

وہ دونوں باپ بیٹا باتیں کر رہے تھے کہ اس دوران منشی فون سیٹ لے کر قریب آ گیا۔ چوہدری جلال نے اس کی طرف دیکھا تو منشی نے مودبانہ انداز میں کہا

”یہ جی منسٹر صاحب کا فون ہے۔“

چوہدری نے بڑے سکون سے فون پکڑا، اور کان سے لگاتا ہوا بولا

”جی منسٹر صاحب۔! کیسے یاد کر لیا ہمیں۔“

”پارٹی کا ایک ہنگامی اجلاس ہے، آپ فوراً آ جائیں۔ یہ اجلاس، اسمبلی سیشن سے پہلے بہت ضروری ہے۔ ایم این اے حضرات کو گرانٹیں دی جا رہی ہیں۔ پھر مت کہیے گا کہ ہم نے آپ کو خبر نہیں دی۔“

چوہدری کبیر چند لمحے رک کر اپنے باپ کی طرف دیکھتا رہا پھر غصے میں اٹھ کر چل دیا۔ چوہدری فون کرتے ہوئے اسے دیکھتا رہا مگر روکا نہیں۔ وہ اس کی آنکھ میں اترا ہوا خون دیکھ چکا تھا، لیکن پھر بھی وہ مسلسل بات کرتا رہا۔

”یہ اجلاس کب ہے منسٹر صاحب؟“

”کل صبح، آپ بس آ جائیں۔“

”میں آج ہی نکل رہا ہوں۔ اور کوئی بات؟“

”نہیں بس آپ آ جائیں، باقی باتیں ادھر ہو جائیں گیں۔ اللہ حافظ۔“

دوسری طرف سے فون بند کر دیا گیا۔ چوہدری نے بھی فون واپس منشی دے دیا اس کے چہرے پر خوشی پھیل گئی تھی۔ یہ خوشی عارضی تھی۔ جیسے ہی اسے کبیر کا خیال آیا۔ وہ اپنی سوچوں میں کھو گیا۔ وہ اٹھا اور اندر چلا گیا۔ وہ کاریڈور میں آیا تو اس کا سامنا بشریٰ بیگم سے ہوا۔ چوہدری خاموشی سے آ کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔ اُسے سوچ میں گم دیکھ کر بشریٰ بیگم نے فکر مندانہ لہجے میں پوچھا

”کیا بات ہے۔ آپ بہت پریشان لگ رہے ہیں۔“

”بیگم۔! آج تک میں نے دنیاداری کے بے شمار بکھیڑوں کو کسی پریشانی کے بغیر ختم کیا ہے لیکن ایک جگہ آ کر میں تھوڑا پریشان ضرور ہو جاتا ہوں اور وہ ہے تیرا بیٹا کبیر۔“ چوہدری جلال نے سوچتے ہوئے کہا

”کیا ہوا اسے، آپ اس کی کس بات سے پریشان ہیں؟“ بشریٰ بیگم نے خود پریشان ہوتے ہوئے پوچھا

”اس کا غصہ، سوچے سمجھے بغیر کسی پر چڑھ دوڑنا۔ میں مانتا ہوں کہ طاقت ہوگی ہمارے پاس تو یہ لوگ ہمارے سامنے سر نہیں اٹھا سکیں گے۔ لیکن وہ نہیں جانتا کہ ہر جگہ طاقت کا استعمال غلط بھی ہوتا ہے۔ اسے سمجھاؤ، جہاں طاقت کی ضرورت ہوتی ہے، وہاں طاقت استعمال کرتے ہیں۔ اور جہاں عقل مندی کی ضرورت ہوتی ہے وہاں عقل سے کام لیتے ہیں۔“ چوہدری جلال نے کہا تو بشریٰ بیگم بولی

''آج آپ کو کیا ہو گیا ہے۔ پہلے آپ نے کبھی ایسا نہیں سوچا تھا۔ کبیر جو مرضی کرتا پھرے آپ نے کبھی اسے نہیں روکا ٹوکا تھا۔ اب کیا ہو گیا ہے؟''

''اس کے منہ کو خون لگ گیا ہے بیگم۔ میں مانتا ہوں کہ میں اسے کبھی نہیں روکا ٹوکا۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ وحشی ہو جائے۔'' وہ تلخی سے بولا

''آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔ میں آپ کو ایک بات بتاؤں۔ وہ پہلے ایسا نہیں تھا، میں اسے سمجھتی ہوں۔ کچھ عرصہ ہوا ہے، وہ بہت چڑ چڑا ہو گیا ہے۔ یوں جیسے وہ کسی معاملے میں بہت بے بس ہو۔'' بشریٰ بیگم نے کہا تو وہ چوہدری نے چونک کر دیکھا اور پھر پوچھا

''ایسی کیا بات ہے۔ کس معاملے میں وہ بے بسی محسوس کر رہا ہے؟''

''میں نے اس پر بہت سوچا ہے چوہدری صاحب، میں نے کوشش بھی کی ہے اس سے اگلوانے کی مگر وہ کچھ بولتا ہی نہیں ہے۔ میں خود اس کے رویے سے پریشان ہوں۔'' بشریٰ بیگم نے بے بسی سے کہا

''اس معاملے کا تو فوراً پتہ چلنا چاہئے۔ کیا بات ہے وہ؟ یہ بہت ضروری ہے'' چوہدری جلال نے تیزی سے کہا

''وہ میرے پاس رہے تو مجھے کچھ معلوم ہو۔ یہاں ہوتا ہے تو زیادہ وقت ڈیرے پر گذارتا ہے۔'' تو بشریٰ بیگم نے تنگ کر کہا تو چوہدری جلال سوچنے والے انداز میں بولا

''تمہارا یہ مشورہ بالکل ٹھیک تھا کہ ہمیں اس کی شادی کر دینی چاہیے۔ تم نے اس سلسلے میں اس سے بات کی؟''

''آپ کچھ فائنل کریں گے تو میں اس سے بات کروں گی۔'' بشریٰ بیگم نے کہا

''تم اس سلسلے میں اس سے بات کرو۔ ہم چند دن میں فیصلہ کر ہی دیتے ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے وہ اٹھ گیا۔ تو بشریٰ بیگم اس کے ساتھ ہی چل دی۔ وہ دونوں اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے تھے۔

چوہدری کبیر غصے میں حویلی سے نکلا اور واپس ڈیرے پر چلا گیا۔ جہاں تھانیدار آ گیا ہوا تھا۔ اس کے سامنے کھانا دھرا ہوا تھا اور وہ بڑی بے دردی سے کھا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر بڑی حیا‌‌‌نہ مسکراہٹ تھی۔ اس نے ہڈی ایک طرف پھینک کر پھر دوسری اٹھائی۔ کبیر اس کی طرف دیکھتا رہا۔ تبھی تھانیدار نے کہا

''نکے چوہدری جی، جب بھی آپ کی دعوت کھائی ہے...... سچ پوچھو نا......تو اس کا سواد ہی کچھ اور ہوتا ہے......پکس آ جاتی ہے۔''

''اور تمہیں یہ بھی پتہ ہو گا کہ میں ایسی دعوت کیوں کرتا ہوں۔'' چوہدری کبیر نے اس کی طرف دیکھ کر سرد سے لہجے میں کہا

''وہ تو میں اسی وقت سمجھ گیا تھا، جب آپ نے دعوت کے لیے مجھے پیغام بھیجا تھا۔ سمجھ گیا تھا اسی وقت۔ باقی آپ بتائیں آپ کیا چاہتے ہیں؟'' اس نے کھانے کی طرف توجہ رکھتے ہوئے پوچھا

''یہ حالات تمہارے سامنے ہیں۔ ایک بندہ ہی قابو میں نہیں آ رہا۔ سنا ہے وہ تمہیں بھی تھانے میں دھمکیاں دے کر آیا تھا۔'' کبیر نے تشویش زدہ لہجے میں کہا

''حالانکہ اسے یہ نہیں معلوم کہ پانی ہمیشہ ہمارے پلوں کے نیچے سے ہو کر گذرتا ہے۔ سچ پوچھو تو ڈھے چوہدری صاحب بہت ناراض ہوئے تھے مجھ پر۔ میں اس دن سے فہد کی تاک میں ہوں کہ میرے ہتھے چڑھے اور میں اپنا کام دکھا دوں۔ پورا پلان میرے ذہن میں تیار ہے کہ مجھے کرنا کیا ہے۔'' تھانیدار نے اس کی طرف دیکھ کر کہا

''کیا کہتے ہو پھر تم اس کے بارے میں۔ حالات سازگار کرو۔ نہال کر دوں گا۔'' کبیر نے پوچھا

''کیوں گنہگار کرتے ہو نکے چوہدری جی، پہلے بھی ہم آپ ہی کا کھاتے ہیں، ان نوکریوں میں بھلا کیا رکھا ہوا ہے۔ میرے لیے اتنا ہی کافی ہیں کہ وڈھے چوہدری صاحب خوش ہو جائیں اور مجھے یقین ہے نکے چوہدری جی......ایک تیر سے تین شکار کروں گا۔'' تھانیدار نے کھانا چھوڑ کر اسے یقین دلایا

''واہ۔! میں بھی تو سنوں، ایسا کون سا تیر ہے تمہارے پاس؟'' کبیر نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا

''میں یہ کھانا کھا لوں پھر آپ کو تفصیل سے بتاتا ہوں کہ کرنا کیا ہے۔'' یہ کہہ کر وہ کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''او یار ابھی تو بہت کچھ پڑا ہے تیرے سامنے۔ کھا، پی موج کر۔ تو بیٹھ اور کھانا کھا، میں ابھی آتا ہوں۔ پھر بات کرتے ہیں۔'' کبیر نے اٹھتے ہوئے کہا

''ٹھیک ہے، میں انتظار کرتا ہوں''

یہ کہہ کر وہ کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ چوہدری کبیر باہر نکل گیا۔ اس کے چہرے پر فکر اور سوچ کے ملے جلے تاثرات تھے۔ وہ اپنے لوگوں کو روکنے جا رہا تھا، جو اس نے فہد کے لئے تیار کئے تھے۔ اب وہ چاہتا تھا کہ پہلے تھانیدار والا معاملہ دیکھ لے، پھر اگلی کوئی بات کرے گا۔

✿......✿......✿

فہد اور ماسٹر دین محمد، دالان میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ اتنے میں سلمیٰ ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ فہد اس کی آمد پر اس کی جانب متوجہ ہوا تو سلمیٰ نے پوچھا

''چلیں وہ زمین تو ہو گی۔ یہ گاؤں میں گھر خریدنے کی ضرورت کیا تھی۔ آپ کے پاس اپنا گھر تو ہے۔''

''اگر سچ پوچھو تو میں نے یہ گھر تمہارے لیئے خریدا ہے سلمیٰ۔'' فہد نے سکون بھرے لہجے میں کہا تو سلمیٰ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا

''میرے لیے، وہ کیوں؟''

''وہ اس لیے سلمیٰ کہ تم نے مجھ سے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ میں کچھ کرنا چاہتی ہوں۔ اور میں چاہتا ہوں کہ تم وہاں پر گاؤں کی بچیوں کے لیئے سکول بناؤ۔ انہیں تعلیم بھی دو اور ہنر مند بھی بناؤ۔ یا پھر جو تم چاہو۔'' فہد نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا

''میں تو کر لوں گی مگر......؟'' وہ کہتے کہتے رک گئی

''مگر کیا، میں اور استاد جی ہیں نا تمہاری مدد کے لیے۔ کیوں استاد جی؟'' اس نے کہتے ہوئے پوچھا تو ماسٹر دین محمد نے سر ہلاتے ہوئے کہا

''اچھی بات ہے۔ بہت اچھی بات ہے۔ میں سمجھ رہا ہوں کہ تم کیا کرنا چاہ رہے ہو۔ دراصل تعلیم ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس سے بندے کو شعور ملتا ہے۔ علم ہی حیوانیت سے انسانیت کی طرف لاتا ہے۔ مگر جس کام کا بیڑا تو نے اٹھایا ہے۔ یہ تکمیل تک پہنچے گا تو فائدہ مند ہو گا۔ ورنہ مایوسی کے بادل مزید گہرے ہو جائیں گے۔ ادھورا مشن لوگوں کا حوصلہ توڑ کر رکھ دے گا۔ لیکن......''

لیکن کیا استاد جی، آپ خاموش کیوں ہو گئے؟'' فہد نے تیزی سے پوچھا تو ماسٹر دین محمد نے کہا

''پتر۔! اس گاؤں کے سکول پر عرصہ ہوا تالا پڑا ہوا ہے۔ اصل مشن تو وہ ہے کہ اس سکول کا تالا کھولا جائے، بچے اس میں جا کر پڑھیں۔ بات صرف تالا کھولنے کی نہیں ہے۔ یہ چوہدری کی طاقت کو چیلنج کرنے والی بات ہو گی۔''

''میں جانتا ہوں استاد جی، آپ دعا کریں۔ اللہ رب العزت ہمیں استقامت اور قوت دے۔ یہ بھی ہو جائے گا۔'' فہد نے اسے حوصلہ دیا

''میری دعائیں تو ہر وقت تمہارے ساتھ ہیں بیٹا۔'' ماسٹر دین محمد نے جذب سے کہا تو سلمیٰ بولی

''بعض اوقات ہم اپنے بارے میں غلط اندازے لگا کر خوش فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ کیا چوہدری......''

''میں کسی بھی طرح کی خوش فہمی نہیں ہوں۔ میں چوہدری جلال کی فرعونیت سے اچھی طرح واقف ہوں۔ میں یہ اندازہ کر سکتا ہوں کہ کیا ہونے والا ہے اور وہ کیا کر سکتا ہے۔ میں ہر طرح کے حالات کے لئے پوری طرح تیار ہوں۔ کیا تم تیار ہو؟'' فہد نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا تو سلمیٰ نے اپنے باپ کا خیال کرتے ہوئے دھیرے سے کہا

''میں پوری کوشش کروں گی کہ آپ کو مایوسی نہ ہو۔ میں آپ کے مشن میں پورا ساتھ دوں گی۔ کھانا لاؤں؟''

''لے آؤ۔'' وہ اس کی بات سمجھتے ہوئے بولا

''میں ابھی لائی۔'' سلمیٰ یہ کہہ کر اٹھی اور تیزی سے اندر کی جانب چلی گئی۔ اور وہ دونوں باتیں کرنے لگے۔

فہد کے ذہن میں تھا کہ اس وقت سراج اپنے ڈیرے پر سے آنے والا ہے۔ فہد نے اسے گھر بلایا تھا۔ اسے یہاں باتیں کرتے ہوئے اور کھانا کھاتے ہوئے دیر ہو گئی تھی۔ اس لئے وہ تیزی سے باہر نکلا اور اپنے گھر کی طرف چلا گیا۔

اس وقت سراج اپنے ڈیرے پر رانی کے ساتھ تھا۔ وہ دونوں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ رانی کپڑوں میں لپٹی ہوئی تھی۔ لیکن اندھیرے میں اس کا گورا بدن چاندنی کی طرح چمک رہا تھا۔ اگرچہ وہ غریب گھر کی تھی۔ لیکن حسن اس پر ٹوٹ کر آیا تھا۔ یہی دیکھتے ہوئے سراج نے کہا

''رانی، آج میں نور پور گیا تھا، پر تیرے لئے کچھ لانے کا وقت ہی نہیں ملا۔''

"مجھے کچھ نہیں چاہئے۔میں یہاں تم سے فرمائشیں کرنے نہیں آئی۔تم سے بات کرنے آئی ہوں۔پتہ ہے کتنی مشکل سے آتی ہوں یہاں میں۔اگر کسی نے دیکھ لیا تو حویلی والوں نے مجھے نہیں چھوڑنا۔" رانی تنک کر بولی

"کیا ہوگا؟ بدنام کر دیں گے نا، تو کر دیں۔اچھا ہے، جو رکاوٹ ہماری شادی میں ہے وہ خود بخود دور ہو جائے گی۔" سراج نے تیزی سے کہا

"تم نے سوچ لیا اور ہو گیا۔کیسی باتیں کرتے ہو۔پتہ ہے پار گاؤں والوں نے تو یہ بھی طے کر لیا ہے کہ جلد از جلد میری منگنی کے لئے آ جائیں۔اور تم ہو کہ بات نہیں کر سکے اپنی اماں سے۔" رانی نے دکھی ہوتے ہوئے کہا

"اوئے تجھے کس طرح سمجھاؤں کہ میں نے کر لی ہے اماں سے بات۔غیر برادری میں رشتہ مانگنا کوئی معمولی بات تو ہے نہیں۔وہ کوئی موقعہ دیکھ کر بات کریں گے۔اور تو کیوں گھبراتی ہے، رشتہ آرام سے نہ دیا تو میں عدالت میں نکاح کر لوں گا۔" سراج نے اسے آسان سے حل بتایا تو رانی تڑپ کر بولی

"نہ بابا نہ، ایسے سوچنا بھی مت۔اور ہاں۔! میں نے سنا ہے تو امین والے معاملے میں عدالت جائے گا، چوہدریوں کے خلاف؟"

"ہاں تو اور کیا، انہوں نے ظلم تھوڑا کیا ہے۔" سراج نے دکھ سے کہا تو رانی بولی

"اور یہ تو نے فہد کے ساتھ کیا یاری لگالی ہے۔پتہ ہے حویلی والے اس کے کتنے خلاف ہو گئے ہیں۔"

"کتنے، یہی نا کہ اسے جان سے مار دیں گے۔" اس نے تیزی سے کہا تو رانی ڈرتے ہوئے بولی

"معاملہ ایسے ہی ہے سراج۔نکا چوہدری تو اتنے غصے میں ہے کہ میں کیا بتاؤں وہ سمجھتا ہے کی فہد نے وڈھے چوہدری سے بدتمیزی کی ہے۔"

"کوئی بدتمیزی نہیں کی۔میں ساتھ تھا۔اس نے اپنا حق لینے کے لئے جائز بات کی ہے۔" سراج نے بتایا

"بات تو تم ٹھیک کہتے ہو سراج۔یہ امیر لوگ بھلا ہم جیسے غریبوں کو کہاں انسان سمجھتے ہیں۔وہ سخت غصے میں ہے۔میرا تو دل ڈرتا ہے۔کہیں وہ....." رانی کہتے ہوئے خاموش ہو گئی۔

"ہم انہیں انسان نہیں سمجھتے۔تو غم نہ کر، سب ٹھیک ہو جائے گا۔" سراج نے اسے حوصلہ دیا

"دیکھ سراج تو اپنا خیال رکھ۔" رانی حسرت سے بولی سراج اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور بولا

"تو میری فکر چھوڑ اپنا خیال رکھا کر۔آ تجھے چھوڑ دوں، پھر مجھے فہد کے پاس جانا ہے۔کچھ باتیں کرنی ہیں۔" سراج نے کہا تو رانی اٹھ گئی۔دونوں کھیتوں کے درمیان سے ہوتے ہوئے چلتے چلے گئے۔

وہ رات گذر گئی۔قسمت نگر پر صبح کے سورج نکلنے کو تھا۔ایسے ملگجے اندھیرے میں ایک شخص کھیتوں کے راستے پر آ رہا تھا کہ اس کی

نگاہ ایک ایسے بندے پر پڑی جو اوندھے منہ زمین پر پڑا تھا۔ وہ متجسس ہو کر تیزی سے اس کے قریب گیا۔ اسے پلٹ کر دیکھا تو وہ امین آرائیں تھا، جس کی سانسیں ختم ہو چکیں تھیں اور مردہ پڑا تھا۔ وہ شخص خوف زدہ ہو کر چونک گیا۔ اس نے ڈرے ہوئے انداز میں گاؤں کی طرف دیکھا اور تیزی سے پلٹ کر چل دیا۔

اس وقت فہد اور سراج دونوں مسجد سے پلٹ کر گھر میں داخل ہوئے تھے۔ فہد کے سر پر رومال اور سراج کے سر پہ پرنا تھا۔ وہ آ کر صحن میں بچھی چارپائی پر بیٹھ گئے تو سراج نے اونچی آواز میں کہا

''چھاکے اوئے چھاکے...... یار چائے لے آ۔''

''یار اس چھاکے کا یہ تو سکون ہو گیا ہے، چائے تو بنا لیتا ہے۔'' فہد نے خوش دلی سے کہا تو اندر سے کوئی جواب نہ پا کر سراج نے پھر اونچی آواز میں پکارا

''اوئے کدھر گیا ہے تو؟''

اتنے میں چھاکا باہر سے خوف زدہ اور دہشت زدہ سا اندر آ گیا۔ فہد نے اسے دیکھا تو تشویش سے پوچھا

''اوئے کیا ہوا تجھے؟''

''وہ...... وہ...... امین......'' چھاکے کے منہ سے لفظ ادا نہیں ہو رہے تھے۔ اس پر سراج نے تیزی سے پوچھا

''کیا ہوا امین کو؟''

''اس کی لاش...... وہ کھیتوں میں...... اسے کسی نے مار دیا ہے۔'' وہ روہانسا ہوتے ہوئے بولا

''کیا بکواس کر رہا ہے، تو جھوٹ بول رہا ہے۔'' سراج نے ایک دم سے کہا تو چھاکا خود پر قابو پاتے ہوئے بولا

''میرا یقین کرو۔ میں خود اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آیا ہوں۔ میں اپنے گھر سے سیدھا ادھر آ رہا تھا۔ راستے میں مجھے پتہ چلا، میں نے وہاں جا کر دیکھا۔''

یہ سنتے ہی سراج ایک دم سناٹے میں آ گیا۔ فہد نے اس کا بازو پکڑ کر باہر کی جانب جاتے ہوئے کہا

''چل جلدی چل، دیکھتے ہیں۔''

وہ تینوں تیزی سے باہر کی جانب بڑھتے چلے گئے۔

فہد نے گاڑی وہاں جا کر روکی، جہاں کھیتوں میں لوگ کھڑے تھے۔ وہ تیزی سے باہر نکلے اور اس طرف بڑھے جہاں امین پڑا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر سراج بلک بلک کر رونے لگا۔

''فہد، یہ کیا ہو گیا یار...... میں تو اسے جیتا جاگتا گھر چھوڑ کے آیا تھا۔'' یہ کہتے ہوئے وہ اکڑوں ہو کر زمین پر بیٹھا اور پاگلوں کی طرح اس کے گال تھپتھپاتے ہوئے بولا، ''اٹھ امین اٹھ، تو ایسے نہیں کر سکتا، تو مجھ سے روٹھ کر نہیں جا سکتا، ابھی تو ہم نے چوہدریوں سے

بدلہ لینا ہے۔ ابھی تو تیرے سر پر سہرا سجنا ہے یار، اٹھ ایسے نہ کر، چل گھر چلیں، ماں انتظار کر رہی ہوگی۔“

تبھی فہد نے اسے قابو میں کرتے ہوئے کہا

”ہوش کر سراج ہوش۔“

”کیا ہوش کروں، یہ دیکھ امین قتل ہو گیا ہے، یہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا ہے۔“ سراج دھاڑیں مار کر روتے ہوئے بولا۔ چھاکے نے آگے بڑھ کر اسے سنبھالا تو سراج کے گلے میں پڑا اپرنا فہد نے اتار کر امین پر ڈال دیا۔ جس پر سراج مزید رونے لگا۔ فہد بھی اپنے آنسو صاف کرنے لگا۔ اس نے بھیگے ہوئے لہجے میں کہا

”اٹھاؤ امین کو، گھر چلیں۔“

وہاں پر موجود لوگوں نے امین کے بے جان وجود کو اٹھایا۔ سراج بہت نڈھال ہو رہا تھا۔ وہاں موجود لوگوں نے امین کی لاش کو اٹھا کر گاڑی میں رکھا اور پھر سب وہاں سے چل دیئے۔

امین کے قتل نے پورے قسمت نگر ہی میں نہیں بلکہ پورے علاقے میں خوف، غم اور دکھ محسوس کیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی چوہدریوں کی دہشت بھی اپنے اثرات میں اضافہ کر چکی تھی۔ ہر جگہ اسی بات کا ذکر ہو رہا تھا۔ اس دن چوراہے پر کوئی کھیل نہیں کھیلا گیا۔ چوراہے پر چاچا سوہنا، حنیف دوکاندار اور دوسرے کئی لوگ بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔

”بہت ہی برا ہوا یار امین کے ساتھ۔ بے چارہ اپنے دوست کے قتل کی گواہی دیتے دیتے خود اس کے پاس جا پہنچا۔“ حنیف دوکاندار نے دکھ سے کہا

”سنا تھا وہ چوہدریوں کے خلاف عدالت میں جانا چاہتا تھا۔ ایف آئی آر تو اس نے کٹوا دی تھی۔ شاید اس کا یہی جرم تھا۔“ ایک بندہ بولا

”کیا تُو یہ کہنا چاہتا ہے کہ اسے چوہدریوں نے قتل کیا ہے۔“ حنیف دوکاندار نے پوچھا تو وہ بندہ بولا

”نہ...... نہ...... میں یہ نہیں کہتا۔ میں نے تو جو سنا تھا وہ کہہ رہا ہوں۔“

”کیوں ڈرتے ہو یار، پہلی بار تھانے میں چوہدری کبیر کے خلاف رپٹ درج ہوئی ہے اور پہلی بار کسی نے چوہدری کے خلاف سر اٹھایا۔ اس کی سزا تو امین کو ملنی ہی تھی۔ تم لوگ یونہی خوف زدہ ہو رہے ہو اور گونگے بن کر مُردوں کی طرح جیتے رہے ہو۔ آج امین کی باری تھی، کل تم میں سے کسی ایک کی باری ہوگی۔“ چاچا سوہنا انتہائی دکھ سے بولا

”اونہ چاچا نہ، کیوں اپنے گلے میں عذاب ڈالتے ہو۔ یہاں ہوتا کیا ہے سب جانتے ہیں۔“ حنیف دوکاندار نے تیزی سے کہا

”کیا یہی انسانیت ہے یار، جو آواز بھی ظلم کے خلاف اٹھی، وہی دبا دی گئی ایسا صرف اس وجہ سے ہے کہ ہم ڈرتے ہیں...... کیا اس قسمت نگر کی قسمت یہی ہے۔ اس کے باسی مردہ ہیں؟...... ظلم ہے یار ظلم“ یہ کہتے ہوئے چاچا سوہنا رو دیا۔ اس کی آواز رندھ گئی تھی

''نہ رُو چاچا، رُونے سے کچھ نہیں ہونے والا۔ بس یہ امید رکھنی چاہئے کہ اس قسمت نگر کی قسمت بدلے گی۔'' پاس بیٹھے ہوئے ایک بندے نے کہا تو چاچا سوہنا بولا ''قسمت اس دن بدلتی ہے، جب تم اپنی قسمت بدلنے کا سوچو گے۔ ایسے تو قسمت نہیں بدلتی یار۔''

''کون نہیں چاہتا کہ اس ظلم سے نجات نہ ملے کوئی تو ایسا ہو جو، اِن چوہدریوں کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر بات کرے۔'' اس بندے نے یاسیت سے کہا

''ہم باتیں ہی کرتے رہ جائیں گے۔ ہونا، ہوانا کچھ نہیں ہے۔'' حنیف دوکاندار نے کہا

''تیرے جیسے مایوس بندے لوگوں کا حوصلہ پست کرتے ہیں..... وہ امین چند دن رہا، لیکن ان چوہدریوں کو دہشت ڈالے رکھا۔ مرد تھا نہ وہ۔'' چاچا سوہنا تیزی سے بولا

''پر چاچا۔ اپنی جان سے بھی تو گیا ہے نا'' حنیف دوکاندار نے کہا تو ان کے درمیان خاموشی چھا گئی۔

سارا دن انہیں نور پور کے ہسپتال میں گزر گیا۔ پولیس کو رپورٹ کی گئی، پھر پوسٹ مارٹم کی رپورٹ لیتے ہوئے انہیں سہ پہر ہو گئی۔ ڈاکٹر نے یہی رپورٹ دی تھی کہ تشدد کے بعد اس کے سر میں بہت قریب سے گولی ماری گئی تھی، جس سے موت واقع ہو گئی تھی۔ تھانیدار نے بڑی خاموشی کے ساتھ ایف آئی آر درج کر لی تھی مگر نامعلوم افراد کے خلاف۔

شام ہونے تک قبرستان میں ایک اور قبر کا اضافہ ہو گیا تھا۔ تازہ قبر پر سب لوگ افسردہ کھڑے ہیں۔ قبر پر پھول چڑھائے ہوئے تھے۔ اگربتیاں سلگ رہی تھیں۔ فہد، سراج، چاچا سوہنا، چھاکا، مولوی اور قسمت نگر کے دوسرے کئی لوگوں کے چہروں پر دکھ پھیلا ہوا تھا۔ سراج بہت غم سے نڈھال ہو رہا تھا۔ وہ رُو تو رہا تھا لیکن آہ و بکا نہیں کر رہا تھا۔ سب کے درمیان میں کھڑے ہوئے مولوی صاحب دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ تو وہاں سب لوگوں نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔ دعا کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرتے ہی سراج بلک پڑا۔ تبھی فہد اسے اپنے ساتھ لگا کر تھپکنے لگا۔ سراج اس کے کاندھے سے لگ کر رونے لگا۔ فہد نے اسے خود سے الگ کر کے تنبیہ کے انداز میں کہا

''سراج، جتنا رونا ہے ایک بار ہی رو لو، پھر نہیں رونا۔''

''بہت...... بہت...... ظلم کیا..... ان چوہدریوں نے میرا بھائی امین پر.....''

''میں نے کہا نا..... اب تو رو لے جتنا رونا ہے..... اب رونے کی باری ان کی ہے۔ ابھی صبر کر لے۔'' فہد نے دانت پیستے ہوئے کہا تو سراج بولا

''وہ بے چارہ.....''

اس نے کہنا چاہا لیکن ہچکی میں کچھ نہیں کہہ پایا۔ فہد نے اسے پھر اپنے ساتھ لگایا تو سراج آہستہ آہستہ سر ہلا کر خود پر قابو پانے لگا۔ سب قبر سے ہٹتے چلے گئے تو وہ دونوں بھی چل پڑے۔ قسمت نگر کی تاریخ میں ایک مزید ظلم رقم ہو گیا تھا۔

سہ پہر ہو چکی تھی۔فہد اپنے گھر نہیں گیا بلکہ سیدھا نور پور تھانے چلا گیا۔اس وقت فہد تھانے میں کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔اس کے ساتھ سراج تھا۔قریب ہی ایک سپاہی افسردہ کھڑا تھا۔ایسے میں تھانیدار آ کر اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔اس نے بڑے طنزیہ انداز میں فہد کی طرف دیکھا۔چند لمحے دیکھتے رہنے کے بعد پوچھا

''ہاں بولو، کیسے آئے ہو؟.....کوئی نئی ایف آئی آر لکھوانے......یا پھر کسی افسر کا فون کروانے......یا پھر قانون جھاڑنے آئے ہو۔''

''تو اچھی طرح جانتا ہے کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں۔اور تجھے یہ بھی معلوم ہے کہ امین کو قتل کر دیا گیا ہے۔'' فہد نے خود پر قابو رکھتے ہوئے کہا

''تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ ''قتل'' ہوا ہے۔وہ خود بھی اپنی زندگی سے تنگ آ کر مر سکتا ہے۔ابھی تو میڈیکل رپورٹ صرف یہ تصدیق کرتی ہے کہ فائر اس کے سر میں لگا۔یہ تفتیش تو ابھی باقی ہے کہ وہ کیوں مرا؟ کیسے مرا؟ یا خودکشی کر لی اس نے؟'' تھانیدار نے حقارت سے کہا تو سراج نے اسے غصے میں دیکھا

'' تیرے لہجے سے لگتا ہے کہ تو اس قتل کو بھی فائلوں میں بند کرنے کی سوچ رہا ہے لیکن یاد رکھنا، میں تجھے ایسا نہیں کرنے دوں گا۔'' فہد نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تو تھانیدار بولا

''تم امین کی موت کو، قتل ہی کیوں کہہ رہے ہو۔کیا یہ قتل تم نے کیا ہے۔تم بھی اس کو قتل کر سکتے ہو؟''

تھانیدار نے کچھ اس طرح عجیب لہجے میں بات کی تھی کہ فہد نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔جس پر سراج نے انتہائی غصے میں کہا

''تیری ذہنیت سامنے آ ہی گئی ہے تو سن لے۔خود کو ٹھیک کر لے اور چوہدریوں کے خلاف.....''

''ہونہہ۔!ممکن ہے تو نے اپنے بھائی کو جائیداد کے لیے قتل کیا ہو۔اور نام چوہدریوں کا لگا رہے ہو۔'' تھانیدار نے اس کی بات کاٹ کر کہا، پھر حقارت بھرے لہجے میں بولا''اور تم دونوں غور سے سن لو میری بات۔اب میرے ساتھ اونچے لہجے میں بات نہیں کرنی۔ورنہ بہت پچھتاؤ گے۔''

''کون کتنا پچھتاتا ہے، یہ تو وقت بتائے گا۔لیکن میری بات یاد رکھنا، خود کو ٹھیک کر لے۔'' فہد نے سرد لہجے کہا تو تھانیدار اس کی طرف دیکھ کر بولا

''اور تو بھی سن لے فہد۔تم بھی اس قتل میں شامل تفتیش ہو۔جب بھی قسمت نگر سے باہر جانا ہو، تو تھانے میں حاضری لگوا کر جانا۔''

''تو اپنے آپ کو اس علاقے کا دادانہ سمجھ، تجھ سے جو ہو سکتا ہے تو کر اور اب میں تیرے ساتھ کیا کرتا ہوں یہ تجھے بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔چل آ سراج پہلے اسے سنبھالیں۔'' فہد نے اس کی طرف دیکھ کر کہا تو وہ مسکرا کر بولا

''تو نے کیا سنبھالنا ہے، پہلے خود سنبھل لے، اب تیرے ساتھ کیا ہو گا۔''

یہ کہہ کر اس نے قہقہہ لگا دیا۔جس پر سراج غصے میں آگ بگولا ہو گیا۔اس کی حالت بہت خراب ہونے لگی۔وہ تھانیدار اس کے

بھائی کی لاش پر قہقہے لگا رہا تھا۔ اسے بے قابو ہوتا دیکھ کر فہد نے اسے پکڑا اور اسے لے کر وہاں سے چل دیا۔ تھانیدار اُن کو جاتا ہوا مڑ مڑ کے دیکھتا رہا۔ اس کے چہرے وہی خبیثانہ مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

واپسی پر دونوں خاموش تھے۔ راستے میں ان کی کوئی بات نہیں ہوئی۔ فہد مسلسل سوچ رہا تھا کہ اب تھانیدار کے ساتھ کیا کیا جائے۔ اسے یہ پوری طرح احساس ہو گیا تھا کہ یہ تھانیدار ان چوہدریوں سے مل چکا ہے اور امین کا قتل انہی لوگوں نے کیا ہے۔ اس نے سراج کو اس کے گھر اتارا اور اپنے گھر کی جانب چلا گیا۔ گھر میں کوئی نہیں تھا۔ وہ واپس پلٹ گیا تاکہ ماسٹر دین محمد کے گھر جائے اور اپنے دماغ کو ذرا سکون دے۔ وہ تحمل سے ان کے بارے میں سوچنا چاہتا تھا۔ وہ اپنی کار میں آ بیٹھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کار بڑھاتا اسے چھاکا دکھائی دیا جو دوڑتا ہوا اس کی طرف آ رہا تھا۔ وہ کار سے باہر نکل آیا۔ چھاکا خوف زدہ تھا۔ اس نے چھاکے سے پوچھا

''اوئے چھاکے کیا ہوا ہے تجھے، خیر تو ہے؟''

اس پر چھاکے نے اپنی پھولی سانسوں میں فہد کو بتایا

''وہ..... سراج جا رہا ہے..... نکے چوہدری کو مارنے..... ابھی گن لے کر نکلا ہے۔''

''چوہدری کبیر کو مارنے، تو نے روکا نہیں اسے؟''

''بہت روکا میں نے، مگر میری اس نے ایک نہیں سنی۔'' چھاکے نے کہا تو فہد بولا

''چل، جلدی کر بیٹھ۔''

وہ دونوں جلدی سے گاڑی میں بیٹھے اور اس طرف چل دیئے، جدھر چھاکے نے بتایا تھا۔

جلد ہی وہ سراج تک جا پہنچے جو اپنی بائیک پر حویلی کی طرف جا رہا تھا۔ فہد نے اس کی بائیک کو کراس کیا اور اس کے آگے جا کر کار روک لی۔ سراج نے بھی اپنی بائیک روکی تو فہد اور چھاکا کار سے باہر نکل آئے۔ انہیں دیکھ کر سراج نے دور ہی سے کہا

''میرا راستہ نہ روک فہد، میں نے آج کبیر کو مار دینا ہے۔''

فہد نے اس کے پاس پہنچ کر تحمل سے کہا

''پھر کیا ہوگا؟ صرف ایک چوہدری مرے گا بس۔ کیا میں نہیں جانتا کہ اس نے تیرے بھائی کو مارا ہے۔ جانتا ہوں بہت ظلم کیا ہے تم لوگوں پر کیا اسے مار دینے سے ان کی سزا ختم ہو جائے گی؟''

''دل تو کرتا ہے کہ ان کا سارا خاندان مار دوں۔ بیج ختم کر دوں ان کا۔ پر اب تو.....'' سراج نے کہا تو فہد نے اس کی بات کاٹ کر کہا

''پر اب تو صرف کبیر کو مار سکتا ہے بس۔ ان کا ایسا بیج مارنا ہے کہ وہ زندہ بھی رہیں اور مرنے کی خواہش کریں۔ ایسی سزا دینی ہی انہیں۔''

''پتہ نہیں وہ وقت کب آئے گا فہد، آئے گا بھی یا نہیں آئے گا۔ جانے دے مجھے میں ان کی نسل تو ختم کر دوں گا نا۔'' سراج نے غضب ناک ہوتے ہوئے کہا

''دیکھ میری بات سن، وقت ہمارے ہاتھ میں سمجھ آ گیا ہے۔اب دیر نہیں ہے۔تو اسے مار کر سلاخوں کے پیچھے چلا جائے گا تو تیرے گھر والوں کا کیا ہوگا۔ان چوہدریوں کے ظلم سہنے کے لئے چھوڑ دے گا انہیں؟ تیری بوڑھی ماں عدالتوں کے دھکے کھائے گی۔ سوچ......'' فہد نے کہا تو سراج بے بسی میں اپنا سر جھٹکتے ہوئے بولا

''کیا کروں...... بزدلوں کی طرح جیئوں۔''

''میں تمہیں بزدلی کا سبق نہیں دے رہا ہوں اور نہ ہی انہیں معاف کرنے کا کہہ رہا ہوں۔سمجھنے کی کوشش کر۔واپس پلٹ جا، میں تجھے بتاؤں گا کہ کیا کرنا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے فہد نے اس کی گن پکڑ لی۔سراج چند لمحے سوچتا رہا اور پھر بے بسی سے اپنا سر جھکا دیا۔''آ میرے ساتھ گاڑی میں بیٹھ، چھاکا لے آتا ہے تیری بائیک۔''

فہد کے کہنے پر سراج بائیک سے اترا اور اس کے ساتھ گاڑی میں آ گیا۔

❁......❁......❁

ٹی وی چینل کے آفس میں میں جعفر اور مائرہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے ہیں۔جعفر بہت ویل ڈریسڈ دکھائی دے رہا تھا۔مائرہ کے چہرے پر ہلکی ہلکی خوشگواریت تھی۔اس نے فائل ایک طرف رکھ کر پوچھا

''سب سے پہلے تو یہ بتاؤ کہ اتنی دیر سے کیوں آئے ہو۔لگتا ہے خود کو ہی تیار کرتے رہے ہو آج۔''

''مجھے آج کہیں جانا ہے۔ایک اہم میٹنگ ہے۔خیر۔!وہ دھمکی دینے والے کو میں نے پکڑ لیا تھا۔بے چارے اپنے باس کی محبت میں مارے گئے۔اگر تم اسے دیکھنا چاہو تو دیکھ سکتی ہو۔'' جعفر نے گہری سنجیدگی سے کہا تو مائرہ اس کی بات کو نظر انداز کر کے گھرے لہجے میں بولی

''تمہارے خیال میں محبت کیا ہے جعفر۔!بتا سکو گے کچھ؟''

اس کے یوں کہنے پر جعفر نے چونکتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور دھیمے سے لہجے میں بولا

''مطلب۔!تم کچھ سمجھنا چاہ رہی ہو......'' یہ کہہ کر اس نے بات کا مزہ لینے والے انداز میں کہا،''خیر......محبت۔!ایک ایسا سنہری جذبہ ہے......جو پورے وجود کو اپنے رنگ میں رنگ دیتا ہے......یہ جب اپنا آپ منواتا ہے تو پھر......کسی دوسرے احساس نہیں رہتا۔''

''یوں، تمہارے خیال میں محبت ایک جذبہ ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے سوچنے والے انداز میں اسے سے پوچھتے ہوئے کہا،''تم نے کبھی سوچا جعفر؟ یہ جذبات ہمیشہ ایک جیسے نہیں رہتے......کبھی کم کبھی بہت زیادہ۔کسی بھی جذبے کو سوچ کر دیکھ لو۔'' مائرہ نے بھی مزہ لیتے ہوئے اس کی طرف دیکھا

''تم کیا کہنا چاہتی ہو۔تمہارا مطلب ہے محبت ایک جذبہ نہیں ہے؟'' جعفر نے پوچھا

''محبت جب دل میں اتر آتی ہے نا تو پھر یہ ڈانوں ڈول نہیں ہوتی۔سمندر کی لہروں جیسی نہیں کہ چاند نکلا تو ان میں مدوجذر آ گئی،

ورنہ ساحل سے سر ٹکراتی رہے۔ محبت تو ایک رویے کا نام ہے۔ وجود میں ضم ہو کر اس کا حصہ بن جاتی ہے۔'' مائرہ نے جذب سے کہا، اس پر جعفر بولا

''بات تو تمہاری ٹھیک ہے۔ محبت جب تک وجود کا حصہ نہیں بنتی، اس میں کشش جیسی قوت بھی نہیں آسکتی۔ رویہ تو خوشبو کی مانند ہوتا ہے، جو اپنے اظہار کے لیے کسی کا محتاج نہیں۔ محبت کھیل نہیں ہے مائرہ۔! اور اس وقت تو قطعی نہیں، جب انسان ہونے اور نہ ہونے کی صلیب پر مصلوب، انتظار کر رہا ہو کہ زندگی ملنے والی ہے یا پھر موت جیسی مایوسی میرا مقدر ہے۔''

''اُو جعفر۔! یہ تم کیسی مایوسی والی باتیں کر رہے۔ زندگی بھرپور رنگوں سے ہماری منتظر ہے۔ ہم چاہیں اور جیسا چاہیں اس سے رنگ سمیٹ سکتے ہیں۔ جب اعتبار اور مان ہوں زندگی کے سارے رنگ ہمارے وجود میں آ ڈھلتے ہیں۔'' مائرہ نے خوش دلی سے کہا

''ہاں۔! بہت سارے لوگ اس تعلق کی آگہی کے لیے مدتوں منتظر رہتے ہیں۔'' جعفر نے کہا

''کیا انہیں انتظار نہیں کرنا چاہیے؟'' مائرہ اٹھلاتے ہوئے بولی

جعفر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تو وہ آنکھیں بند کر کے اسے اپنی بات کا یقین دلاتی ہے۔ اس پر جعفر خوش ہوتے ہوئے بولا

''اس پر امید باندھی جا سکتی ہے۔ میں اب چلتا ہوں۔ تم اگر آنا چاہو تو......''

''جعفر پلیز۔! مجھے ابھی بہت کام ہے۔ جیسے ہی فرصت ملی۔ میں تمہیں کال کر دوں گی۔، پھر جو بھی تم پلان کرو، میں حاضر ہوں گی۔'' مائرہ نے پیار سے کہا تو جعفر بولا

''اوکے۔ ایز یو وش۔ اب میں چلتا ہوں۔''

یہ کہتے ہوئے وہ اٹھا اور باہر کی طرف چلا گیا۔ مائرہ اسے بھرپور آنکھوں سے یوں دیکھتی رہی کہ جیسے وہ اسے بہت اچھا لگ رہا ہو۔ انہی لمحات میں اسے اپنی ماما سے ہونے والی باتیں یاد آ گئیں۔ وہ ان لمحات کو سوچنے لگی۔

اس وقت وہ اپنے بیڈ روم میں بیڈ پر نیم دراز تھی۔ لیپ ٹاپ اس کی گود میں تھا اور وہ اس میں الجھی ہوئی تھی۔ اتنے میں بانو بیگم کمرے میں آ گئی۔ جس کا احساس مائرہ کو نہیں ہوا۔ وہ اس کے قریب آ کر بیٹھ گئی تو وہ چونک گی۔ تبھی بانو بیگم نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا

''مائرہ۔! بیٹی یہ کیا ہے۔ تم اپنے آفس کا کام بھی یہاں اٹھا لاتی ہو۔ جب سے میں نے تم سے تمہاری شادی کا ذکر کیا ہے، تم کچھ زیادہ ہی مصروف نہیں ہو گئی ہو؟''

''ماما۔! میں ایک نیوز چینل کے لئے کام کرتی ہوں۔ اور نیوز ہر وقت آتی رہی ہیں۔ مجھے ان کو دیکھنا ہوتا ہے۔ اب زیادہ ذمہ داری ہے مجھ پر۔'' مائرہ نے لمبی سانس لیتے ہوئے کہا

''اب ایسا بھی نہیں ہے کہ صرف مائرہ ہی پورا نیوز چینل چلا رہی ہے۔ وہ نہیں ہو گی تو چینل بند ہو جائے گا۔ بیٹی۔! کام کے وقت

کام اور آرام کے وقت آرام کرتے ہیں...... خیر۔! تم نے مجھے کچھ بتانا تھا...... پہلے یہ لیپ ٹاپ تو رکھو ناایک طرف۔''

مائرہ نے اپنی ماں کی طرف دیکھا اور پھر لیپ ٹاپ ایک طرف رکھتے ہوئے بولی

''لیں ماما۔! رکھ دیا۔ اور میں نے کیا بتانا تھا آپ کو۔ مجھے کچھ یاد نہیں آ رہا ہے۔''

''مائرہ۔! تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میں تم سے کیا پوچھنا چاہ رہی تھی اور تم نے سوچنے کے لیے مجھ سے چند دن مانگے تھے۔ میں اب تک تمہارے جواب کا انتظار کر رہی ہوں۔'' بانو بیگم نے اسے یاد دلانا چاہا تو وہ بولی

''اُو اچھا۔! سوری ماما۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا۔''

''تو پھر کیا کہتی ہو تم؟'' بانو بیگم نے پوچھا تو مائرہ نے سنجیدگی سے کہا

''ماما۔ میں نے اچھی طرح سوچا ہے اور میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ ابھی میں نے شادی نہیں کرنی۔ کم از کم دو سال تک نہیں۔ پھر اس کے بعد دیکھا جائے گا۔''

''سنو مائرہ۔! تم اکلوتی ہو اور میں تمہارے لئے اچھا ہی سوچوں گی۔ ایسے رشتے نصیب والوں کو ملتے ہیں۔ جنہیں تم ذرا بھی اہمیت نہیں دے رہی ہو۔'' بانو بیگم نے اسے احساس دلایا

''نہیں ماما۔! میں ان لوگوں میں کوئی خامی تو نہیں نکال رہی ہوں۔ پسند اور ناپسند کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا۔ میں نے انہیں اہمیت دی ہے تو ان کے بارے میں سوچا۔ سچ پوچھیں نا ماما۔! میں ابھی شادی کے لیے ذہنی طور پر تیار ہی نہیں ہوں۔'' مائرہ نے الجھتے ہوئے کہا

''شادی کے لئے بھی ایک وقت ہوتا ہے۔ یہ وقت نکل جائے تو پھر بہت مشکل ہوتی ہے۔'' بانو بیگم نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا

''ماما۔! آپ میری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ میں ابھی شادی نہیں کر سکتی۔'' اس نے بے بسی سے کہا

''ٹھیک ہے۔ میں تمہاری بات مان لیتی ہوں۔ مگر اس کی کوئی وجہ تو ہو گی۔ وہی میں جاننا چاہتی ہوں کہ آخر تمہارے دماغ میں کیا چل رہا ہے۔'' بانو بیگم نے پوچھا

''میں نے کہا ہے نا ماما۔! ایسا ویسا کچھ نہیں ہے۔ ہو گا وہی، جو آپ چاہیں گی۔ آپ اطمینان رکھیں پلیز۔ میں آپ کی بیٹی ہوں۔ میرے دل میں جو کچھ ہوا...... وہ میں آپ کو ضرور بتاؤں گی۔ کیونکہ آپ دنیا کی سب سے سویٹ ماما ہیں۔'' مائرہ نے اس کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے کہا

''بیٹی۔! میں چاہوں تو تمہیں کہیں نہ جانے دوں۔ لیکن بیٹی کو بیاہنا ہی پڑتا ہے۔ ہمیں کسی امتحان میں مت ڈالنا۔ میں تمہارے فیصلے کا انتظار کروں گی۔'' بانو بیگم نے کہا تو وہ بولی

''آپ اتنی جذباتی کیوں ہو رہی ہیں۔ میں نے جب کہہ دیا ہے تو ابھی کچھ عرصہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں پلیز۔ پھر جو آپ کہیں گی۔ میں وہی کروں گی۔''

"ٹھیک ہے۔ جیسے تم چاہو۔" بانو بیگم نے ہار مانتے ہوئے کہا اور یہ کہتے ہوئے وہ اٹھ گئی۔ مائرہ کے چہرے پر سنجیدگی کے ساتھ آزردگی اتر آئی تھی۔ وہ اپنی ماں کو کیسے سمجھاتی کہ وہ کس کرب سے گذر رہی تھی۔ اس سے کوئی کام نہیں ہو پایا۔ وہ بہت دیر تک یونہی بیٹھی رہی۔ پھر جعفر کے نمبر ڈائل کر دیئے۔

زیادہ دیر نہیں گذری تھی۔ مائرہ اور جعفر دونوں کار میں بیٹھے ایک سڑک پر جا رہے تھے۔ مائرہ ڈرائیونگ کر رہی تھی۔ جعفر اس کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے ایک جگہ گاڑی کھڑی کی تو دونوں باہر نکل آئے۔ تبھی جعفر نے ایک لمبی سانس لے کر کہا

"دیکھو۔! یہ کھلی ہوا کتنی اچھی لگ رہی ہے۔"

"ہاں۔! شہر سے دور، یہ پرسکون جگہ......ویسے کبھی کبھی اس طرح کی خاموش جگہوں پر ضرور آنا چاہئے۔ کتنا اچھا لگتا ہے۔" مائرہ نے کہا

"اصل میں شہروں کی گہما گہمی اور مصروفیات میں ہماری ساری توجہ رہتی ہے۔ اپنے آپ سے ملنے کا، اپنے دل کی بات سننے کا، اپنے آپ سے رابطہ کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔" جعفر نے خود کلامی کے سے انداز میں کہا تو مائرہ بولی

"تم ٹھیک کہتے ہو جعفر۔! کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ اتنی مصروفیات کس لیے۔ کہیں ہم خود کو دھوکہ تو نہیں دے رہے، المیہ یہی ہے کہ ہمیں وہ کچھ کرنا پڑتا ہے جو ہم دل سے نہیں چاہتے۔ کتنا اچھا ہو، جب ہماری مصروفیات میں ہمارا دل بھی شامل ہو۔"

"ہم دل کی سنتے کب ہیں۔ سارے دنیا کو وقت دیتے ہیں لیکن دل کی بات سننے کے لیے اس سے تھوڑی دیر گفتگو کرنے کے لیے ہمارے پاس وقت نہیں ہوتا۔ مائرہ۔! میں نے اب تک یہی پایا ہے کہ جو بندہ خود سے محبت نہیں کر سکتا، وہ کسی سے محبت نہیں کر سکتا۔" جعفر نے بڑے جذباتی لہجے میں کہا تو مائرہ نے ایک لمحے کو اس کی طرف دیکھا اور پرسکون لہجے میں بولی

"ہاں بندہ اپنی ہی محبت کو محسوس کرتا ہے۔"

"مائرہ۔! محبت کوئی معمولی یا کمزور رویہ نہیں ہے جو دوسروں پر اثر انداز نہ ہو سکے۔ اگر وہ دوسرے پر اثر انداز نہیں ہو پا رہا ہے تو ہمیں اپنی محبت کے بارے میں سوچنا چاہئے۔ کہیں ہماری محبت میں تو کوئی خامی نہیں ہے۔ کیا واقعتاً ہماری محبت سچی ہے۔" اس نے کہا

"وہ کیسے۔! میں تو جانتی ہوں اپنے بارے میں۔ کیا ایسا ممکن ہو سکتا ہے..... کیا میں اپنی ذات کوئی فیصلہ لے سکتی ہوں۔" مائرہ نے پوچھا

"زندگی میں وہی کامیاب ہوتے ہیں مائرہ۔! جو اپنی ذات کے بارے میں جانتے ہیں۔ ہم اپنے بارے میں سوچیں گے تو کسی دوسرے کا خیال کر پائیں گے۔" جعفر نے اس کی طرف دیکھ کر کہا تو مائرہ ایک طویل سانس لے کر بولی

"تم کچھ تھوڑا عقل مند نہیں ہوتا جا رہے ہو۔ اتنی موٹی موٹی باتیں کر رہے ہو جو کسی کی سمجھ میں بھی نہ آئیں۔ خیر۔! تم میرے ساتھ رہو گے نا تو عقل مند ہو جاؤ گا۔" مائرہ ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے بولی

''میں تمہیں یونہی خوش دیکھنا چاہتا ہوں مائرہ، تم یونہی ہنستی مسکراتی رہو۔'' جعفر نے اس کی طرف دیکھ کر پیار سے کہا تو مائرہ شرارت بھرے انداز میں بولی

''اب چلیں، واپس جاتے ہوئے تمہارے اس محبت والے ٹاپک پر باتیں کرتے ہوئے جائیں گے۔'' مائرہ نے کہا تو دونوں ایک دم سے قہقہہ لگا کر ہنس دیئے۔ پھر گاڑی میں بیٹھ کر چل دیئے۔

❁......❁......❁

روشن دن کی صبح تھی۔ سلمٰی ابھی تک اپنے کچن میں کام کر رہی تھی کہ دروازہ بجا۔ سلمٰی دروازہ کھولنے کے لیے گئی تو سامنے فہد تھا۔ وہ اندر آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک فائل تھی۔ وہ دروازہ لگا کر دالان میں آئی جہاں وہ بیٹھ چکا تھا۔ سلمٰی نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا

''کیا آج آپ پھر نور پور جا رہے ہیں؟''

''یہ تو اب روز کا آنا جانا ہے۔ چاچے عمر حیات والی زمین والے معاملے میں کئی لوگوں سے ملنا پڑا اور کاغذی کاروائی میں بڑا وقت لگ رہا ہے۔''

''تو کیا سارا کام ختم نہیں ہو گیا۔ اب مزید کیا مسئلہ ہے؟'' اس نے پوچھا

''نہیں۔! ابھی اتنی جلدی کہاں۔ زمین تو میرے نام ہو گئی ہے اور جو گھر ہے نا، وہ میں نے تمہارے نام کیا ہے۔ وہ کاغذات اس فائل میں ہے۔ کچھ دستخط کرنے ہیں۔ وہ کر دو۔'' فہد نے فائل اس کے سامنے کرتے ہوئے کہا تو سلمٰی نے حیرت سے پوچھا

''گھر...... میرے نام...... وہ کیوں؟''

''وہاں تم نے ایک ادارہ بنانا ہے۔ ایک انسٹیٹوٹ ...... جہاں تم اپنی ان خواہشوں کی تکمیل کر سکو...... جو تمہارے دل میں ہیں۔ یاد ہے...... میں نے تمہیں کہا تھا...... تم اڑان بھرنے کا حوصلہ کرو...... طاقت میں دوں گا۔'' فہد نے سکون سے کہا تو سلمٰی بولی

''مجھے یاد ہے فہد۔! اور میں نے حوصلہ کر لیا ہے۔ اب کیا ہوتا ہے۔ مجھے یہ سوچنے کی بھی پروا نہیں ہے۔''

''زندگی ہمیں بہت کچھ دے گی سلمٰی۔ اب ہمیں اپنے حصے کی خوشیاں اکھٹی کرنی ہیں۔ اور یہ تبھی ممکن ہو گا جب ہم زندگی کے اس سفر میں ایک ساتھ چلتے رہیں گے۔'' فہد نے کہا تو سلمٰی نے بات کو سمجھتے ہوئے سر ہلا دیا۔ یہ پہلا موقعہ تھا جب وہ شرمائی نہیں تھی۔ اس کے چہرے پر زندگی سے بھرپور ایک عزم چھلک رہا تھا۔ سلمٰی نے فائل سیدھی کرتے ہوئے کہا

''لائیں دستخط کر دیتی ہوں۔''

فہد نے اسے قلم تھمایا۔ اس نے قلم پکڑ کر جہاں فہد نے کہا وہاں دستخط کر دیئے۔ فہد فائل سمیٹ کر اٹھنے لگا۔

''آپ بیٹھیں، میں آپ کے لئے چائے بنا کر لاتی ہوں۔'' سلمٰی نے کہا

''نہیں ابھی مجھے جانا ہے، باہر گاڑی میں سراج بیٹھا میرا انتظار کر رہا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے وہ اٹھ گیا اور باہر نکلتا چلا گیا۔ سلمٰی

دروازے تک گئی۔ سراج گاڑی میں بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ فہد گاڑی میں بیٹھ کر چلا گیا۔ سلمیٰ اسی کے خیالوں سے لپٹی واپس کچن میں آ کر کام کرنے لگی۔

قسمت نگر کی گلیوں سے نکل کر فہد اور سراج گاڑی میں سڑک پر آ گئے۔ ابھی انہوں نے تھوڑا سا ہی سفر کیا تھا کہ انہیں سڑک کے درمیان ایک گاڑی کھڑی دکھائی دی۔ وہ لمحہ لمحہ قریب آتے گئے، لیکن کسی نے گاڑی نہ ہٹائی۔ انہیں بہر حال اپنی گاڑی روکنا پڑی۔ تبھی سامنے کھڑی کار میں سے ماکھا نکلا۔ اس کے ہاتھ میں پسٹل تھا۔ وہ لنگڑاتا ہوا آ رہا تھا۔ اس نے آ کر پسٹل کی نال فہد کے ماتھے پر لگاتے ہوئے کہا

"فہد۔! تیری زندگی اور موت کے درمیان ایک لمحہ ہے۔ میں چاہوں تو ابھی تجھے موت کی نیند سلا سکتا ہوں۔ یہی کہا تھا نا تم نے؟" ماکھے نے اسے یاد دلایا تو فہد بولا

"ماکھے۔! ہماری کوئی ذاتی دشمنی نہیں ہے۔ اس لیے مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں ہے۔ تم نے وہی کرنا ہے جو تیرے مالک تجھے حکم دیتے ہیں۔ تمہاری بھلائی اسی میں ہے تو میرے راستے میں نہ آیا کر۔"

"تو موت کو اپنے سامنے دیکھ کر پاگل ہو گیا ہے۔ یا حواس کھو بیٹھا ہے۔ میں تیری موت ہوں موت۔" ماکھے نے کہا تو فہد نے کہا

"تو پھر دیر کس بات کی ہے۔ چلا گولی۔"

اس کے ساتھ ہی وہ ایک دم سے کار کا دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ ماکھا لڑھک گیا۔ فہد نے اپنا پسٹل اس پر تان لیا۔ سراج نے دوسری طرف سے نکل کر اس کے ساتھیوں پر گن تان لی۔

"بول، اب کس کی موت ہے، بول؟" فہد نے پوچھا

"یار آج اس کا کام تو کر ہی دیتے ہیں۔" سراج نے کہا

"اپنا پسٹل یہاں پھینک۔ اور بھاگ جا یہاں سے۔ اور ہاں اپنے مالکوں سے کہنا۔ ہمت ہے تو خود میرا سامنا کریں، کبیر سے کہنا مرد بن مرد۔"

ماکھا پسٹل پھینک کر اٹھا اور چل دیا۔ اس کے ساتھی گاڑی میں بیٹھے تو وہ بھی گاڑی میں بیٹھ کر چلا گیا۔ فہد اس کی طرف دیکھتا رہا اور پھر اپنی کار میں بیٹھ کر چل دیا۔

❁ .... ❁ .... ❁
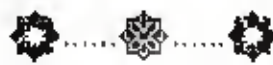
چھاکا اپنے گھر کے صحن میں چار پائی پر بیٹھا، اپنے مرغے کو بادام کھلاتے ہوئے اس کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔

"دیکھ شہزادے، تیرا مقابلہ جب ہونا ہے تب ہونا ہے۔ تو نے اس وقت جیتنا ہے یا ہار جانا ہے۔ مجھے عزت دینی ہے یا بے عزتی کروا دینی ہے۔ وہ تو جب ہو گا تب دیکھا جائے گا۔ پر تو اب میری بے عزتی کیوں کروا رہا ہے۔"

اس کے یوں کہنے پر مرغا بول اٹھا جیسے اسے چھاکے کی بات کی سمجھ آ رہی تھی۔ اسی لئے چھاکا بولا،

''نہیں میں جھوٹ نہیں بول رہا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے سب دیکھا ہے۔ اب تیری شکایتیں بھی آنا شروع ہو گئی ہیں۔ تیرا لوگوں کے گھر میں بھلا کیا کام۔ تجھے اِدھر کھانے کو نہیں ملتا کیا۔ تجھے بادام کھلاتا ہوں، میوے کھلاتا ہوں۔''

اس کی ان باتوں کے دوران چاچا سوہنا گھر کے اندر داخل ہوا۔ وہ بہت مرجھایا ہوا تھا۔ پریشان حال، بال بکھرے ہوئے۔ وہ آ کر اس کے پاس صحن میں کھڑا ہو گیا۔ چند لمحے ان کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا

''یار یہ تیرے ککڑ کا مقابلہ کب ہونا ہے۔''

وہ بولا تو اس کے لہجے میں یاسیت بھری ہوئی تھی اس پر چھاکا جذباتی ہو کر بولا

''جب دارا ماچھی، مجھے مقابلے کے لیے للکارے گا۔ ہر سال اس کا ککڑ جیت جاتا ہے۔ اس سال نہیں جیتنے دوں گا۔''

''ٹھیک ہے تو اسے تیار کر۔ اس کے کھانے پینے کے پیسے مجھ سے لے لیا کر۔'' چاچے سوہنے نے کہا تو چھاکے نے چونک کر اپنے باپ کو دیکھا پھر حیرت سے بولا

''ابا، تیری طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔ بجائے طعنے مہینے دینے کے، ڈانٹنے کے، الٹا تو رقم خرچ کر رہا ہے۔ خیر تو ہے نا، تو میرا ابا ہی ہے نا۔''

''پتر چھاکے، یہ زندگی بڑی عارضی شے ہے۔ ایک طرف تو یہ کھیل تماشہ ہے نا۔ تو دوسری طرف دکھوں کا گھر ہے یار..... تو میری ایک بات مان لے پتر۔'' چاچا سوہنا بڑے دکھ سے بولا

''ابا، تو کہنا کیا چاہتا ہے۔ بول، بات کیا ہے۔'' چھاکے نے تیزی سے پوچھا

''دیکھ پتر۔ تیرے سوا میرا ہے کون اس دنیا میں۔ تو ایسے کر۔ فہد کا ساتھ چھوڑ دے۔ میں نے تمہیں پہلے بھی سمجھایا تھا، آج پھر سمجھا رہا ہوں اس بے چارے امین کا حال دیکھ کر دل خون کے آنسو رو رہا ہے یار۔'' چاچے سوہنے کی زبان پر آ کر وہ خوف آ ہی گیا۔

''ابا، تیرے پتر چھاکے کی اگر اس علاقے میں دس پچھ ہے نا تو وہ ایویں ہی نہیں ہے۔ میرے دل میں نہ جانے کب سے چوہدریوں کے خلاف نفرت ہے۔ میں غریب نمانا، ان کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا۔ اب فہد یہ کر سکتا تو میں اس کا ساتھ کیوں نہ دوں۔'' چھاکا بولا

''پر تمہیں ان کے خلاف کچھ کرنے کی ضرورت کیا ہے۔'' چاچے سوہنے نے پوچھا

''ابا، ابھی تو نے کہا ہے نا امین کے انجام پر تیرا دل خون کے آنسو رو رہا ہے۔ تو کیوں ہو رہا ہے؟ اس لیے کہ ہم انسان ہیں ابا۔ میرا دل بھی ایسی ہی روتا ہے۔ کس نے ان چوہدریوں کو ظلم کرنے کا حق دیا ہے۔ بتا مجھے کس نے حق دیا ہے، میرے اللہ نے تو حق نہیں دیا نہیں۔'' چھاکا انتہائی غصے میں بولا

''فہد نے تو اپنے بچپن کا انتقام لینا ہے، مگر تو؟'' چاچے سوہنے نے حیرت سے پوچھا تو چھاکا نفرت سے بولا

''رب نے اسے جرات دی کہ وہ ان ظالموں کے سامنے آ کھڑا ہوا ہے ابا۔ آج تُو ادھر میں کیا ہیں، وہی کمی کے کمی...... کسی کا شادی

دیاہ آ گیا یا کوئی خوشی تھی ہو گئی تو پکھ مل گیا۔..... کیا اچھی زندگی گذارنے کا حق کسی کی کو نہیں ..... گاؤں کے سکول پر تالا لگوا کر یہاں کے بچوں پر تعلیم کے دروازے بند کر دیئے ..... بتا ! میں یہ گلہ کس سے کروں تجھ غریب نمانے سے ..... یا ان ظالم چوہدریوں سے ..... میری طرح نجانے کتنے کیسوں کے بچوں پر تعلیم اور اچھی زندگی کے دروازے بند کئے ہیں ...... کس نے ؟..... بس ۔ ابھی میرا انتقام ہے۔"

"تو ٹھیک کہتا ہے پتر، پر وہ بڑے طاقت ور لوگ ہیں۔" چاچے نے کہا تو چھا کا بولا

"جتنے مرضی طاقت ور ہوں ۔ فہد اگر ان کے مقابلے پر آن کھڑا ہوا ہے تو میرا بھی حق بنتا ہے کہ اس کا ساتھ دوں ۔ یہ زندگی تو آنی جانی ہے ۔ اور پھر ہماری زندگی ہے بھی کیا۔ چوہدری ہم پر اپنے کتے چھوڑ دیں تو کیا کرلیں گے ہم ۔ میں فہد کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا ، اب ہی تو پتہ چلنا ہے میری دس پچھ کا۔"

چاچا سوہنا اس کی بات سن کر چند لمحے کھڑا سوچتا رہا پھر بڑے ہی دکھی لہجے میں بولا

"جیسے تیری مرضی پتر، زندگی تیری ہے، تو جیسے گذار۔ ہم نے تو گذار لی۔"

یہ کہہ کر وہ باہر کی طرف چلا گیا۔ تبھی مرغا اونچی آواز میں بولا تو چھاکے نے جھڑک کر کہا

"اوئے چل چپ کر، یہ مت سمجھ کہ میں جذباتی ہو کر تیرے اُلاہمے بھول جاؤں گا۔ اب اگر......"

وہ بات پوری نہیں کر پایا کہ مرغا اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر بھاگ گیا۔ وہ اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

❁......❁......❁

شام ڈھل رہی تھی جب سلمٰی اپنے صحن میں اکیلی بیٹھی ہوئی سوچوں میں گم تھی۔ اس کی ساری سوچوں کا محور فہد ہی تھا۔ وہ سارا دن اسی کے بارے سوچتی رہی تھی ۔ وہ جب اس کی زندگی میں نہیں تھا تو کیسا تھا، ایک اُجاڑ، ویران اور خوف بھری زندگی، اب جب کہ وہ ان کی زندگی میں تھا تو سب کچھ بدل گیا تھا۔ امیدیں، خواہشیں اور خواب پھر سے جاگ اٹھے تھے۔ ایسے میں دروازے کے باہر کار رکنے کی آواز آئی۔ وہ جلدی سے اٹھی اور اس نے دروازہ کھول دیا۔ فہد اندر آ گیا۔ وہ تھکا ہوا لگ رہا تھا۔ فہد نے اس کی طرف فائل بڑھاتے ہوئے کہا

"یہ لو، چاچے عمر حیات والا گھر تیرے نام ہو گیا ہے۔ اور میری یہ خواہش ہے سلمٰی، اگر میں نہ بھی رہوں تو پھر بھی تیرے حصے کی خوشیاں تجھے دے جاؤں۔"

"مجھے ایسی خوشیوں کی کوئی خواہش نہیں ہے اور پھر میں پوچھتی ہوں ۔ وہ کیسی خوشی ہو گی ۔ جو آپ کے بغیر ہو۔" اس نے فائل کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا تو فہد بولا

"وقت اور حالات کا بھروسہ کبھی بھی نہیں کیا جا سکتا، لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں۔ محبت میں گذرے ہوئے لمحے خوشیوں کی بنیاد بن جاتے ہیں ۔ یہ تو کچھ بھی نہیں ہے ۔ سلمٰی ۔! ابھی تو اس کی شروعات ہوئیں ہیں ۔ منزل تک پہنچنے کے اس سفر میں نجانے کیا کچھ ہمارا منتظر ہے۔"

''میں جانتی ہوں۔ !محض یادوں کے سہارے حاصل کی گئی خوشیاں ادھوری ہوتی ہیں۔ مجھے ایسی خوشیاں نہیں چاہیں۔'' سلمٰی نے بے باکی سے کہا

''تم دعا کرنا۔ !ہمارا ساتھ ہمیشہ رہے۔ میں تو محض آئندہ آنے والے دنوں کے بارے میں کہہ رہا تھا۔ کب، کہاں نجانے کیا ہو؟ اس کے لیے ذہنی طور پر تیار رہنا چاہیے۔ یہ لو۔'' فہد نے اس کی طرف فائل بڑھاتے ہوئے کہا

''ہاں یہ تو ہے۔'' یہ کہہ کر رکی پھر اچانک خیال آتے ہی بولی،'' زمین نام تو ہو گئی، کیا آپ ذہنی طور پر تیار ہیں کہ زمین کا قبضہ لیتے وقت کہیں چوہدری لوگ کچھ گڑ بڑ نہ کریں۔''

''دیکھو۔ !ابھی چاچے عمر حیات کی بیٹی کی شادی ہے۔ یہ بخیر عافیت گذر جائے اور چاچا خود قبضے کے لیے کہے گا تو ہم قبضہ لیں گے۔ تب جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ قبل از وقت پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔'' فہد نے کہا تو سلمٰی بولی

''ہاں۔ !یہ ٹھیک ہے۔ انہیں بھی پریشانی نہیں ہو گی۔ آپ آؤ نا۔ بیٹھو۔ کھانا کھا کر جائیے گا۔''

''نہیں۔ !بس میں نے فائل دینا تھی۔ اور یہ کاغذ اسے سنبھال کر رکھنا۔ بلکہ اسے ایک نظر دیکھ بھی لینا۔ مجھے ابھی گھر جانا ہے کچھ کام ہے ابھی۔'' فہد نے بتایا

''کچھ دیر رک جاتے۔ ابھی ابو آجاتے۔'' سلمٰی نے اصرار کرتے ہوئے کہا

''میں جلدی آ گیا تو ادھر ہی آؤں گا۔ تم دروازہ لگا لو۔ میں چلتا ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ واپس پلٹ گیا۔ سلمٰی اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

قسمت نگر پر رات اتر آئی تھی۔ فہد صحن میں چار پائی پر یوں بیٹھا ہوا تھا، جیسے پرانی یادوں میں کھویا ہوا ہو۔ اتنے میں سراج کے ساتھ بابا نعمت علی آ گئے تو وہ انہیں دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ ان کے ساتھ بڑے تپاک سے ملا اور انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ بیٹھ گئے۔ تبھی سراج نے کہا

''فہد۔ !یہ بابا نعمت علی ہے۔ چوہدری کے مزارع۔ تمہاری جو زمین چوہدری کے قبضے میں لی ہوئی ہے، یہ اسی پر کام کرتے ہیں۔ یہ تم سے ملنا چاہتے تھے۔''

''جی بابا جی۔ !بتائیں، کیوں ملنا چاہتے تھے؟'' فہد نے پوچھا تو بابا نعمت علی نے کہا

''بات یہ ہے پتر۔ !جب تک تم نے عمر حیات کی زمین نہیں خریدی تھی، اس وقت تک ہم یہی سمجھتے رہے کہ تم واپس چلے جاؤ گے...... یہاں نہیں رہو گے۔ لیکن اب ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ تم یہاں ہی رہو گے۔''

''میں اب یہیں رہوں گا۔ میرا مرنا جینا اب یہاں کے لوگوں کے ساتھ ہے۔'' فہد نے مضبوط لہجے میں کہا تو بابا نعمت علی نے بڑے ٹھہرے لہجے میں کہا

''میں اس لیے تمہارے پاس آیا ہوں کہ چوہدری اب تمہیں زندہ نہیں دیکھنا چاہتا۔ اس نے میرے بیٹے نذیر سے کہہ دیا ہے کہ تم

جب بھی زمین کا قبضہ لینے کی کوشش کرو تو تمہیں ......'' وہ کہتے ہوئے رک گیا تو دونوں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ چند لمحے بعد فہد نے کہا

''زندگی اور موت تو خدا کے ہاتھ میں ہے بابا جی۔ کیا آپ مجھے دھمکی دینے آئے ہو؟''

''ارے نہیں۔! پہلے پوری بات تو سن لو۔ کوئی دھمکی نہیں ہے۔'' سراج نے جلدی سے کہا تو بابا نعمت علی بولا

''میں اس قتل وغارت سے بچنا چاہتا ہوں۔ نہیں چاہتا کہ یہ خونی کھیل کھیلا جائے اور وہ بھی ہمارے ہاتھوں۔ نقصان ہمارا ہوگا یا تیرا، چوہدریوں کا کیا جائے گا۔''

''آپ چاہتے کیا ہیں، کھل کر بات کریں۔'' فہد نے پوچھا تو سراج نے کہا

''میں تمہیں سمجھاتا ہوں۔ چوہدری نے اس کے بیٹے نذیر کو آگے کر دیا ہے اور اس کے ساتھ چند غنڈے بدمعاش لگا دیئے ہیں۔ تاکہ تم کسی بھی طرح زمین کا قبضہ نہ لے سکو۔ نہ اپنی زمین کا اور عمر حیات والی زمین کا یہ بابا نعمت علی نہیں چاہتا کہ کوئی خون خرابہ ہو۔ یہ صلاح لے کر آئے ہیں۔''

''کیسی صلاح؟'' فہد نے پوچھا

''ہم تمہاری زمین چھوڑ دیتے ہیں۔ تم اپنی زمین کا قبضہ لے لو۔ اس طرح ہم درمیان سے ہٹ جائیں گے۔'' بابا نعمت علی نے جلدی سے کہا

''کیا پھر چوہدری جلال تمہیں اپنا مزارع رکھے گا؟ تمہارے پاس زمین نہیں ہوگی تو پھر کیا کرو گے۔ میرے پاس مزارعے رہو گے؟'' فہد نے پوچھا

''وہ اللہ مالک ہے۔ ہم نے یہاں کسی کا مزارع نہیں رہنا۔ کسان کو زمین بہت۔ ہم نے یہاں سے چلے جانا ہے۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ تم ہمیں کھڑی فصل کی رقم دے دو۔ تاکہ لوگوں کو اور چوہدری کو پتہ چل جائے کہ ہم نے تمہاری زمین چھوڑ دی ہے۔'' بابا نعمت علی نے کہا

''کھڑی فصل کی رقم تو میں دے دوں گا۔ لیکن اس کی کیا ضمانت ہے کہ ایسا ہی ہوگا جیسا آپ کہہ رہے ہو؟'' فہد نے شک آلود لہجے میں پوچھا

''بات پورے گاؤں کے سامنے چوپال ہوگی۔ ہم لکھ کر رقم لیں گے۔ پٹواری ہوگا۔ یہ معاملہ چھپ کر نہیں کریں گے۔ میرے پتر کو کوئی طعنہ نہیں دے گا کہ ہم نے ڈر کے مارے ایسا کیا ہے۔ رقم بھی گاؤں والے طے کر دیں گے۔'' بابا نعمت علی نے اصول کی بات کی تو فہد نے کہا

''اگر ایسی بات ہے تو ٹھیک ہے۔ میں بھی چاہتا ہوں کہ خون خرابہ نہ ہو۔ یہاں گاؤں میں امن رہے۔ اگر تم لوگوں کو چوہدری

اپنی زمین سے بے دخل کر دیتا ہے تو میں دے دوں گا زمین، کیوں سراج؟''

''ہم نے یہاں رہنا ہی نہیں ہے پتر، چوہدری ہمیں مزارع نہیں بدمعاش بنانا چاہتا ہے۔'' بابا نعمت علی نے کہا تو سراج اپنا سر ہلاتے ہوئے بولا

''ٹھیک ہے وہ جیسے آپ کی مرضی، کسی لڑائی جھگڑے کے بغیر یہ معاملہ حل ہو جاتا ہے تو اور کیا چاہئے۔''

''تو بس پھر۔ یہ سب تم دیکھ لو کیسے کرنا ہے اور کیا کرنا ہے۔'' فہد نے یہ سراج کی ذمہ داری لگا دی۔

''میں دیکھ لوں گا۔'' سراج فوراً مان گیا پھر بابا نعمت علی کی طرف دیکھ کر بولا، ''ٹھیک ہے بابا۔ بات طے ہو گئی۔ امن امان سے سارا معاملہ طے کر لیتے ہیں۔ ہم کل ہی بات کر لیتے ہیں۔ زیادہ وقت لیا تو شاید بات بگڑ جائے۔''

''ٹھیک ہے، اللہ تم لوگوں کو زندگی دے۔ نذیر کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ ان کے سر پر باپ کا سایہ سلامت رہے۔ اچھا اب میں چلتا ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے بابا نعمت علی اٹھ گیا۔ دونوں نے اس سے ہاتھ ملائے تو بابا چلا گیا۔ وہ دونوں بیٹھ کر اسی موضوع پر بات کرنے لگے۔

اگلے ہی دن کی شام، قسمت نگر کے چوراہے میں پنچائت کی صورت وہاں پر کافی لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ درمیان میں ایک بزرگ سا شخص بیٹھا ہوا تھا۔ اس بزرگ نے اپنی بات کا آغاز کرتے ہوئے کہا

''صلح صفائی اور امن کے ساتھ اگر کوئی معاملہ حل ہو جاتا ہے تو اس سے بڑھ کر اور بات کیا ہے۔ فہد پتر نے اب گاؤں میں رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور اس نے اپنی زمین تو واپس لینی ہے۔ نعمت علی نے یہ اچھا سوچا ہے کہ خون خرابے سے بچا جائے۔ ہاں تو فہد پتر کیا کہتے ہو تم؟''

''بابا نعمت علی سمجھتا ہے کہ میری زمین کے لیے ان چوہدریوں نے آ کر نہیں لڑنا۔ انہی مزارعوں کو اس نے لڑوانا ہے۔ خون انہی مزاروں کا بہنا ہے۔ یہی ہوتا آ رہا ہے نا اب تک؟ سب جانتے ہیں کہ چوہدریوں نے میری زمین پر ناجائز قبضہ کیا ہوا ہے۔ اب اگر لڑنا پڑا تو بابے نعمت علی یا پھر اس کے پتر کو لڑنا پڑے گا۔ نقصان کس کا ہو گا اور فائدے میں کون رہے گا۔ سب جانتے ہیں۔'' فہد نے کھل کر بات کی تو بزرگ نے کہا

''نعمت علی۔! کیا یہ بات تم نہیں سمجھتے ہو کہ چوہدریوں کی اجازت کے بغیر تم زمین فہد کے حوالے کر رہے ہو۔ وہ تمہارے ساتھ ناراض نہیں ہوں گے؟''

''میں نے یہاں سے چلے جانے کا فیصلہ کر لیا ہوا ہے۔ بس اپنی فصل کا انتظار کر رہا تھا۔ نہ پھر مجھے زمین کا لالچ رہے گا اور نہ چوہدریوں کی ضرورت۔ میں نے زمین فہد کے حوالے نہیں کرنی۔ چھوڑ دینی ہے۔ اور اصل بات یہ کہ میں مزارع تو ہوں غنڈہ بن کر نہیں رہنا چاہتا۔ میں نے نہیں لڑنا۔'' بابا نعمت علی نے کہا

''اگر تجھے فصل کی رقم مل جاتی ہے تو کیا تم زمین کا قبضہ چھوڑ دو گے۔'' بزرگ نے پوچھا

’’جی چھوڑ دوں گا۔ یہاں رہتا ہوں تو چوہدریوں کے لیے لڑنا پڑتا ہے فصل کی رقم مل گئی تو کہیں اور جا کر کام کر لوں گا۔ زمین میں چھوڑ دوں گا۔‘‘ بابا نعمت علی نے کہا

’’کیا خیال ہے فہد پتر؟‘‘ بزرگ نے پوچھا تو فہد بولا

’’ہم آپ کے پاس اسی لئے تو بیٹھیں ہیں کہ آپ رقم کے معاملے میں جو فیصلہ کر دیں ہمیں قبول ہوگا۔ باقی رہا زمین کا قبضہ وہ میں لے لوں گا۔‘‘

’’چلو یہ اچھا ہوا، ہم ابھی مشورہ کر کے رقم طے کر لیتے ہیں۔‘‘ بزرگ نے کہا اور چند دوسرے لوگوں کے ساتھ مشورہ کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد اس نے ایک معقول رقم بتاتے ہوئے پوچھا

’’فہد کیا یہ رقم تجھے قبول ہے جو ہم نے بتائی ہے؟‘‘

’’جی، آپ کا فیصلہ سر آنکھوں پر۔ میں تین دن بعد اسی وقت عصر کی اذان سے پہلے رقم ادا کر دوں گا۔‘‘

اتنے میں سراج نے کچھ رقم نکال کر بزرگ کو دیتے ہوئے کہا

’’یہ لیں کچھ رقم ابھی لے لیں۔‘‘

’’بزرگ نے وہ رقم پکڑی اور نعمت علی کو دیتے ہوئے کہا

’’گن لو، اب فیصلہ ہو گیا ہے۔‘‘

نعمت علی نے رقم گن کر جیب میں ڈالی تو وہاں موجود لوگ اٹھ گئے۔ فہد کے لئے یہ بہت بڑی کامیابی تھی۔ قسمت نگر کے لوگ اب اس کا وجود تسلیم کرنے لگے تھے۔ انہیں یہ احساس ہو گیا تھا، کوئی تو ہے جو چوہدریوں کے سامنے کھڑا ہو سکتا ہے۔

اسی شام فہد اپنے گھر میں بیڈ پر لیٹا ہوا یہ سوچوں میں گم تھا۔ ایسے میں سراج نے آ کر دیکھا تو ٹھٹک گیا۔ سراج نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا

’’فہد۔! بہت پریشان لگ رہے ہو۔ کیا بات ہے۔ خیر تو ہے۔ کہیں فیصلہ......‘‘

’’اونہیں، بات فیصلے کی نہیں، اور یہ سچ ہے کہ میں پریشان ہوں۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ مجھے اتنی رقم ادا کرنا پڑے گی۔‘‘ فہد نے کہا

’’کیا تمہارے پاس اتنی رقم نہیں ہے؟‘‘ سراج نے پوچھا تو فہد سوچتے ہوئے بولا

’’ہے، اتنی رقم ہے میرے پاس۔ وہ میں نے اس لیے رکھی تھی کہ میں نے سلمٰی کو ایک ادارہ بنا کر دینا تھا۔ وہ رقم میں نے اس پر خرچ کرنا تھی۔ اب ایک طرف سلمٰی سے کیا ہوا وعدہ ہے اور دوسری طرف میری آبائی زمین۔ مجھے ان دونوں میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہوگا۔‘‘

’’تو پھر کیا سوچا ہے تم نے؟‘‘ اس نے پوچھا

’’یہی تو سمجھ نہیں آ رہی ہے۔ ایک طرف میری انا ہے اور دوسری جانب وعدہ۔ مجھے ان میں سے کسی ایک کا انتخاب تو کرنا پڑے گا۔ اور پھر سراج۔! تم یہ محسوس نہیں کرتے ہو کہ اتنی زیادہ رقم کیوں؟‘‘ فہد نے کہا

''یہ تو پنچائیت کا فیصلہ تھا نا..... جیسے تم نے قبول کیا۔تم وہاں کچھ کہتے تو ممکن ہے یہ رقم کم بھی ہو سکتی تھی۔'' سراج بولا تو فہد نے سنجیدگی سے کہا

''نہیں۔ میں فیصلے کی بات نہیں کر رہا ہوں۔ بلکہ یہ سوچ رہا ہوں کہ اتنی آسانی سے زمین کی واپسی۔ کہیں ہمارے خلاف کوئی سازش تو نہیں ہے؟''

''ہاں۔! میں نے بھی اس پر سوچا تھا۔لیکن مجھے نہیں لگتا۔کیونکہ یہ فیصلہ گاؤں کے بزرگوں میں ہوا ہے۔اور وہ اس کے ضامن ہیں۔اب اگر سارا گاؤں ہی ہمارا مخالف ہے۔یا ہمارے خلاف سازش کرے پھر ہمارے لیے یہاں رہنے کا کوئی جواز نہیں۔'' سراج نے سمجھایا

لیکن اتنی آسانی سے؟ بابا نعمت علی اور اس کے بیٹے نذیر کا مان جانا۔وہ چوہدری کی حکم عدولی کیسے کر سکتے ہیں۔میرا دل مانتا ہے۔یہ ہمارے خلاف سازش نہیں۔'' فہد نے الجھتے ہوئے کہا

''بابا نعمت علی کا یہ فیصلہ اچانک نہیں۔وہ بہت پہلے سے میرے ساتھ اپنی خواہش کا اظہار کرتا تھا۔خیر۔!تم کہو، اپنی انا کا انتخاب کرتے ہو یا اپنے وعدے کا۔'' سراج نے پوچھا

''تم کیا کہتے ہو؟'' فہد نے رائے چاہی

''دونوں۔! زمین بھی واپس لیں گے اور وعدہ بھی پورا کریں گے۔ساری رقم کی ادائیگی میں کروں گا.....تم اپنی رقم اپنے وعدے کے لیے بچا کر رکھو۔'' سراج نے حتمی لہجے میں کہا

''سراج۔! یہ تم؟'' وہ حیرت سے بولا

''کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں۔زبان دی ہے تو اب اس سے پیچھے نہیں ہٹنا۔وہ چاہے کسی کو بھی دی ہے۔تو پریشان نہ ہو۔سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' سراج نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا

''مجھے تمہاری دوستی پر مان ہے سراج۔اب مجھے پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔اب تو یہ دیکھنا ہے۔چوہدری کب وار کرتے ہیں۔'' فہد نے سوچتے ہوئے کہا تو سراج نے پوچھا

''کیا تمہیں اس کی امید ہے؟''

''ہر وقت، یہ ان کے لیے بہت بڑا زخم ہوگا۔'' فہد نے حتمی انداز میں کہا تو پھر دونوں ہی قہقہ لگا کر ہنس دیئے۔

❁.....❁.....❁
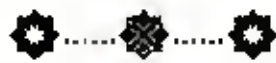
شہر پر شام اتر آئی تھی۔مائرہ اپنے آفس میں بیٹھی سوچ رہی تھی کہ ابھی گھر جائے یا نہیں۔اسے اپنی ماما کی باتیں یاد آرہی تھیں۔ کل بھی وہ اپنی ماما سے سامنا نہ کرنے کے باعث اپنے گھر دیر سے گئی تھی لیکن اس کی ماما بانو بیگم ٹی وی لاؤنج میں صوفے پر بیٹھی ٹی وی کی جانب متوجہ تھی۔وہ اسی کی منتظر تھی۔کیونکہ جیسے ہی مائرہ نے آکر اپنا لیپ ٹاپ اور دوسری چیزیں ایک جانب رکھیں تو بانو بیگم نے اس دوران ٹی وی کی آواز کم کر کے پوچھا

"تمہیں چند دنوں سے کیا ہو گیا ہے، اتنی مصروف ہو کہ اپنی ماما کے لئے بھی تھوڑا وقت نہیں نکال پا رہی ہو۔"

تبھی مائرہ نے سنجیدگی سے کہا

"ہاں ماما، میں نے خود اپنے آپ کو مصروف کر لیا ہے۔"

"وہ کیوں۔! بات کیا ہے؟" بانو بیگم نے حیرت سے پوچھا تو مائرہ بولی

"بس ماما۔! اور کچھ کرنے کے لئے نہیں ہے نا تو میں نے خود کو اپنے کام میں زیادہ مصروف کر لیا ہے۔ اس میں کوئی پریشان ہونے والی بات تو نہیں ہے۔"

"مائرہ۔! میرے بچے۔ تم لاکھ کوشش کرو۔ مگر مجھ سے اپنا جھوٹ نہیں چھپا پاؤ گی۔ مجھے بتاؤ۔ بات کیا ہے۔ تم کیوں افسردہ سی رہنے لگی ہو۔" بانو بیگم نے پیار سے چمکارتے ہوئے پوچھا تو مائرہ بولی

"کچھ نہیں ماما۔ ظاہر ہے ابھی میں بہت کچھ کرنا چاہتی ہوں۔ اس لئے میں چاہتی ہوں کہ زیادہ سے زیادہ کام کروں۔ اور بس۔"

"میں کہتی ہوں بیٹی۔! شادی کے لئے ہاں کر دو۔ ایک نئی زندگی کی شروعات کرو گی تو بہت زیادہ Change بھی آ جائے گا۔" بانو بیگم نے سمجھایا

"آپ یہ بات کیوں نہیں سمجھتی ہیں کہ میں اپنی زندگی سے مطمئن ہوں۔ اور میں اس میں فی الحال کوئی Change نہیں چاہ رہی ہوں۔ ابھی میری ساری توجہ اپنے کام کی طرف ہے۔" مائرہ نے کہا تو وہ بولیں

"کام تمہارا صرف ایک بہانہ ہے، اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ میں جب کہہ رہی کہ وہ سب کچھ میرے ساتھ شیئر کرو جو تمہارے دماغ میں چل رہا ہے تو اس سے تمہارے لئے بہت ساری آسانیاں ہوں گی۔"

"ماما۔! زندگی میں آنے والے حالات کبھی کبھی ایسے دوراہے پر لے آتے ہیں کہ کسی بھی قسم کا کوئی فیصلہ کیا ہی نہیں جا سکتا صرف وقت کا انتظار کیا جاتا ہے۔ چاہے تو یہ وقت ہمارے دامن میں خوشیاں بھر دے یا پھر غم ہمارا مقدر بن جائے۔" مائرہ نے ایک طویل سانس لے کر کہا تو بانو بیگم تڑپ کر بولیں

"اللہ نہ کرے بیٹی۔! غم تمہارا مقدر بنے۔ کیا میں جان سکتی ہوں کہ تم ایسے کسی وقت کی منتظر کیوں ہو؟"

"بتاؤں گی، ضرور بتاؤں گی آپ کو، میں فریش ہو کر آتی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ اپنے آپ میں کھوئی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ بانو بیگم اسے دیکھتی ہی رہ گئی۔ وہ ماں تھی، سمجھ رہی تھی کہ کوئی نہ کوئی دکھ تو اس کی بیٹی کو اندر ہی اندر سے کھا رہا ہے۔ وہ اپنی ماما کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس لئے سرِ شام گھر جانے کو دل نہیں کر رہا تھا۔ اپنے آفس سے نکلتے ہوئے جعفر کا خیال آیا تو اس نے کال کر کے پوچھا کہ وہ کہاں ہے۔ وہ اپنے گھر پر تھا۔ مائرہ نے اسے وہیں رکنے کا کہا اور اس کے پاس پہنچ گئی۔

جعفر نے پلیٹوں میں کھانے پینے کی چیزیں لے کر میز پر رکھیں اور پھر خود بیٹھ گیا۔اتنے میں مائرہ دو کپ چائے ٹرے میں رکھے نمودار ہوئی۔اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔اس نے وہ ٹرے لا کر میز پر رکھی اور ساتھ پڑے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا

''دیکھو جعفر۔!چائے جیسی بھی ہو، پی لینا۔نخرے مت کرنا۔میں نے اپنی طرف سے بہت اچھی چائے بنائی ہے۔''

''یہ جو تم اسنیکس لائی ہو۔ان کے صدقے میں یہ بدذائقہ چائے بھی پی لوں گا۔'' جعفر نے ہنستے ہوئے کہا تو مائرہ نے مصنوعی غصے میں کہا

''اوئیں بدذائقہ۔!ابھی چائے پی نہیں۔ذائقے بارے پہلے ہی پتہ چل گیا۔بدگمانی نہیں کرتے۔بہت بری بات ہے یہ۔''

''میں۔!اور تمہارے بارے میں بدگمانی......ایسا ہو ہی نہیں سکتا میڈم۔تمہیں بھی پتہ ہے، میں نے زندگی میں چند خاص لوگوں ہی سے تعلق بنائے ہیں۔تم ان میں سے خاص الخاص ہو۔تمہارے بارے میں بدگمانی۔ناممکن۔'' جعفر نے کپ اپنے سامنے رکھتے ہوئے کہا تو مائرہ بولی

''ہاں جعفر۔!اپنوں کے بارے میں بدگمانی کرنا بھی بے ایمانی ہوتی ہے۔جسے ہم اپنا کہہ دیں تو پھر کیا بچتا ہے بدگمانی کے لیے۔اب اگر کوئی ساتھ نہ چلے۔ہم سفر بن کر بھی راستہ میں چھوڑ جائے تو بندہ کیا کر سکتا ہے۔''

''مائرہ۔ا آج میرے ساتھ ایک وعدہ کرو۔'' جعفر نے اچانک اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا

''کیسا وعدہ؟'' اس نے چونکتے ہوئے پوچھا

''دیکھو۔!تم فہد کو نہیں بھلا سکتی، میں یہ مانتا ہوں۔لیکن ہر وقت یہی سوچتے رہنا، یہ ٹھیک نہیں ہے۔تم یہ کیوں نہیں مان لیتی کہ وہ تمہارا ہم سفر کبھی بنا ہی نہیں تھا۔تو پھر اس سے گلہ کیسا؟'' جعفر یے اسے سمجھاتے ہوئے کہا

''ہاں۔!تم ٹھیک کہتے ہو۔لیکن......'' مائرہ نے کہنا چاہا تو جعفر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا

''لیکن ویکن کچھ نہیں۔!تم خود اس دائرے میں سے نکلنا نہیں چاہتی۔میں یہ بھی مانتا ہوں کہ تمہیں اس سے محبت ہے، لیکن کیا مائرہ۔!محبت حاصل کر لینے ہی کا نام ہے؟ حاصل کر لینا ہی محبت ہے تو سوری میڈم۔یہ خود غرضی ہے۔سودے بازی ہے۔بیوپار ہے۔''

''تم آئیڈیل باتیں کرتے ہو۔میرے اندر پڑی محبت، جو مجھے فہد کو بھولنے ہی نہیں دیتی، یہ ایک حقیقت ہے۔اس کا انکار کیسے کرو گے؟'' مائرہ نے بے بسی سے کہا

''میں انکار کرنے کے لیے نہیں کہتا اور نہ ہی اس محبت کی حقیقت کو جھٹلاتا ہوں۔میں تو صرف یہ کہتا ہوں کہ اسی محبت کو اپنی قوت بناؤ۔اسے اپنی کمزوری مت بناؤ۔تمہاری محبت میں قوت ہوئی تو لوٹ آئے گا۔ورنہ اسے بھلا دینا ہی بہتر ہے۔'' جعفر نے اسے سمجھایا

''شاید تم میری بات اب بھی نہیں سمجھے ہو۔'' مائرہ نے کہا

''میں سمجھتا ہوں۔ایک ایک بات سمجھتا ہوں مائرہ۔!یہاں بیٹھ کر کڑھتے رہنے سے، اسے یاد کر کے آہیں بھرنے سے کچھ نہیں

ہونے والا۔تمہاری محبت تمہاری کمزوری بن جائے، کیا یہ تمہاری ذات کی توہین نہیں ہے مائرہ؟ اظہار محبت کے اور بہت سے طریقے ہوتے ہیں۔خود کو مضبوط بناؤ۔'' جعفر نے کہا تو مائرہ سوچتے ہوئے انداز میں بولی

''مجھے ایسے ہی کرنا چاہیے۔میں اسے کبھی گلہ نہیں دوں گی کہ وہ میرا ہمسفر نہیں بنا۔لیکن میری محبت......اس کے لیے ہمیشہ رہے گی۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے چونک کر جعفر کو دیکھا اور پھر بولی، ''تم کیا وعدہ چاہتے ہو؟''

''یہی جو تم کہہ رہی ہو۔اپنے دل میں محبت رکھو،لیکن بات بے بات اس کا اظہار نہ کرو۔خود کو مظلوم نہ بناؤ۔مضبوط بنو۔فہد کو دُور رہ کر بھی احساس دلاؤ کہ تمہارے دل میں اس کے لیے کتنی محبت ہے۔وہ تمہارے ہمسفر نہ بنا۔اس پر وہ افسوس کرے۔تم نہیں۔''

''ہاں،ایسا ہی ہوگا۔میں وعدہ کرتی ہوں جعفر۔!آج سے نہیں بلکہ ابھی سے......''

''ٹھیک ہے۔یہی بہتر ہوگا۔'' جعفر نے کہا تو ان کے درمیان ایک دم سے خاموشی چھا گئی۔تبھی اس نے مسکراتے ہوئے کہا،'' تمہارے اس وعدے کے چکر میں یہ چائے بھی ٹھنڈی ہوگئی۔''

''تم بیٹھو۔!میں دوبارہ بنا کر لاتی ہوں۔'' مائرہ نے کہا اور کپ اٹھا کر کچن کی طرف چلی گئی۔تو جعفر کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ بکھر گئی۔اس نے سکون سے صوفے کے ساتھ ٹیک لگا لی۔

ایسے ہی وقت حبیب الرحمٰن پر سکون سے انداز میں بیڈ پر نیم دراز اپنی سوچوں میں گم تھا کہ بانو بیگم آ کر بیڈ کی سائیڈ پر بیٹھ گئی۔حبیب الرحمٰن نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

''ہاں بیگم صاحبہ۔!فرمائیں آپ مجھ سے کیا بات کرنا چاہ رہی تھیں۔اب سکون سے کہو۔''

''وہی بات،جو میں آپ سے کہتی آرہی ہوں،مائرہ کی شادی۔ایک دو دن میں وہ لوگ کینیڈا سے آجائیں گے۔ظاہر ہے بات تو چلے گی۔انہیں کیا کہیں گے کہ باپ کے پاس فرصت نہیں اور بیٹی پروا نہیں کرتی۔'' بانو بیگم نے تلخی سے کہا تو حبیب الرحمٰن سکون بولا

''بیگم۔!تم اتنی پریشان کیوں رہتی ہو۔جب اس کی شادی کا وقت آیا تو میں ایک لمحہ بھی تاخیر نہیں کروں گا۔مجھے احساس ہے۔میری بیٹی ہے وہ۔اکلوتی بیٹی۔مجھے پتہ ہے کہ میں نے اس کی شادی کب اور کہاں کرنی ہے۔''

''یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ۔!اب شادی کا اور کیا وقت ہوگا۔پھر ایک سے بڑھ کر ایک رشتہ ہماری دہلیز پر کھڑا ہے۔ایسے چانس زندگی میں روز روز نہیں آتے۔'' بانو بیگم نے سمجھاتے ہوئے کہا

''تم یہ بات کیوں نہیں سمجھتی ہو کہ مائرہ شہر کے ایک بڑے بزنس مین کی اکلوتی بیٹی ہے۔مائرہ کی اپنی ایک شخصیت ہے جو میری ذات سے ہٹ کر اس نے خود بنائی ہے۔میں کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کروں گا۔جو مائرہ کی اوٹ میں پڑے بنک بیلنس اور جائیداد پر نگاہ رکھے۔اور مائرہ کی ذات سے آگاہ نہ ہو۔سمجھی تم بیگم۔'' حبیب الرحمٰن نے صاف انداز میں کہا تو بانو بیگم بولی

''ہمارے رشتے دار تو ایسے نہیں ہیں کہ ان میں......''

”دبیگم۔!جب میں نے ایک بار کہہ دیا ہے کہ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں مائرہ کے بارے میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ مجھے اپنی بیٹی پر فخر ہے۔اور میں خود بھی نہیں چاہتا کہ وہ مجھ سے الگ ہو۔وہ ہر پل میری نگاہ میں ہے۔ میں نے اگر اسے اجازت دی ہے تو میں ہی اس کا نگہبان بھی ہوں۔“ حبیب الرحمٰن نے سمجھایا تو بانو بیگم نے دھیمے لہجے کہا

”آپ نے یہ سب باتیں مجھ سے پہلے کیوں نہیں کہیں؟“

”اس لیے کہ تم پہلے اتنی پریشان نہیں تھی۔اور پھر بیگم میں اس کی شادی کر کے اس کی شخصیت ،اس کی ذات کو نہیں کچلنا چاہتا۔میں چاہتا تو اسے بزنس میں لے آتا،لیکن مجھے اس کی پرواہ ہے۔اس کی خوشیاں مجھے زیادہ عزیز ہیں۔“ حبیب الرحمٰن نے کہا

”اب مجھے اس کی کوئی فکر نہیں۔آپ جہاں بہتر سمجھیں...... وہیں اس کی شادی کر دیں۔“ بانو بیگم نے مان لیا

”ہم دونوں کی مرضی سے زیادہ مائرہ کی خوشیاں ہمیں دیکھنی ہیں۔ ہماری ایک ہی اولاد ہے کیا ہم اسے بھی خوشیاں نہیں دے سکیں گے۔اپنی مرضی مسلط کریں گے۔نہیں ،ہم اسے زندگی کی ساری خوشیاں دینے کی کوشش کریں گے۔“ حبیب الرحمٰن کے لہجے میں بیٹی کا پیار گھلا ہوا تھا۔

”کیوں نہیں۔!ہم تو اپنی گذار چکے۔اب اس کی زندگی ہے۔“ بانو بیگم نے کہا تو حبیب الرحمٰن بولا

”اور ہر والدین کی طرح میں بھی اس کی بہترین زندگی کا خواہاں ہوں۔تم پریشان ہونا چھوڑ دو۔وقت آنے پر سب کچھ ہو جائے گا۔“

یہ کہہ کر وہ بیڈ پر دراز ہو گیا۔اس نے سائیڈ لیمپ بجھا دیا۔جس کا مطلب تھا کہ اب وہ سونا چاہتا ہے۔بانو بیگم بھی سو جانے کے لیے لیٹ گئی۔اس کے ذہن سے بوجھ اتر گیا تھا۔

❁......❁......❁

صبح کی روشنی میں چوہدری جلال کاریڈور میں بیٹھا اخبار پڑھنے میں مگن تھا۔رانی اس کے لئے چائے لے کر آئی تو اس نے دیکھ کر چائے رکھ دینے کا اشارہ کیا۔پھر اخبار پر نگاہیں جماتے ہوئے بولا

”بیگم سے کہو۔مجھے آج شہر جانا ہے۔“

”جی،ابھی کہہ دیتی ہوں۔“ رانی نے مودب انداز میں کہا اور فوراً پلٹ گئی۔اس کے جاتے ہی منشی فضل دین آ کر کھڑا ہو گیا۔تبھی چوہدری جلال نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا

”اوئے آ بھئی منشی کیسے آنا ہوا اس وقت۔خیر تو ہے نا۔“

”ابھی تو خیر ہی ہے۔“ منشی فضل دین نے کہا تو چوہدری جلال نے چونکتے ہوئے پوچھا

”کیا مطلب ہے تمہارا۔صاف کہو،کیا کہنا چاہتے ہو؟“

تب منشی فضل دین نے چوراہے میں ہونے والی ساری بات بتادی۔چوہدری جلال کا چہرہ غصے میں بھر گیا۔وہ اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے بولا

"میں نے نذیر سے جو کہا تھا وہ اسی کا اُلٹ کرنے جا رہا ہے۔وہ لوگ ڈر گئے ہیں یا نہیں ہم پر یقین نہیں رہا۔"

"اب ان کے دل کی بات کا تو نہیں پتہ، وہ کیا چاہتے ہیں۔لیکن اس طرح فہد تو آرام سے اپنی زمین لے جائے گا۔پھر اس کے لیے کچھ اور سوچنا پڑے گا،" منشی فضل دین نے کہا

"ہاں۔!بات اب گاؤں کے لوگوں میں آ گئی ہے۔نعمت علی کو رد کا تو پورا گاؤں ......" یہ کہتے ہوئے وہ رک گیا، پھر سوچتا ہوا بولا،"نہیں اب فہد کے بارے ہی کچھ سوچنا پڑے گا۔یہیں اسے روکنا ہو گا۔"

"جی چوہدری صاحب۔!میں نے نمبردار کو پیغام بھجوایا ہے کسی قیمت میں بھی زمین فہد کو نہ ملے۔" منشی نے کہا تو چوہدری جلال نے تیزی سے کہا

"نمبردار کے بس کی یہ بات نہیں ہے۔پھر بھی اگر وہ کوئی کوشش کرے تو کرنے دے۔اب میں دیکھتا ہوں۔تو جا اور اس معاملے میں کوئی بھی بات ہو، وہ مجھے بتانا۔"

"جی چوہدری صاحب۔!جیسے آپ کا حکم۔" منشی فضل دین نے کہا اور پلٹ گیا۔چوہدری نے قریب پڑا فون کا ریسیور اٹھا لیا پھر نمبر پش کرنے کے بعد چند لمحے انتظار کرتا ہے اور رابطہ ہو جانے پر بولا

"ہاں۔!میں چوہدری جلال بات کر رہا ہوں۔تھانیدار۔غور سے سن، جو میں نے تمہیں کہا تھا۔وہ کر دے۔اب فہد کو زیادہ وقت نہیں دینا۔"

فون پر تھانیدار کو ہدایت دے کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔اس کے چہرے پر غصہ اب بھی موجود تھا۔

منشی فضل دین وہاں سے نکلا تو سیدھا نعمت علی کے گھر کی طرف چلا گیا۔نعمت علی اپنے گھر سے نکل کر گلی میں سے آ رہا تھا کہ سامنے سے منشی اسے مل گیا۔دونوں آمنے سامنے ہوئے تو منشی نے کہا

"اچھا ہوا نعمت علی تم مجھے مل گئے ہو۔میں تمہاری طرف ہی جا رہا تھا۔"

"خیر تو ہے نا؟ کس لیے جا رہے تھے۔مجھے بلوا لیا ہوتا" نعمت علی نے کہا

"اوئے نعمت علی۔!یہ تو نے کیا بے وقوفی کی ہے۔فہد کو اس کی زمین دے دی اور وہ بھی چوہدری صاحب سے پوچھے بناہ۔تمہیں پتہ نہیں ہے چوہدری صاحب اس پر کتنا ناراض ہو سکتے ہیں۔تم نے نہ پوچھا۔نہ کسی سے بات کی۔مجھ سے ہی کوئی صلاح مشورہ کر لیتے۔" منشی نے ناراض ہوتے ہوئے کہا

"دیکھ منشی۔!اگر ایسی بے وقوفی کر کے میں خون خرابے سے بچ سکتا ہوں تو یہ بے وقوفی ہی سہی۔میں نے اور میرے بچوں نے اس زمین پر جو محنت کی ہے، میں نے تو وہ معاوضہ مانگا ہے۔اب اس معاملے میں مجھے کسی سے صلاح مشورے کی ضرورت نہیں۔" نعمت علی سکون سے بولا تو منشی نے غصے میں کہا

''عجیب بات کرتا ہے تو۔ یہ زمین تجھے چوہدری نے دی ہے۔ توان کا مزارع ہے، نہ کہ فہد کا؟''

''میں مانتا ہوں کہ زمین چوہدریوں نے دی لیکن کاغذوں میں نام تو میرا ہی چلتا ہے۔ تھانے کچہری میں تو نام میرا ہی بولے گا نا اور پھر چوہدریوں نے ہمیں کیا دینا ہے۔ تسلی، دلا سے، وہ پہلے کون سا ہماری پوری محنت ہمارے پلے ڈالتے آئے ہیں۔ جو چوہدری کہتا ہے، اگر ایسا ویسا کچھ ہو گیا تو بوجھ ہم پر ہی آنا ہے۔''

''یہ تو کس طرح کی باتیں کرنے لگ گیا ہے۔ چوہدری صاحب نے تم پر کتنا احسان کیا تمہیں رہنے کے لیے گھر اور کھیتی کے لیے زمین دی۔ اب اس کے احسانوں کا بدلہ تو ایسے دے رہا ہے۔'' منشی طنزیہ لہجے میں بولا تو نعمت علی نے انتہائی تلخی سے کہا

''احسانوں کے بدلے میں وہ میرے ہی بچوں کا خون مانگ رہا ہے۔ وہ میرے بچوں کو فہد سے لڑوانا چاہتے ہیں۔ نقصان تو ہمارا ہی ہوگا نا۔ چوہدری تو اپنے گھر میں بیٹھے ہیں۔ تھانہ کچہری بھگتنا پڑا تو ہمیں ہی بھگتنا ہوگا۔''

''تو کسی اور کی زبان بول رہا ہے نعمت علی۔! چل ایسے کر۔! جتنی رقم تو فہد سے لے رہا ہے۔ اتنی میں دیتا ہوں۔ زمین میرے حوالے کر دے۔ پھر میں جانوں اور فہد۔ چوہدری صاحب بھی تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔'' منشی نے کہا تو نعمت علی حتمی لہجے میں بولا

''میں اب پنچائیت میں زبان دے چکا ہوں۔ اب مجھے کوئی دوگنا معاوضہ بھی دے تو میں زمین فہد ہی کو دوں گا۔ ہاں اگر وہ رقم کی ادائیگی نہ کر سکا تو پھر تمہیں دے دوں گا۔ یہ میرا وعدہ رہا۔''

''میں ایسی کسی پنچائیت کو نہیں مانتا، جس میں میرا اپنا کوئی فیصلہ نہ ہو۔ اب فہد زمین لے یا نہ لے۔ رقم کی ادائیگی کرے یا نہ کرے۔ لیکن تو اپنی سزا سوچ لے۔ یہ چوہدریوں سے غداری ہے غداری۔ یہ جس کی تو زبان بول رہا ہے نا، وہ بھی تجھے نہیں بچا پائے گا۔'' منشی نے دھمکی دیتے ہوئے کہا

''دھمکیاں نہ دے منشی۔! میں نے جو فیصلہ کرنا تھا وہ کر لیا۔ اب جو ہوگا وہ دیکھا جائے گا۔'' نعمت علی نے لاپرواہی سے کہا تو منشی بولا:

''تمہارا یہ چاؤ بھی پورا ہو جائے گا نعمت علی۔''

یہ کہہ کر وہ پلٹا اور واپس مڑ گیا۔ نعمت علی پریشان سا وہیں کھڑا رہ کر سوچنے لگا۔ پھر سر جھٹکتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ اسی دن دوپہر کے بعد سراج چوراہے میں گیا۔ اس نے حنیف دوکاندار کے پاس جا کر پوچھا

''یار یہ چھاکا نہیں آیا ادھر؟''

''ابھی تک تو نہیں آیا۔ اور نہ ہی چاچا سوہنا آیا ہے۔ اللہ خیر کرے، پتہ نہیں کدھر ہیں۔'' حنیف دوکاندار نے بتایا۔ تو سراج نے کہا

''یار وہ صبح سے نہیں آیا۔ وہ ادھر آئے نا تو اسے کہنا کہ فوراً ڈیرے پر آجائے۔ ویسے میں اس کا گھر سے پتہ کرتے ہوئے ڈیرے پر جاؤں گا۔''

لفظ ابھی اس کے منہ ہی میں تھے کہ چوراہے میں پولیس وین آکر رکی۔ وہ دونوں ہی اس کی طرف دیکھنے لگے۔ وین میں سے

تھانیدار باہر نکلا۔ اس نے دوکان پر کھڑے سراج کی طرف دیکھا اور اس طرف بڑھتا چلا گیا۔ اس نے سراج کے قریب جا کر طنزیہ لہجے میں کہا

''ہاں بھئی سراج، کدھر گیا وہ تیرا یار فہد۔ دوبارہ اس نے تھانے کا چکر نہیں لگایا۔ کوئی نیا قانون ہی سکھا جاتا۔''

''مجھے نہیں پتہ اور نہ مجھے تمہاری بات کی سمجھ آ رہی ہے۔'' سراج نے تلخی سے کہا اور یہ کہتے ہوئے وہ جانے لگا تو تھانیدار نے اس کا راستہ روکتے ہوئے کہا۔

''بات سن اوئے سراج، جسے تو دوست بنائے پھرتا ہے نا، وہ تیرا دوست نہیں اور کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ حقی اور سچی بات کہہ رہا ہوں۔''

''تو اور تیری حقی سچی بات۔ راستہ چھوڑ میرا۔'' سراج نے تلخی سے کہا تو تھانیدار ہنس کر بولا

''دیکھ، تیرے بھائی امین کو اسی فہد نے قتل کروایا ہے۔ اب تک میں نے اس پر ہاتھ اس لئے نہیں ڈالا کہ مجھے کوئی پکا ثبوت نہیں ملا۔ تفتیش کر رہا ہوں۔ جس دن بھی مجھے پکا ثبوت مل گیا۔ گرفتار کر لوں گا۔ پھر تجھے عقل سمجھ آئے گی۔'' اس نے کہا تو سراج نے چونک کر اس کی طرف دیکھا پھر بڑے طنزیہ لہجے میں بولا

''دیکھ انسپکٹر۔ تو جو مرضی کہہ اور تو جس کے اشارے پر یہ سب کہہ رہا ہے نا، میں وہ بھی جانتا ہوں۔ میں انصاف کے لیے عدالت جاؤں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ میرے بھائی کا خون کس نے کیا ہے۔''

''اوئے جھلا ہو گیا ہے تو، یہ وقت ثابت کرے گا سراج۔ میرے پاس ایسے ایسے ثبوت ہیں کہ فہد کو پھانسی سے نہیں بچا سکے گا۔ اب کسی ڈی ایس پی، ایس پی کا فون بھی اس کے کام نہیں آئے گا۔ بتا دینا اسے کہ کوئی وڈھی سفارش تلاش کر لے ابھی سے، مگر وہ بھی اس کے کام نہیں آئے گی۔'' تھانیدار نے حقارت سے کہا

''اوئے انسپکٹر، تو مجھے بتا۔ فہد کیوں میرے بھائی کا قتل کروائے گا۔ وہ تو اس کی مدد کر رہا تھا۔'' سراج نے تلخی سے کہا تو تھانیدار نے کہا

''اس لیے میری جان کہ اس کے پاس چوہدریوں کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ امین کا مدعا، چوہدری کبیر پر ڈال دے گا۔ مجھے پتہ ہے وہ بڑی کوشش کر رہا ہے۔ مگر اس کی کوئی کوشش اس کے کام نہیں آنے والی۔ تو میرے ساتھ تعاون کر یا نہ کر، میں نے اسے گرفتار کرنا ہے۔ بس شام تک ٹھہر جا۔''

''تو نے جو کرنا ہے کر، میں چلتا ہوں۔''

سراج نے کہا اور یہ کہہ کر آگے بڑھ گیا۔ تھانیدار نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور اپنی وین میں بیٹھ کر چلا گیا۔

ٹھہری ہوئی شام میں سکون گھلا ہوا تھا۔ایسے میں سلمیٰ اور فہد دونوں صحن میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔انہی باتوں کے دوران سلمیٰ نے پوچھا

''آپ مجھے ایک بات بتائیں۔''

''پوچھو۔!'' فہد نے اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو وہ بولی

''میں اکثر سوچتی ہوں کہ آپ نے زمین بھی خرید لی،اور یہاں پر رہنے کا پکا ارادہ کرلیا ہے۔لیکن چوہدریوں کے ساتھ جو آپ کی مخالفت ہے۔اس سے ہم چین سکون سے تو نہیں رہ سکیں گے۔کوئی نہ کوئی معاملہ تو چلتا رہے گا۔اب وہ تو اپنی زمینیں چھوڑ کر جانے سے تو رہے۔''

''تم نے ایسے کیوں سوچا کہ ہمیشہ ہی چوہدریوں کے ساتھ مخالفت رہے گی۔ہوسکتا ہے کبھی ہماری ان کی صلح ہوجائے۔وہ ہماری مخالفت نہ کریں۔'' فہد نے کہا

''یہ جو دن بدن بات بڑھتی جارہی ہے۔اس سے تو نہیں لگتا کہ کبھی صلح ہوگی اور وہ ہماری مخالفت نہیں کریں گے۔صلح تو تب ہوگی نا۔جب کوئی ایک ہار مانے گا۔'' سلمیٰ نے اس کی طرف دیکھ کر کہا

''ہار مان جانے سے صلح نہیں ہوتی۔چوہدری سیاست دان بھی تو ہے۔وہ جب بھی اپنے آپ کو کمزور پائے گا۔صلح کرے گا۔مگر تم ایسے کیوں سوچتی ہو؟ تم وہ سوچا کرو، جو تمہیں کہا گیا ہے۔'' فہد نے کہا

''ویسا تو تب سوچا جاسکتا ہے نا، جب سکون ہو اور آپ جس طرح کے انسٹیٹوٹ کی بات کررہے ہیں۔اس کے لیے سرمایہ بھی چاہیے۔اور......'' سلمیٰ نے تشویش سے کہا

''یہ سب میرے سوچنے کی باتیں ہیں سلمیٰ۔میں یہ سب کروں گا۔تم پریشان مت رہا کرو۔کیا تم نہیں جانتی ہو کہ ایک تم ہی میرا حوصلہ ہو۔'' فہد نے اسے یقین دلاتے ہوئے کہا

''مجھے حوصلہ کون دے گا۔آپ نا، جب آپ کو پریشان دیکھتی ہوں تو دل بے قابو ہوجاتا ہے۔آپ کو بھی یہ خیال رکھنا چاہیے کہ اب میری ساری امیدیں آپ سے ہیں۔'' سلمیٰ نے گلال چہرے کے ساتھ کہا

''کون کس کی اُمید ہے اور وہ اس پر کتنا پورا اترتا ہے۔یہ تو وقت بتائے گا نا۔اب ہم دونوں ایک راستے پر نکل پڑے ہیں تو رستے میں کئی طرح کی الجھنیں،خطرات اور مصیبتیں آئیں گی۔ہم دونوں ایک دوسرے کا حوصلہ ہوں گے نا تو یہ راستہ آسانی سے کٹ جائے گا۔تم اوٹ پٹانگ مت سوچا کرو۔'' فہد نے مسکراتے ہوئے کہا

''میرے پاس کرنے کے لیے کچھ نہیں ہے۔سوائے گھر کا کام کرنے کے۔اب میں سوچوں بھی نہیں؟'' وہ اٹھلاتے ہوئے بولی

''سوچو۔! لیکن مثبت سوچو، بہت اچھا سوچو۔بس کچھ دنوں کی بات ہے۔پھر تم بہت مصروف ہوجاؤ گی۔تمہیں یہ گھر کے کاموں

کی فرصت بھی نہیں ملے گی۔اور یہاں تک کہ میرے بارے میں بھی نہیں سوچ سکو گی۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا تو سلمٰی بولی

''اب ایسا کوئی وقت نہیں آئے گا کہ میں آپ کو بھول سکوں۔یہ آپ جانتے ہیں۔''

''اچھا۔!'' فہد نے کچھ ایسے انداز سے کہا کہ سلمٰی شرما گئی، پھر اٹھتے ہوئے بولی

''اچھا میں آپ کے لیے چائے لاتی ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ اندر کی جانب چلی گئی اور فہد مسکراتے ہوئے دیکھتا رہا۔

چائے پی کر فہد اپنے گھر آ گیا۔چھاکا صحن میں بیٹھا ہوا تھا۔فہد نے اس کے پاس جا کر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''یار یہ سراج نہیں آیا ابھی تک، شام ہونے کو آ رہی ہے۔آج وہ ملا ہی نہیں۔''

''وہ نور پور گیا ہے یار۔!رقم لینے۔مجھے بتا کر گیا تھا۔اللہ خیر رکھے گا۔!وہ آ جائے گا۔رقم کوئی اتنی زیادہ نہیں ہے۔تو پریشان نہ ہو۔'' چھاکے نے کہا

لفظ اس کے منہ ہی میں تھے کہ پھاٹک دھڑ دھڑ بجنے لگا،اس کے ساتھ کسی نے زور سے پکارا۔

''فہد باہر آؤ۔!''

''یہ کون ہو سکتا ہے؟ چھاکے۔!جلدی سے گن لے کر آؤ۔'' فہد نے باہر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو چھاکا تیزی سے بولا

''دیکھ تو لیں۔لیکن نہیں پہلے میں گن لاتا ہوں۔''

یہ کہتے ہوئے چھاکا اٹھا۔اتنے میں فہد دروازے تک چلا گیا۔اس نے پھاٹک کھولا تو سامنے پولیس وین کھڑی تھی۔ دروازے کے سامنے پولیس والے تھے۔سب سے آگے تھانیدار کھڑا تھا۔

''کیا بات ہے، یوں کس طرح......'' فہد نے پوچھنا چاہا تو تھانیدار نے حقارت سے کہا

''بکواس نہ کراوئے، چپ، میں تمہیں گرفتار کرنے آیا ہوں، چلو آگے لگ۔'' تھانیدار نے اپنے ریوالور سے اسے وین میں بیٹھ جانے کا اشارہ کیا

''لیکن کس جرم میں؟'' فہد نے خود پر قابو پاتے ہوئے پوچھا تو تھانیدار اسی لہجے میں بولا

''یہ تھانے چل کر بتاتے ہیں۔کون سا جرم ہے، گرفتاری کے آرڈر بھی وہیں ہیں۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنے عملے کو بدلے ہوئے سخت لہجے میں کہا

''چلو گھسیٹ کر ڈالو اسے وین میں۔''

''ٹھہرو۔!میں چلتا ہوں۔'' فہد نے سکون سے کہا تو بڑھتے ہوئے پولیس والے رک گئے۔فہد نے پلٹ کر دیکھا تو اسے چھاکے کا چہرہ دکھائی دیا۔اس کا مطلب ہے کہ اس نے دیکھ لیا ہے۔فہد وین میں خود جا کر بیٹھ گیا تو پولیس وین چل پڑی۔

پولیس وین تھانے کے باہر آکر رکی تو اس میں سے فہد اور پولیس والے باہر آئے۔ پولیس والے یوں فہد کو اپنے جلو میں لے کر اندر آئے جیسے وہ کوئی بہت بڑا مجرم ہو۔

تھانیدار حوالات سے سامنے آکر رکا اور فہد کی طرف طنزیہ انداز میں دیکھ کر اونچی آواز میں بولا

''اوئے رفیق۔! چل جلدی ذرا حوالات کھول اور ملزم کو ڈھک دے اندر۔''

''انسپکٹر۔! میرا جرم کیا ہے مجھے کیوں گرفتار کر کے لائے ہو۔'' فہد نے سکون سے کہا۔اس کے لہجے میں خوف کا شائبہ تک نہیں تھا۔اس پر تھانیدار نے اسے حقارت سے دیکھا اور طنزیہ لہجے میں بولا

''تُو بہت بھولا بن رہا ہے یار، تجھے اب بھی پتہ نہیں چلا تو نے کیا کیا ہے۔''

''میں نے کچھ کیا ہے یا نہیں کیا، میں تم لوگوں پوچھتا ہوں، مجھے کیوں گرفتار کیا گیا ہے۔تا کہ پھر بعد میں تم لوگوں کو یاد رہے کہ مجھے کیوں گرفتار کیا گیا تھا۔'' فہد نے مسکراتے ہوئے کہا تو تھانیدار اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے بولا

''اُو یار بتا دیتے ہیں۔اتنی جلدی بھی کس بات کی ہے۔......اوئے رفیق اُوئے، کدھر مر گیا ہے تُو۔''

''یہ غلط بات ہے انسپکٹر۔! تم مجھے وجہ بتائے بغیر حوالات میں نہیں ڈال سکتے۔'' فہد نے یوں کہا جیسے اسے چڑا رہا ہو۔تبھی تھانیدار نے بھنا کر کہا

''تو پھر کیا کرے گا۔ ہائیں رو دے گا، چلائے گا یا ہمیں مار ڈالے گا۔سن۔! ابھی ہم چوہدری جلال ایم این اے صاحب کو تمہاری گرفتاری کا بتاتے ہیں نا تو وہ ہمیں بتائیں گے کہ تمہیں کس جرم میں پکڑا ہے۔تم نے امین ارائیں کا قتل کیا ہے یا کروایا پھر تمہیں بتا دیں گے۔'' اس پر فہد چونک گیا۔اس پر قتل کا مقدمہ بنایا جا رہا تھا اس نے ایک لمحے کو سوچا پھر بولا

''انسپکٹر۔! ٹھیک ہے تو مجھے گرفتار کر کے لے آیا ہے لیکن اگر میرا جرم چوہدری نے ہی بتانا ہے تو پھر میری گرفتاری تمہیں مہنگی پڑے گی۔اس وقت کو یاد کر کے پچھتاؤ گے کہ تم ہی مجھے گرفتار کر کے کیوں لائے۔''

اتنے میں ایک سپاہی نے آکر حوالات کا دروازہ کھول دیا۔تو تھانیدار نے طنزیہ لہجے میں کہا

''یار، یہ سودے بازی ہم پھر کریں گے۔تو ابھی یہاں آرام کر، سکون کر یہاں۔''

''تم بھی سن لو اور اپنے چوہدری کو بھی بتا دینا۔میرے لیے یہ چیزیں کوئی وقعت نہیں رکھتی ہیں۔'' فہد نے کہا اور یہ کہتے ہوئے وہ خود حوالات میں داخل ہو گیا۔سپاہی نے کنڈا مار کے تالا لگا دیا۔فہد نے گھوم کر تھانیدار کو دیکھا تو وہ خباثت سے مسکرا دیا۔چند لمحے اس کی طرف دیکھتے رہنے کے بعد حقارت سے سر جھٹک کر باہر کی طرف چلا گیا۔فہد ایک دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔فہد کو پتہ تو تھا کہ اس کے کیا ساتھ کچھ بھی ہو سکتا ہے، لیکن اتنی جلدی ہو جائے گا، اس کا اندازہ نہیں تھا۔

قسمت نگر میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ پولیس فہد کو پکڑ کر لے گئی ہے۔ جو بھی یہ خبر سنتا اس کا یہ سوال ضرور ہوتا کہ کیوں پکڑ کر لے گئی؟ اس کے جواب میں جو بات بتائی جاتی وہ سبھی کو حیران کر دیتی۔ کوئی یقین ہی نہیں کرتا تھا کہ فہد بھی امین ارائیں کو قتل کروا سکتا ہے۔ چوراہے میں ہر کوئی اسی بات کو لئے بیٹھا ہوا تھا۔

حنیف کی دوکان کے سامنے لوگ جمع تھے اور یہی باتیں کر رہے تھے۔ ایک آدمی انہیں بتا رہا تھا

''یار سنا ہے فہد کو پولیس پکڑ کر لے گئی ہے۔ سچ میں ایسا ہو گیا ہے۔ مجھے تو اب تک یقین نہیں آ رہا ہے۔''

''تو اور کیا۔! ابھی یہاں میرے سامنے سے پولیس لے کر گئی ہے اسے۔ اس میں جھوٹ والی کیا بات ہے۔''

''لیکن اس نے کیا کیا تھا؟ کیوں پکڑ کر لے گئی اسے پولیس۔'' دوسرے آدمی نے پوچھا

''یار تو عجیب بندہ ہے کیا تجھے نہیں پتہ جو بندہ بھی چوہدریوں سے مخالفت مول لیتا ہے اس بندے کی زندگی میں پرسکون رہ سکتی ہے بھلا۔'' حنیف دوکاندار نے اس کی عقل پر ماتم کرنے والے انداز میں کہا تو تیسرا آدمی یقین سے بولا

''ہاں یار۔! اس فہد نے تو گاؤں میں آتے ہی پہلے دن موبے کو مار کر چوہدریوں کو للکار دیا تھا۔ پھر ایسا تو ہونا ہو تھا اب پتہ نہیں چوہدری اسے اتنے دن ڈھیل کیوں دیتے رہے ہیں۔''

''یار۔! اس کی لش پش بھی تو تھی نا، چوہدریوں نے دیکھا ہو گا وہ کتنے پانی میں ہے۔ اب اس پر ہاتھ ڈال دیا۔ چلا تھا اپنی زمین لینے اب بے چارہ جیل میں پڑا ہو گا۔'' حنیف دوکاندار نے کہا

''عمر حیات کی زمین بھی اب اسے نہیں ملنے والی۔ وہ رقم بھی ڈوب گئی سمجھو چوہدری اس کا قبضہ ہی نہیں لینے دیں گے۔'' ایک بندے نے اپنی رائے دی۔

''وہ اب جیل سے باہر آئے گا تو قبضہ لے گا نا، نہ اپنی زمین ملی نہ عمر حیات سے خریدی زمین ملی۔ دونوں طرف سے...... خیر ہمیں کیا۔'' ایک آدمی نے کاندھے اچکاتے ہوئے کہا تو وہاں پر مختلف تبصرے ہوتے رہے۔ تبھی حنیف دوکاندار نے رازدارانہ انداز میں کہا

''تم سب کو پتہ ہی نہیں ہے کہ فہد پکڑا کیوں گیا ہے۔ آج ہی تھانیدار نے سراج سے کہا تھا کہ امین ارائیں کا قتل اس نے کروایا ہے۔ اسی جرم میں وہ پکڑا گیا ہے۔''

وہاں پر موجود جس بندے نے بھی یہ بات سنی، اس نے دل سے یقین تو نہیں کیا لیکن منہ سے بھی کوئی لفظ نہیں کہا۔ اس انکشاف پر لوگوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور تتر بتر ہوتے چلے گئے۔

چوہدری جلال اپنی حویلی کے کاریڈور میں ٹہل رہا تھا۔ اس کے انداز سے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے وہ بڑا پرسکون ہے۔ اتنے میں منشی آ گیا تو چوہدری نے اسے دیکھتے ہوئے بولا

''ہاں بول منشی۔! کیا کہتے ہو؟''

''پولیس نے فہد کو پکڑ لیا ہے اور حوالات میں بند بھی کر دیا ہے۔تھانیدار پوچھ رہا تھا کہ ایف آئی آر میں کیا لکھنا ہے اور مدعی کسے بنانا ہے آخر قتل کا کیس اُس پر ڈالنا ہے۔''

اس کے بتانے پر چوہدری جلال نے مسکراتے ہوئے فاتحانہ انداز میں کہا

''ہونہہ۔!اس فہد نے تو ایک جھٹکا بھی نہیں سہا اور اب پڑا ہے حوالات میں۔اب اسے وہاں سے نہیں نکلنے دوں گا۔''

''اس کے بارے میں فیصلہ کرتے ہوئے ایویں دیر کرتے رہے، اسے علاقے کی فضا خراب کرنے کا موقعہ ہی نہیں دینا چاہئے تھا۔'' منشی فضل دین نے سر جھٹکتے ہوئے کہا

''اوئے منشی، اندھیرے میں تیر چلانا فضول ہوتا ہے۔ہدف کو اپنے نشانے پر لا کر جب تیر چلایا جاتا ہے نا تو وہ عین نشانے پر لگتا ہے۔یہ تو ابھی اس کے ساتھ کچھ بھی نہیں ہوا۔میں نے اس کے بارے میں بہت کچھ سوچ رکھا ہے۔'' چوہدری جلال نے حقارت سے کہا

''جی چوہدری صاحب واقعی اب اسے پھڑ کنے کا موقعہ نہیں ملنا چاہئے وہ تھانیدار کو پھر کیا بتاؤں جی میں؟'' منشی نے پوچھا تو چوہدری جلال نے اکتائے ہوئے انداز میں کروفر کے ساتھ کہا

''منشی۔!تم یہ باتیں اچھی طرح جانتے ہو کہ کرنا کیا ہے بس اسے اب گاؤں میں واپس نہیں آنا چاہئے۔''

''ہاں یہ تو اسے کہہ دیا ہے۔لیکن پھر بھی اسے اُلجھن ہے کوئی نہ کوئی مدعی تو اسے چاہیے ہوگا نا جی؟'' منشی نے اُلجھتے ہوئے کہا

''اُو یار۔!کبیر کو معلوم ہے کہ کیا کرنا ہے، اس سے پوچھ۔یہ کہہ کر وہ خود کلامی کے سے انداز میں بولا،'' اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کے پیچھے آتا کون ہے۔دیکھوں تو سہی اس کی پہنچ کہاں تک ہے اور وہ کتنے پانی میں ہے۔''

''جی میں نکے چوہدری صاحب سے ملتا ہوں۔اب میں دیکھ لوں گا سب کچھ، اس کے بارے میں جو بات بھی ہوئی میں آپ کو بتا دوں گا۔ٹھیک ہے چوہدری صاحب۔!میں پھر تھانیدار کو فون کر دیتا ہوں۔''

''اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کے لیے مجھ سے مت پوچھا کر منشی۔اب جا۔مجھے کچھ سوچنے دے۔'' چوہدری جلال نے کہا تو منشی جلدی سے پلٹ گیا اور چوہدری جلال پھر یونہی ٹہلنے لگا۔

❁......❁......❁

ماسٹر دین محمد اپنے گھر کے صحن میں پریشان بیٹھا ہوا تھا۔اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔سلمٰی اس کے پاس بیٹھی بے چین ہو رہی تھی۔تبھی اس نے کہا

''اب کیا ہوگا ابا جی۔!فہد کو پولیس والے.....''

''کچھ نہیں ہوتا پتر۔!مجھے یہ ڈر تھا کہ ایک دن ایسا ہی ہونا ہے۔چوہدری اسے یونہی ڈھیل نہیں دے رہے ہیں۔آخر انہوں نے اپنا آپ دکھا دیا۔'' ماسٹر دین محمد نے افسردگی سے کہا تو سلمٰی جلدی سے بولی

''انہوں نے تو جو کرنا تھا کر لیا۔اب ہمیں کیا کرنا ہے اسے کس طرح پولیس کے چنگل سے نکالنا ہے۔'' یہ کہہ کر لحہ بھر خاموشی کے بعد وہ ڈرتے ہوئے پوچھا،'' آپ جائیں گے ابا جی۔''

''ظاہر ہے پتر۔!میں نے ہی جانا ہے۔تم مجھے کچھ رقم دو میں جاتا ہوں۔'' ماسٹر دین محمد نے سوچتے ہوئے کہا

''اور اگر آپ کی بھی نہ سنی گئی؟'' سلمیٰ نے تشویش سے پوچھا تو ماسٹر دین محمد نے کہا

''پتر۔!میں اپنی طرف سے تو پوری کوشش کروں گا کہ فہد کو لے آؤں آگے اللہ مالک ہے۔ہم تو اپنی سی کوشش ہی کر سکتے ہیں نا۔''

''میں لاتی ہوں۔'' سلمیٰ اٹھنے لگی تو اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی اور پھر ساتھ ہی سراج کی آواز آئی

''استاد جی، میں ہوں سراج۔''

''آجاؤ سراج۔!'' ماسٹر دین محمد نے جواباً کہا تو سراج اندر آ کر ماسٹر دین محمد کے پاس بیٹھ گیا۔

''وہ فہد کو......'' ماسٹر دین محمد نے کہنا چاہا تو سراج بولا

''جی استاد جی۔!۔میں آپ کو یہی بتانے آیا ہوں کہ میں آ گیا ہوں اور اب تھانے جا رہا ہوں۔آپ فکر نہ کریں۔میں کچھ کرتا ہوں آپ گھر ہی میں رہیں۔اور بس دعا کریں۔''

یہ کہہ وہ اٹھا اور باہر کی طرف چل دیا۔ماسٹر دین محمد نے اسے نہیں روکا۔وہ چلا گیا تو سلمیٰ نے غصے میں کہا

''چوہدری اب اپنا زور دکھائیں گے نا،انہوں نے کہا تھا کہ فہد کی زمین ہی اس کے گلے پڑ جائے گی۔''

''دیکھیں کیا ہوتا ہے۔تم نماز پڑھ کر اس کے لیے دعا کرو۔میں بھی دعا کرتا ہوں۔'' ماسٹر دین محمد نے سکون سے کہا تو سلمیٰ چند لمحے یونہی کھڑی رہی، پھر پلٹ کر اندر کی طرف چلی گئی۔

سراج نے تھانے کے اندر آ کر دیکھا۔حوالات میں فہد دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھا ہوا تھا۔اس کی نگاہ سراج پر پڑی تو اٹھ کر سلاخوں کے پاس آ گیا۔اس نے مسکراتے ہوئے سراج سے پوچھا۔

''کیا بنا۔کوئی ملا یہاں پر..... یا سارے غائب ہو گئے ہیں؟''

وہاں صرف تھانے کا منشی بیٹھا ہوا ہے۔میری تو وہ بات ہی نہیں سنتا۔یہی کہہ رہا ہے کہ تھانے دار آئے گا تو جو بات کرنی ہے اسی سے کر لیں۔میں کچھ نہیں کر سکتا۔میرا خیال ہے کہ تھانیدار جان بوجھ کر یہاں سے چلا گیا ہے۔'' سراج نے اس نے طرف دکھ کر سنجیدگی سے کہا

''یہ محض تمہارا خیال نہیں، حقیقت یہی ہے کہ اب وہ یہاں تھانے نہیں آئے گا۔اب جو کرنا ہے ہمیں خود ہی کرنا ہوگا۔'' فہد نے کہا

''تو پھر بتاؤ نا مجھے کیا کرنا ہے، کیا کروں، کس کے پاس جاؤں۔'' سراج نے تیزی سے پوچھا تو فہد بولا

''ایک وکیل کا بندوبست کر کے فوراً اسے یہاں لے آ۔باقی میں ساری بات اسے سمجھا دوں گا کہ کرنا کیا ہے۔''

''اس کے لیے تو نور پور جانا پڑے گا یہاں تو کوئی وکیل نہیں ہے، تم بھی جانتے ہو۔''

''تو جاؤ نا جتنی جلدی ہو سکے اسے یہاں لے آؤ۔ انہیں کچھ کہنے کی کوئی ضرورت نہیں، تم جاؤ۔'' فہد نے کہا

میں ابھی جاتا ہوں نور پور اور کسی وکیل کا بندوبست کر کے آتا ہوں۔ کیسی اندھیر نگری ہے یار۔ بنا جرم بتائے۔ گرفتار کر کے حوالات میں ڈال دیا۔'' سراج نے تاسف سے کہا فہد بولا

''یار ان پولیس والوں کا کیا قصور ہے۔ یہ تو اپنی نوکری کے ہاتھوں مجبور ہیں۔ انہیں کیا کہنا۔ ہمیں وکیل کی ضرورت ہے اس وقت۔ اور ہاں سن۔! وہ گاؤں میں استاد جی کو پتہ چلا وہ پریشان تو ہوں گے۔''

''ہاں وہ بے چارے بہت پریشان ہیں۔ بہر حال میں انہیں آتے ہوئے تسلی دے آیا تھا۔ میں نے انہیں بتا دیا ہے کہ پریشان نہ ہوں۔ لیکن پھر بھی وہ.....'' سراج نے بتایا تو فہد بولا

''ہاں وہ بے چارے کیا کر سکتے ہیں گھر میں بیٹھے پریشان ہونے کے سوا۔ خیر ذرا جلدی واپس آ جانا۔ ہو سکتا ہے۔ تھانیدار آ ہی جائے۔ ویسے مجھے امید نہیں ہے مجھے اس کا ارادہ یہ لگتا ہے کہ وہ کم از کم یہ رات مجھے یہاں رکھنا چاہتا ہے۔''

''میں جلدی آنے کی کوشش کروں گا۔'' اس نے تیزی سے کہا اور وہاں سے نکلتا گیا۔ فہد وہیں دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔

ابھی شام ڈھلی تھی۔ فہد حوالات کی دیوار کے ساتھ لگا بیٹھا تھا۔ وہ ذہنی طور پر مطمئن تھا۔ فہد نے باہر دیکھا اور دھیرے سے مسکرا دیا۔ حوالات کے باہر سپاہی اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ فہد نے اسے بلایا۔ وہ چلتا ہوا اس کے قریب آ گیا۔ سپاہی نے بڑے اچھے انداز میں پوچھا،

''بڑے خوشگوار موڈ میں ہے تو باؤ؟''

''بس یار ایویں ہی سوچیں آ رہی تھیں۔ تو بتا وہ تیرا تھانیدار آئے گا یا نہیں؟'' فہد نے کہا

''سچی پوچھو نا باؤ، وہ اب نہیں آنے والا۔ رات تجھے اب یہیں گذارنی پڑے گی۔ بتا کیا بات میں تجھے کوئی چیز تو نہیں چاہیے؟''

اس کے یوچھنے پر فہد نے جیب میں ہاتھ ڈال کر بڑا نوٹ نکالا اور اسکی طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا

''چیز تو کوئی نہیں چاہیے لیکن کیا تو کچھ کر سکتا ہے میرے لئے؟''

''تم کہو تو۔'' سپاہی نے نوٹ کی طرف دیکھ کر کہا تو فہد نے محتاط انداز میں کہا

''بس ایک کام کر دے میرا...... وہ فون یہاں لے آ اور بس ایک فون کروا دے اور یہ تیرے۔''

یہ کہتے ہوئے اس نوٹ اس کے سامنے گھمایا۔ سپاہی نے ایک نگاہ میز پر پڑے فون کی طرف دیکھا، چند لمحے سوچتا رہا، پھر نوٹ لے کر مسکرا دیا۔ سپاہی میز تک گیا اور وہاں پر پڑا فون اٹھا کر اس کے قریب لے آیا اور آہستگی سے بولا

''دیکھ باؤ، جیسے ہی کوئی باہر سے آیا، اسی وقت فون ختم کر دینا۔''

''بس۔! دو منٹ اس سے زیادہ نہیں۔'' فہد نے یہ کہتے ہوئے فون کا رسیور اٹھالیا اور نمبر ڈائل کرنے لگا، سپاہی باہر کی جانب چلا گیا۔

اس وقت محمود سلیم اپنے کمرے میں بیٹھا کتاب میں کھویا ہوا تھا۔ اس کے پاس پڑا سیل فون بج اٹھا۔ محمود سلیم نے اسکرین پر نمبر دیکھے اور فون اٹھالیا اور کہا

''ہیلو۔!''

''پاپا، میں بات کر رہا ہوں فہد۔'' اس نے دھیمے سے لہجے میں کہا تو محمود سلیم نے حیرت اور جذباتی انداز میں پوچھا

''تم فہد تم خیریت سے تو ہو نا؟''

''ہاں پاپا میں ٹھیک ہو، بس ذرا سی مشکل آن پڑی ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا

''ذرا سی مشکل؟ تم تو ذرا سی مشکل سے گھبرانے والے نہیں ہے۔ بولو، کیا بات ہے؟ فوراً بولو۔''

''پاپا، میرے پاس تھوڑا سا وقت ہے پولیس نے اچانک اسلحے کے زور پر مجھے گرفتار کر کے حوالات میں ڈال دیا ہے وہ مجھ پر قتل ڈالنا چاہتے ہیں۔ تھانیدار سمجھیں چوہدری جلال کا زرخرید ہے۔ اس وقت میں حوالات سے بات کر رہا ہوں۔'' اس نے تفصیل بتادی

''کون سے تھانے کی حوالات؟'' محمود سلیم نے پوچھا

''یہیں قسمت نگر کے۔'' اس نے بتایا

''یہ تم اتنے یقین سے کیسے کہہ رہے ہو کہ وہ تم پر قتل ڈالیں گے؟'' محمود سلیم نے پوچھا

''اسی انسپکٹر نے دبے لفظوں میں دھمکی لگائی ہے اور اپنے راستے سے ہٹانے کو یہ چوہدری جلال کا منصوبہ ہے۔'' فہد نے بتاتا

''کسی وکیل سے رابطہ کیا؟'' محمود سلیم نے پوچھا

''ابھی تک تو نہیں ہوا۔'' فہد نے بتایا

''وہ قتل کیس ڈال رہے ہیں تم پر، خیر کوئی بات نہیں، میں اسے دیکھتا ہوں۔ تم نے بالکل پریشان نہیں ہونا۔ میں سب ٹھیک کر لیتا ہوں۔ تم بس محتاط رہنا۔'' محمود سلیم نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا

''پاپا میں بہت محتاط تھا۔ اچانک ہی انہوں نے......'' فہد نے بتانا چاہا لیکن اتنے میں سپاہی اس کے پاس آ گیا۔ فہد اسے دیکھا، سپاہی نے اشارہ کیا۔ تو فہد نے کہا، ''او کے پاپا، فون بند کرنا مجبوری ہے۔''

''او کے اپنا خیال رکھنا۔ گھبرانا نہیں۔ میں سب سنبھال لوں گا۔'' محمود سلیم نے کہا تو اس کے ساتھ ہی فہد نے فون بند کر دیا۔ سپاہی فون اٹھا کر چلا گیا۔ فہد حوالات کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگالی۔

فہد کی وہ رات حوالات میں گذر گئی۔ قسمت نگر پر اچھی خاصی دھوپ چمک رہی تھی۔ فہد حوالات میں تھا اور اس کی پاس سراج کھڑا باتیں کر رہا تھا۔

"میں نے رات ہی وکیل کا بندوبست کر لیا تھا۔ مگر اس نے رات کے وقت یہاں آنے سے انکار کر دیا۔ اس نے آنے کا وعدہ کیا ہے، وہ ابھی کچھ دیر میں آتا ہوگا۔ کہہ رہا تھا کہ وقت پر پہنچ جائے گا"

اس سے پہلے کہ فہد جواب دیتا، تھانیدار اندر آ گیا۔ اس نے رُک کر انہیں طنزیہ انداز میں دیکھا اور پھر ان کے قریب آ کر بولا

"اوئے سراج کتنا پاگل ہے تو کیسے راز و نیاز کر رہا ہے تو اس کے ساتھ، جب تجھے پتہ چلے گا نا کہ یہ تیرا کتنا بڑا دشمن ہے، تب تیرا کیا حال ہوگا۔ مجھے تو یہی سوچ کر دکھ ہو رہا ہے۔"

"تیرے پاس کوئی ثبوت ہے۔ یا پھر تجھے چوہدریوں کی زبان بولنے کی اتنی عادت پڑ چکی ہے کہ تیری اپنی سوچ ختم ہو گئی ہے۔" سراج نے تلخی سے کہا تو تھانیدار نے فہد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

"میرے پاس ایسا پکا ثبوت ہے کہ جسے تم تو کیا کوئی بھی نہیں جھٹلا سکے گا۔ ابھی کچھ لمحوں ہی میں تجھے پتہ چل جائے گا۔"

سراج نے پریشانی میں فہد کی طرف دیکھا۔ جیسے وہ خود الجھن میں پڑ گیا۔

"ایسا کیا ثبوت ہے تیرے پاس؟"

سراج نے پوچھا تو تھانیدار نے جواب نہیں دیا بلکہ باہر کی طرف دیکھنے لگا۔ اتنے میں چاچا سوہنا نڈھال سا تھانے میں داخل ہوا ہے۔ تب تھانیدا نے فہد کی جانب اشارہ کر کے پوچھا

"او چاچا دیکھ یہ ہی ہے نا وہ شخص، پہچان اسے اور بتا کون ہے یہ؟" چاچے سوہنے نے جھجکتے ہوئے کہا

"یہ فہد ہے، میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"او چاچا، وہ تو ٹھیک ہے، لیکن یہ بتا کہ امین کے قتل کا اس سے کیا تعلق ہے۔" تھانیدار نے کہا

"اس نے امین کا قتل کیا ہے۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اس نے امین کو فائر مارا ہے یہاں۔" چاچے سوہنے نے اپنی کنپٹی پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو سراج نے بری طرح چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ فہد کی آنکھوں میں بھی حیرت اتر آئی تھی۔

چاچے سوہنے نے تھانیدار کی طرف دیکھ کر مرے ہوئے لہجے میں کہا

"یہ فہد۔۔! امین ارئیں سے کہہ رہا تھا کہ چوہدری کبیر کے خلاف بیان دے ورنہ تجھے مار دوں گا۔ ایسی ہی کوئی بات چل رہی تھی ان کے درمیان۔"

تھانیدار نے طنزیہ انداز میں ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

"کتنا بھولا ہے سراج......" یہ کہہ کر اس نے چاچے سوہنے سے کہا، "تو آ چاچا بیان لکھوا اپنا، کیسے دیکھا تھا اسے تو نے۔" یہ کہتے ہوئے وہ آگے بڑھ گیا۔ سراج کی حالت پاگلوں جیسی ہو گئی۔ اس نے انتہائی غصے میں فہد کی طرف دیکھا پھر غصے اور بے بسی کے ملے جلے جذبات میں کہا

''یہ کیا کیا تو نے فہد میرے...... ہی بھائی کو مار دیا تو نے...... ایسا کیوں کیا؟ کیوں کیا تو نے ایسا؟''

''یہ بہت بڑی سازش کر رہے ہیں سراج۔ اسے سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں ایسا کیوں کروں گا یار۔ پاگل مت بنو اس سازش کو سمجھو۔'' فہد نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تو سراج نے انتہائی تلخی سے کہا

''مجھے اپنا یار مت کہہ فہد۔ تو آستین کا وہ سانپ ہے جو اپنے پالنے والے کو ڈس لیتا ہے میں پوچھتا ہوں کہ تیرا اس نے بگاڑا ہی کیا تھا، کیوں کیا تو نے اسے قتل؟ وہ چشم دید گواہ تیرے ہی یار کا باپ ہے۔ وہ کیوں جھوٹ بولے گا تیرے خلاف...... وہ تیرے سامنے کہہ گیا ہے کہ تو امین کا قاتل ہے، قاتل۔'' سراج نے اونچی آواز میں کہا۔ غصے کی شدت میں سراج کی آواز پھٹ گئی۔ اس نے فہد کو سلاخوں میں سے پکڑنے کی کوشش کی کہ سپاہی نے اسے آ کر پکڑ لیا۔

''اوئے چل ہٹ ادھر۔''

اس نے سراج کو دھکیل کر ایک طرف کیا تو اس نے فہد کی دیکھ کر کہا

''ان لوگوں سے تو اگر بچ بھی گیا نا تو میں تجھے مار دوں گا۔ نہیں چھوڑوں گا۔ یاد رکھ نہیں چھوڑوں گا تمہیں۔'' سپاہی اسے دھکیل کر باہر کی جانب لے گیا۔

تھانیدار دور بیٹھا فہد کی طرف دیکھ کر ہنستا رہا۔ پھر چاچے سوہنے سے کہا

''او چاچا لگا یہاں اپنا انگوٹھا اور کر دے پکی اپنی بات۔''

تھانیدار نے سفید کاغذ اس کے سامنے رکھا اور اس پر انگوٹھا لگوا لیا۔ اس نے کاغذ کی طرف دیکھا پھر فہد کی طرف دیکھ کر قہقہہ لگا دیا۔ فہد نے غصے میں اس کی طرف دیکھا۔ اس کا خون کھول اٹھا تھا۔

❁......❁......❁

حویلی کے ڈرائینگ روم میں چوہدری جلال اور وکیل دونوں ڈرائنگ روم میں صوفوں پر بیٹھے خوشگوار ماحول میں باتیں کر رہے تھے۔ چوہدری جلال نے سنجیدہ لہجے کہا

''یہ اچھا کیا آپ نے وکیل صاحب کہ آپ فوراً ہی یہاں آ گئے، ورنہ ایسی باتیں فون پر تو نہیں کی جا سکتی نا۔''

''آپ کا پیغام ملا تو میں فوراً آ گیا۔ باقی مجھے منشی نے ساری بات بتا دی ہے۔ آپ فرمائیں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟'' وکیل نے پوچھا

''بس یہی کہ اس لڑکے نے یہاں خاصا اودھم مچایا ہوا تھا۔ خوامخواہ ڈسٹرب کر رہا تھا۔ اسے آج عدالت لے جائیں گے۔ ایک تو میں چاہتا ہوں کہ اس کا جسمانی ریمانڈ زیادہ سے زیادہ ہوتا کہ اسے کچھ تھوڑی بہت نصیحت تو دی جا سکے۔'' چوہدری جلال نے سوچتے ہوئے لہجے میں کہا تو وکیل بولا

''جی بالکل ایسے ہی ہوگا۔''

''اور دوسرا اس کی اب قطعاً ضمانت نہیں ہونی چاہئے۔چشم دید گواہ موجود ہے۔اس کے علاوہ آپ کو جو چاہئے وہ بتا دیں۔وہ ہو جائے گا۔کسی طرح بھی کوئی قانونی کمزوری نہیں ہونی چاہئے۔وہ اب مجھے جیل کی سلاخوں کے پیچھے چاہیے۔'' چوہدری جلال نے حتمی انداز میں کہا

''میں ابھی تھانیدار سے بات کر لیتا ہوں۔اور جو بھی ضروری لوازمات ہوئے وہ میں خود پورے کر لوں گا۔اب آپ بے فکر ہو جائیں۔''وکیل نے یقین دلایا

''مجھے آپ پر اعتماد ہے۔خیر۔!وہ میں چند دن سے سوچ رہا تھا کہ آپ سے مشورہ کروں اپنے کبیر پتر کے بارے میں سیاست میں لے ہی آؤں۔اور کچھ نہیں تو اس دفعہ الیکشن میں ایم پی اے تو بن ہی جائے گا۔سیاست میں آئے گا تو کچھ دنیاداری کی سوجھ بوجھ بھی آئے گی ناں۔''چوہدری جلال نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا

''نکے چوہدری کو ایم پی اے بنوانا تو آپ کے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔آپ جس پر ہاتھ رکھتے ہیں وہ اسمبلی ممبر بن جاتا ہے۔میرے لائق جو حکم ہے وہ بتائیں، میں کیا کر سکتا ہوں۔''وکیل نے انکساری سے کہا

''میں چاہتا ہوں کہ آپ اس کے معاملات دیکھ لیا کریں۔وہاں نور پور کے لوگوں میں اسے سیاسی طور پر متعارف کروائیں۔کبیر کو کوئی سیاسی سوجھ بوجھ دیں۔آپ کو تو معلوم ہے کہ اس نے یہاں سارا وقت کھیل کود میں گزارا ہے۔''چوہدری جلال نے کہا

''میں سمجھ گیا چوہدری صاحب یہ کوئی اتنا مشکل معاملہ نہیں ہے۔بس نکے چوہدری صاحب نور پور میں تھوڑا وقت دیا کرے۔میرے پاس آجایا کرے۔''یہ کہہ کر اس نے ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے کہا،''آپ کے سامنے کوئی سیاسی مخالف تو ہے نہیں وہ ایک بے چارہ ملک نعیم ہوا کرتا تھا۔وہ بھی آپ سے دوبار الیکشن ہار کے تھک چکا ہے۔''

''ہاں۔!میری اجازت کے بغیر تو اب وہ بے چارہ لوکل کونسلر بھی نہیں بن سکتا، ویسے کیا کرتا ہے وہ آج کل۔ اس نے سیاسی منظر پر تو کیا ہونا ہے،اس بے چارے کے بارے میں کبھی کچھ سنا بھی نہیں۔''چوہدری جلال ہلکا سا ہنس کر بولا تو وکیل نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا

وہ ہوگا اور مسجد ہوگی اور اس نے کیا کرنا۔''

وکیل اور چوہدری دونوں ہنسنے لگے۔چند لمحے بعد وکیل نے اٹھتے ہوئے کہا

''لیں چوہدری صاحب اب اجازت دیں۔مجھے تھانیدار سے بھی ملنا ہے۔پھر نور پور بھی پہنچنا ہے اور وقت پر عدالت بھی جانا ہے۔''

''چلیں ٹھیک ہیں۔''چوہدری جلال نے کہا اور اس سے ہاتھ ملایا وکیل باہر کی جانب گیا۔چوہدری اسے جاتا ہوا دیکھتا رہا۔اس کے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔

چوہدری جلال ڈرائنگ روم میں ہی تھا کہ رانی نے اس کے سامنے چائے لا کر رکھ دی۔

''چائے بنا دوں؟''ٹرے رکھ کر رانی نے پوچھا

چوہدری جلال ابھی جواب نہیں دے تھا کہ اندر سے چوہدری کبیر وہاں آگیا۔ چوہدری جلال نے اسے دیکھ کر کہا

''اوئے کبیر۔! ادھر آبیٹھ میرے پاس، کہاں جا رہا ہے؟''

وہ آکر بیٹھ گیا تو رانی خود بخود چائے بنانے لگی۔

''بابا میں ضرور آپ کے پاس بیٹھتا مگر وہ فہد نا اسے.....'' چوہدری کبیر نے کہنا چاہا تو چوہدری جلال حقارت بھرے انداز میں بولا

''اُو۔! تو پریشان نہ ہو۔ وہ آیا تھا وکیل، میں نے اسے سمجھا دیا ہے۔ وہ عدالت میں سب دیکھ لے گا۔ تو سکون سے بیٹھ۔''

اس دوران رانی نے چائے بنا کر پیالی چوہدری جلال کے سامنے رکھ دی۔

''اسے ریمانڈ پر یہاں تھانے میں لانا بہت ضروری ہے۔ کیونکہ.....'' چوہدری کبیر نے کہنا تو چوہدری جلال اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا

''کہا نا میں نے فہد جیسے سانپ کو مارنے کے سارے منتر اسے سمجھا دیئے ہیں۔ اسے کہتے ہیں سیاست، قتل ہم نے کیا اور ڈال فہد پر دیا۔ یہ ٹھنڈے دماغ کا کام ہے بیٹا۔''

رانی چونک گئی۔ چائے کی پیالی چوہدری کبیر کو دیتے ہوئے اس کا ہاتھ ذرا سا لرز گیا۔ مگر باتوں میں باپ بیٹے نے اس طرف توجہ نہیں دی۔ چوہدری کبیر اپنی دھن میں کہہ رہا تھا

''پر بابا سیاست بھی تو طاقت کے بغیر نہیں ہو سکتی نا۔ یہ کہتے ہوئے کبیر نے چائے کی پیالی پکڑ لی تو رانی وہاں سے چلی گئی۔ چوہدری جلال اسے سمجھاتے ہوئے کہنے لگا۔

''ساری زندگی یہی کھیل کھیلے ہیں بیٹا۔ سیاست کے لیے بڑا ٹھنڈا ہونا پڑتا ہے۔ دشمن کو گھیر کر وہاں لے آؤ، جہاں اسے قابو کر سکتے ہو۔ یہی سیاست ہے۔ اندھا دھند طاقت کا استعمال تو قوت کو ضائع کرنے والی بات ہے نا بیٹا۔''

''بابا۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ لیکن آپ یہ مانیں کہ آپ نے فہد کو کچھ زیادہ ہی وقت دے دیا تھا۔ اب تو وہ بچ نہیں سکتا۔'' چوہدری کبیر کی سوئی فہد پر اٹکی ہوئی تھی۔

''ہاں، کچھ زیادہ ہی وقت لگا۔ وہ بدکا ہوا بہت تھا، اس لیے اسے گھیرنے میں وقت لگ گیا۔ لیکن اب جو اس کا بندوبست کیا ہے، وہ پکا ہے۔ اور ہاں وہ تھانیدار بہت منافق بندہ ہے اس پر ضرور نگاہ رکھنا وہ کسی بھی وقت ہمیں دھوکہ دے سکتا ہے۔'' چوہدری جلال نے اسے پھر سمجھایا۔

''جی بابا۔ میری پہلے ہی اس پر نظر ہے۔ میں نے اسے قابو ہی اس طرح کیا ہوا ہے۔ وہ ہمیں دھوکہ نہیں دے سکتا۔ اگر دے گا تو جان سے جائے گا۔''

''خیر۔! وہ وکیل آیا تو میں نے اس سے تمہارے بارے میں مشورہ کیا۔ تاکہ تمہیں سیاست میں لایا جائے۔'' چوہدری جلال

نے بتایا اور دونوں چائے پیتے ہوئے اسی موضوع پر گفتگو کرنے لگے۔رانی افسردہ سی دیوار کے ساتھ لگی ان کی باتیں سن رہی تھی۔اسے یہ جان کر بہت دکھ ہوا تھا کہ امین ارائیں کا قتل تو انہوں نے کروایا اور پھنسا فہد کو دیا۔وہ وہاں سے ہٹ کر اندر چلی گئی۔

❁.......❁.......❁

ایک فہد کے حوالات میں جانے سے کیا کچھ ہو گیا تھا،اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا۔قسمت نگر میں فہد کا ایک تاثر بن چکا تھا۔لوگ اس پر اعتماد کرنے لگے تھے۔لیکن یہ اعتماد بکھر رہا تھا۔جس نے بھی فہد کے ساتھ امید باندھی تھی،وہ ایک بار تو خوف زدہ ہو گیا تھا۔لوگوں کی سوچ بدلنے لگی تھی۔

چوراہے میں حنیف دوکان دار کی دوکان پر لوگ بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ان میں سے ایک آدمی نے کہا

''یار، ویسے یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ امین کو فہد نے قتل کیا ہے۔امین کی تو فہد کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں تھی۔وہ تو پہلے ہی چوہدریوں کے خلاف عدالت میں جانے کے لیے ان کی مدد کر رہا تھا۔''

''یار۔یہ بات تو تیری سمجھ میں آتی ہے نا تھانے اور کچہریاں ان چوہدریوں کی ہیں۔چوہدریوں کے خلاف فہد کے پاس کوئی پکا ثبوت نہیں تھا۔اس نے خود امین کا قتل کر کے نکے چوہدری پر ڈال دیا۔یہ چاچے سوہنے نے اس کا بھانڈا پھوڑ دیا۔جس نے خود اپنی آنکھوں سے یہ دیکھا تھا۔'' حنیف دوکاندار نے انہیں سمجھایا

''ہاں یار۔اگر چاچا سوہنا نہ دیکھتا تو نکا چوہدری اب تک پھنس چکا ہوتا۔فہد نے تو سراج کو ان چوہدریوں کے خلاف استعمال کرنا تھا۔''

''تو دیکھ اس فہد کی چالیں،کس طرح منہا میسنا بن کر لوگوں کی ہمدردیاں لے کر عمر حیات والی زمین لی اور اب اپنی زمین واپس لے رہا تھا۔'' حنیف دوکاندار نے یقین بھرے لہجے میں کہا

''اب ہوگا کیا؟'' وہیں بیٹھے ایک آدمی نے پوچھا تو حنیف دوکاندار بولا

''اب ہونا کیا ہے۔'' فہد کو عدالت میں پیش کریں گے۔پھر اسے جیل بھیج دیں گے۔اللہ اللہ خیر صلا پھر مقدمہ چلے گا۔اور پتہ نہیں اس کا فیصلہ کب ہوگا۔''

''ویسے یار چوہدری تو چوہدری ہیں،ان کا بھلا کیا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔'' ایک آدمی نے کہا

''ہاں یہ تو ہے،وہ جدی پشتی طاقت ور لوگ ہیں۔یہ کل کے لڑکے ان کا کیا مقابلہ کر سکتے ہیں۔'' حنیف دوکاندار نے حقارت سے کہا

''چل چھڈ یار تو مجھے سودا دے۔میں وہ لے کر گھر جاؤں۔'' وہیں کھڑے ایک گاہک نے کہا تو حنیف دوکاندار اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''بتا کیا لینا ہے۔''

وہاں پھر موجود لوگ اپنی عقل اور سمجھ کے مطابق باتیں کرنے لگے۔فہد کے لئے سب میں مایوسی تھی۔

سراج کا ڈیرہ ویران تھا۔سراج تنہا ایک چارپائی پر بیٹھا ہوا بے حد جذباتی ہو رہا تھا۔اسے تھانیدار کی کہی ہوئی باتیں یاد آ رہی تھیں۔اس نے کہا تھا

''اوئے سراج کتنا پاگل ہے تو...... کیسے راز و نیاز کر رہا ہے اس کے ساتھ...... جب تجھے پتہ چلے گا نا کہ یہ تیرا کتنا بڑا دشمن ہے......تب تجھے پتہ چلے گا۔''

دوسری طرف اسے فہد سچا لگ رہا تھا۔اس کی باتیں بھی دماغ میں گھوم رہی تھی

''کل ضرور عدالت میں چلیں گے مگر اس قتل کیس کے لیے جس کی گواہی امین دینا چاہتا تھا اسے ری اوپن کروانا ہے۔چاچے عمر حیات والی زمین کدھر جا رہی ہے وہ لے لیں گے۔پہلے امین سے جو وعدہ کیا ہے وہ پورا کرنا ہے۔''

تبھی اسے چاچا سوہنا اور اس کی بات یاد آ گئی۔

''اس نے امین کا قتل کیا ہے۔میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اس نے امین کو فائر مارا ہے۔''

سراج ایک دم ہی سے بے چین ہو گیا۔اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔چاچے سوہنے کے علاوہ کوئی اور بات کرتا تو شاید وہ بھروسہ نہ کرتا۔اس نے تھانیدار کی بات پر بھی یقین نہیں کیا تھا۔چاچے سوہنے نے اس کی آنکھیں کھول کر رکھ دیں تھیں۔اس نے اپنا سر پکڑ لیا اور نہایت دکھ سے بڑبڑایا

''یہ تو نے اچھا نہیں کیا فہد، میں اب تجھے نہیں چھوڑوں گا تو نے میرے اعتماد کو دھوکہ دیا ہے۔نہیں چھوڑوں گا تمہیں۔'' یہ کہتے ہوئے وہ اضطراری انداز میں دونوں ہاتھوں کو مسلنے لگا۔

بابا نعمت علی اپنے گھر کے صحن میں پریشان بیٹھا ہوا تھا۔ایسے میں اس کا بیٹا نذیر اس کے پاس آ کر دوسری چاپائی پر بیٹھ گیا جہاں نذیر کی بیوی صفیہ بھی بیٹھی تھی۔اپنے باپ کو پریشانی کی حالت میں بیٹھا دیکھ کو پوچھا

''ابا کیا بات ہے اتنا پریشان کیوں ہے؟''

''پریشانی والی بات تو ہے نا پتر، وہ فہد اندر ہو گیا ہے پولیس اسے پکڑ کر لے گئی ہے۔اس پر اب قتل کیس پڑ گیا ہے۔پتہ نہیں اب باہر کب آتا ہے۔ہم نے اس سے فصل کی رقم بھی لے لی ہے کیا کریں۔'' نعمت علی نے کہا

''ابا کہتا تو ٹھیک ہے۔اب یہ چوہدری ضرور ہمیں بھی تنگ کریں گے۔'' نذیر نے تشویش سے کہا

''اوئے تنگ نہیں، وہ تو ہمیں ذلیل کر کے رکھ دیں گے میں نے کیا سوچا تھا۔اب ہو کیا گیا ہے۔'' نعمت علی نے تاسف سے کہا تو صفیہ بولی

''ہاں بابا تو ٹھیک کہہ رہا ہے۔چوہدری تو بہت غصے ہوں گے۔''

''کیوں نہ ابا، ہم چوہدری سے معافی مانگ لیں ۔اتنا ڈرنے کی ضرورت کیا ہے ۔اگر اس نے ناراض ہونا ہوتا تو اب تک ہم سے بات کر چکا ہوتا۔'' نذیر نے کہا

''اونہیں پتر۔ان کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ابھی تو ان کی ساری توجہ فہد کی طرف ہے۔'' نعمت علی بولا

''بابا تو آرام سے سوچ۔نذیرا بھی سوچتا ہے۔میں بھی سوچتی ہوں۔کوئی نہ کوئی حل تو نکل آئے گا نا؟'' صفیہ نے تسلی دینے والے انداز میں کہا

''اب جو ہوگا، وہ تو بھگتنا پڑے گا۔ممکن ہے اللہ سائیں کوئی راستہ نکال دے۔'' نعمت علی نے ایک لمبی سانس لیتے ہوئے کہا تو نذیر بولا

''تو فکر نہ کر ابا سب ٹھیک ہو جائے گا۔کوئی نہ کوئی حل نکال لیں گے۔تو آرام کر۔''

یہ کہتے ہوئے وہ اٹھا تو صفیہ بھی اٹھ گئی۔نعمت علی سوچ میں پڑ گیا۔اب ان حالات میں وہ کیا کرے۔

ماسٹر دین محمد اپنے گھر کے دالان میں اُجلے کپڑے پہنے بیٹھا ہوا تھا۔تاہم وہ بے حد پریشان دکھائی دے رہا تھا۔اتنے میں سلمیٰ چائے کا پیالہ لے کر اس کے پاس آئی۔ماسٹر دین محمد نے بے دلی سے پیالہ پکڑا تو سلمیٰ اس کے قریب بیٹھ گئی۔چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولی

''ابا جی، آپ مایوس کیوں ہو رہے ہیں۔اللہ خیر کرے گا آپ کسی سے ملیں۔کوئی نہ کوئی راہ نکل ہی آئے گی۔''

''کس کے پاس جاؤں پتر، دکھ تو اس بات کا ہے کہ ہم یہاں ہوتے ہوئے بھی اس کی کوئی مدد نہیں کر پا رہے ہیں۔میں نے سوچا تھا کہ سراج سمجھ دار ہے لیکن......''

یہ کہہ کر وہ دونوں ہاتھوں سے بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے کچھ کہہ نہیں پایا۔اس کے چہرے پر دکھ کے گہرے تاثرات پھیل گئے تھے۔

''یہی تو چوہدریوں نے سازش کی ہے۔ایسا ہو نہیں سکتا کہ فہد کسی کا قتل کرے اور وہ بھی امین کا۔انہوں نے انتہائی چالاکی سے سراج کو فہد سے الگ کر دیا ہے۔الگ کیا، دشمن بنا دیا ہے۔بڑی گہری سازش کی ہے انہوں نے۔سلمیٰ نے بے حد جذباتی ہو کر کہا

''ہاں، وہ ایسا ہی کرتے ہیں۔اصل میں وسائل سارے انہی کے قبضے میں ہیں نا، ان کا استعمال وہ اپنی مرضی سے کرتے ہیں۔خیر میں جاتا ہوں نور پور اور وہاں جا کر کسی کی مدد لیتا ہوں۔'' ماسٹر دین محمد نے کہا

''اللہ کوئی نہ کوئی حل ضرور نکالے گا۔اس کا مجھے بھروسہ ہے، آپ مایوس نہ ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئی پھر بڑے ہی جذباتی لہجے میں بولی، ''کاش میں لڑکا ہوتی اور اب بھی ابا جی اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں جاتی ہوں تھانے اور......''

ماسٹر دین محمد نے سلمیٰ کی بات سنی تو حیرت زدہ رہ گیا۔وہ کس قدر کہتے کہتے خاموش ہو گئی تھی۔تبھی وہ بولا

''تو کیا کرے گی وہاں جا کر؟

''اور کچھ نہ کر سکی تو کم از کم فہد سے یہ تو پوچھ سکتی ہوں کہ اب کیا کرنا ہے۔ میں ایک لڑکی ہوں تو کیا ہوا، کیا میں اس مصیبت کی گھڑی میں اس کا ساتھ نہیں دے سکتی؟ آپ میرے ساتھ چلیں تھانے یا پھر مجھے جانے کی اجازت دیں۔'' سلمی بے حد جذباتی ہوگئی تھی

''دیکھ میرا پتر وہاں کا تھانیدار کوئی اچھا بندہ نہیں ہے۔ تیرا وہاں جانا ٹھیک نہیں۔ تیرے جانے سے کیا ہو جائے گا۔ میں کرتا ہوں نا کوشش، جاتا ہوں نا میں۔''

یہ کہتے ہوئے اس نے منہ کے قریب پیالی لے جاتے ہوئے رکھ دی۔

''ابا جی آپ میری بات کا برا محسوس نہیں کریں گے۔ یہاں فہد کا ہمارے سوا ہے کون؟ ہمی نے اس کے لیے کچھ کرنا ہے جیسے بھی ممکن ہو۔ ورنہ وہ تو چاہتے ہیں کہ فہد کو جیل بھجوا دیں تا کہ وہ جواُن کی راہ میں دیوار بن گیا ہے اسے گرا دیں۔'' سلمی نے لجالت سے کہا

''نہیں پتر۔! تو نے پریشان نہیں ہونا میں دیکھتا ہوں نا میں اپنی طرف سے پوری کوشش کروں گا۔ تو نے بس اپنا خیال رکھنا ہے۔ میں چلتا ہوں، دروازہ بند کرلو۔''

یہ کہتے ہوئے ماسٹر دین محمد کافی افسردہ انداز میں اٹھ گیا۔ سلمی نے بے بسی کے انداز میں اپنے باپ کو دیکھا اور اس وقت تک دیکھتی رہی جب تک وہ گیٹ پار نہیں کر گیا۔ اس نے دروازہ لگایا اور اندر آگئی۔ اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اچانک اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور آنکھیں بند کرلیں۔ وہ پورے خشوع وخضوع کے ساتھ دل سے دعا مانگ رہی تھی۔ اس کے ہونٹ بند تھے لیکن اس کے اندر شور تھا۔ وہ کہہ رہی تھی۔

''اے میرے پروردگار۔! اے اپنی حفاظت میں رکھنے والے مالک کل کائنات، تو فہد کو اپنی حفاظت میں رکھنا۔ مجھے یقین ہے تو ہمیں اکیلا نہیں چھوڑے گا۔ تو نے ہی فہد کو ہمارے لیے وسیلہ بنا کر بھیجا ہے پروردگار۔! ہم اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتے لیکن تجھ سے مدد تو مانگ سکتے ہیں نا۔ اسے قدرت والے قادر۔! تو فہد کی حفاظت فرمانا۔ اسے لوگوں کے شر سے محفوظ رکھنا۔ تو جانتا ہے کہ وہ بے گناہ ہے۔ اے اللہ اسے ان ظالموں سے بچانا جو نہیں چاہتے کہ لوگ امن وسکون سے رہیں۔ اے اللہ۔! تو فہد کی حفاظت فرمانا (آمین)۔ یہ دعا مانگ کر وہ پرسکون ہوگئی، جیسے دل پر سے بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا ہو۔ وہ چند لمحے بیٹھی رہی۔ پھر اٹھ کر کچن میں چلی گئی۔

❁ …… ❁ …… ❁

فہد حوالات کے اندر بیٹھا ہوا باہر دیکھ رہا تھا کہ تھانیدار بے چینی سے ٹہل رہا ہے۔ اتنے میں اس کی نگاہ سامنے پڑی۔ ماکھا تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا اس کی طرف آرہا تھا۔ وہ قریب آیا تو تھانیدار نے اکتائے ہوئے لہجے میں ڈانٹتے ہوئے کہا

''اوئے جلدی آ اوئے، اتنی دیر لگا دی تو نے۔ ''مجرم'' کو عدالت بھی تو لے کے جانا ہے۔''

''اوسرکار۔ ہم تو حکم کے غلام ہیں جیسے ہی نکے چوہدری نے یہ امانت دی، لے کر آگیا ہوں، یہ لیں۔'' یہ کہتے ہوئے ماکھے نے اپنی جیب میں سے رومال میں لپٹی ہوئی چیز اس کے سامنے کر دی۔ تھانیدار نے اسے کھولا تو اس میں ریوالور تھا۔ جسے الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے اس نے کہا

"اچھا تو یہ ہے آلہ قتل۔" پھر فہد کی طرف منہ کر کے بولا "اس ریوالور سے فہد نے امین کو قتل کیا۔"

اس پر فہد نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پھر ہلکے سے مسکرا دیا۔اس نے فہد کو پھنسانے کا پورا پورا بندوبست کیا ہوا تھا۔تبھی فہد نے اس کی طرف دیکھ کر کہا

"بہت مہنگا پڑے گا تمہیں انسپکٹر، اتنی ہی اُڑان اُڑ ،جتنی تو اُڑ سکتا ہے۔"

"چشم دید گواہ بھی موجود ہے اور آلہ قتل بھی مل گیا ہے۔اب تجھے لے کر چلتے ہیں عدالت، وہاں سے لیں گے تیرا ریمانڈ اور پھر لے آئیں گے تجھے یہاں اور پھر جو تیرے ساتھ ہوگا۔تو یاد رکھے گا۔سب کچھ قانونی ہوگا۔"

یہ کہہ کر تھانیدار نے قہقہہ لگا دیا۔جس میں ماکھے کا ہلکا سا قہقہہ بھی شامل تھا

"جھوٹ جھوٹ ہی ہوتا ہے، میں مانتا ہوں کہ اس قسمت نگر میں اندھیر نگری ہے۔لیکن قسمت کے فیصلے کیا ہیں؟ یہ کوئی نہیں جانتا۔" فہد نے خود اعتمادی سے کہا

"لیکن اس وقت تیری قسمت کا فیصلہ تو ہمارے ہاتھوں میں ہے۔" یہ کہہ کر اس نے قریب کھڑے سپاہی کی طرف دیکھ کر کہا، "چل اوئے نکال اسے، لگا اس کو ہتھکڑی اور لے چلیں اس عدالت، پھر واپس بھی آنا ہے۔"

تھانیدار حکم دے کر اپنی میز کی جانب بڑھ گیا۔سپاہی حوالات کا دروازہ کھولنے لگا۔ماکھا کینہ توز نگاہوں سے فہد کو دیکھتا ہوا آگے بڑھ گیا۔فہد نے انتہائی سنجیدگی سے انہیں دیکھا، جیسے وہ بے چینی محسوس کر رہا ہو۔

کاغذی کاروائی کے بعد انہوں نے فہد کو ہتھکڑی لگائی۔تھانیدار اس کی طرف دیکھ کر طنزیہ انداز میں ہنسا اور اپنی ٹوپی اٹھا کر اٹھ گیا۔اس وقت تھانیدار کے ساتھ سپاہی، فہد کو لگی ہتھکڑی پکڑے تھانے کے اندرونی دروازے سے باہر آئے۔انہی لمحات میں وہ تینوں ہی سامنے دیکھ کر چونکتے ہوئے رک گئے۔

تھانے میں ایک پولیس جیپ آ کر رکی تھی۔اس میں بیٹھا ہوا جعفر غضب ناک نگاہوں سے سامنے دیکھ رہا تھا۔وہ اے ایس پی کی وردی میں تھا۔وہ جیپ سے اترتا ہوا ان کی جانب بڑھا۔اس کے ساتھ ہی پولیس فورس تھی۔فورس میں بہت سارے چہرے وہی تھے جنہیں تھانے دار بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ان سب کو دیکھ کر تھانیدار ایک لمحے کو گھبرا گیا۔اس نے فوراً ہی سیلوٹ کیا تو سپاہی نے بھی سیلوٹ مار دیا۔جعفر نے انہیں غضب ناک نگاہوں سے دیکھا۔ وہ فہد سے قطعاً اجنبیت برت رہا تھا جیسے اسے جانتا ہی نہ ہو۔فہد کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ بکھر گئی۔اتنے میں ایک اے ایس آئی تیزی سے آگے بڑھا اور تھانیدار کے پاس آ کر بولا

"ہمارے نئے اے ایس پی صاحب۔"

جعفر نے قریب آ کر انتہائی رعب دار انداز میں پوچھا

"کون ہے یہ ملزم؟ اور اسے کہاں لے کر جا رہے ہو؟"

''سر۔ اقتل کیا ہے اس نے، آلہ قتل بھی برآمد ہو گیا ہے، ریمانڈ کے......'' تھانیدار نے تیزی سے کہا

''اسے بٹھاؤ ادھر، پہلے میں تفتیش کروں گا، پھر اسے لے کر جانا اس کی ہتھکڑی کھولو اور اسے کرسی پر بٹھاؤ۔'' جعفر نے کہا تو تھانیدار بولا

''سر جی بڑا خطرناک مجرم ہے، ہتھکڑی کیسے......''

''انسان بن، اور وہ کام کر جو میں کہہ رہا ہوں۔ یہ میرا طریقہ ہے۔ چل۔'' جعفر نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا تو سپاہی نے جلدی سے فہد کی ہتھکڑی کھول دی۔ وہ انہیں اس جگہ لے گیا جہاں تھانیدار کی میز تھی۔ جعفر اس کی کرسی پر بیٹھ کر تھانیدار سے بولا ''چل اب کتابیں لا جن میں اس مقدمے کا اندارج کیا ہے۔ چل شاباش۔''

تھانیدار نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ تھانیدار جلدی سے کتابیں لے آیا۔ جعفر میز کے عقب میں پڑی کرسی پر بیٹھا ہوا کتابیں دیکھنے لگا۔ تھانیدار کو اس نے سامنے کھڑا کیا تھا اور فہد کو اس نے کرسی پر بٹھا دیا تھا۔ اس نے کتابیں دیکھ کر تھانیدار سے پوچھا

''یہاں روزنامچے میں کچھ درج نہیں۔ تجھے اتنی جلدی ہے اسے عدالت لے جانے کی۔ پرچہ نامعلوم کے خلاف ہے تو اسے عدالت لے کر جا رہا ہے؟''

اس دوران فہد کے سامنے وہی سفید کاغذ آ گیا، جس پر چاچے سوہنے کا انگوٹھا لگا ہوا تھا۔ اس نے جعفر کی توجہ اس کی طرف دلائی۔ جعفر نے اس سفید کاغذ کو دیکھا تو فہد نے کہا

''یہ چشم دید گواہ کا بیان ہے۔''

اس پر جعفر نے انتہائی غصے اور سخت لہجے میں پوچھا

''اوئے یہ کیا ہے اوئے، اس کا مطلب ہے تو جھوٹا قتل ڈال رہا ہے اس پر، تجھے شرم نہیں آتی۔ اس لیے تجھے جلدی تھی عدالت جانے کی۔ سن اب یہی کاغذ تیرے گلے کا پھندا بنا دوں گا۔ ورنہ تو جانتا ہے کہ تو نے کیا کرنا ہے۔''

''صاحب جی یہ کاغذی کاروائی ہے باقی آپ جیسے کہو گے، ہوگا تو وہی نا جی۔'' تھانیدار نے لجالت سے کہا۔ وہ اسی لمحے بدل گیا تھا۔

''تُو چل ذرا ادھر ہو کر بیٹھ، میں ابھی تجھ سے بات کرتا ہوں۔'' جعفر نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔ تھانیدار وہاں سے ہٹ کر کچھ دور بیٹھ گیا تو جعفر نے اسی سپاہی کو بلا لیا۔ وہ ڈرتے ڈرتے قریب آ کر کھڑا ہوا۔

''جی سر۔!''

''اوئے جی سر کے بچے، نوکری کرنی ہے یا اس کے ساتھ جیل جانا ہے، فوراً بتا؟'' جعفر کے پوچھنے پر وہ سپاہی ایک دم سے گھبرا گیا، اس نے جلدی سے کہا

''جی کرنی ہے مائی باپ، نوکری کرنی ہے۔''

''تو چل پھر شروع ہو جا۔ بتا یہ سارا معاملہ کیا ہے؟'' جعفر کے پوچھنے پر اس نے ایک نگاہ تھانیدار پر ڈالی اور اسے جو معلوم تھا وہ اس نے بتا دیا۔ تھانیدار کا پول کھل گیا تھا۔ سپاہی نے سارا سچ اس کے سامنے بیان کر دیا تو جعفر نے غضب ناک نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''ابھی اور اسی وقت اس چشم دید گواہ کو لے کر آ، جلدی۔''

جعفر نے تھانیدار کو حکم دیا تو وہ سپاہی سمیت تیزی سے باہر چلا گیا۔

باہر پولیس فورس کھڑی تھی۔ تھانیدار ان میں سے بیشتر لوگوں کو جانتا تھا۔ ان سے جب تھانیدار نے معلومات لیں تو اسے پتہ چلا کہ یہ نیا اے ایس پی رات ہی ٹرانسفر ہو کر آیا ہے۔ راتوں رات اس نئے اے ایس پی کا تبادلہ یونہی نہیں ہو گیا تھا۔ اس کے تو پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ اسے افسوس ہونے لگا کہ فہد پر ہاتھ ڈالنے میں اس نے جلدی کی ہے۔

تھانے میں موجود منشی نے فوراً ہی چائے کا بندوبست کر دیا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد فہد اور جعفر دونوں آمنے سامنے بیٹھے ہوئے چائے پی رہے تھے۔ جعفر نے سپ لیتے ہوئے ہنس کر کہا

''دیکھ تیرے گاؤں میں آ کر میں ہی تجھے چائے پلا رہا ہوں۔ اسے کہتے ہیں وقت اور حالات جس کی دسترس میں ہوں۔''

''ہاں۔ یہ تو ہے۔ لیکن یہ جنگ ہے...... اس میں ہار اور جیت تو ہوتی ہی رہتی ہے...... تم سناؤ کیسے آ گئے...... اچانک یہاں پر؟''

اس کے یوں کہنے پر جعفر نے سکون سے کہا

''میں کل شام کے بعد اپنے گھر پر تھا۔ جب تمہارے پاپا کی فون کال مجھے ملی۔ میں فوراً ان کے پاس پہنچا۔ انہوں نے مجھے ساری صورت حال بتا کر کہا

''فہد بارے ساری صورت حال میں نے تمہیں بتا دی ہے۔ اور اب وہ وقت آ گیا ہے بیٹا، جب ہم اس کی مدد کو پہنچیں۔''

تب میں نے ان سے کہا کہ میں ابھی اور اسی وقت یہاں سے نکلتا ہوں۔ لیکن پاپا نے کہا

''ایسے نہیں، پورے اختیارات کے ساتھ۔'' یہ کہہ کر انہوں نے میز پر پڑا ہوا ایک لفافہ اٹھا کر مجھے دیا۔ جسے پکڑتے ہوئے میں نے ان سے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ تب انہوں نے بتایا۔ وہ میرے ٹرانسفر کے آرڈرز تھے۔ قسمت نگر کے قریب ہی نور پور قصبہ، جس میں یہ علاقہ قسمت نگر آتا ہے۔ میں فوراً جا کر وہاں کا چارج لے لوں۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ آئی جی صاحب ان کے بہت اچھے دوستوں میں سے ہیں۔ ایک تو وہاں نور پور کا ڈی ایس پی نیازی، پہلے بہت زیادہ ہی سیاسی دباؤ میں تھا۔ دوسرا خان ظفر اللہ میرا ویسے ہی تبادلہ کرانا چاہ رہا تھا۔ دس منٹ میں ہو گئے آرڈر۔ بس میں نے آرڈرز لئے اور رات ہی آ کر یہاں کا چارج لے لیا۔ نیازی تو پہلے ہی تیار بیٹھا ہوا تھا۔ وہ بھی رات ہی چلا گیا۔ باقی معاملات بعد میں ہوتے رہیں گے۔''

''مطلب تجھے پاپا نے یہاں بھیجا ہے؟'' فہد نے کہا تو جعفر نے ہنکارا بھرتے ہوئے کہا

''ہوں۔'' تبھی اس نے چونک کر فہد کو سمجھاتے ہوئے کہا، ''ابھی میں تمہارے لیے اجنبی رہوں گا۔ کیونکہ میں ان کا اور چوہدری

جلال کا یہ ڈرامہ پوری طرح سمجھنا چاہتا ہوں۔ بس خاموش رہنا۔"

"ٹھیک ہے، سناؤ مائرہ کیسی ہے؟" فہد نے پوچھا

"مائرہ ٹھیک ہوگی۔ پر تمہیں اس سے کیا، چھوڑو اس کا ذکر۔" جعفر نے لاپرواہی سے کہا تو فہد بولا

"نہیں یار، وہ ہماری بہت اچھی دوست ہے۔"

"میں تمہاری ابھی بات کروا دیتا مگر یہاں سگنل کا مسئلہ ہے۔" پھر سامنے پڑے لینڈ لائین فون کو دیکھ کر کہا،" چاہو تو ابھی اس سے رابطہ کرلو۔" جعفر نے کہا تو فہد بولا

"کرتے ہیں پہلے ان کا معاملہ ختم کرلو۔"

"ہوں، یہ ضروری ہے۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے تھانے کے منشی کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

چاچا سوہنا اپنے گھر کے صحن میں چارپائی پر انتہائی افسردہ بیٹھا ہوا تھا۔ وہ بہت رقت آمیز انداز میں گا رہا تھا۔

"کیا حال سناواں دل دا...... کوئی محرم راز نہ ملدا...... منہ دھوڑ مٹی سر پایم ...... سارا ننگ نموز ونجایم۔ ...... کوئی پچھن نہ ویہڑے آئم...... ہتھوں اُلٹا عالم کھلدا۔"

وہ گاتے ہوئے ایک دم سے خاموش ہوگیا۔ چند لمحے اسی خاموشی میں گذر گئے پھر پاگلوں کی مانند ادھر ادھر دیکھتے ہوئے اوپر آسمان کی طرف دیکھا اور اچانک رو پڑا۔ وہ بلک بلک کر رو رہا تھا۔ تبھی چاچا سوہنا انتہائی جذباتی انداز میں کہنے لگا،" چشم دید گواہ، تو نے دیکھا قتل ہوتے ہوئے...... امین کا قتل۔ خون ...... یہ کیسی دنیا ہے۔ حق کیا ہے اور ناحق کیا ہے...... کون جانے کس کے پلّے کیا پڑ جائے ...... کوئی نہیں جانتا، بس یہ سارے ساہ کے روئے ہیں۔ کوئی سمجھے یا نہ سمجھے۔"

اتنے میں اس کا دروازہ بجا اور ایک سپاہی اندر آ گیا۔ وہ چاچے سوہنے کے پاس آ کر بولا

"اُو چاچا چل تجھے تھانے بلا رہے ہیں۔ وہاں وڈا افسر آیا ہے۔"

"وڈا افسر، وہ کیا کہتا ہے؟" چاچا سوہنا خود کلامی کے سے انداز میں بولا جیسے وہ پاگل ہو رہا ہو۔ تبھی سپاہی نے ڈرتے ہوئے کہا

"وہ تجھے بلا رہا ہے۔ تو اٹھ چل جلدی کر۔ میں تجھے رستے میں بتاتا ہوں، تو فٹافٹ چل۔"

چاچے سوہنے نے آسمان کی طرف دیکھا اور پھر اس کے پیچھے چل دیا۔

چاچا سوہنا اور سپاہی آگے پیچھے تھانے میں داخل ہوئے۔ چاچے سوہنے نے دیکھا، وڈا افسر، تھانیدار کی کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ اور تھانیدار اس کے سامنے کھڑا ہے تو سپاہی کی سمجھائی ہوئی بات اسے سچ معلوم ہونے لگی۔ جعفر نے چاچے سوہنے کی طرف دیکھ کر پوچھا

''یہ ہے چشم دید گواہ؟''

''جی جی یہی ہے۔'' تھانیدار نے ہکلاتے ہوئے کہا تو جعفر نے چاچے سوہنے سے مخاطب ہو کر کہا

''بیٹھو بزرگو۔'' یہ کہہ کر اس نے سپاہی سے کہا، ''اسے پانی پلاؤ''

''نہیں صاحب جی، اس کی ضرورت نہیں، آپ حکم کریں، مجھے کیوں بلایا ہے؟'' چاچا سوہنا اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا

''یہ بتاؤ، تم نے امین کے بارے میں کیا دیکھا؟''

چاچے سوہنے نے سب کی طرف دیکھا اور انتہائی جذباتی انداز میں بولا

''آپ وڈھے لوگ ہیں، جیسے پہلے لکھا، ویسے ہی اب لکھ لیں۔''

اس پر جعفر نے چونکتے ہوئے پوچھا

''کیا مطلب؟ کیا کہنا چاہتے ہو تم، کیا تم پر کوئی زبردستی ہوئی ہے؟''

''بولو چاچا بولو، سچ بول دو، اصل بات کیا ہے؟''

فہد نے کہا تو جعفر نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا

''بولو کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ بولو چاچا تمہیں ہر طرح کا تحفظ ہے، بولو مت ڈرو۔''

وہاں تھانے میں سب اس کے بولنے کے منتظر تھے۔ تبھی چاچا سوہنا ڈرتے ڈرتے بولا

''پرسوں رات میں اور میرا پتر اشفاق گھر پر تھے۔''

❋ ❋ ❋

چھاکا تیار ہو کر باہر جانے کے لیے صحن میں آیا تو چاچے سوہنے نے اسے دیکھ کر پوچھا

''اوئے کدھر جا رہا ہے تو اس ویلے؟''

''پتہ کروں کہ سراج ابھی آیا ہے کہ نہیں۔ ورنہ پھر مجھے اکیلے ہی تھانے جانا پڑے گا۔ فہد کے لیے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا نا کیونکہ اک ہی تو چھاکا ہے اس پنڈ میں جس کی پورے علاقے میں وس پوچھ ہے۔'' چھاکے نے کہا تو چاچا سوہنا بولا

''او جان دے پتر، تو کیا کر سکتا ہے۔ تجھے تو کوئی تھانے میں داخل نہیں ہونے دے گا۔ اوئے ہماری اوقات ہی کیا ہے۔''

''بات اوقات کی نہیں، دوستی کی ہے، میں جا رہا ہوں۔'' یہ کہہ کر چھاکا باہر جانے لگا تو اتنے میں ان کا دروازہ کھلا اور ماکھا اپنے بندوں کے ساتھ دھڑ دھڑ اندر آ گیا۔ ماکھے کو اس طرح اندر آتے دیکھ کر چھاکا بولا

''اوئے ماکھے۔ تجھے تمیز نہیں ہے کہ کسی کے گھر کیسے آتے ہیں۔''

ماکھے نے جواب نہیں دیا بلکہ اسے گریبان سے پکڑتے ہوئے بولا ''بس، اب آواز نہیں نکالنی۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے چھاکے کو دھکا دے کر اپنے ساتھ آئے لوگوں سے کہا، ''لے چلو اسے۔''

''یہ، یہ..... کیا کر رہے ہو ماکھے؟'' چاچے سوہنے نے کہا تو اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اس دوران اس کیساتھ آئے بندوں نے چھاکے کو پکڑ لیا۔ تب ماکھے نے حقارت سے کہا

''ذات کی کوڑھ کرلی اور چھتیروں کو جپھے۔ پنڈ کی تھاں تھاں پر دونوں چوہدریوں کے خلاف باتیں کرتے ہو، برا بھلا کہتے ہو چوہدریوں کو۔ ظلم کرتے ہیں چوہدری..... چل، ڈیرے پر وہیں چل کر تم سے بات کرتے ہیں۔''

''دیکھ ماکھے تو چھاکے کو چھوڑ دے۔ میں تیرے ساتھ چلتا ہوں۔ یہ تو پاگل ہے، میں جا کر چوہدری سے معافی مانگ لوں گا۔'' چاچا سوہنا منت بھرے انداز میں بولا تو ماکھے نے انتہائی تضحیک سے کہا

''اوئے چلو آگے لگو، وہیں ڈیرے پر چل کر بات کرتے ہیں۔''

یہ کہہ کر ماکھا باہر کی جانب نکلا تو اس کے ساتھ آئے بندے ان دونوں کو آگے لگا کر باہر کی جانب چل دیئے۔

ماکھے نے ان دونوں کو لے جا کر ڈیرے پر پھینک دیا۔ کچھ ہی دیر بعد چوہدری کبیر کی کار ڈیرے میں داخل ہوئی۔ کار روک کر چوہدری کبیر باہر آیا۔ اس کے سامنے چاچا سوہنا اور چھاکا بندھے ہوئے پڑے تھے۔ کبیر نے ان کی طرف بڑے غصے سے دیکھا اور ان کے قریب پڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اسے دیکھ کر چاچا سوہنا منت بھرے انداز میں بولا

''چوہدری ہم سے ایسا کیا جرم ہو گیا ہے کہ یہ لوگ ہمیں باندھ کر یہاں لے آئے ہیں۔''

اس پر چوہدری کبیر نے اس کی طرف نہایت حقارت سے دیکھا اور پھر غصے میں بولا

''اوئے سوہنے ..! چوکوں میں بیٹھ کر ہمارے خلاف باتیں کرتا ہے اور تیرا یہ پتر، ہمارے دشمنوں کے ساتھ دن رات پھرتا ہے ہمارے خلاف سازشیں کرتا ہے۔ اوئے یہ کوئی جرم ہی نہیں ہے؟''

اس کے یوں کہنے پر چاچا سوہنا خوف زدہ ہو کر بولا

''چوہدری جی، ہم کمی کمین، ہماری اوقات ہی کیا ہے جو آپ کے خلاف سوچیں بھی، منہ سے کوئی بات نکل گئی ہوگی۔ معاف کر دیں چوہدری صاحب، آئندہ چھاکا کبھی ان کے ساتھ نظر نہیں آئے گا۔''

''اوئے نظر تو یہ اب ویسے بھی نہیں آئے گا۔ تجھے پتہ ہے کہ ہم اپنے دشمنوں کو کبھی نہیں چھوڑتے۔ یہ بھی ایسا غائب ہو گا کہ.....''

چوہدری کبیر نے غصے میں کہا تو چاچا سوہنا تڑپ کر بولا

''نہ، نہ نکے چوہدری صاحب نہ، خدا کے لیے ایسا مت کرنا۔ یہ بے وقوف ہے۔ فہد کے پاس ملازمت کرتا ہے۔ میں نے عرض کیا ہے نا اب یہ کبھی ان کے پاس نہیں جائے گا پوچھ لیں چاہئے اس سے پوچھ لیں۔''

''میں پوچھتا نہیں سوہنے، حکم دیتا ہوں۔اس کے مرجانے سے علاقے کے لوگوں کو پتہ چل جائے گا کہ جو بندہ بھی ہمارے خلاف سوچے گا،اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔اُوئے لے جا ماکھے اسے۔شکل گم کراس کی۔'' چوہدری کبیر نے اسی غرور سے کہا تو چھاکے نے غضب ناک نگاہوں سے چوہدری کبیر کی طرف دیکھا۔چاچا سوہنا شدت سے بولا

''خدا کے لیے رحم کریں نکے چوہدری جی،خدا کے لیے رحم کریں۔معاف کردیں اسے،معاف کردیں۔''

لیکن چاچے سوہنے کی ایک نہیں سنی گئی۔ماکھے اور دوسرے ملازمین چھاکے کو کھینچ کر اندر لے گئے۔

''ہونہہ معافی،اس وقت یاد نہیں آیا جب ہمارے خلاف فہد کا ساتھ دے رہے تھے۔'' چوہدری کبیر نے کہا تو چاچا سوہنا بے دم سا ہو گیا۔

''رحم کریں چوہدری جی رحم۔'' چاچے سوہنے نے منت کرتے ہوئے کہا تو چوہدری کبیر نے سوچتے ہوئے کہا

''ایک ہی صورت ہے سوہنے،تیرا پتر بچ سکتا ہے،جیسا ہم کہیں ویسا کرنا ہوگا۔''

''میں ویسا ہی کروں گا آپ حکم دیں۔'' چاچا سوہنا تیزی سے بولا

''تو پھر سن......تُو امین ارائیں کے قتل کا چشم دید گواہ ہے۔''

یہ سن کر وہ حیرت سے بولا

''یہ،یہ،کیسے ہوسکتا ہے؟''

''تو نے امین ارائیں کو اپنی ان آنکھوں سے قتل ہوتے ہوئے دیکھا ہے اور اس کا قاتل فہد ہے۔''

چاچے سوہنے نے پاگلوں کی طرح اسے دیکھا اور سر سراتے ہوئے بولا

''یہ،یہ،کیا چوہدری جی۔''

''اس کی گواہی تم تھانے اور عدالت میں دو گے۔اگر یہ گواہی نہیں دی تو تیرا پتر نہیں رہے گا۔یہی تیری سزا ہے۔بول تو چشم دید گواہ ہے،تُو گواہی دے گا؟''

یہ سن کر چاچا سوہنا پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے بولا

''ہاں چوہدری جی،میں امین ارئیں کے قتل کا چشم دید گواہ ہوں۔میں نے اس کا قتل ہوتے دیکھا ہے،میں گواہی دوں گا،میں گواہی دوں گا۔پر میرا پتر تو بچ جائے گا نا؟''

''ہاں،پھر تیرا پتر بچ جائے گا۔ورنہ سمجھو،وہ اوپر پہنچ گیا۔'' چوہدری کبیر نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا

''نہیں چوہدری جی،ہم آپ کی رعایا ہیں،ہوگا وہی جو آپ کہیں گے۔'' چاچا سوہنا روتے ہوئے بولا

''چل ٹھیک ہے جا،کل جا کر تھانے میں گواہی دے دینا،تیرا پتر گھر آجائے گا۔اب جا شکل گم کر اپنی چل۔''

چاچے سوہنے نے بے بسی سے کبیر کی طرف دیکھا اور روتا ہوا وہاں سے چل دیا۔ آگے جاتے ہوئے وہ پیچھے مڑ مڑ کر دیکھتا رہا۔ اس کی حالت دیکھ کر چوہدری کبیر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ مزید گہری ہوتی چلی گئی۔

⁂

چاچا سوہنا اپنی روداد سنا کر خاموش ہو گیا۔ تھانیدار ایک طرف پریشان کھڑا تھا۔ فہد ایک کرسی پر براجمان تھا۔ جعفر نے تھانیدار کی طرف غضب ناک انداز میں دیکھا پھر سخت لہجے میں پوچھا

''کیا یہ غلط کہہ رہا ہے؟''

''سر جی، میرا اس میں کیا قصور؟ یہ کس سے بلیک میل ہوا، کیسے ہوا؟ مجھے تو اس کا علم نہیں، اس نے جو بیان دیا میں نے وہ لکھ لیا۔'' تھانیدار نے اپنا دامن بچانے کی کوشش کی تو جعفر نے دھاڑتے ہوئے پوچھا

''خالی پیپر پر؟ میں سمجھ گیا کہ اس میں تیرا کتنا قصور ہے۔ تیرے جیسے کالے لوگوں نے محکمے کی حالت بری کی ہوئی ہے۔ سنو۔! میں نہ تو تمہیں معطل کروں گا، اور نہ ہی تیرا یہاں سے تبادلہ ہونے دوں گا۔ تو جانتا ہے کہ یہ تیرے لیے کتنی بڑی سزا ہوگی۔''

تھانیدار یہ سن کر ایک دم سے چکرا گیا۔ اگلے ہی لمحے اس نے پینترا بدلتے ہوئے کہا

''سر جی، میرا قصور نہیں ہے۔ آپ جو حکم کریں گے، میں تو وہی کروں گا نا جی۔''

''تو پھر ایسا کر، فوری طور پر چھاکے کو لے کر قتل والی جگہ پر پہنچ، میں وہ موقعہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ اب میں نے یہ نہیں سننا کہ وہ چوہدری کے ڈیرے پر نہیں تھا۔'' جعفر نے کہا تو تھانیدار فوراً ہی سیلوٹ مارتے ہوئے بولا

''میں سمجھ گیا جی، میں جاتا ہوں جی''

یہ کہتے ہوئے وہ فوراً پلٹ گیا۔ اس کے جانے کے بعد چاچے کی طرف متوجہ ہو کر جعفر نے پوچھا

''ان بندوں کو جانتے ہو تم؟''

''جی وہ چوہدریوں کے نوکر چاکر ہیں، خاص کر نکے چوہدری کے۔''

''جاؤ چاچا۔ ابھی کچھ دیر تک تیرا بیٹا نہ آئے تو بتانا۔ میں ابھی یہیں ہوں۔''

جعفر نے کہا تو چاچا سوہنا ممنونیت سے بولا

''بہت مہربانی، بڑا شکریہ، میرے پاس دعاؤں کے سوا کچھ نہیں ہے صاحب جی۔''

''تم جاؤ میں تم سے بعد میں ملوں گا۔'' جعفر نے کہا

چاچا وہاں سے چلا گیا۔ تبھی فہد نے کہا

''تمہیں نہیں اندازہ یہاں لوگ کس قدر خوف زدہ ہیں۔ جب تک چوہدریوں کا یہ خوف ختم نہیں ہوگا۔ لوگ مجھ پر بھروسہ نہیں کریں گے۔''

''ہوں میں سمجھتا ہوں خیر۔'' یہ کہہ کر اس نے تھانے میں موجود دوسرے لوگوں سے باتیں کرنے کا سوچا اور انہیں اپنے پاس بلانے لگا۔

❁......❁......❁

کار ڈرائیو کرتے ہوئے مائرہ کے چہرے پر پریشانی تھی۔ اس نے اپنی کار جعفر کے گھر کے سامنے کار روکی اور پھر اُتر کر بیل دے دی۔ چند لمحے انتظار کرنے بعد اس نے دوبارہ بیل دی تو گھر کا ملازم باہر آ گیا اس نے مائرہ کو پہچانتے ہوئے کہا

''جی مائرہ صاحبہ آپ آ جائیں اندر؟''

مائرہ نے اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے پوچھا

''جعفر کہاں ہے۔ وہ فون کیوں نہیں پک کر رہا ہے خیریت تو ہے نا؟''

''جی فون کا تو مجھے پتہ نہیں، ویسے وہ کل شام کے یہاں نہیں ہیں۔ ان کا تبادلہ ہو گیا ہے۔ مجھے بھی انہوں نے فون پر بتایا تھا۔ کل شام سے وہ یہاں گھر نہیں آئے۔''

اس پر مائرہ نے حیرت سے پوچھا

''تبادلہ؟ وہ کہاں، کیا وہ یہاں نہیں ہے؟''

''جی نہیں۔ ان کا اچانک تبادلہ کسی دور کے قصبے نور پور میں ہو گیا ہے۔'' ملازم نے بتایا

''حیرت ہے، مجھے بتایا ہی نہیں اس نے۔ فون بھی نہیں مل رہا ہے۔'' مائرہ نے حیرت بھرے انداز میں کہا تو ملازم بولا

''بتایا نا کہ وہ اچانک یہاں سے نکلے ہیں اور بہت جلدی میں تھے۔ اور آپ آئیں اندر بیٹھیں۔ میں چائے بناتا ہوں آپ کے لئے۔''

''نہیں میں اب چلتی ہوں۔ مجھے آفس سے دیر ہو رہی ہے۔ اچھا، اس سے جب بھی رابطہ ہو میرے بارے میں بتانا۔'' مائرہ نے کہا اور کار کی جانب پلٹی تو ملازم نے کہا

''جی بہتر۔''

مائرہ مڑ کر کار میں جا بیٹھی اور اگلے چند لمحوں میں وہ کار بڑھا کر چلی گئی۔

مائرہ اپنے آفس میں آئے زیادہ وقت نہیں ہوا تھا۔ وہ اپنے لیپ ٹاپ پر مصروف تھی۔ ایسے میں اس کا سیل فون بجا۔ پہلے تو وہ اس کال کو نظر انداز کرتی رہی۔ پھر سرسری سا فون سکرین دیکھ کر چونک کر فون اٹھا لیا۔ فون ریسیو کر کے مائرہ نے تعجب سے کہا

''ہیلو۔!''

''میں فہد بات کر رہا ہوں مائرہ۔! کیسی ہو؟''

اس کی آواز سن کر مائرہ خوشی سے جھوم اٹھی

''فہد تم...... مجھے تو یقین ہی نہیں ہو رہا ہے کہ یہ تم بات کر رہے ہو۔ کیسے ہو تم۔ ٹھیک تو ہو نا؟

''ہاں میں ٹھیک ہوں۔ تمہیں یقین کیوں نہیں آ رہا۔ کیا میں نے پہلے کبھی بات نہیں کی؟ فہد نے کہا تو وہ بولی

''تو پھر آج اتنے عرصے بعد تمہیں میرا خیال کیسے آ گیا۔ تم ٹھیک تو ہو نا؟''

''میں ٹھیک ہوں۔ تمہارا کیا مطلب، میں ٹھیک نہیں ہوں گا۔ تبھی تمہیں فون کروں گا۔ کیا تم بھی آس لگائے بیٹھی ہو۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا

''نہیں نہیں میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ یہ اچانک تمہارا فون آنا، تو شاید......'' وہ کہتے کہتے خاموش ہو گئی۔

''میں نے اس وقت فون کیوں کیا۔ اس کی تفصیلات میں پھر کسی وقت سناؤں گا۔ اس وقت مجھے تمہاری یاد آئی تو میں نے فون کر لیا۔ خیر چھوڑو۔! بتاؤ۔ کیسا چل رہا ہے سب۔'' اس نے خوشدلی سے کہا

''سب ٹھیک ٹھاک چل رہا ہے۔ بس تمہاری کمی شدت سے محسوس کرتی ہوں۔ اب تو ماما نے بھی میری شادی کے لیے کہنا چھوڑ دیا ہے۔ تم سناؤ۔ کیسے ہو۔ تمہارا جی لگ گیا ہے وہاں پر۔ کب آ رہے ہو واپس؟'' مائرہ نے پوچھا تو وہ دھیرے سے بولا

''پتہ نہیں، میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ خیر۔! تم اپنا بہت خیال رکھنا۔ میں پھر فون کروں گا، اللہ حافظ''

''میں انتظار کروں گی۔ اللہ حافظ'' مائرہ نے کہا تو دوسری طرف سے فون بند ہو گیا۔ وہ حیرت سے فون کو دیکھتی رہی پھر اپنے خیالوں میں کھو گئی۔

❁ .... ❁ .... ❁

حویلی کے پورچ میں کار کھڑی ہوئی تھی۔ چوہدری جلال حویلی سے باہر نکلا۔ وہ کار میں بیٹھنے لگا تو سامنے سے منشی کو تیز تیز آتا دیکھ کر چونک گیا۔ منشی تیزی سے قریب آیا تو چوہدری جلال نے پوچھا

''اوئے خیر تو ہے منشی تجھے؟''

''وہ تھانیدار، فہد کو عدالت نہیں لے جا سکا۔ تھانے میں اچانک کوئی نیا اے ایس پی آ گیا ہے۔'' منشی نے مودب لہجے میں اور پھولی سانس کے درمیان کہا تو چوہدری جلال چونکتے ہوئے بولا

''نیا اے ایس پی؟ میری اجازت کے بغیر یہ کیسے ممکن ہے۔ کل تک تو ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ یہ راتوں رات کیا ہو گیا ہے؟''

''جی چوہدری صاحب، پتہ کریں، یہ کوئی جعلی لوگ ہی نہ ہوں۔''

''کہتا کیا ہے وہ نیا اے ایس پی؟'' چوہدری جلال اس کی بات نظر انداز کر کے بولا

''ابھی تھانیدار کا پیغام آیا ہے۔ اس نے بندہ بھیجا ہے۔ اسی نے تفصیل بتائی ہے۔ اس نے آتے ہی فہد کی ہتھکڑی اتروا دی۔ کہتا ہے میں خود تفتیش کروں گا۔ اس نے تو آتے ہی تھانیدار کو دیوار کے ساتھ لگا دیا۔ پتہ کریں جی یہ تبادلہ ہو کیسے گیا؟'' منشی نے تیزی سے کہا

''میں ابھی نور پور ہی جا رہا ہوں ۔ وہاں جاتے ہی معلوم کرتا ہوں کہ یہ کیا بات ہوئی ہے ۔تم کبیر سے کہو وہ تھانے کے معاملات کا خیال رکھے۔'' چوہدری جلال نے لاپرواہی سے کہا تو منشی بولا

''جی میں کہہ دیتا ہوں ۔ دیکھیں چوہدری صاحب اگر معاملہ الٹا ہو گیا تو بہت غلط ہو جائے گا۔''

''اوئے تو ایویں ڈر رہا ہے ۔ میں جا رہا ہوں نا۔ تمہیں جو کہا ہے وہ کرو۔'' چوہدری جلال نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا تو وہ مودب لہجے میں بولا

''جی چوہدری صاحب''

یہ کہہ کر وہ پیچھے ہٹ گیا۔ چوہدری جلال کار میں بیٹھا تو کار چل پڑی۔ منشی حویلی کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

❁......❁......❁

سلمٰی اپنے کمرے میں اداس بیٹھی ہوئی سوچوں میں کھوئی تھی کہ اسے دستک کی آواز آئی ۔ وہ چونک گئی جیسے کوئی خوشی کی نوید مل گئی ہو۔ وہ فوراً اٹھی اور باہر کی جانب لپکی ۔ وہ والہانہ پن میں دروازے تک گئی۔ اس کے انداز میں اضطراب تھا۔ اس نے جلدی سے دروازہ کھولا، سامنے فہد کھڑا تھا۔ اس نے خوشی سے اسے راستہ دیا تو وہ اندر آ گیا۔ دونوں صحن میں آئے تو سلمٰی نے دبی دبی خوشی میں پوچھا

''آپ آ گئے، کیوں لے گئے تھے آپ کو؟''

''ہاں میں آ گیا اور کیوں لے گئے تھے۔ اس کا مجھے بھی نہیں پتہ۔ لیکن تم نے بنا پوچھے یونہی دروازہ کھول دیا۔ کوئی اور بھی ہو سکتا تھا۔'' فہد نے کہا تو سلمٰی بولی

''میں آپ کی دستک پہچانتی ہوں۔ اور مجھے یقین تھا کہ یہ آپ ہی ہیں کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔''

''سلمٰی ۔! اتنا یقین ہے میری ذات پر؟'' فہد نے پوچھا

''ہاں ۔! اب تو خود سے بھی زیادہ ہے۔ اور مجھے تو یہ بھی یقین ہے کہ آپ کو کچھ نہیں ہو سکتا۔''

اس پر فہد نے چونک کر اسے دیکھا اور بات بدلتے ہوئے پوچھا

''استاد جی کہاں ہیں؟ وہ پریشان تو ہوں گے؟''

''ہاں ۔! وہ بہت پریشان تھے ۔ پھر کوئی خیر خبر بھی تو نہیں تھی آپ کی۔ ان کی طبیعت خراب ہونے لگی تھی ۔ میں نے انہیں دوائی دے دی۔ اب وہ اندر پڑے سو رہے ہیں ۔ انہیں جگا دوں؟'' سلمٰی نے تیزی سے کہا

''نہیں سونے دو انہیں ۔ میں انہیں کچھ دیر بعد آ کر مل لوں گا۔ ابھی مجھے ایک کام سے جانا ہے ۔ بس یہی بتانے آیا تھا کہ اب پریشان نہیں ہونا۔'' فہد نے کہا تو سلمٰی جلدی سے بولی

''آپ آؤ نا، کچھ کھا لو آپ نے کچھ نہیں کھایا ہو گا؟''

''نہیں، ابھی نہیں، میں بس بتانے آیا تھا کہ میں ٹھیک ہوں واپس آ گیا ہوں ، پریشان نہیں ہونا'' فہد نے کہا تو وہ زیادہ اضطراب سے بولی

''آپ کچھ دیر تو بیٹھیں، میں آپ کے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں پھر باتیں کریں گے۔''

اس پر فہد نے اس کے چہرے پر دیکھا پھر ذرا سوچ کر بولا

''چل بناؤ چائے، میں بیٹھتا ہوں۔''

یہ سن کر سلمٰی جیسے خوشی سے نہال ہو گئی۔ وہ تیزی سے اندر چلی گئی۔ فہد اسے مسکراتے دیکھتا ہوا صحن میں پڑی کرسی کی طرف بڑھ گیا۔

❁ ....❁.... ❁

قسمت نگر اور نور پور سے ہٹ کر ایک چھوٹا سا گاؤں عزیز آباد تھا۔ ملک نعیم کا ڈیرہ اسی گاؤں سے باہر تھا۔ ملک نعیم بڑا خدا ترس انسان تھا۔ لوگوں کو اس سے بہت ساری امیدیں رہتی تھیں۔ دو بار اس نے قومی اسمبلی کا الیکشن لڑا۔ اس کا مقابلہ چوہدری جلال سے ہوتا اور وہ دونوں بار الیکشن ہار گیا تھا۔ وہ لمبے قد کا باریش اور سنجیدہ انسان تھا۔ اگرچہ اس کی شخصیت بارعب تھی لیکن وہ اندر سے بہت نرم دل واقع ہوا تھا۔ اس وقت ملک نعیم ڈیرے کے ایک کمرے میں صوفے پر بیٹھا ہوا اخبار پڑھ رہا تھا۔ اتنے میں اس کا مزارع بخشو اندر آ گیا۔ ملک نعیم نے اسے اخبار کے اوپر سے دیکھا اور خوشگوار انداز میں پوچھا

''اوئے آ بخشو، کیا حال ہے تیرا۔ تمہاری بیٹی کی شادی تو ٹھیک ٹھاک ہو گئی ہے نا؟''

''جی ملک صاحب آپ کی مہربانی سے سب ٹھیک ہو گیا ہے۔ میں یہی بتانے اور آپ کا شکریہ ادا کرنے آیا تھا۔ آپ میری مدد نہ کرتے تو میں اپنی بیٹی......''

تبھی ملک نعیم نے اس کی بات کاٹتے ہوئے عاجزی سے کہا

''اوئے بخشو شکر ادا کر اس سوہنے پروردگار کا، جس نے مجھے دیا اور میں نے تمہیں دیا۔ اس میں میری کیا مہربانی ہے بھلا۔''

''نہیں ملک صاحب، جتنا آپ نے دیا، اتنا میں ساری زندگی نہیں کما سکتا تھا میری بیٹی عزت سے اپنے گھر رخصت ہو گئی۔'' بخشو نے ممنونیت سے کہا تو ملک نعیم نے کہا

''اچھا، اچھا، ٹھیک ہے۔ اب خدا کے لیے اس کا ڈھنڈورا پیٹتے پھرنا جو تھوڑی بہت نیکی کی ہے وہ بھی ضائع ہو جائے۔'' لفظ اس کے منہ ہی میں تھے کہ اتنے میں اس کا خاص ملازم کریم داد اندر آ کر بولا

''ملک صاحب۔! وہ باہر نیا اے ایس پی آیا ہے، کہہ رہا ہے کہ آپ سے ملنا چاہتا ہے۔''

''نیا اے ایس پی؟ وہ یہاں کیوں، خیر بلاؤ اسے اور بخشو اب تو جا۔'' ملک نعیم نے کہا تو کریم داد باہر چلا گیا۔

''اللہ آپ کا بھلا کرے، اللہ آپ کو اور زیادہ دے۔''

یہ کہتے ہوئے بخشو بھی باہر چلا گیا تو جعفر اندر آ گیا۔ ملک نعیم نے اٹھ کر اس سے ملایا۔ ہاتھ ملاتے ہوئے جعفر نے کہا

”ملک نعیم صاحب مجھے جعفر رضا کہتے ہیں۔“

”پلیز تشریف رکھیں جعفر صاحب۔“

دونوں آمنے سامنے صوفوں پر بیٹھ گئے تو جعفر نے کہا

”میں نے آج صبح ہی نور پور میں چارج لیا ہے اور آج ہی مجھے قسمت نگر میں ایک تفتیش کے لیے جانا پڑا۔ وہیں سے مجھے آپ کے بارے میں معلوم ہوا تو سوچا آپ سے ملتا چلوں۔“

”بہت اچھا کیا آپ نے، فرمائیں میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔“ ملک نعیم نے پوچھا

”ملک صاحب، خدمت میری نہیں اپنے علاقے کے لوگوں کی کیجئے۔ انہیں آپ کی بہت ضرورت ہے۔“

جعفر کی یہ بات سن کر ملک نعیم ایک لمحے کے لئے چونک گیا۔ پھر دھیمے لہجے میں بولا

جعفر صاحب، میں نے دو بار ایم این اے کا الیکشن لڑا ہے اور دونوں بار ہار گیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علاقے کے عوام مجھے نہیں چاہتے۔ باقی جو مجھ سے ہو سکتا ہے، وہ میں کرتا رہتا ہوں۔“

”عوام آپ کو نہیں چاہتے، کیا صرف یہی وجہ ہے؟“ جعفر نے پوچھا تو ملک نعیم نے اس کی بات سمجھتے ہوئے کہا

”میں آپ کی بات سمجھ رہا ہوں کہ آپ کہنا کیا چاہتے ہیں، دیکھیں عوام پر خوف کی فضا طاری ہے کہ نجانے کیا ہو جائے گا۔ یہ غنڈہ گردی ہے اور جو کچھ چوہدری جلال کرتا ہے، شاید وہ مجھ سے نہ ہو سکے۔ بس ایسی ہی وجوہات ہیں۔“

”ملک صاحب، اگر آپ مایوس نہیں ہوئے اب بھی آپ میں ہمت اور حوصلہ ہے۔ تو آپ آئیں میرے آفس، مجھے آپ سے بہت ساری باتیں کرنا ہیں۔“ جعفر نے ایک دم سے کہا تو ملک نعیم نے مسکراتے ہوئے کہا

”میں اللہ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہوا جعفر صاحب۔ اس نے جو کام مجھ سے لینا ہے خود ہی لے لے گا۔ میں ایک دو دن میں آپ کے ہاں آؤں گا اور آپ سے مل لوں گا۔“

”تو یہ طے ہوا میں آپ کا انتظار کروں گا۔ اب مجھے اجازت دیں۔“ جعفر نے کہا

”ایسے کیسے جا سکتے ہیں۔ آپ کچھ کھائے پیے بغیر تو نہیں جا سکتے آپ۔“ ملک نعیم نے خوشگوار لہجے میں کہا

”پھر سہی، بہت سارے مواقع آئیں گے، ابھی وقت نہیں ہے۔“ جعفر یہ کہتے ہوئے اٹھ گیا۔ ملک نعیم بھی ساتھ میں اٹھا۔ دونوں باہر کی جانب چل پڑے۔

انہی لمحات میں سراج کے ڈیرے پر سراج اور رانی، دونوں ایک کھیت کے کنارے بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ اس کے چہرے پر حیرت کے ساتھ غصہ پھیلا ہوا تھا۔ اس نے منتشر لہجے میں کہا

''رانی۔! یہ کیسی دنیا ہے بندہ کس پر اعتبار کرے؟''

''اگر تم فہد کے حوالے سے بات کر رہے ہو نا تو تم غلط سوچ رہے ہو۔'' رانی نے کہا

''کیا مطلب تم اس طرح کیسے کہہ سکتی ہو؟'' اس نے پوچھا تو رانی بولی

''میں ٹھیک کہہ رہی ہوں سراج۔ چوہدریوں نے تمہیں اور فہد کو الگ الگ کرنے کی بہت بڑی سازش کی ہے۔ یہ فہد کے قتل والی بات بھی غلط ہے۔ یہ سب میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے۔''

''تم نے؟'' سراج نے بے یقینی کے سے انداز میں کہا تو رانی سر ہلاتے ہوئے بولی

''ہاں ہاں، میں نے سنا۔ یہی بات بتانے تو میں یہاں تک، اس وقت یہاں تک آئی ہوں۔''

یہ کہہ کر اس نے ساری روداد سنا دی۔ سراج ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے حیرت سے پوچھا

''تم سچ کہہ رہی ہو نا؟''

''میں تم سے جھوٹ کیوں بولوں گی۔ خیر۔! اب اگر تم فہد سے الگ ہو ہی گئے ہو تو ایک طرح سے ٹھیک ہی ہوا ہے۔ جو ہونا تھا سراج، وہ تو ہو گیا۔ باقی زندگی سکون سے گذارنے کے لیے تم چوہدریوں سے صلح کر لو۔''

''یہ تیری سوچ ہے نا۔ خیر، تو اب جا گھر، باقی باتیں پھر کریں گے۔'' سراج نے تیزی سے کہا تو رانی نے غصے ہوتے ہوئے کہا

''سراج کیا ہو گیا ہے تمہیں، میں نے تمہیں غلط مشورہ نہیں دیا۔ یہ بہت اچھا موقعہ ہے۔ تم مجھے آسانی سے حاصل کر سکتے ہو۔''

اس پر سراج نے اضطراری انداز میں کہا

''میں سوچتا ہوں ہم اس پر پھر بات کریں گے۔''

''ٹھیک ہے، تم کرتے رہنا بات، اچھا میں چلتی ہوں پھر۔ کرنا میرا انتظار.....''

یہ کہہ کر وہ تنتاتے ہوئے اٹھی تو سراج بھی اٹھ گیا۔ سراج اپنی سوچوں میں گھوم کر رہ گیا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ یہ ہو کیا گیا ہے۔ رانی نے اس کی طرف دیکھا اور پھر پلٹ کر چل دی۔ الجھا ہوا سراج پھر وہیں بیٹھ گیا۔

چاچا سوہنا اداس صورت لئے اپنے صحن میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ اپنے سر پر یوں رکھے ہوئے تھے، جیسے اپنا سب کچھ لٹا آیا ہو۔ اس نے بڑے دکھ بھرے لہجے میں یہ شعر پڑھے

''چھتا فکر اندیشے آدن بنھ بنھ صفاں قطاراں.....وس نکیں چلدا میرا قسمت ہتھ مہاراں''

اتنے میں مرغا بولا تو چاچے سوہنے نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ دروازے میں سے چھاکا اندر آ گیا تھا۔ چاچا سوہنا انتہائی خوشی میں بڑھ کر اسے گلے لگایا اور دونوں ہاتھوں سے اس کا چہرہ ہاتھوں میں لیتے ہوئے ان زخموں کو دیکھا جہاں تشدد کے آثار تھے۔ اس نے بڑے دردمند لہجے میں کہا

''تو ٹھیک تو ہے نا پتر؟
''ہاں ابا، میں تو ٹھیک ہوں پر تو نے چنگا نہیں کیا فہد کے ساتھ؟'' اس نے دکھی لہجے میں کہا
''تو جانتا ہے چھاکے میں نے ایسا کیوں کیا؟ تیری زندگی کا سوال تھا پتر۔'' چاچا سوہنا بھی دکھ سے بولا
''اور ابا تو بھی جانتا ہے، ایک چھاکے کے مرجانے سے قسمت نگر میں تو کیا، کہیں بھی کوئی فرق نہیں پڑنا تھا۔لیکن اگر فہد کو کچھ ہو جاتا تو بہت سارے لوگوں کی قسمت میں اندھیرا چھا جاتا۔'' چھاکے نے اس کی اہمیت بتائی
''تجھے کیا پتہ چھاکے، اولاد کی محبت کیا ہوتی ہے۔ یہ محبت جب آزمائش میں پڑتی ہے نا تو کچھ بھی قربان کرنے کے لیے سوچنا نہیں پڑتا۔'' چاچا سوہنا دردمندی سے بولا تو چھاکے نے کہا
''ابا، اتنی عمر گذر گئی ان چوہدریوں کو نتھ ڈالنے والا کوئی پیدا نہیں ہوسکا۔ اب اگر کوئی آ گیا ہے تو اس کے ہاتھ اور بازو ہم ہی نے مضبوط کرنے ہیں یہ بات تو کیوں نہیں سمجھتا، اور پھر وہ بھی ہماری ہی ہاتھوں ابا؟'' چھاکا رو دینے کو تھا۔
''میں سب سمجھتا ہوں پتر اور مجھے اپنی غلطی کا احساس تھا، یہی وجہ ہے کہ میں نے وڈے افسر کے سامنے ساری بات سچ سچ بتادی۔ اب جو ہوگا وہ دیکھا جائے گا۔'' چاچے نے کہا تو چھاکا دکھ سے بولا
''اب میں تو ساری حیاتی فہد کو منہ دکھانے کے لائق نہیں رہا نا، کیسے سامنا کر پاؤں گا اس کا؟''
''تو فکر نہ کر میں جا کو معافی مانگ لوں گا اس سے۔ مان جائے گا۔'' یہ کہہ کر وہ چند لمحے سوچتا رہا جیسے اسے کہنے کو لفظ تلاش کر رہا ہو، پھر جلدی سے بولا، ''دیکھ تیرا اگر تیرے بنا کتنا اداس ہوگیا ہے۔ جا جا کر اسے کچھ کھلا پلا باقی اللہ سائیں بہتر کرے گا۔ میں وڈے افسر کو بتا آؤں کہ تو گھر آ گیا ہے۔''
''وہ نور پور واپس چلا گیا ہے۔'' چھاکے نے بتایا
''اچھا چل تو آرام کر میں ابھی آتا ہوں۔'' چاچے نے کہا اور باہر کی طرف چل دیا۔ چھاکا نڈھال سا چارپائی پر لیٹ گیا۔

❁ .... ❁ .... ❁

سہ پہر ہو چکی تھی۔ حویلی کے لان میں دونوں باپ بیٹا لان میں بیٹھے ہوئے چائے پی رہے تھے۔ اتنے میں منشی فضل دین آ کر ان کے قریب آ کر کھڑا ہوگیا۔ تب چوہدری کبیر نے پوچھا
''ہاں بھئی منشی۔ ! سنا وہ فہد والے معاملے کا کیا بنا؟''
''چوہدری جی۔ اس اے ایس پی نے اسے چھوڑ دیا ہے۔ بلکہ وہ اس کے ساتھ اس جگہ گیا، جہاں قتل ہوا تھا۔ موقعہ دیکھنے۔''
یہ سن کر دونوں باپ بیٹے نے منشی کی طرف دیکھا۔ پھر چوہدری کبیر نے پوچھا
''یہ اصل میں ہوا کیا ہے۔ کچھ پتہ چلا آپ تو گئے تھے نور پور؟''

"وہیں سے یہ پتہ چلا ہے کہ اس اے ایس پی کا تبادلہ خود آئی جی نے کیا ہے۔ اس تبادلے کے بارے ڈی ایس پی کو بھی رات ہی معلوم ہوا تھا۔ ایسے تبادلے۔ ایویں نہیں ہو جاتے۔" چوہدری جلال نے سوچتے ہوئے لہجے میں کہا تو چوہدری کبیر بولا

"ممکن ہے یہ ملک نعیم کا کوئی کھیل ہو؟"

"نہیں۔! ایسا ممکن نہیں ہے۔ ملک نعیم اتنا بڑا کھیل کھیلنے کا حوصلہ ہی نہیں رکھتا اور نہ ہی اس کے پاس اتنی طاقت ہے۔ اب فہد کو پوری سنجیدگی سے سمجھانا ہوگا۔ یہ بہت خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔" چوہدری جلال نے سنجیدہ سے لہجے میں کہا تو چوہدری کبیر نے چونکتے ہوئے پوچھا

"کیا خطرناک ہو سکتا ہے بابا۔ وہ کوئی لوہے کا بنا ہوا تو نہیں ہے۔ ایک گولی اس کا فیصلہ کر سکتی ہے۔"

"میں بھی دیکھنا چاہتا تھا کبیر وہ کتنی جلدی حوالات سے باہر آتا ہے۔ اب سمجھنا یہ ہے کہ وہ کس کی وجہ سے باہر آیا۔ مجھے کوئی اور ہی کھیل دکھائی دے رہا ہے۔ اس کے پیچھے کون ہے۔ اسے تلاش کرنا ہوگا۔ میں نے ایک بندے سے پتہ بھی کروایا لیکن اس نے کوئی خاص معلومات نہیں دیں۔" چوہدری جلال اس کی گولی کی بات کو نظر انداز کرتا ہوا بولا

"تو پھر آپ سیدھے آئی جی سے ملیں۔ اور اس سے بات کریں۔" چوہدری کبیر نے صلاح دی۔

"ہاں۔! بات کرنا پڑے گی۔ کوئی نہ کوئی سرا پتہ تو ضرور وہاں سے ملے گا۔" چوہدری جلال نے پرامید لہجے میں کہا تو منشی فضل دین نے کہا

"بات یہ بھی سوچنے والی ہے چوہدری صاحب کہ اے ایس پی اچانک اس کے پیچھے تھانے کیوں پہنچ گیا۔ اور اسے کسی ضمانت کے بغیر چھوڑ دیا۔ کیا راز ہے اس میں؟"

"ہاں۔! یہ بات بھی غور کرنے والی ہے۔ کہیں ہمارا کوئی دشمن انہیں استعمال نہ کر رہا ہو۔ جو بڑے غیر محسوس انداز میں ہم پر وار کر رہا ہے۔" چوہدری جلال نے کہا

"ایسا کون ہو سکتا ہے بابا۔" چوہدری کبیر نے پوچھا

"یہی تو اب سمجھنا ہوگا۔ میں خود منسٹر سے بات کرتا ہوں۔" چوہدری جلال نے کہا تو منشی بولا

"جی ٹھیک ہے جی، میں ابھی فون لا دیتا ہوں۔"

"اور کبیر۔! تم تھانیدار کو بلا کر تفصیل پوچھو، دیکھتے ہیں کون ہے ہمارا چھپا ہوا دشمن۔ جاؤ اور اسے ڈیرے پر بلا کے پوچھو۔"

چوہدری کبیر نے جواب نہیں دیا بلکہ اٹھ کر چل پڑا۔ چوہدری جلال سوچ میں گم ہو گیا۔ منشی فضل دین نے اس کی طرف دیکھا اور واپس حویلی کے اندر کی جانب پلٹ گیا۔

چوہدری کبیر صوفے پر بیٹھا سوچوں میں گم تھا۔ اس کے قریب فرش پر بیٹھا ماکھا گن صاف کر رہا تھا۔ ایسے میں تھانیدار وہاں آ

گیا۔اس کی طرف دیکھ کر چوہدری کبیر نے طنزیہ انداز میں پوچھا

''اوئے آ بھئی تھانیدار صاحب، بڑا پریشان لگ رہا ہے۔کیا بات اے ایس پی نے کچھ زیادہ ہی کھینچ دیا ہے تمہیں؟''

''چوہدری تو میری چھوڑ، یہ بتا کہ وہ چھاکا کدھر ہے سوہنے کا پتر؟'' یہ کہہ کر اس نے ایک لمحے کو خاموش ہو کر چوہدری کبیر کی آنکھوں میں دیکھا پھر بولا،''میں جانتا ہوں۔تمہارے ڈیرے پر سے کوئی تمہاری مرضی کے بغیر بندہ نہیں لے جا سکتا۔لیکن اے ایس پی نے چھاپہ بھی نہیں مارا اور بندہ تم لوگوں کو خود ہی چھوڑنا پڑا، کیوں؟''

''یہ تو کیسی بات کر رہا ہے۔'' چوہدری کبیر نے غصے میں کہا تو تھانیدار بولا

''نکے چوہدری جی، میں مانتا ہوں کہ تم لوگوں کا رعب و دبدبہ اس پورے علاقے پر ''تھا'' مگر اب نہیں رہا''

اس پر چوہدری کبیر نے بھڑک کر کہا

''اوے یہ کیا بکواس کر رہا ہے تو؟''

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔اب تم لوگوں کی صرف بڑھک رہ گئی ہے۔کر کچھ نہیں سکتے۔کیا فائدہ ایم این اے ہونے کا ایک ڈی ایس پی کا تبادلہ ہو گیا اور پتہ ہی نہیں چلا۔مان لو کہ اب علاقے پر گرفت ہی نہیں رہی، تم لوگوں کی تو افسروں میں بھی وہ بات نہیں رہی۔'' تھانیدار نے طنزیہ لہجے میں کہا تو چوہدری کبیر نے غصے میں کہا

''لگتا ہے آج اے ایس پی کی جھڑکیوں سے تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔اور تو کچھ زیادہ ہی بول گیا ہے۔''

''میں زیادہ نہیں بولا بلکہ تم لوگوں کو اپنے بارے میں کچھ زیادہ ہی زعم ہے۔ایک بندہ تم لوگ قابو نہیں کر سکے۔وڈے چوہدری صاحب ایک ڈی ایس پی سے کام نہیں لے سکے۔فہد نے اپنی مرضی کا اے ایس پی لگوا لیا۔'' تھانیدار نے حقیقت اسے بتائی تو بھڑک کر بولا

''اب دیکھنا۔اب ہوتا کیا ہے؟''

''نہیں نکے چوہدری جی، میرا مشورہ یہی ہے کہ اب بڑھکیں مارنا چھوڑ دیں اگر کچھ کر سکتے ہو تو کر لیں ورنہ بہت کچھ بگڑ جائے گا۔چلتا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ اٹھا اور باہر کی طرف چل دیا۔چوہدری کبیر ایک دم سے غصے میں اس قدر آ گیا کہ اس کی آنکھوں سے خون اترتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

⁂
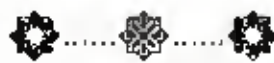
سورج غروب ہو چکا تھا۔فہد اپنے گھر کے صحن میں بیٹھا کچھ کاغذات پڑھنے میں گم تھا۔اتنے میں اس کا دروازہ بجا تو وہ چونک گیا، پھر اس نے پوچھا

''کون ہے آ جاؤ، دروازہ کھلا ہے۔''

وہ دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا کہ اتنے میں اسے سراج دروازے میں کھڑا دکھائی دیا۔اس کا چہرہ پر کسی بھی قسم کے جذبے سے

عاری تھا۔ فہد کسی غیر متوقع صورت حال کے لیے کھڑا ہو گیا۔ وہ کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ سراج آگے بڑھ کے قریب آیا تو اس کے چہرے پر شرمندگی اور ندامت کے آثار پھیل گئے۔ فہد تھوڑا سا پرسکون ہو گیا۔ سراج نے قریب دھیمے لہجے میں کہا

''میں بہک گیا تھا فہد، مجھے معاف کر دو۔ میں تمہارا گنہ گار ہوں یار، ایک لمحے کے لیے بھی مجھے یہ سوچ نہیں آئی یہ کہ دشمنوں کا وار ہے۔ میں دوستی کا حق ادا نہیں کر سکا۔ فہد میں تیری دوستی کے لائق تو نہیں ہوں پر میں تیری منت تو کر سکتا ہوں کہ تو مجھے معاف کر دے؟''

''بات بہکنے یا نہ بہکنے کی نہیں ہے سراج، یقین کی ہوتی ہے۔ اپنوں پر یقین ہو تو انسان کبھی نہیں بہکتا۔ میں نے تم پر سب سے زیادہ اعتماد کیا تھا۔ کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ دشمن کتنا گھٹیا ہے۔ پھر بھی تم اس کے دھوکے میں آ گئے؟'' فہد نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں بے وقوف تھا نا، اس لیے ان کے دھوکے میں آ گیا۔ میں اپنی غلطی مانتا ہوں اور اپنی صفائی میں ایک بھی لفظ کہنے کا حق نہیں رکھتا، مگر تجھے اس بات کا تو یقین ہو گا نا کہ میرے خلوص میں کہیں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔'' سراج نے شرمندگی نے کہا تو فہد بولا

''شیشے میں بال آ جائے نا تو پھر، خیر کیا چاہتے ہو اب تم۔''

''معافی مانگنے آیا ہوں۔'' اس نے کہا اور دونوں ہاتھ اس کے سامنے جوڑ دیے۔ فہد نے اس کے ہاتھ پکڑتے ہوئے چند لمحے خود پر قابو پاتا رہا، پھر مشکل سے بولا

''نہیں کر یار، دشمنوں نے بہت اُوچھا وار کیا تھا۔ میں بھی تیری جگہ ہوتا نا تو بہک جاتا چھوڑ بس۔ اب آگے کی سوچ۔'' فہد نے اس کی طرف دیکھ کر کہا

''میں بہت شرمندہ ہوں یار کہ تم پر اعتماد ہی نہیں کیا۔ میں کتنا غلط سوچتا رہا ہوں۔'' سراج کی ندامت ختم ہی نہیں ہو رہی تھی۔ اس کیسے آنسو چھلک پڑے۔ تو فہد بولا

''کہا نا، ختم کر اس بات کو آ بیٹھ''

''تیرا بڑا دل ہے یار، میں ہی بے یقین تھا کہ تجھ پر یقین ہی نہیں کیا۔'' سراج نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا

''چل یار چھوڑ اس قصے کو بیٹھ جا اب'' فہد نے کہا

''بیٹھو کیسے؟ اس چھاکے کو تو لے کر آئیں نا، جیسے مجھے معاف کر دیا، ویسے اسے بھی معاف کر دے۔ تجھے ساری حقیقت کا شاید نہیں پتہ۔'' سراج نے کہا

''مجھے معلوم ہے یار اور مجھے یہ بھی پتہ ہے کہ اب انہوں نے کیا کرنا ہے۔ کمینے دشمن کا وار بڑا گھٹیا ہوتا ہے۔ چل چھاکے کو لے آئیں۔ اس بے چارے کا کوئی قصور نہیں تھا۔'' فہد نے ایک دم سے کہا تو وہ دونوں باہر کی طرف چل دیے۔

حبیب الرحمٰن اور بانو بیگم اپنے گھر کے ڈرائننگ روم میں ناشتے کی میز پر تھے۔ اتنے میں مائرہ بڑے خوش گوار موڈ میں وہیں آ گئی۔ اس کے چہرے پر خوشی کا تاثر پھیلا ہوا تھا۔ وہ بڑے اہتمام سے تیار ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے خوشی بھرے لہجے میں کہا

''گڈ مارننگ پاپا، گڈ مارننگ ماما۔''

''ماشاللہ۔! آج تو بہت پیاری لگ رہی ہو۔'' بانو بیگم نے اپنی بیٹی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

''اور بہت خوش بھی، کیا بات ہے؟'' حبیب الرحمٰن نے خوش ہو کر دیکھتے ہوئے پوچھا

اس دوران وہ ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

''جی پاپا۔ میں آج بہت خوش ہوں۔ اور بات؟ بات تو کوئی بھی نہیں ہے۔ بس ویسے ہی آج خوش ہوں۔''

''کہیں میرے جاسوس بیٹے کو کوئی نئی اسائنمنٹ تو نہیں مل گئی ہے کیا؟'' حبیب الرحمٰن نے پوچھا

''جاسوس یہ کیا بات ہوئی پاپا؟'' مائرہ خوشگوار حیرت سے بولی

''اب یہ صحافی جاسوسی ہی کرتے ہیں تحقیقاتی رپورٹنگ کے نام پر۔ تم بھی تو Investigative رپورٹنگ کرتی ہو نا۔'' حبیب الرحمٰن نے کہا تو مائرہ ہنستے ہوئے بولی

''تو پاپا میں جاسوس تھوڑی ہوں۔''

''کچھ بھی ہے آج میری بیٹی بہت خوش نظر آ رہی ہے اللہ نظر بد سے بچائے۔'' بانو بیگم نے پیار سے کہا

''ماما بندے کا موڈ خوشگوار بھی تو ہو سکتا ہے۔'' مائرہ نے منمناتے ہوئے کہا تو حبیب الرحمٰن بولا

''ہاں ہاں کیوں نہیں۔ ہم تو تمہیں بہت خوش دیکھنا چاہتے ہیں۔ تم ایسے ہی ہمیشہ ہنستی مسکراتی رہا کرو۔''

''کیا لو گی بیٹا۔'' بانو بیگم نے پوچھا تو مائرہ بولی

''بس جوس لوں گی۔! مجھے پہلے ہی بہت دیر ہو گئی ہے پاپا کو دیکھا تو ادھر آ گئی۔''

یہ کہتے ہوئے اس نے گلاس میں جوس لیا پھر سپ لینے لگی۔ تبھی حبیب الرحمٰن نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

''ابھی میرے ذہن میں پلان آیا ہے کہ اس آف کو ہم سب گھر پر رہیں گے۔ اور تمہارا فیورٹ باربی کیو ہو گا۔''

''یس پاپا، بہت دن ہو گئے، ہم سب ایک ساتھ بھرپور دن منائیں گے'' اس نے پر جوش انداز میں کہا۔ گلاس رکھ کر وقت دیکھا اور پھر اٹھتے ہوئے بولی،'' میں چلتی ہوں دیر ہو گئی بائے۔ اللہ حافظ ماما، اللہ حافظ پاپا''

''اللہ حافظ'' دونوں نے ایک ساتھ کہا اور ناشتے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ مائرہ پورچ میں آ کر گاڑی کی جانب بڑھی تھی اس کا فون بج اٹھا۔ وہ فون ریسیو کرتے ہوئے کار میں بیٹھ گئی۔

''ہیلو۔!'' مائرہ نے کہا

''کیسی ہو مائرہ؟'' دوسری طرف جعفر نے پوچھا تبھی مائرہ نے غصے میں کہا

''او جعفر۔! تم؟ تم کہاں غائب ہو گئے ہو۔ نہ بتا کر گئے ہو اور اور فون بھی بند کیا ہوا ہے؟''

''بتاتا ہوں، ذرا صبر تو کرو۔ اتنا غصہ بھی ٹھیک نہیں، بتاؤ کیسی ہو؟'' جعفر نے سکون سے کہا

''میں تو ٹھیک ہوں، تم کہاں ہو، کدھر کالے پانی ہو گیا ہے تمہارا ٹرانسفر، کچھ پتہ تو چلے ادھر تم غائب ہوئے، اُدھر فہد کا فون آ گیا کل۔'' وہ ایک دم سے بولی

''میں اپنے بارے بھی بتاتا ہوں، مگر وہ تم فہد کے فون بارے بتا رہی تھی۔'' جعفر نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ پرجوش لہجے میں بولی

''جعفر۔! میں بتاؤں۔ پہلے تو مجھے یقین ہی نہیں آیا کہ یہ فون فہد کا ہی ہے۔ یہاں تک کہ اس کی آواز سن کر بھی اچھی خاصی بدلی ہوئی تھی۔''

''پھر کیسے یقین آیا کہ وہ واقعتاً فہد ہی تھا۔'' جعفر نے مزہ لیتے ہوئے پوچھا

''تھا نہیں، وہ ہے۔ سچ کہوں تو مجھے اب بھی یقین نہیں آ رہا ہے کہ اس نے مجھ سے بات کی۔ ویسے میں پہلے ڈر بھی گئی تھی۔'' اس نے پرشوق لہجے میں بتایا

''وہ کیوں؟'' اس نے تیزی سے پوچھا

''اس لیے کہ میں نے سوچا، وہ کہیں مصیبت میں نہ ہو۔ ہم نے ہی اسے کہا تھا کہ جب اسے ضرورت پڑے گی تو وہ ہمیں ضرور پکارے گا میں نے پوچھا بھی تھا۔'' مائرہ نے کہا جعفر نے پوچھا

''پھر اس نے کیا کہا؟''

''اس نے کہا کہ وہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔ خوش ہے اور مزے میں ہے۔ ویسے بات بڑی مختصر ہوئی۔ پتہ نہیں وہ کہیں مصروف تھا۔ ہم اسے یاد ہیں۔ وہ ہمیں بھولا نہیں، میں اس پر ہی بہت خوش ہوں۔'' وہ جذباتی ہوتے ہوئے بولی تو جعفر نے کہا

''مائرہ۔! اتنے برس کی رفاقت محض چند ہفتوں میں یا چند مہینے میں بھلائی نہیں جاسکتی ہے۔ ہم اسے یاد ہیں اور بہت اچھی طرح یاد ہیں۔ اس کا پیار ہم سے ویسا ہی ہے۔''

''جعفر۔! وہ ہمارے پاس نہیں آسکتا؟ کیا ہم اس کے پاس نہیں جاسکتے؟ میرا مطلب ہے۔ ایک دو دن کے لیے، اسے زیادہ تنگ نہیں کریں گے۔ ہماری آؤٹنگ بھی ہو جائے گی اور اس کے بارے میں بھی پتہ چل جائے گا۔'' مائرہ نے کہا تو جعفر نے مشکل سے ہنسی روکتے ہوئے کہا

''بہت اچھا خیال ہے بنالو کسی دن بھی پروگرام بنالو چلے چلتے ہیں اس کے پاس۔ ویسے یہ دیکھنا بھی چاہیے کہ آخر وہ وہاں کر کیا رہا ہے۔ مگر ایک بات تو ہم بھول ہی گئے۔ جانا کہاں ہے؟ اس کے گاؤں کا تو ہمیں پتہ ہی نہیں ہے، تمہیں پتہ ہے۔ بتایا اس نے؟''

اس پر مائرہ ایک دم حیرت زدہ اور شرمندہ ہوگئی، اسی شرمندگی میں اس نے کہا

"تم ہوناتو مجھے اس انفارمیشن کی کیا ضرورت ہے۔ تمہیں اس کا پتہ ہے۔"

"تو پھر سنو۔! میں اس کے پاس تھا اور اب اس سے کچھ فاصلے پر ایک قصبے میں تعینات ہوں۔ میں آناً فاناً یہاں کیوں آیا۔ یہ بھی سن لو۔"

یہ کہہ کر اس نے ساری روداد مختصر انداز میں بتا دی۔ وہ حیرت اور دکھ کے ساتھ سن چکی تو جذباتی انداز میں بولی

"میں کسی نجی کمپنی سے فوراً بات کرتی ہوں کہ وہ وہاں پر سیل فون سروس دے۔ مجھ سے رابطے میں رہنا، مجھ سے جو ہوسکا میں کروں گی اور بہت جلد وہاں تمہارے پاس آؤں گی۔ اللہ حافظ" یہ کہتے ہوئے اس سے بات نہیں ہو پا رہی تھی۔ اس نے فون بند کر دیا اور کتنے ہی لمحے یونہی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی رہی۔ پھر اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے اس نے کار سٹارٹ کی اور چل دی۔

❁……❁……❁

عصر کا وقت ہونے والا تھا جب ماسٹر دین محمد اور فہد دونوں دالان میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ماسٹر دین محمد نے اس سے پوچھا

"فہد پتر۔! کیا تمہیں یقین ہے کہ نعمت علی رقم لینے کے بعد تمہاری زمین تمہارے حوالے کر دے گا۔"

"آپ کیا سمجھتے ہیں۔ کیا وہ اپنی بات سے مکر سکتا ہے؟" فہد نے رائے لی

"مجھے یہ شک ہے اس لیے ہے کہ نعمت علی ساری زندگی چوہدریوں کا مزارع رہا ہے۔ اور اب اس کی آئندہ نسل بھی چوہدریوں کے مزارع ہی ہے۔ ممکن ہے کہ چوہدری ہی نیا سے اس کام پر لگایا ہو۔" ماسٹر دین محمد نے اپنی رائے دی تو فہد بولا

"اسی لیے میں نے گاؤں کے چند بزرگوں کے سامنے اسے رقم دینی ہے۔ اگر وہ رقم لے کر پھر گیا تو کیا ہوا۔ ہم نے جو وعدہ کر لیا ہے۔ اسے تو اب نبھانا ہے۔"

"ہاں۔ تم بھی صحیح کہہ رہے ہو۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا نا رقم ڈوب جائے گی۔ چلو، کوئی بات نہیں، تم اپنا وعدہ نبھاؤ۔" ماسٹر دین محمد نے کہا

اتنے میں سلمٰی اندر سے آگئی۔ اس کے ہاتھ میں کپڑے کی پوٹلی تھی۔ اس نے وہ لا کر فہد کو دیتے ہوئے کہا

"فہد۔! یہ لیں آپ کی امانت آپ دیکھ لو، اتنی ہی رقم ہے جتنی آپ نے مجھے سنبھال کر رکھنے کے لیے دی تھی۔ کیا اتنی ہی رقم ان لوگوں کو دینی ہے؟"

"وہ جو سراج والی رقم دی تھی، وہ اس میں شامل ہے نا، تم نے دیکھ لی ہے پوری ہے؟" فہد نے پوچھا

"ہاں وہ اس میں شامل ہے، میں نے دیکھ لی تھی۔ پوری ہے۔" سلمٰی نے بتایا

"تو بس پھر ٹھیک ہے۔ اچھا استاد جی، وہ میرا انتظار کر رہے ہیں۔ انہوں نے عصر سے پہلے وقت دیا تھا۔ تھوڑا سا وقت

رہتا ہے۔" فہد نے ماسٹر دین محمد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

"ہاں، تم چلو۔ میں بھی آتا ہوں، وضو کر کے۔" ماسٹر دین محمد نے کہا اور اٹھ گیا۔ اس دوران فہد نے نوٹوں کی ایک گڈی اٹھا کر اپنی جیب میں ڈالی اور باقی رقم اسی طرح پوٹلی میں باندھ کو واپس سلمٰی کو دے دی۔ تبھی سلمٰی نے کہا

"فہد۔! اپنا خیال رکھئے گا۔ خدانخواستہ وہاں کچھ ایسی ویسی بات نہ ہو جائے۔"

"کیا ہو سکتا ہے؟" فہد نے مسکراتے ہوئے پوچھا

"کچھ بھی، ان چوہدریوں کا کیا اعتبار۔" سلمٰی نے کہا

"اللہ کرم کرے گا۔ تم پریشان نہیں ہونا۔ میں اپنا خیال رکھوں گا۔ فہد نے کہا اور اٹھ کر باہر چلا گیا۔

قسمت نگر کے چوراہے میں لوگ اکٹھے تھے۔ بابا نعمت اور اس کا بیٹا نذیر آ چکا تھا۔ پاس ہی سراج تھا جسے دیکھ کر ایک بزرگ نے پوچھا

"کیوں بھئی سراج، ابھی تک فہد نہیں آیا۔ اسے رقم دینا یاد بھی ہے کہ نہیں؟"

"آجاتا ہے جی، ابھی آجاتا ہے وہ اپنے وعدے کے مطابق رقم ادا کرے گا۔" سراج نے انہیں یقین دلایا

"کیا اسے علم نہیں کہ ہم نے نماز کے وقت تک اس کا انتظار کرنا ہے۔ ہم اتنے لوگ اس کے منتظر ہیں۔" بزرگ نے کہا

"بزرگو۔! آپ پریشان مت ہوں۔ بس وہ آنے ہی والا ہو گا اور نماز کے وقت سے پہلے ہی آئے گا۔" سراج نے حتمی انداز میں کہا تو نعمت علی نے تحمل سے کہا

"اچھا چلو آجاتا ہے وہ۔"

فہد کے نہ ہونے سے جو ایک بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ اس وقت ختم ہو گئی، فہد کی کار وہاں چوراہے میں آ کر رکی۔ سب لوگ اس کی طرف دیکھنے لگے۔ فہد کار سے اتر کر ان کی طرف آ گیا۔ اس نے آتے ہی سلام کیا تو سبھی نے اس کے سلام کا جواب دیا۔ وہ بیٹھ گیا تو اسی بزرگ نے پوچھا

"فہد پتر، کیا تم اپنے وعدے مطابق رقم دے رہے ہو؟"

اس پر فہد نے اپنی جیب میں سے نوٹوں کی گڈی نکال کر اس بزرگ کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا

"یہ لیں، گن کر پوری کر لیں۔"

اس بزرگ نے وہ رقم لے کر نعمت علی کو دے دی۔ وہ گننے لگا۔ وہ رقم گن چکا اور اس نے تصدیق کر دی تو بزرگ نے کہا

"ٹھیک ہے رقم آ گئی، آج سے زمین فہد کے حوالے، میں پٹواری سے کہہ دیتا ہوں۔ سب دعا کرو رب سائیں ہم پر کرم کرے۔ وہ سب دعا کرنے لگے۔ قسمت نگر کی تاریخ نے ایک نیا رخ لے لیا تھا۔ حالات بدلتے ہی لوگوں کی سوچ بھی تبدیل ہونے لگی تھی۔ سبھی لوگ وہاں سے اٹھ گئے تو فہد بھی سراج کے ساتھ وہاں سے اپنے گھر آ گیا۔

سلمٰی اپنے گھر چارپائی پر بیٹھی کتاب پڑھ رہی تھی لیکن اس کا سارا دھیان فہد کی طرف تھا۔ ہر آہٹ پر وہ چونک اٹھتی تھی۔ ایسے میں دستک ہوئی تو اس نے فوراً اٹھ کر دروازہ کھولا۔ فہد اندر آ گیا۔ سلمٰی اپنا آنچل سنبھالتی ہوئی واپس اسی چارپائی کی جانب بڑھی جہاں اسکی کتاب پڑی تھی...... فہد نے اس کے قریب آ کر ایک کاغذ بڑھاتے ہوئے کہا

”یہ کاغذ لو اور اسے سنبھال کر رکھ دو۔ یہ معاہدہ نامہ ہے۔ جو بھی ہوا۔“

”اتنی دیر ہو گئی آپ کو وہاں۔ کافی دیر کے گئے ہوئے تھے آپ۔“ سلمٰی نے وہ کاغذ پکڑتے ہوئے پوچھا

”وہاں سے تو میں آ گیا تھا۔ بس ادھر گھر میں آ کر بیٹھ گئے تھے۔ وہیں باتیں کرتے، چائے پیتے دیر ہو گئی۔ دیکھا، کچھ بھی نہیں ہوا، تم یونہی خواہ مخواہ ڈر رہی تھی۔ استاد جی باہر ہیں کیا؟“ اس نے بتاتے ہوئے پوچھا تو سلمی نے کہا

”ہاں۔! تھوڑی دیر ہوئی ہے انہیں گئے ہوئے۔ نماز پڑھ کر ہی آئیں گے۔“

”اچھا، وہ تمہارے پاس کچھ مزید رقم پڑی ہوئی ہے نا؟“ فہد نے پوچھا

”جی، وہ محفوظ ہے۔“ اس نے تیزی سے کہا

”تم ایسے کرو، اس میں سے اپنے لیے کچھ چیزیں خرید لو جو تمہارا دل چاہے۔“ فہد نے کہا

”نہیں۔ اب میں اپنے لیے چیزیں نہیں خریدوں گی۔ بلکہ میں جو اپنا سکول بناؤں گی۔ اب اس کے لیے چیزیں خریدنی ہیں۔“ سلمی نے وہی جواب دیا جس کی فہد کو توقع تھی۔ اسی لئے اس نے کہا

”وہ جب موقعہ آئے گا تو دیکھا جائے گا، تم فکر کیوں کرتی ہو۔“

”فہد۔! میں نے ہی اس کی فکر کرنی ہے۔ آپ نے ہوم ورک کا کہا تھا، وہ میں نے پورا پلان کر لیا ہے اور ہاں یاد آیا۔ بابا عمر حیات کی طرف سے شادی میں شامل ہونے کا پیغام آپ کے لیے آیا ہے۔“

”آپ اور ہم کیا ہم سب کو آیا ہے اور جو استاد جی کہیں گے ویسا ہی ہوگا۔ اچھا، اب میں چلتا ہوں۔“ فہد نے کہا

”لیکن کھانا آپ نے ادھر ہی کھانا ہے۔ میں آج آپ کی پسند کا بنا رہی ہوں۔“ سلمی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا

”چلو ٹھیک ہے۔ ویسے تمہیں کیسے پتہ کہ مجھے کیا پسند ہے اور کیا نہیں۔“

”آپ کو پتہ نہیں۔ میں آپ کے لیے کتنا سوچتی ہوں خود سے بھی زیادہ۔“ یہ کہتے ہوئے وہ ایک دم سے شرما گئی تو فہد بھی مسکرا دیا۔ وہ شرماتے ہوئے اٹھ کر اندر کی جانب بڑھ گئی۔ فہد اٹھا اور باہر کی جانب چلا گیا۔ سلمٰی کچن میں کھڑی پیار بھری نگاہوں سے اسے جاتا ہوا دیکھتی رہی۔

چوہدری کبیر اپنے ڈیرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے دماغ میں انسپکٹر کی باتیں گونج رہی تھیں۔ وہ آگ بگولا ہوا بیٹھا تھا۔ اتنے ماکھا نے آ کر کہا

”وہ جی، فہد نے اپنے وعدے کے مطابق رقم کی ادائیگی کر دی ہے۔ نعمت علی اور اس کے بیٹے نذیر نے رقم لے کر زمین فہد کے حوالے کر دی ہے۔“

اس بات نے اسے مزید آگ لگا دی۔

”اس کا مطلب ہے وہ سمجھائے بھی نہیں سمجھے۔ اس کی تو اب انہیں سزا ضرور ملے گی۔ چلو آؤ میرے ساتھ دیکھتے ہیں کون زمین کا قبضہ لیتا ہے اور کون دیتا ہے ان کی نسلیں یاد رکھیں گی کہ حکم عدولی کرنا کتنا بڑا جرم ہے۔“

یہ کہتے ہوئے وہ اٹھا اور اپنی گاڑی کی جانب بڑھا۔ جب تک اس نے گاڑی سٹارٹ کی، ملازمین بھاگم بھاگ اس کے ساتھ بیٹھتے چلے گئے۔ گاڑی ڈیرے سے باہر چلی گئی۔ گاڑی مختلف راستوں سے ہوتی ہوئی فہد کی زمین کے پاس آ کر رک گئی۔ سامنے ہرے بھرے کھیت لہرا رہے تھے۔ چوہدری اور ملازمین نے باہر آ کر دیکھا۔ وہاں کوئی دکھائی نہیں دیا۔ اس لئے سر سراتے ہوئے چوہدری کبیر بولا

”یہاں پر کوئی بھی نہیں ہے؟ قبضہ لینے والا اور نہ قبضہ دینے والا۔ آؤ چلیں۔“ یہ کہہ کر وہ واپس گاڑی میں بیٹھا اور وہاں سے چل دیا۔

چوہدری کبیر کی گاڑی قسمت نگر کے چوراہے میں آ کر رکی۔ وہاں چند لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ جنہوں نے اسے دیکھا تو پریشان ہو گئے۔ چوہدری کبیر نے حنیف دوکاندار کو آواز دی تو وہ بھاگ کر قریب ان کے قریب آ گیا تو چوہدری کبیر نے اس سے پوچھا

”اوئے، یہاں نذیر آیا تھا ہمارا مزارع؟“

”آج دیکھا تھا میں نے۔ یہاں فہد سے اس نے رقم لی ہے۔ پٹواری بھی تھا۔ اس کے سامنے زمین کی کاشتکاری سے دستبردار ہونے والے کاغذ پر انگوٹھا لگایا ہے۔ گاؤں کے بہت سارے لوگ یہاں جمع تھے۔“ حنیف دوکاندار نے تیزی سے وہ تفصیل بھی بتا دی جو اس نے نہیں پوچھی تھی۔ اس پر چوہدری کبیر نے حنیف دوکاندار کو نظر انداز کرتے ہوئے خود کلامی کے سے انداز میں غصے سے کہا

”چلو، اس کے گھر چلتے ہیں۔“

یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی گاڑی آگے بڑھا لی۔ تبھی حنیف دوکاندار دوکان کی طرف چلا گیا تو چھاکے نے سر نکال کر انہیں جاتے ہوئے دیکھ کر کہا

”اللہ خیر کرے۔ نکا چوہدری بڑے غصے میں ہے۔ کہیں......“

وہ بڑبڑاتے ہوئے سوچ کر لرز گیا۔ جیپ دھول اڑاتی چلی گئی۔ اس سے رہا نہیں گیا وہ بھی پیچھے چل پڑا۔

بابا نعمت علی کی بہو صفیہ اپنے گھر میں چارپائی پر بیٹھی سلائی کر رہی تھی۔ اس کی ساری توجہ اسی طرف تھی۔ ایسے میں دونوں باپ بیٹا گھر میں آ گئے۔ بابا نعمت علی ایک چارپائی پر بیٹھا ہے تو صفیہ جلدی سے اٹھ گئی تو وہاں نذیر بیٹھتے ہوئے اپنی جیب سے رقم نکال کر اپنی بیوی کی جانب بڑھاتے ہوا بولا

''یہ لے بھا گوانے۔! یہ رقم سنبھال کے رکھ۔اب جو کرنا ہے اس رقم ہی سے کرنا ہے۔''

''تو کیا فہد نے اتنی رقم دے دی؟ لگتا ہے وہ بڑا امیر بندہ ہے۔بڑی دولت ہے اس کے پاس۔'' صفیہ نے نوٹوں کی گڈی کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تو بابا نعمت علی بولا

''شکر کرو۔میں نے تم لوگوں کی بات مان لی اور اس کے پاس چلا گیا۔میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ اتنی وہ رقم دے دے گا۔وہاں اس کی زمین پر چوہدری کے ڈنگروں کا چارہ ہی اگتا ہے۔بھلا ہو اس کا اس نے میری بات مان لی۔''

''اوا با اس نے بھی سوچا ہوگا کہ عدالت کچہری کے چکروں میں کیا پڑیں۔اپنی زمین لینے کے لیے اس کے پاس یہی آسان راستہ تھا۔ورنہ وہ لڑ جھگڑ کر تو زمین لے نہیں سکتا تھا۔'' نذیر نے اپنی رائے دی۔

''وہ کچھ نہ کچھ طاقت رکھتا ہے،ورنہ ایویں ہی تھانے سے نہ آ جاتا وہ۔جس طرح پولیس اسے پکڑ کر لے گئی تھی اور یہ لوگوں کو یقین ہے کہ اسے چوہدریوں نے ہی پکڑوایا تھا۔کیا وہ اتنی جلدی واپس آ جاتا؟'' بابا نعمت علی نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا

''بات تو ٹھیک ہے لیکن وہ لڑ جھگڑ کر زمین نہیں لے سکتا تھا۔جس طرح چوہدری نے کہا تھا مجھے اس میں تو فہد کا پتہ ہی صاف ہو جانا تھا۔'' نذیر نے کہا

''اب تم ان چوہدریوں سے بچ کر رہنا اور فہد سے بنا کر رکھنا اور جو تو نے دوکان بنانے کا سوچا ہے نا،اسے خوب عقل سمجھ سے چلانا۔'' بابے نعمت علی نے اسے سمجھایا تو صفیہ نے کہا

''یہ بڑا اچھا ہوا ہے کہ اب ہم مزارع نہیں رہے ورنہ نذیر کے بعد میرے بچے بھی انہی کی غلامی کرتے رہتے۔اب ہم اپنی محنت کریں گے۔اپنا کھائیں۔چوہدریوں کی غلامی سے تو بچے۔اب میرے بچے بھی پڑھ لکھ جائیں گے۔''

''اسی لیے تو یہاں سے جا رہے ہیں۔تو جا اور اس رقم کو اندر لے جا کر سنبھال اور پھر ہمیں کچھ کھانے کے لیے دے۔بہت بھوک لگی ہے۔وہاں سارا دن گذر گیا ہے۔'' نذیر نے کہا تو صفیہ اندر کی طرف چلی گئی۔نعمت علی پھر سے اپنے بیٹے کو سمجھاتے ہوئے کہا

''اب تو چند دن ادھر ادھر رہنا۔چوہدری کے ہتھے لگنے کی ضرورت نہیں۔وہ تو چاہے گا کہ ہم اس کے مزارع ہی رہیں۔اب ہم نے ادھر نہیں رہنا۔''

''جی بابا ہماری تیاری تو ہے۔بس آج کل میں نکل جائیں گے۔زیادہ وقت یہاں گذارنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔'' نذیر نے کہا اور چارپائی پر لیٹ گیا

کچھ ہی دیر بعد صفیہ ان کے لئے کھانا لے کر آ گئی۔دونوں باپ بیٹے نے خوب سیر ہو کر کھایا۔صفیہ برتن اٹھا کر اندر گئی تو اتنے میں ان کا دروازہ دھڑ سے کھلا۔انہوں نے چونک کر دیکھا تو نذیر تڑپ کر اٹھا۔ایک گن لئے ہوئے بدمعاش ان کے گھر میں گھس آیا تھا۔نذیر نے اس کی طرف دیکھ کر انتہائی غصے میں کہا

''اُدے تیری جرات کیسے ہوئی میرے گھر میں یوں داخل ہونے کی۔''

''اور تجھے جرات کیسے ہوئی پوچھنے کی۔ یہ گھر چوہدریوں کا ہے، جسے چاہیں اور جسب چاہیں دے دیں۔'' بدمعاش نے حقارت سے جواب دیا

''کیا بکواس کرر ہا ہے تو،نکل باہر ورنہ دھکے دے کر.....'' نذیر نے کہنا چاہا لیکن اس بدمعاش نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا

''تجھے باہر لے جانے کو تو میں اندر آیا ہوں، چل باہر۔''

یہ سن کر نذیر ٹھٹک گیا، اس نے کہا

''تو کہنا کیا چاہتا ہے؟

بدمعاش منہ سے کچھ نہیں بولا، گن اس کی طرف کر کے باہر نکلنے اشارہ کیا۔ نذیر کو جب اس نے گن پوائنٹ پر رکھ لیا تو وہ تینوں سہم گئے۔ نذیر اس کے آگے لگ کر باہر آ گیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ چوہدری کبیر کی گاڑی اس کے گھر کے سامنے تھی اور وہ غضب ناک انداز میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ انتہائی غصے میں نذیر کی طرف دیکھتے ہوئے وہ گاڑی میں سے اترتے ہوئے پوچھا۔

''اُدے نذیرے۔! تمہاری یہ جرات کیسے ہوئی ہم سے پوچھے بغیر تم نے معاہدہ کر لیا۔ رقم بھی پکڑلی اور قبضہ بھی دے دیا؟''

اتنے میں بابا نعمت علی دونوں ہاتھ جوڑتا ہوا آگے بڑھا اور منت بھرا انداز میں چوہدری کبیر سے بولا

''معاف کر دیں جی چوہدری صاحب، میں بتاتا ہوں کہ میں نے......''

''بھونک نہیں، ساری شیطانی ہی تیری ہے بڈھے۔'' چوہدری کبیر نے کہا تو نذیر تڑپتے ہوئے بولا

''اُدے چوہدری...... تمیز سے بات کر...... ہم تیرے مزارع تھے...... غلام نہیں،...... ہم نے زمین کا نہیں،...... اپنی فصل کا سودا کیا ہے۔''

اس کے یوں کہنے پر چوہدری کبیر کا دماغ ایک دم سے گھوم گیا، اس نے انتہائی غصے میں کہا

''اچھا تو اب تیری زبان بھی چلنے لگی ہے، کاٹ کے رکھ دوں گا۔''

''نہیں چوہدری جی، میں کہہ رہا ہوں نا میں......'' بابا نعمت علی نے کہنا چاہا تو وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا

''میں اپنے خلاف کسی کو سوچنے بھی نہیں دیتا اور تم میرے سامنے بات کر رہے ہو۔''

یہ کہتے ہوئے وہ غضب ناک ہو کر آگے بڑھتا ہے اور اس نے نعمت علی کے اس قدر زور سے تھپڑ مارا۔ کہ وہ لڑکھڑا کر دور جا گرا۔

اس پر نذیر پاگلوں کی طرح آگے بڑھا اور چوہدری کبیر کو للکارتے ہوئے کہا

''بس کرادے چوہدری۔! میں نے اپنی مرضی سے پیسے لیے ہیں۔ میں مزارع ہوں۔ کوئی غلام نہیں۔ میرے ابا کا اس معاملے میں کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ اب اس سے آگے ہاتھ مت بڑھانا۔''

''اوئے۔! تو بھی میرے سامنے بولتا ہے تیری یہ اوقات......'' چوہدری کبیر نے غصے کی شدت سے کہا اور اس پر تھپڑوں ،گھونسوں کی بارش کردی۔اس دوران نعمت علی اسے روکتا، منت کرتا رہا، صفیہ نے بھی آکر ہاتھ جوڑے۔ چوہدری کبیر کو روکتی رہی۔وہاں بہت سارے لوگ جمع ہوگئے تھے۔ان میں چھاکا بھی یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا، لیکن کسی میں یہ جرات نہیں ہوئی کہ وہ چوہدری کبیر کو روک لیتے ۔چوہدری کبیر نے اپنے قریب کھڑے گن بردار سے گن پکڑ لی اور اس کے بٹ سے نذیر کو مارنے لگا تبھی نذیر پاس کھڑے ایک غنڈے کی طرف لڑکھڑا کر گیا اور اگلے ہی لمحے اس سے گن چھین لی۔ہاتھ میں گن آتے ہی اس نے گن کا رخ چوہدری کبیر کی طرف کر کے بولٹ مار دیا۔تبھی سناٹا چھا جاتا ہے۔وہاں موجود ہر شخص نے اپنی سانسیں روک لیں۔

نذیر نے چوہدری زمان پر گن تانی ہوئی تھی۔اس کے چہرے پر قہر برس رہا تھا۔اس نے دھاڑتے ہوئے کہا

''بہت ہو چکا چوہدری، تم لوگ غریبوں کو انسان ہی نہیں سمجھتے، تمہارے لیے ہم جیسے مزارع صرف جانور ہیں۔ جن کی رسی جس طرف چاہے موڑ دی۔جب چاہا کسی کو بے عزت کر دیا۔''

اس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا دیکھ نعمت علی تیزی سے آگے بڑھا اور گن پکڑتے ہوئے بولا

''نہیں نذیرے، اپنا ہاتھ روک لے، ہم یہاں رہیں گے ہی نہیں۔چھوڑ دے۔''

''نہیں ابا۔! یہ جس کو جب چاہیں دھکے مار دیں، انہیں ذلیل کریں، بے عزت کر دیں، خدا بنے ہوئے ہیں یہ بے غیرت۔''

وہ گن چھڑاتے ہوئے اپنے باپ کی دیکھ کر بات کر رہا تھا۔اس کی توجہ بٹی ہوئی تھی۔تبھی چوہدری زمان نے ایک لمحے کو اس کی جانب دیکھا اور پھر انتہائی تیزی سے نذیر کی طرف گن سیدھی کر کے فائر کر دیا۔نذیر سمیت سبھی لوگ حیرت زدہ رہ گئے۔اگلے ہی لمحے نذیر لہو میں لت پت زمین پر جا گرا اور تڑپنے لگا۔ہر بندہ ساکت رہ گیا۔تبھی چوہدری زمان انتہائی حقارت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

''اوئے۔! سب لوگ سن لو۔اب کسی نے بھی ہمارے خلاف سوچنے کی جرات کی تو اس کا انجام اس نذیرے سے بھی بدتر کیا جائے گا۔کوئی بھی شک، شبے میں نہ رہے۔''

یہ کہتے ہوئے اس نے چاروں طرف لوگوں کی جانب دیکھا اور اپنی گاڑی کی جانب بڑھا اور بیٹھ کر چلا گیا۔صفیہ دھاڑیں مارتے ہوئے بھاگ کر اپنے شوہر کے پاس گئی۔وہ چیختی چلاتی رہی۔وہاں ہر کوئی خاموش تھا۔چھاکے کے چہرے پر بے تحاشا غصے کے ساتھ ایسا افسردہ تاثر طاری تھی، جس میں انتہائی بے بسی تھی۔روتی ہوئی صفیہ کی مدد کو کوئی نہیں پہنچا۔بابا نعمت اور صفیہ نذیر کے بے جان وجود سے لپٹ کر دھاڑیں مار رہے تھے۔ان کی تو زندگی اجڑ گئی تھی۔

رات ہونے تک قسمت نگر کے قبرستان میں ایک نئی قبر کا اضافہ ہو چکا تھا۔نعمت علی کے ساتھ کچھ لوگ قبر پر مٹی ڈال چکے تھے۔تازہ پھولوں کے ساتھ اگربتیاں سلگ رہی تھیں۔سرہانے چراغ جلا دیا گیا تھا۔لوگوں نے دعا مانگ کر منہ پر ہاتھ پھیرا اور آہستہ آہستہ قبرستان سے نکلتے چلے گئے۔

پولیس اپنی کاروائی کر کے جا چکی تھی۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ نے بھی وہی بتایا تھا، جسے سارے قسمت نگر نے دیکھا تھا۔ نامعلوم افراد کے خلاف ایف آئی آر درج ہو گئی تھی، جس کا کوئی مدعی نہیں تھا۔

رات کے ایسے ہی وقت حویلی کے ڈرائنگ روم میں چوہدری جلال اور بشریٰ بیگم بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ ایسے میں رانی نے اندر آئی اور مودب لہجے میں بولی

''وہ باہر منشی آیا ہے، آپ سے فوراً ملنا چاہتا ہے۔''

''ہاں۔ ابلا ؤ اسے۔'' چوہدری جلال نے عام سے انداز میں کہا تو رانی پلٹ کر دروازے کے باہر چلی گئی۔ بشریٰ بیگم اپنا آنچل درست کرنے لگی۔ تبھی منشی فضل دین تیزی سے اندر آیا، اسے دیکھ کر چوہدری جلال نے حیرت سے پوچھا''ہاں منشی۔ا کیا بات ہے، خیر تو ہے نا؟''

''خیر ہی تو نہیں ہے جی،'' منشی نے تشویش زدہ لہجے میں کہا تو چوہدری جلال پرسکون انداز میں بولا

''کیوں کیا ہوا ہے؟''

''وہ مزارع نعمت علی ہے نا جی، اور اس کا بیٹا نذیر.....'' وہ کہتے کہتے رک گیا تو چوہدری جلال نے غصے میں کہا

''اوئے آگے بول، چپ کیوں کر گیا ہے۔''

''جی، اس نذیرے کو نکے چوہدری نے کچھ دیر پہلے قتل کر دیا ہے۔'' منشی نے ایک دم سے کہہ دیا تو چوہدری جلال اور چوہدرانی نے چونک کر دیکھا پھر چوہدری جلال نے پوچھا

''کبیر اب کدھر ہے؟ کیسے ہوا یہ؟''

''نکے چوہدری جی تو ڈیرے پر آ گیا ہے۔ اور.....''

اس نے یہ کہہ کر ساری روداد سنا دی۔ ساری بات سن کر چوہدری جلال بولا

''ہوں۔! کبیر سے کہو فوراً یہاں آئے۔ تم فون کر کے وکیل کو بلاؤ۔ میں دیکھتا ہوں۔''

''جی بہتر، میں فون کر کے ہی ڈیرے پر جاتا ہوں۔''

منشی یہ کہہ کر واپس پلٹ گیا اور چوہدری سوچ میں پڑ گیا۔ تبھی بشریٰ بیگم نے تشویش سے کہا

''چوہدری صاحب۔! اب کیا ہوگا۔ یہ کبیر نے.....''

''پہلے کیا ہوتا ہے، کبیر کو پہلے کچھ ہوا ہے کبھی، کچھ نہیں ہوتا اُسے۔''

''یہ لڑکا بڑا اتھرا ہو گیا ہے۔ ایک جیتے جاگتے انسان کو اس نے مار دیا۔ یہ اس نے ٹھیک نہیں کیا ہے۔ میرا بہت دل گھبرا رہا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے بشریٰ بیگم رو دی۔

''حوصلہ رکھو بیگم حوصلہ۔ کیا ہوا ہے تمہیں، کبیر کے سامنے یہ بات مت کرنا۔ مان لیا کہ اس نے یہ غلط کیا ہے۔ مگر اس کا مطلب یہ

نہیں کہ تم میرے بیٹے کو بزدل بنا دو۔ میں نے کہا ہے نا۔ میں سب سنبھال لوں گا۔ کچھ نہیں ہوتا۔" چوہدری جلال نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا اور اٹھ کر بڑے پرسکون انداز میں باہر کی جانب چلا گیا۔ بشریٰ بیگم سوگوار سی سوچوں میں ڈوبی وہیں سوگوار بیٹھی رہی۔

دن چڑھ آیا تھا، بابا نعمت علی کے گھر کے باہر زمین پر دری بچھائے کافی سارے لوگ بیٹھے ہوئے دعا مانگ رہے تھے۔ ان میں فہد اور سراج نمایاں تھے۔ وہ بھی مسجد میں نماز پڑھنے کے بعد سیدھے اسی کے پاس چلے گئے تھے۔ دُعا مانگ کر ذرا سی دیر میں خاموش بیٹھے رہے۔ پھر فہد نے تعزیت کرتے ہوئے کہا

"بہت افسوس ہوا بابا نعمت علی، ہم سب نے ایسا تو نہیں چاہا تھا۔"

"ہاں فہد بیٹا۔! میں نے امن چاہا تھا۔ سوچا تھا ہم مزارع چوہدریوں کا حکم ٹال نہیں سکیں گے۔ تمہاری اور ان کی لڑائی میں مارے تو ہمی نے جانا تھا۔ یہی سوچا تھا۔ مگر کیا معلوم وہ ہمیں معاف تو کیا کریں گے۔ نظر انداز بھی نہ کر سکے۔ میرے پتر کی میری ہی نگاہوں کے سامنے....." یہ کہتے ہوئے بابا نعمت علی رونے لگا۔ وہ چند لمحے خاموش رہے پھر اسے دلاسا دیتے بولا

"میں نے بھی یہی چاہا تھا اس لیے آپ کو رقم دی تھی کہ امن رہے اور بات نہ بڑھے۔ چوہدریوں کو یہ بات پسند نہیں آئی اور ہمیشہ کی طرح کمزور پر ہاتھ اٹھانے سے باز نہیں آئے۔"

"ہاں۔! میں تمہیں ہی نہیں۔ کسی کو بھی کچھ نہیں کہتا، مجھے کسی سے کوئی گلہ نہیں ہے، بس میری قسمت میں ہی ایسا ہونا تھا۔ بڑھاپے میں یہ دکھ بھی دیکھنا تھا۔ میرا مقدر ہی ہار گیا۔"

"کسی کے ظلم کو آپ اپنا مقدر کیوں کہتے ہو بابا۔ کم از کم ظلم کو تو ظلم کہیں نا، آپ لوگ خود ہی اسے اپنا مقدر اور قسمت مان لیں گے تو پھر وہ ظلم کرتے رہیں گے۔ ظالم کا ہاتھ تو روکنا ہوگا نا بابا۔" فہد نے غصے میں کہا

"ہم کیا کر سکتے ہیں میرے جیسا غریب آدمیاں چوہدریوں کا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ ان کا اور ہمارا کیا مقابلہ....." نعمت علی نے بے بسی سے کہا تو سراج بولا

"بابا تم ان کے خلاف کچھ کرنے والے تو بنو، ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم کریں گے ان ظالموں کا مقابلہ؟"

"کب تک کرو گے ان کا مقابلہ؟ ان کے ہاتھ اتنے لمبے ہیں۔ جہاں تک ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔ میں جانتا ہوں پتر، اگر وہ نذیر کو ختم کر سکتے ہیں تو کسی اور کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔ میں ایسی کوئی بات سوچنا نہیں چاہتا۔ جو ہونا تھا، وہ ہو گیا۔ میں کچھ نہیں کرنا چاہتا۔" نعمت علی نے اسی بے بسی سے کہا تو سراج بولا

"ہم لوگوں کی یہی سوچ تو انہیں حوصلہ دے دیتا ہے اور وہ ظلم پر ظلم کرنے چلے جا رہے ہیں۔ تم ہمت تو کرو بابا ہم تمہارے ساتھ ہیں۔"

''نہیں۔!سراج پتر۔!میں کچھ نہیں کرنا چاہتا۔میں کوئی ہمت نہیں کرنا چاہتا۔مجھ میں نہیں ہے حوصلہ۔'' نعمت علی نے سر نفی میں ہلاتے ہوئے کہا تو فہد بولا

''بابا۔!ہم کوئی زور زبردستی نہیں کرنا چاہتے۔تم سوچ لو پھر بتا دینا۔میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت تم کس طرح کے غم بھرے حالات میں سے گذر رہے ہو۔''

''مجھے اب کیا سوچنا ہے فہد۔!میری تو ساری سوچیں ہی ختم ہو گئی ہیں۔ایک بیٹا تھا وہ بھی منوں مٹی تلے جا سویا۔نہیں میں نے اب یہاں رہنا ہی نہیں ہے۔چلے جانا ہے یہاں سے، مجھے کچھ نہیں کرنا۔کچھ نہیں کرنا مجھے۔'' نعمت علی نے خوف زدہ ہوتے ہوئے کہا تو فہد اور سراج نے چونک کر اسے دیکھا۔پھر فہد نے سوچتے ہوئے کہا

''چلو، جیسے تمہاری مرضی۔اچھا،اب ہم چلتے ہیں۔''

یہ کہہ کر وہ اٹھا اور چل دیا۔اس کے ساتھ دوسرے کئی لوگ بھی تھے۔فہد تو اپنے گھر کی جانب چل دیا تو کچھ لوگ چوراہے کی طرف چلے گئے۔

چوراہے پر موجود لوگوں کو ایک بہت بڑا موضوع مل گیا ہوا تھا۔کافی لوگ وہاں موجود تھے۔ان میں چاچا سوہنا جو بڑے دھیان سے ان کی سنتا چلا جا رہا تھا۔ایک بندہ کہہ رہا تھا

''یار نذیرے کا بڑا دکھ ہوا ہے۔کل یہاں کتنا ٹھیک ٹھاک خوش باش ہمارے درمیان تھا اور آج بے چارہ ہم میں نہیں رہا۔''

اس پر حنیف دوکاندار نے کہا

''ہاں یار۔!اگر یہ فہد والا معاملہ درمیان نہ ہوتا تو انہوں نے اس نذیرے کو کیا کہنا تھا۔وہ تو ان کا مزارع تھا۔''

''بس یار۔!اس کی ایسے ہی لکھی ہوئی تھی۔''

وہاں موجود ایک دوسرے شخص نے کہا تو حنیف دوکاندار طنزیہ لہجے میں بولا

''ایسے لکھی ہوئی نہیں تھی۔اصل میں باپ نعمت نے لالچ کیا۔فہد نے اسے رقم کا لالچ دیا اور وہ فوراً تیار ہو گیا۔چوہدری ایویں ہی کسی کو سزا نہیں دیتے۔مالک کی وفاداری کرنے کی بجائے فہد کا ساتھ دینے لگے۔''

''میں نے تو یہ سنا ہے کہ انہوں نے چوہدری سے پوچھا ہی نہیں تھا۔خود ہی رقم کی بات کی اور لے کر ہضم کرنا چاہتے تھے۔'' ایک تیسرے بندے نے چسکہ لیا

''اصل میں یہ سارا چکر فہد کا چلایا ہوا ہے نا۔وہ اپنی زمین واپس لینا چاہتا تھا۔یہ بات بھلا کون نہیں جانتا۔اس کا ہی کیا دھرا ہے سب۔وہ انہیں لالچ نہ دیتا۔تو آج نذیر ہمارے درمیان ہوتا۔'' حنیف دوکاندار نے جوش سے ان کی طرف دیکھ کر کہا

''اور کیا اب چوہدریوں سے فہد لڑ تو نہیں سکتا تھا نا۔یہی کرنا تھا۔''

پہلا شخص بولا تو اس پر چاچے سوہنے نے سر اٹھتے ہوئے کہا

''اُو سن اُو دے حنیف، کچھ تو انصاف کی بات کرو، اس میں بھلا فہد کا کیا قصور ہے۔ بابا نعمت علی خود گیا تھا فہد کے پاس اور رقم یہاں طے ہوئی تھی۔ گاؤں کے لوگوں کے درمیان یہاں۔ اور پھر مجھے یہ بتا، چوہدری کون ہوتے ہیں اتنی بڑی سزا دینے والے۔ یہ تم لوگ تو جانتے ہونا کہ وہ زمین فہد ہی کی تھی۔ ویسے بھی اس سارے واقعے میں فہد کا قصور کیا ہے؟''

''او بس کر چاچا۔ بابا نعمت نے غلطی کی اور اب اس کا خمیازہ بھگت رہا ہے۔ باقی رہی سزا دینے یا نہ دینے کی بات۔ تو طاقتور کے سامنے کون رک سکتا ہے۔ وہ تو جو جی آئے گا، کرے گا۔'' حنیف دوکاندار نے لاپرواہی سے یوں کہا جیسے وہ چوہدریوں کی بات کر رہا ہو۔

''طاقت کا نشہ کمزوروں پر ہی کیوں اترتا ہے۔ فہد اسی گاؤں میں ہے۔ سب کے سامنے پھر رہا ہے۔ اس نے بھی تو اپنا گھر واپس لیا تھا۔ اسے کچھ کیوں نہیں کہتے تمہارے یہ چوہدری۔'' چاچے سوہنے کے لہجے میں حقارت اتر آئی تھی۔

''ہاں۔! یہ بات تو ہے۔ فہد یونہی چوہدریوں سے ٹکر لینے آ گیا۔ اسے اب تک کیوں نہیں کچھ کہتے یہ چوہدری۔'' وہاں موجود ایک بندے نے ہاں میں ہاں ملائی تو حنیف دوکاندار نے تنک کر کہا

''چلو مان لیتے ہیں کہ اس کے پاس عقل سمجھ ہو گی۔ کوئی نہ کوئی شے ضرور ہو گا۔ پر حقیقت یہ ہے کہ فہد کے ساتھ دینے پر نذیرے کا قتل کیا ہوا۔ ہم نے تو یہ دیکھنا ہے۔ کوئی کس کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ ہمیں یہ سمجھنے کی ضرورت ہی نہیں۔''

''کوئی دوسرا اگر فہد کا ساتھ دے گا تو اس کے ساتھ بھی کچھ بھی ہو سکتا ہے۔'' ایک نے کہا

''تو چاچا۔! یہاں بیٹھ کر چپ چاپ یہ کلتوری کھیل ایویں فہد کی تعریفیں مت کیا کر، پہلے کیا ہوا ہے تیرے ساتھ؟'' حنیف دوکاندار نے اسے یاد دلایا تو چاچا سوہنا بولا

'' وہ تیرے چوہدریوں کی بے غیرتی تھی، طاقت کے زور پر لوگوں کو خوف زدہ کرتے ہیں۔ وہ چوہدریوں کی طاقت نہیں کمزور لوگوں کا گھٹیا حربہ تھا۔ میرا ساتھ بھی تو پھر فہد نے دیا۔ اس کا جگر دیکھ۔ اُدے جاؤ او ئے تم لوگوں کو خوف نے مار دیا ہے۔ تم تو پہلے ہی مرے ہوئے ہو۔'' یہ کہہ کر وہ اپنے دھیان ہو کر کلتوری کھیلنے لگا۔ دوسرے لوگ کچھ دیر خاموش رہے پھر ادھر ادھر بکھر گئے۔ قسمت نگر میں یہی موضوع زیر بحث تھا۔

سلمیٰ اپنے گھر کے صحن میں انتہائی افسردہ بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر سوگواریت پھیلی ہوئی تھی۔ اتنے میں ماسٹر دین محمد گھر میں داخل ہوا اور آہستہ قدموں سے چلتا ہو چارپائی پہ آ کر بیٹھ گیا۔ چند لمحے خاموشی سے گذر گئے تو سلمیٰ نے دھیمے لہجے میں پوچھا

''دفنا دیا نذیر کو اتنی جلدی دفنا دیا گیا۔''

ماسٹر دین محمد نے ایک طویل سرد آہ بھرتے ہوئے کہا

''اور پتر۔! کب تک ایسا نہ کرتے وہ، ان کا کوئی رشتے دار بھی تو نہیں تھا۔ جس کے انتظار میں وہ جنازہ رکھ چھوڑتے۔''

"ابا جی۔اس کا قتل ہوا ہے۔چوہدری کبیر نے اتنے لوگوں کے سامنے اسے گولی ماردی۔اتنا بڑا ظلم ہوگیا اور کوئی پوچھنے والا بھی نہیں، یوں جیسے کچھ بھی نہ ہوا ہو؟"سلمی نے غصے میں کہا تو ماسٹر دین محمد نے اسکی طرف دیکھا۔سلمی کے لہجے میں جو آگ تھی اس نے بخوبی محسوس کی تھی۔اسی لئے دھیمے لہجے میں بولا

"یہ کون سا اس علاقے میں نئی بات ہوئی ہے۔کیا کرتے وہ نذیر کے بے جان جسم کو؟ تھانے اور ہسپتالوں میں لے گئے، کون سنتا ان کی...... وہی کارروائی اور ان چوہدریوں سے کیا مقابلہ بھلا ان کا۔" ماسٹر دین محمد نے کہا

"وہ ان کا مزارع ہی تھا۔کوئی زرخرید غلام تو نہیں تھا۔پرانے وقتوں کا ان کے ساتھ تھا۔کوئی بھی اچھا سلوک کیا جا سکتا تھا۔اس نے ایسا کیا جرم کر دیا تھا......انہوں نے تو لڑائی جھگڑے اور فساد سے بچنا چاہا تھا۔"اس نے دکھ سے کہا

"یہی تو ان کی غلطی تھی۔چوہدری کا مزارع ہو کر اس نے زمین فہد کے حوالے کر دی۔اور چوہدریوں سے پوچھے بغیر رقم بھی لے لی، یہ ان کی نظروں میں جرم نہیں تو اور کیا ہے؟" ماسٹر دین محمد نے کہا تو سلمٰی تیزی بولی

"زمین کون سا چوہدریوں کی ملکیت تھی۔انہوں نے بھی تو فہد کی زمین پر قبضہ کیا ہوا تھا۔چلو یہ بھی مانا کہ ان کی غلطی تھی۔کیا اس کی اتنی بڑی سزا نذیر کی بیوی صفیہ اس کے بچے......وہ تو بے یارومددگار ہو گئے نا، چوہدریوں نے ذرا بھی نہیں سوچا کہ ان کا کیا ہوگا؟"

"پتر۔اجنگ میں ہار یا جیت کا فیصلہ کسی کے حق میں بھی ہو۔تباہی میدان جنگ کی ہوتی ہے۔انہوں نے غلط فیصلہ کیا یا نہیں کیا اس زمین نے ہی نذیر کی بھی جان لے لی۔" ماسٹر دین محمد نے دکھ سے کہا

"ابا جی۔!اس زمین نے نذیر کی جان نہیں لی۔چوہدریوں کی ضد لالچ اور غرور نے لی ہے۔وہ اس علاقے کی ہر شے کو اپنی ملکیت سمجھتے ہیں یہاں تک کہ انسانوں پر بھی اپنا حق جتاتے ہیں۔وہ جب چاہیں کسی کو بیوہ کر دیں۔جب دل چاہا بچے یتیم کر دیں۔یہ ظلم نہیں تو اور کیا ہے ابا جی؟"سلمی نے احتجاجی لہجے میں کہا

"میں کب کہتا ہوں یہ ظلم نہیں ہے۔مگر کیا کر سکتے ہیں ہم بتاؤ، کچھ نہیں ہو سکتا نا۔یہ جلنے کڑھنے والی باتیں ہی کر سکتے ہیں ہم۔" ماسٹر دین محمد آہستگی سے بولا

"یہ لوگ چپ چاپ کیوں ظلم سہتے رہتے ہیں۔آواز کیوں نہیں اٹھاتے۔خوف کے اندھیرے میں اپنی اپنی جگہ ظلم سہتے جا رہے ہیں۔"سلمی نے دکھ سے کہا تو ماسٹر دین محمد خوفزدہ انداز میں بولا

"چھوڑو،ان باتوں کو، ہم کچھ نہیں کر سکتے۔اس لیے تم نہ سوچا کرو ایسی باتیں۔"

"کیوں نہ سوچوں، ایک عورت کو بیوہ کر دیا گیا۔بچوں کو یتیم بنا دیا اور ہم سوچیں بھی نہ۔میں جاؤں گی صفیہ کے پاس۔مجھ سے جو ہو سکا، میں اس کے لیے کروں گی۔"سلمی نے ہمدردی سے کہا تو ماسٹر دین محمد تیزی سے بولا

"کیا کرو گی تم؟ کچھ دیر اس کے ساتھ بیٹھ کر آنسو بہا لو گی۔اسے تسلی دلاسے دے دو گی اور اپنے دل میں چوہدریوں کے لیے

نفرت لے کر آ جاؤ گی، بس۔"

"میں کچھ نہ کچھ تو کروں گی نا۔ چاہے مجھ سے کچھ ہو سکا یا نہ ہو سکا۔" وہ حتمی لہجے میں بولی اور اٹھ کر اندر چلی گئی۔ ماسٹر دین محمد نے ایک بار اس کی طرف دیکھا اور بے بسی سے سر جھکا لیا۔

زیادہ دیر نہیں گذری تھی، سلمیٰ اکیلی ہی صفیہ کے گھر جا پہنچی۔ صفیہ غم سے نڈھال تھی۔ وہ دونوں کمرے میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ صفیہ سسکیوں میں رو رہی تھی۔ سلمیٰ اس کے پاس غم زدہ بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ صفیہ کا دکھ کیا ہے۔ جب وہ دل کا بوجھ ہلکا کر چکی تو صفیہ بولی

"میں سمجھتی ہوں سلمیٰ اس میں فہد کا یا کسی کا بھی کوئی قصور نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ چوہدریوں نے میرے شوہر کو لڑنے مرنے کے لیئے آمادہ کر لیا تھا۔ اور میرے سسر نے جو کیا وہ غلط تھا یا ٹھیک، ان چوہدریوں کو تھوڑا بہت میرے بچوں کا خیال بھی نہیں آیا۔"

"انہوں نے ظلم کیا ہے۔ اتنی بڑی سزا؟ پھر وہ کون ہوتے ہیں اتنی بڑی سزا دینے والے۔ انہیں کوئی پوچھتا ہی نہیں ہے؟" سلمیٰ نے غصے میں کہا

"سلمیٰ۔ کوئی انہیں پوچھے یا نہ پوچھے مگر میں اپنے شوہر کا انتقام ضرور لوں گی۔" صفیہ نے پر جوش لہجے میں ایک عزم سے کہا تو سلمیٰ نے چونکتے ہوئے پوچھا

"کیا کرو گی تم، تم اکیلی عورت تھانے کچہریوں میں کیا کر سکو گی۔ کون پوچھے گا تمہیں؟"

"کوئی بھی نہ پوچھے۔ میں اپنی کوشش تو ضرور کروں گی۔ مجھے یقین ہے وہ جو اوپر نیلی چھت والا ہے نا۔ میری مدد ضرور کرے گا۔ میں انصاف کا ہر دروازہ کھٹکھٹاؤں گی، میں چوہدریوں کو معاف نہیں کروں گی۔" صفیہ کے لہجے میں ویسا ہی عزم تھا

"دیکھ لو۔ تمہارا یہ غصہ اور انتقام کی باتیں وقتی نہ ہوں۔" سلمیٰ نے سوچتے ہوئے لہجے میں پوچھا

"نہیں سلمیٰ۔ ایسا نہیں ہوگا۔ میں کل تک انتظار کروں گی۔ میرے سسر نے کچھ نہ کیا تو پھر میں خود باہر نکلوں گی۔" صفیہ نے کہا

"صفیہ۔ اگر تم ہمت کرو۔ تو چاہے تیرا کوئی ساتھ دے نہ دے، مگر میں ہر قدم پر تمہارے ساتھ ہوں۔" یہ کہتے ہوئے سلمیٰ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تو صفیہ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا، پھر بولی

"تم۔ سلمیٰ تم میرا ساتھ دوں گی؟"

"ہاں۔ میں ...... تم دیکھنا۔ آج جن کے خوف سے لوگ دبے ہوئے ہیں کل یہی ہماری طاقت بن جائیں گے۔ ہم اپنی پوری کوشش کریں گے۔ بس تم ثابت قدم رہنا۔" سلمیٰ نے حوصلہ مند لہجے میں کہا

"نہیں۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہوا ہے، میں اپنے شوہر کا انتقام ضرور لوں گی۔ چاہے وہ جتنے بھی طاقتور ہیں۔ میں انتقام لے لوں گی یا پھر زندہ نہیں رہوں گی یا پنے بچوں کے ساتھ جل مروں گی۔"

یہ کہہ کر صفیہ نے اپنے آنسو صاف کر دیئے۔ صفیہ کا عزم بھرا چہرہ یہ ظاہر کر رہا تھا کہ جو کچھ وہ کہہ رہی ہے، وہی اس کے دل

میں بھی ہے۔ اسے دیکھ کر سلمٰی کا حوصلہ بڑھ گیا تھا۔ وہ محسوس کر سکتی تھی کہ چوہدریوں کے بارے میں جو نفرت اس کے اندر ہے، ویسی ہی صفیہ میں بھی موجود ہے۔

❁……❁……❁

حویلی کے کاریڈر میں چوہدری جلال اور منشی فضل دین آمنے سامنے کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ چوہدری بڑے کروفر اور پرسکون انداز میں جبکہ منشی مودب انداز میں کافی گھبرایا ہوا تھا۔ جب وہ بولا تو اس کے لہجے میں بھی گھبراہٹ تھی

”چوہدری صاحب۔! کل رات ہی وہ نذیرے کو دفنا دیا گیا تھا۔ میں نے ادھر اُدھر لوگوں کو سمجھا دیا ہے۔ مجھے نہیں لگتا کہ وہ بابا نعمت علی کسی بھی قسم کی کوئی کاروائی کرے گا۔“

”اسے اچھی طرح سمجھا دیا ہے نا۔“ چوہدری جلال نے پوچھا تو منشی نے کہا

”جی، جی، وہ تو میں نے اسے اچھی طرح سمجھا دیا ہے۔ میں رات کچھ دیر بیٹھا رہا ہوں اس کے پاس اور آتے ہوئے میں نے کچھ نوٹ بھی اس کی مٹھی میں دے دیئے تھے۔ اب تک اگر اس نے کچھ نہیں کیا تو پھر بھی نہیں کرے گا۔“

”تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ کچھ نہیں کرے گا۔ وہ فہد بھی تو انہیں ورغلا سکتا ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے۔ وہ کوئی کوشش نہیں کرے گا۔ اس نعمت علی کا کوئی پکا بندوبست کرنا تھا۔“ چوہدری جلال نے تشویش سے کہا تو منشی بولا

”میرا نہیں خیال کہ نعمت علی کسی بھی قسم کی کاروائی کرے گا۔ وہ تو خود بے چارہ معافی مانگ رہا تھا کہ اس سے غلطی ہو گئی۔ وہ کہاں فہد کی باتوں میں آنے والا ہے۔ آپ فکر نہ کریں جی۔“

”نہیں، نہیں منشی۔ کوئی اعتبار نہیں ہے۔ تو ایسے کر، اسے یہاں بلا۔ میں کروں گا اس سے بات۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ اندر سے کیا ہے؟“ چوہدری جلال نے کہا تو منشی سر ہلاتے ہوئے بولا

”جیسے آپ کا حکم میں ابھی کوئی بندہ اس کو بلانے کے لئے بھیج دیتا ہوں۔ آپ خود کر لیجئے گا بات۔“

”ہاں۔! ایسے ہی کرو۔ وہ آج شام سے پہلے پہلے میرے پاس آ جائے۔“ چوہدری جلال نے حکم دیا

”جی، وہ آ جائے گا۔“ منشی نے یقین سے کہا اور پھر ایک لمحے بعد جھجکتے ہوئے بولا، ”ایک بات کہنا چاہتا ہوں آپ سے؟“

”ہاں بولو منشی۔! کیا کہنا چاہ رہے ہو۔“ چوہدری جلال نے کہا تو منشی بولا

”جہاں تک میں سمجھتا ہوں۔ یہ معاملہ یہیں دب جائے گا اور پھر آپ خود نعمت علی سے بات کر لیں گے۔ لیکن۔! اب وقت ہے کہ آپ نکے چوہدری کو زیادہ ڈھیل نہ دیں۔ ورنہ معاملات اس قدر خراب ہو سکتے ہیں کہ ہمارے ہاتھ میں نہیں رہ سکیں گے۔“

اس کے یوں کہنے پر چوہدری جلال نے سوچتے ہوئے کہا

”بات تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو منشی۔! میں بھی یہی چاہتا ہوں میرے خیال میں تو اسے ڈھیل دینی ہی نہیں چاہیے تھی۔ لیکن اب کیا

کریں۔منہ زور گھوڑے کو لگام دینے میں بھی ذرا دقت تو لگتا ہے۔"

"جی۔! آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔لیکن لگام دی جائے تبھی نا۔"

منشی نے خوشامدانہ انداز میں کہا تو چوہدری جلال اسے سمجھاتے ہوئے بولا

"یہ معاملہ دب جائے تو پھر میں اسے سمجھا تا ہوں۔بلکہ سمجھانا کیا ہے۔اسے ریشمی زنجیروں میں جکڑ دیتے ہیں۔دیکھتے ہیں پھر، خیر۔!علاقے کے لوگوں کا ردعمل کیا ہے؟"

"کچھ اتنا خاص نہیں ہے۔انہیں کیا پڑی ہے کہ کسی کا خواہ مخواہ ساتھ دیتے پھریں۔وہ فہد کے آنے سے ذرا ہلچل ہوئی تھی، وہ ساری ختم ہو کر رہ گئی ہے۔سکون ہے اب ہر طرف۔تھانیدار نے اپنا کام دکھا دیا ہے۔اب تک کوئی مدعی سامنے نہیں آیا۔" منشی نے سب اچھا کی رپورٹ دے دی تو چوہدری جلال نے سرہلایا اور اندر کی جانب بڑھتے ہوئے بولا

"ٹھیک ہے۔میں نے بلوایا ہے وکیل کو،کوئی مشورہ کرتے ہیں۔"

یہ کہتے ہوئے چوہدری جلال اندر چلا گیا اور منشی کافی دیر تک کاریڈور میں بیٹھا سوچتا رہا۔یہاں تک کہ وکیل جمیل اختر آ گیا۔

ڈرائینگ روم میں وکیل جمیل اختر صوفے پر بیٹھا گہری سوچ میں تھا اور منشی قریب خاموش کھڑا تھا۔اتنے میں چوہدری جلال آ گیا تو وکیل اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔چوہدری جلال خوش دلی سے کہا

"بیٹھیں بیٹھیں وکیل صاحب بیٹھیں تشریف رکھیں۔" یہ کہہ کر وہ بھی سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔وکیل اس کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے بولا

"جی چوہدری صاحب۔!فرمائیں۔"

"وہ آپ نے نذیرے کے بارے میں سن لیا ہو گا۔جو ہمارا مزارع تھا اور اسے اپنے کبیر نے....." چوہدری جلال نے کہا

"جی میں نے سنا ہے یہ اپنے منشی نے مجھے ساری بات بتا دی ہے۔اب اس معاملے کو دیکھنا تو پڑے گا میں دیکھتا ہوں۔" وکیل نے ہولے سے کہا تو چوہدری جلال بولا

"وکیل صاحب۔! آپ بڑی ڈھیلی سی بات کر رہے ہیں کیا بات ہے۔آپ کو ہم پر یقین نہیں رہا یا آپ کی وکالت کو کچھ ہو گیا ہے؟"

"چوہدری صاحب۔!بات یہ نہیں ہے۔ابھی اسی طرح کا ایک معاملہ نپٹایا ہے۔اس کی ابھی گرد تک نہیں بیٹھی۔کوئی فیصلہ سامنے نہیں آیا۔تو ایک اور معاملہ سامنے آ گیا ہے۔" وکیل نے جواب دیا

"تو کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ اس معاملے کو حل نہیں کر پائیں گے۔کیا ہو گیا ہے آپ کو؟! اگر آپ نہیں کر سکتے تو....." چوہدری جلال نے کہتے ہوئے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی تو وکیل نے سمجھانے والے انداز میں کہا

''نہیں۔!اس معاملے کو حل کرنا مشکل ہے، ناممکن نہیں۔ کیونکہ اس معاملے کو حل کرنے میں وقت لگے گا۔''

''کیا مشکل ہے اس میں وکیل صاحب، مجھے بتاؤ۔ میں اسے دور کر دوں گا۔ اور وقت...... یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟'' چوہدری جلال نے الجھتے ہوئے پوچھا

''یہی تو اصل مسئلہ ہے چوہدری صاحب۔!یہ معاملہ حل نہیں ہوگا۔ بلکہ اسے دبانا پڑے گا۔ اس کی چند وجوہات ہیں۔ سب سے پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اگر کوئی بھی مدعی اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے نکے چوہدری کا نام لے دیا، تو بہت زیادہ مشکل ہو جائے گی۔ دوسرا اگر ملک نعیم اگر سیاست دان ہے تو وہ اس میں ضرور دلچسپی لے گا۔ یہ معاملہ اس سے چھپا نہیں رہ سکے گا۔ وہ ضرور اسے اُچھالے گا۔ اور تیسرا فہد یہاں سر پر موجود ہے۔ حل ہوتا ہوا معاملہ بھی بگڑ سکتا ہے۔'' وکیل نے بتایا

''اس معاملے کو دبانے کے لیے کیا کیا جا سکتا ہے۔ آپ کیا کہتے ہیں؟'' چوہدری جلال نے پھر پوچھا

''سیدھی سی بات ہے۔ یہیں کا معاملہ ہے، یہیں دبا دیں۔ نذیرے کے لواحقین کو راضی کرنا پڑے گا۔ تاکہ ان میں سے کوئی بھی مدعی نہ بن جائے۔ پھر کوئی چاہے جو مرضی کرے۔ کم از کم قانونی گرفت نہیں ہوگی۔'' وکیل نے سمجھایا تو چوہدری جلال نے کہا

''آپ کی بات سمجھ میں آرہی ہے۔''

''اور آپ یہ بات چوہدری کبیر کو بھی اچھی طرح سمجھا دیں کہ اگر انہوں نے سیاست کرنی ہے۔ تو عوام کا دل جیتیں۔ اس طرح تو نہیں چلے گا۔ اب زمینی حقائق کچھ دوسری طرح کے ہیں۔'' وکیل نے سمجھایا

''آپ ٹھیک کہتے ہیں وکیل صاحب۔!لیکن یہ سمجھ نہیں آرہی کہ ایسے کیا زمینی حقائق ہیں جو آپ کو خوف زدہ کر رہے ہیں۔ خیر۔!ان کے لواحقین میں اتنی جرات نہیں کہ وہ ہمارے سامنے کھڑے ہوں۔ جن لوگوں کو ضرورت ہے۔ آپ انہیں مل لیں۔'' چوہدری جلال نے حقارت بھرے لہجے میں کہا تو وکیل بولا

''ٹھیک ہے چوہدری صاحب۔!اب مجھے اجازت۔ میں بہت جلدی میں آیا تھا۔''

''ٹھیک ہے۔ آپ فون پر مجھے بتا دیں کہ کیا بنا۔'' چوہدری جلال نے کہا تو وکیل نے اٹھتے ہوئے چوہدری جلال سے ہاتھ ملایا اور باہر نکلتا چلا گیا۔ تبھی چوہدری نے منشی کی طرف دیکھ کر کہا

''منشی۔!وہ کیا نام ہے اس کا۔ نعمت علی۔ میں نے اسے بلانے کو کہا تھا۔''

''جی شام کو بلوانے کا کہا تھا اُسے۔ وہ آجائے گا۔'' منشی نے تیزی سے کہا تو چوہدری جلال بولا

''دھیان سے، بہت دھیان سے، ابھی جاؤ، وہ کہیں نکل نہ جائے اور اسے سب سمجھا بھی دینا، سمجھ گئے نا؟''

''جی میں سمجھ گیا۔'' منشی نے کہا اور وہ بھی باہر کی جانب چل دیا۔ چوہدری جلال وہیں بیٹھا ہوا، سوچوں میں کھو گیا۔ اسے حالات کی سمجھ آرہی تھی۔

❁......❁......❁

رات کا ابھی پہلا ہی پہر تھا۔ بابا نعمت علی اور منشی دونوں حویلی کے اس کاریڈور میں کھڑے تھا، جہاں ملگجی سی روشنی تھی، اور وہیں چوہدری جلال ایک صوفے پر بیٹھا ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ بابا نعمت نے قریب جا کر اسے سلام کیا تو چوہدری جلال نے چند لمحے اس کی طرف دیکھتے رہنے کے بعد کہا

''نعمت علی۔! تم جانتے ہو کہ میں نے تمہیں کیوں بلایا ہے؟''

''جی، چوہدری صاحب۔! میں جانتا ہوں۔ مجھے منشی نے ساری بات بتا دی ہے۔'' اس نے دھیرے سے جواب دیا تو چوہدری جلال نے کہا

''دیکھ نعمت علی۔! جو ہونا تھا۔ وہ ہو گیا۔ تم لوگوں کا کتنا قصور ہے۔ یا تم لوگوں کو کسی نے بہکا دیا۔ ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ یا پھر بتاؤ۔ کوئی فائدہ ہے؟''

''نہیں سرکار کوئی فائدہ نہیں۔'' بابا نعمت علی دھیمے سے بولا تو چوہدری جلال نے رعب سے کہا

''تو پھر یہ وقت ان باتوں کے سوچنے کا نہیں۔ سوچیں گے یا نہیں سوچیں گے، اس سے تمہارا بیٹا تو واپس نہیں آ جائے گا۔ لیکن۔! مجھے تمہارے دکھ کا احساس ہے۔''

''آپ بڑے لوگ ہیں۔ آپ ہی ہمارا احساس کریں لیکن چوہدری صاحب۔! اب میں یہاں نہیں رہوں گا یہاں سے کہیں دور چلا جاؤں گا۔ میں پہلے بھی یہاں نہیں رہنا چاہتا تھا۔ آپ ہمیں معاف کر دیں۔ ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔'' بابا نعمت علی ڈرتے ہوئے کہا

''میں تمہیں روک تو نہیں سکتا۔ یہ تمہاری مرضی ہے کہ تم کیا کرتے ہو۔ میں تو تمہارا احساس کرتے ہوئے، تمہارا خیال کرتے ہوئے تیری مدد کرنا چاہتا ہوں۔'' چوہدری نے کہا اور اپنی جیب سے نوٹوں کی گڈی نکال کر میز پر رکھ دی۔

''یہ کیا چوہدری صاحب؟'' بابا نعمت علی نے حیرت سے پوچھا تو چوہدری جلال نے کہا

''یہ تھوڑی سی رقم ہے اسے اپنے پاس رکھ۔'' چوہدری جلال نے کہا تو نعمت علی نے بولنا چاہا لیکن چوہدری نے ہاتھ کے اشارے سے اسے منع کرتے ہوئے بولا، ''تو اگر یہاں سے جانا چاہتا ہے تو چلا جا، جہاں مرضی جاؤ یا پھر یہیں رہنا چاہو تو رہو۔ میں تمہیں تھوڑی زمین دے دیتا ہوں تو اس پر کھیتی باڑی کرتا رہ، تجھے کوئی نہیں پوچھے گا۔ اپنا کھاتا پیتا رہ۔''

''میں...... میں کچھ سمجھا نہیں؟'' بابا نعمت علی نے الجھتے ہوئے پوچھا تو چوہدری جلال نے کہا

''یہ رقم اٹھاؤ یہ تیری ہے۔ اور جو میں نے کہا۔ اس پر سوچ لو۔ اگر کوئی بات تمہیں سمجھ نہیں آئی تو یہ منشی تمہیں سمجھا دیتا ہے بولو۔! کیا کہتے ہو، رقم لے کر سب کچھ بھول جاتے ہو یا......''

''میں سمجھ گیا، میں سمجھ گیا۔ آپ کیا کہنا چاہ رہے ہو۔'' بابا نعمت علی نے تیزی سے کہا اور آگے بڑھ کر نوٹوں کی گڈی اٹھا لی۔ تب چوہدری جلال نے کہا

''اور یہ تمہیں یاد رہے گا نا کہ اس معاملے کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو؟''

''نن......نن......نہیں جی، کسی کو نہیں ہو گی خبر۔'' بابا نعمت علی خوف زدہ لہجے میں بولا

''تو بس پھر جاؤ۔ جو تمہیں کرنا ہے۔ وہ منشی کو بتا دینا۔ یہاں رہ کر کھیتی باڑی کرنی ہے یا یہاں سے چلے جانا ہے اب جاؤ۔'' چوہدری جلال نے نخوت سے کہا تو بابا نعمت علی بے بسی سے سر ہلاتے ہوئے بولا

''جی، میں بتا دوں گا۔ بتا دوں گا میں۔''

یہ کہتے ہوئے وہ تیز قدموں سے باہر کی جانب چلا گیا۔ اس کے ساتھ ہی منشی بھی نکلتا گیا۔ چوہدری جلال کے چہرے پہ پریشانی ختم ہو گئی تھی۔

بابا نعمت علی گھر میں آیا تو صفیہ کمرے غم زدہ نڈھال بیٹھی سوچوں میں گم تھی۔ تبھی بابا نعمت علی نے اندر آ کر دیکھا۔ اس کی نگاہ سوئے ہوئے بچوں پر پڑی۔ پھر صفیہ کی طرف دیکھتا ہوا قریب پڑی چارپائی پر بیٹھ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ صفیہ سے بات کیسے کرے۔ کچھ دیر خاموش رہ کر وہ بولا

''صفیہ۔ ابیٹی تمہیں پتہ ہے نا چوہدری جلال نے مجھے بلایا تھا۔ میں گیا تھا اس کے پاس۔''

یہ سن کر صفیہ نے طنزیہ انداز میں پوچھا

''کیا حکم دیا ہے اس نے؟''

''وہ تو بس یہی چاہتا ہے کہ ان کا چوہدری بچ جائے۔ اس لیے وہ ہمیں زمین دینے کو بھی تیار ہے اور یہ رقم دی ہے۔'' بابا نعمت علی نے بے بسی سے کہا اور چوہدری کی دی ہوئی رقم اس کے سامنے رکھ دی۔ صفیہ نے اس رقم کو دیکھا بھی نہیں بلکہ بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا

''تم نے کیا کہا بابا؟''

''میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ بیٹی، ہم چوہدریوں کا مقابلہ تو نہیں کر سکتے۔ یہاں رہیں گے تو لوگوں کے طعنے مار دیں گے۔ میں تو یہی کہتا ہوں کہ ہم یہاں سے دور کہیں اور چلے جائیں''

''بابا۔! ابھی تو نذیرے کی قبر والی مٹی بھی خشک نہیں ہوئی۔ اور تم یہاں سے جانے کی بات کر رہے ہو۔ اور یہ جو تو نے رقم میرے سامنے رکھ دی ہے کیا یہ نذیر کا خون بہا ہے یا اس کے خون کی قیمت، کیا تمہاری نگاہ میں نذیر کے خون کی اتنی ہی قیمت تھی؟''

''نہیں ایسا نہیں ہے۔ ہم کمزور اور بے بس ہیں۔ ہم کچھ بھی نہیں کر پائیں گے۔ تم غلط سوچ رہی ہو۔ یہاں رہے تو نذیر کا غم بھول نہیں پائیں گے۔ یہ بچے بھی ہم سے سوال کرتے رہیں گے۔ ہم یہاں سے چلے جائیں گے تو شاید......'' بابا نعمت علی اسے سمجھا نہیں پا رہا تھا

''یہ بچے تو پھر بھی سوال کریں گے۔ تب کیا بتائیں گے بابا؟'' صفیہ نے طنزیہ پوچھا

''کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔ ہم نے اگر چوہدری کی بات نہ مانی تب بھی تو یہ گھر خالی کرنا پڑے گا۔ تم تیاری کرلو بیٹی۔ کل نذیر کی قل خوانی کے بعد ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔ بس تم تیار رہنا۔'' جب اس نے بے بسی محسوس کی تو یہ کہہ کر باہر نکل گیا۔ صفیہ نڈھال سی سوچوں میں گم ہوگئی۔ رقم وہیں پڑی رہی۔ اچانک صفیہ رودی پھر روتے ایک دم سے خاموش ہوگئی جیسے اس نے کوئی فیصلہ کرلیا ہو۔

❁......❁......❁

رات کا پہلا پہر ختم ہونے کا تھا سراج اور چھاکا فہد کے گھر صحن میں بیٹھے ہوئے باتیں کررہے تھے۔ تبھی سراج نے اچانک پوچھا

''یار کافی دیر ہوگئی ہے، فہد نہیں آیا ابھی تک؟ اور تو بھی میرے سامنے بیٹھا بات تو کررہا ہے لیکن کہیں کھویا ہوا ہے۔ یہ تمہیں ہوا کیا ہے۔ اتنا کھویا کھویا سا کیوں ہے۔ کوئی پریشانی ہے؟''

''نہیں یار۔! پریشانی تو کوئی نہیں ہے۔ لیکن دکھ بہت ہورہا ہے۔ یہ جو چوہدری کبیر نے کیا ہے نا، اچھا نہیں کیا۔'' چھاکا کے لہجے میں دکھ گھلا ہوا تھا۔ تو سراج بولا

''یہ کون سا ان کے لیے یا اس علاقے کے لوگوں کے لیے نئی بات ہے۔ جب تک لوگ ان کے خلاف نہیں اٹھ کھڑے ہوں گے۔ وہ تو ظلم کرتے رہیں گے۔''

''پہلے میں نے کبھی اپنی آنکھوں کے سامنے ایسا ہوتا نہیں دیکھا تھا۔ سنی سنائی اور آنکھوں دیکھی میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ وہ منظر، وہ چیخیں، وہ دھاڑیں۔ میری نگاہوں کے سامنے سے ہٹتے ہی نہیں ہیں۔ یار۔! زندگی یوں بھی سستی ہوجاتی ہے۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ اور پھر جو میرے ساتھ گذری، میں نہیں بھول سکتا، میں بہت اذیت میں ہوں یار۔'' چھاکے نے دکھی لہجے میں کہا

''اس کا مطلب ہے میرا بھائی بھی اس طرح اذیت میں تھا۔'' سراج اس کی طرف دیکھ کر بولا

''اب میں محسوس کرسکتا ہوں کہ وہ کیوں گواہی دینا چاہتا تھا۔ میں نے یہ پورا واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ بہت ظلم کیا اس نے۔'' چھاکے نے آنکھیں بند کرکے کہا تو سراج بولا

''کب تک یہ ظلم کرتے رہیں گے۔ آخر ایک دن ایسا تو آئے گا۔ جب انہیں اپنے گناہوں کا حساب دینا ہے۔ پتہ نہیں لوگ کیوں نہیں سمجھتے اس کبیر کو تو اب لگام دینا ہوگی۔''

''ورنہ بہت سارے گھر اجڑ جائیں گے۔ اس نے اپنے باپ کی طاقت کا بہت غلط استعمال شروع کردیا ہے۔ اس سے بھلائی کی توقع نہیں رکھی جاسکتی۔'' چھاکا حتمی انداز میں بولا

''چھاکے۔! تو مایوس نہ ہو میرے بھائی۔! چاہے دیر سے صحیح لیکن ایک دن آئے گا۔ ان کا ظلم ہی انہیں ختم کرکے رکھ دے گا۔ یہ بھی تو قانونِ فطرت ہے۔ تو پریشان نہ ہو۔ ہم نے ہی ان کا راستہ روکنا ہے۔ کوئی باہر سے نہیں آئے گا۔ ہم ہی ان کا ہاتھ روکیں گے۔'' سراج دانت پیستے ہوئے بولا تو چھاکے نے غصے میں کہا

''ہاں۔! ایسا ہوگا۔ میں، فہد کا پتہ کرتا ہوں۔''

''چل میں بھی چلتا ہوں تیرے ساتھ۔'' سراج نے کہا تو دونوں اٹھتے چلتے گئے۔

قسمت نگر میں صبح کے سورج کی روشنی پھیل چکی تھی۔ مسجد میں نماز کے بعد چند لوگ ہی رہ گئے تھے۔ جن میں چھاکا، سراج اور فہد بھی تھے۔ بابا نعمت کے پاس ماسٹر دین محمد بیٹھا ہوا تھا۔ انہی چند لوگوں کے درمیان قل خوانی کی دعا ہوگئی تو لوگ مسجد سے نکل آئے۔ فہد بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ نکل آیا اور مسجد کے باہر کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگا۔ وہیں ایک بندے نے سوال کیا تھا کہ نذیر کی قل خوانی میں اتنے کم بندے کیوں ہیں؟ جس پر فہد نے کہا

''اس گاؤں میں آج ہم نذیرے کی قل خوانی پر اکٹھے ہوئے ہیں۔ یہ چند لوگ ہی اس لیے آئے ہیں کہ نذیر غریب آدمی تھا اور وہ چوہدریوں کی نگاہ میں نہیں آنا چاہتے۔ ڈرتے ہیں چوہدریوں سے۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو۔ غریب تو تھا وہ۔ پر لوگ چوہدری کے خوف سے لوگ نہیں آئے۔'' ایک بوڑھے نے گویا اس کی بات کی تصدیق کر دی۔ تب فہد نے انتہائی طنزیہ انداز میں لوگوں کی طرف دیکھ کر کہا

''کل ایسا ہی واقعہ گاؤں کے کسی اور جوان کے ساتھ پیش آ سکتا ہے تو پھر اس کے لیے بھی کوئی نہیں آئے گا۔ سب جانتے ہیں۔ قتل کس نے کیا ہے مگر پولیس ایک فیقے نامی بندے کو پکڑ کر لے گئی ہے۔ جس نے اقرار جرم بھی کر لیا ہے۔ ظالم تو صاف بچ گیا نا۔''

''وارث ہی مدعی نہیں بنے۔ چوہدری تو فیقے کی ضمانت کروا لے گا۔ کیس کی عدم پیروی کی وجہ سے وہ فیقا بھی بچ جائے گا۔ یوں چند دن ہی پولیس کا مہمان رہے گا نا۔'' ایک بزرگ سے بندے نے کہا تو سراج بولا

''فہد۔! کیا تمہیں نہیں پتہ کہ انصاف کے لیے کیا کچھ کرنا پڑتا ہے کتنا پیسہ لگانا پڑتا ہے۔ دفتروں کی خاک چھاننا پڑتی ہے۔ اتنی ہمت تھی ان لوگوں میں۔''

''جب گواہ ہی نہیں ملیں گے تو عدالت بھی کچھ نہیں کر سکے گی۔ فیصلہ ثبوت اور پکی گواہی پر ہوتا ہے نا۔'' بزرگ نے سمجھاتے ہوئے کہا تو فہد بولا

''کیا یہاں کے لوگ کچھ بھی نہیں کر سکتے؟ ذرا حوصلے کی دیر ہے۔ یوں خوف زدہ رہے تو یہ ظلم ہوتا ہی رہے گا۔ آج نذیر قتل ہوا کل کوئی اور قبر میں چلا جائے گا۔''

''ہونی کو کیسے ٹال سکتے ہیں بیٹا۔ کیا کر سکتے ہیں ہم کچھ نہیں کر سکتے۔''

یہ کہتے ہوئے وہ بزرگ وہاں سے چل دیا۔ فہد اور سراج دوسرے لوگوں سے باتیں کرنے لگے۔

انہیں یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ قسمت نگر کی گلیوں میں ایک بھونچال آ چکا ہے۔ صفیہ اپنے تینوں بچوں کے ساتھ اپنے گھر سے نکل پڑی تھی۔ اس کا اپنا دوپٹہ ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر انتہا درجے کی سنجیدگی تھی۔ صفیہ گلی میں آ رہی تھی۔ لوگ اسے دیکھ رہے

تھے ۔ وہ کسی کی طرف دیکھے بناء چلتی چلی جارہی تھی ۔ مختلف گلیوں سے ہوتی ہوئی وہ چوک میں آ گئی ۔ اس کے ساتھ کئی بچے، عورتیں اور نوجوان بھی تماشہ دیکھنے کی غرض سے ساتھ ہو لئے تھے ۔ فہد اور سراج کے ساتھ کھڑے ہوئے لوگوں نے اس کی طرف دیکھا ۔ وہ ان کے قریب آکر، فہد کے سامنے رک گئی ۔ تبھی ایک آدمی نے اس سے پوچھا

''صفیہ ۔! کیا بات ہے؟ تم یہاں کیوں آئی ہو؟''

''میں فہد کے پاس آئی ہوں ۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنے آنچل کا پلو کھولا، اس میں سے نوٹ نکال کر فہد کے سامنے ڈھیر کرتے ہوئے بولی'' یہ ہے وہ رقم ہے، جو میرے سائیں نے تم سے لی تھی ۔ اور اسی جرم میں چوہدری کبیر نے اسے قتل کر دیا ۔ میرے گھر والے تو میرا ساتھ نہیں دیتے ۔ مگر میں تمہارے پاس آئی ہوں ۔ تاکہ تم میری مدد کرو ۔''

''کھل کر بات کرو تم کیا کہنا چاہتی ہو؟'' فہد نے سکون سے پوچھا تو صفیہ تلخی بھرے لہجے میں بولی

''میں تم سے مدد مانگنے آئی ہوں ۔ مرد ہو تو وعدہ کرو ورنہ سر جھکا کر پرے ہٹ جاؤ ۔''

''میں تمہاری مدد کروں گا مگر......'' فہد نے کہنا چاہا تو صفیہ تڑپ کر ہذیانی انداز میں بولی

''تم بھی اگر مگر کرنے لگے ہو ۔ مجھے تو ماسٹر جی کی دھی سلمٰی نے کہا تھا کہ گاؤں میں تم ہی ایک مرد ہو جو میری مدد کر سکتے ہو ۔ لیکن اب جا کر اسے بتا دوں گی کہ تم بھی اگر مگر کرنے لگے ہو ۔ لگتا ہے تم بھی مرد نہیں ہو ۔''

''میں تمہاری مدد کروں گا لیکن کل اگر تجھے کوئی مجبوری آن پڑی تو......'' فہد نے انتہائی تحمل سے پوچھا

'میرے بچوں کو یتیم کرنے والا پھانسی پر لٹکتا ہوا دیکھنا چاہتی ہوں ۔ جانتی ہوں اس کام میں بہت ہی رقم لگے گی ۔ وہی دینے آئی ہوں ۔ یہ رقم اٹھا لو ۔ یہ لو میرے گہنے بھی لے لو، جان مانگو گے تو جان بھی دے دوں گی ۔ پر میری بانہہ کو تھام لے ۔ مجھے انصاف دلا دے ۔''

صفیہ نے دہائی دیتے ہوئے کہا تو فہد چند لمحوں تک اس کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا

''آؤ میرے ساتھ ۔''

''فہد ۔! خود کو اکیلا مت سمجھنا ۔ میں صفیہ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ ابھی یہاں پر مرد ہیں ۔ چلو، میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں ۔''

سراج نے جذباتی ہوتے ہوئے کہا تو چھاکا بولا

''میں بھی چلتا ہوں فہد، میں نے نذیر کا قتل اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، صرف میں نے ہی نہیں، گاؤں کے لوگوں نے بھی دیکھا ہے لیکن تم بھی جانتے ہو اور میں بھی، ان میں سے کوئی بھی گواہی نہیں دے گا ۔ یہ سب ان ظالم چوہدریوں سے ڈرتے ہیں میں چشم دید گواہ ہوں ۔ میں گواہی دوں گا ۔''

وہاں پر کھڑا ہوا ہر شخص حیرت زدہ تھا ۔ شاید قسمت نگر کی قسمت میں کچھ اور ہی لکھا جانے والا تھا ۔ تبھی فہد نے بااعتماد انداز میں صفیہ سے کہا

''آؤ چلیں۔''

چھاکے نے بکھرے ہوئے نوٹ اٹھا کر صفیہ کے پلو میں ڈال دیئے اور پھر وہ سب ایک طرف چل دیئے۔فہد نے اپنا سیل فون نکالا اور جعفر کو تمام صورت حال سے آگاہ کر دیا۔وہ اس وقت سرکاری رہائش گاہ پر تھا۔

جعفر کو جیسے ہی قسمت نگر کی صورت حال معلوم ہوئی اس نے سب سے پہلے مائرہ کا نمبر ملایا اور سیل فون کان سے لگا کر انتظار کرنے لگا۔اس وقت مائرہ تیار ہو کر گھر سے باہر نکل رہی تھی۔

''ہیلو جعفر کیسے ہو؟'' مائرہ نے کہا تو جعفر نے پوچھا

''تم کیسی ہو۔میرا خیال ہے ابھی آفس تو نہیں ہو؟''

''ابھی آفس کے لیے گھر سے نکل رہی ہوں۔تم خیریت سے تو ہو نا۔تمہارا لہجہ کچھ ٹھیک نہیں لگ رہا مجھے۔'' مائرہ نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا تو جعفر بولا

ٹھیک ہوں۔خیر سنو۔! مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔''

''مدد۔! بولو جعفر، اس میں اتنا اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے۔کوئی مسئلہ ہے تو بتاؤ'' مائرہ نے کہا تو جعفر نے قسمت نگر کے تازہ واقعہ کے بارے میں سب تفصیل سے بتا دیا۔مائرہ جوں جوں سنتی گئی،اس کے چہرے کا رنگ بدلتا گیا۔

''کاش جعفر۔یہ سب مجھے فہد بتاتا۔خیر تم فکر نہیں کرو۔میں سب کر لیتی ہوں۔او کے ہم بعد میں بات کرتے ہیں۔میں آفس پہنچ جاؤں۔''اس نے حسرت سے کہا اور فون بند کر دیا۔جعفر چند لمحوں تک فون کو تکتا رہا پھر کچھ سوچتے رہنے کے بعد ملک نعیم کو فون کر کے فوراً اپنے آفس میں ملنے کا کہا۔

تقریباً دو گھنٹے بعد جعفر کے آفس میں ملک نعیم بیٹھا ہوا تھا۔دونوں کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔ان کے درمیان چائے کے پیالیاں دھری ہوئی تھیں۔چائے پیتے ہوئے،وہ پرسکون انداز میں بات کر رہے تھے،جعفر کہہ رہا تھا

''یہاں آتے ہی جہاں میں نے ماحول کو سمجھا ہے،وہاں میں نے وہ معلومات بھی لی ہیں کہ یہ چوہدری لوگ اتنا ظلم کیوں کرتے ہیں۔''

''کیا پتہ چلا آپ کو؟'' ملک نعیم نے پوچھا

''یہی کہ یہ سب آپ کی وجہ سے ہو رہا ہے۔''

جعفر نے اطمینان سے کہا تو ملک نعیم نے اس کی طرف حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا

''میری وجہ سے مطلب،کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟''

ملک نعیم نے پیالی میز پر رکھتے ہوئے کہا تو جعفر پر جوش لہجے میں بولا

''ہاں،آپ لوگ ظلم ہوتا تو دیکھتے ہیں لیکن اس کے خلاف آواز نہیں اٹھاتے۔غریب لوگ کہاں آواز اٹھا سکتے ہیں۔یہ تو آپ

جیسے لوگوں کی ذمہ داری ہے نا کہ جو چوہدری جیسے بھلے نہیں لیکن تھوڑی بہت قوت رکھتے ہیں۔''

''آپ ٹھیک کہتے ہیں لیکن وسائل پر ہمارا کوئی اختیار نہیں۔ ہماری آواز دبادی جاتی ہے۔ مثلاً اگر مدعی ہی مقدمہ لڑنا نہ چاہے تو وکیل کیا کر سکتا ہے۔'' ملک نعیم نے ایک طویل سانس لے کر کہا تو جعفر بولا

''آپ ہمت کریں راستے خود بخود نکل آئیں گے۔ مخلوق خدا کو ان ظالموں سے نجات دلائیں۔ میں آپ کے ساتھ ہوں۔ وہ اگر اپنے وسائل کو آزماتے ہیں تو کیا آپ ان کمزوروں سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ بہت کچھ ہو سکتا ہے۔''

''مثلاً، بتائیں۔ کیا ہو سکتا ہے؟'' ملک نعیم نے پوچھا

''شاید آپ کو معلوم نہیں ہے، چوہدری کبیر نے پھر ایک قتل کر دیا ہے اور مقتول کی بیوہ تھانے پہنچ جانے والی ہے۔ وہ کچھ دیر بعد تھانے میں رپورٹ کرے گی۔ اب اس کی مدد کرنے والا کون ہے؟ کیا یہ آپ کی ذمہ داری نہیں بنتی عوام کا نمائندہ فقط ووٹ لینے والا تو نہیں ہوتا۔ ان کے دکھ درد میں شریک ہوتا ہے۔''

جعفر نے انتہائی جذباتی لہجے میں کہا ملک نعیم نے احتجاجی لہجے میں کہا

''یہی تو بات ہے کہ لوگ آتے ہی نہیں ہیں۔ اگر وہ خاتون میرے پاس آجاتی تو میں ویسے ہی اس کی مدد کرتا۔ خیر۔! میں سمجھ گیا کہ آپ اصل میں کیا کہنا چاہ رہے ہیں۔ میں اس خاتون کی بھرپور مدد کروں گا۔''

''تو پھر آپ کو اس علاقے سے الیکشن میں کوئی نہیں ہرا سکتا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔''

جعفر نے حتمی لہجے میں کہا تو ملک نعیم بولا

''یہ تو وقت بتائے گا کہ کیا ہونا ہے اور کیا نہیں ہونا۔ بہر حال میں چلتا ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے وہ کھڑا ہو گیا پھر مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھا۔ جعفر نے کھڑے ہو کر ہاتھ ملایا تو ملک نعیم چل دیا۔ جعفر کے مسکراہٹ تھی۔ اس نے اپنے سیل فون پر فہد کے نمبر ملائے۔ تب اسے معلوم ہو گیا کہ وہ نور پور تھانے پہنچ گئے ہیں۔

فہد سمیت وہ سارے تھانے کے اندر چلے گئے جو قسمت نگر سے ان کے ساتھ آئے تھے۔ ان کے ساتھ پریس بھی تھا۔ تھانیدار وہاں سے اٹھ کر باہر آیا تو انہیں دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ تبھی تھانیدار نے بڑے رعب دار انداز میں کہا

''یہ اتنا ہجوم لے کر کدھر آگئے ہو؟''

''اس خاتون کا شوہر قتل ہو گیا ہے یہ اس کی ایف آئی آر دوبارہ درج کروانے آئی ہے اور ہم اس کے ساتھ ہیں۔ اس کی ایف آئی آر دوبارہ درج کرو۔ یہ مدعی ہے۔'' فہد نے سکون سے کہا

''تم وکیل بن کر آئے ہو۔ خیر کب ہوا یہ قتل اور کہاں ہوا؟'' تھانیدار طنزیہ انداز میں بولا

''یہ تو لکھنے بیٹھیں گا۔ تبھی سب بتائے گی نا۔ تم لکھو۔'' سراج نے اس سے کہیں زیادہ طنزیہ لہجے میں کہا، تھانیدار نے اس کی

طرف دیکھا، پھر ایک نگاہ لوگوں پر ڈالی اور تحمل سے بولا

''ابھی تو میں سرکاری کام سے جا رہا ہوں۔ ابھی وقت نہیں ہے میرے پاس تم لوگ انتظار کرو۔ اتنے میں جو لکھوانا ہے۔ وہ درخواست میں لکھ لو میں آتا ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ جانے لگا تو فہد نے اسے بازو سے پکڑ کر روکتے ہوئے کہا

''اس خاتون کا شوہر قتل ہوا ہے اور یہ......''

''اوئے تم لوگ کیا ہو۔ میری بات سمجھ میں نہیں آئی تمہیں۔ جب میں نے کہہ دیا ہے تو انتظار کرو۔ تم زیادہ وکیل بننے کی کوشش مت کرو۔'' تھانیدار غصے میں بولا

''دیکھو تھانیدار! میرا اپنا ذاتی معاملہ تھا نا تو میں خاموشی سے چلا گیا۔ تجھے کچھ نہیں کہا۔ لیکن یہ جو تم کر رہے ہو۔ یہ غلط ہے اور اب اگر بات کرو تو وہ تمیز سے کرنا ورنہ پھر تمہیں ابھی سمجھانا پڑے گا کہ بات کیسے کرتے ہیں۔'' فہد نے کہا

''تم سمجھاؤ گے مجھے صحیح کیا ہوتا ہے اور غلط کیا ہوتا ہے۔ میں جانتا ہوں تم کیا شے ہو۔ لیکن یہ تمہیں جانے کہ 'قانون' کی طاقت کیا ہوتی ہے۔ چلو ادھر جا کر بیٹھ جاؤ۔''

لفظ اس کے منہ ہی میں تھے کہ تھانے میں چینل کی گاڑی آ رکی اور اس میں سے لوگ نکل آئے۔ سب سے آخر میں مائرہ گاڑی میں سے نکلی۔ انہیں دیکھ کے تھانیدار ٹھٹک گیا۔ فہد نے بھی خوشگوار حیرت سے انہیں دیکھا اور فہد نے تھانیدار کی طرف دیکھ کر پوچھا

''اب جا کر دکھاؤ تھانیدار صاحب۔ اور انہیں اپنی بدتمیز زبان میں جواب دو، یہ میڈیا ہے، اب تم جو کہو گے یا کرو گے۔ اس کے ذمے دار تم خود ہو گے۔''

اتنے میں مائرہ، فہد کے قریب آ رک گئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو نگاہیں بھر کر دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں نجانے کون کون سے جذبے تیر رہے تھے۔ تبھی مائرہ نے لہجے میں پیار اور جذبات کی شدت سے بے قابو ہوتے ہوئے فہد سے پوچھا

''کیسے ہو فہد؟''

تب فہد نے خود پر قابو رکھتے ہوئے کہا

''میں ٹھیک ہوں، تم سناؤ؟''

''میں سب بتا دوں گی، لیکن پہلے یہ......'' یہ کہتے ہوئے تھانیدار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولی، ''انسپکٹر، کیا معاملہ ہے اس خاتون کا؟''

''اس نے کیا بتانا ہے، یہ تو چوہدری کا زرخرید ہے، میں بتاتی ہوں۔'' صفیہ نے غصے میں کہا اور ساری روداد مختصر انداز میں بتا دی۔ سارا ماجرا سن کر مائرہ نے تھانیدار سے کہا

"آپ اس خاتون کی ایف آئی آر درج نہیں کر رہے ہو۔ کیا آپ پر کوئی سیاسی دباؤ ہے۔ یا آپ نے رشوت لی ہوئی ہے۔ کیا وجہ ہے؟"

تھانیدار نے کیمرے کی طرف گھبرا کر دیکھتے ہوئے کہا

"ایسا کچھ نہیں ہے۔ میں نے ایف آئی آر درج کر لی ہوئی ہے، میں پوری کوشش کر کے تفتیش کر رہا ہوں، یہ لوگ خواہ مخواہ دباؤ ڈال رہے ہیں۔"

"کیا دباؤ ڈال رہے ہیں؟ یہ خاتون یہاں کے ایم این اے کے بیٹے پر الزام لگا رہی ہے۔ کیا اس کی وجہ یہ تو نہیں کہ ایف آئی آر نہیں کٹی آج تیسرا دن ہے؟" مائرہ نے پوچھا تو تھانیدار نے گھبراتے ہوئے کہا

"یہ لوگ ہمارے پاس آج ہی آئے ہیں۔ ہمیں کوئی اطلاع نہیں ہے۔ ہم نے تو نامعلوم افراد کے خلاف ہی ایف آئی آر کاٹی ہے۔ فیقا نامی آدمی گرفتار ہوا ہے، اس نے اقبالی جرم بھی کر لیا۔"

"لیکن یہ خاتون خود مدعی بن کر اپنی ایف آئی آر ایم این اے کے بیٹے کے خلاف لکھوانا چاہ رہی ہے، قتل کے اس مقدمے کے بارے میں اس کا کوئی بیان نہیں لیا گیا۔ اور اب آپ اس کی بات سننے کی بجائے، کسی سرکاری کام سے جا رہے ہیں۔ جو اتنا اہم ہے۔ ان باتوں کا کیا جواب ہے آپ کے پاس؟" مائرہ نے پوچھا

"وہ میں......وہ میں......" تھانیدار نے اٹکتے ہوئے کہا

"آپ یہ مان کیوں نہیں لیتے کہ آپ پر سیاسی دباؤ ہے۔ جس کی وجہ سے آپ نے ایف آئی آر تک غلط درج کی۔ ان چوہدریوں کے بچے جو مرضی کرتے رہیں۔ اور آپ ان کا ساتھ دے رہے ہیں۔ کیا یہ سمجھ لیا جائے کہ آپ محکمے کے ملازم نہیں۔ چوہدری کے زر خرید غلام ہیں۔" مائرہ نے غصے میں کہا تو تھانیدار فوراً پینترہ بدلتے ہوئے کہا

"جیسا یہ کہتے ہیں میں ویسی ہی ایف آئی آر درج کرتا ہوں۔"

"وہ تو تمہیں کرنی پڑے گی، جلدی کریں۔ یہ خبر معمولی نوعیت کی نہیں ہے۔ یہ پوری دنیا میں جائے گی۔ یہ نا ہو کہ چوہدری کی نوکری کرتے کرتے اپنی نوکری سے بھی جاؤ اور قانون تمہیں سزا الگ دے۔"

مائرہ نے کہا تو تھانیدار بغیر چوں وچراں کئے بولا

"آؤ"

فہد کے ساتھ صفیہ اور سراج اندر چلے گئے۔ چشم دید گواہ کے لئے چھاکا وہیں تھا کچھ دیر بعد۔ صفیہ کے ہاتھ میں کاغذ تھا۔ چوہدریوں کے خلاف ایف آئی آر کٹ گئی تھی۔ انسپکٹر افسردہ سا بیٹھا ہوا تھا۔ فہد اور مائرہ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہوئے، مسکرا دیئے۔ کچھ دیر بعد وہ سب تھانے سے باہر آ چکے تھے۔

اسی لمحے ملک نعیم کی گاڑی تھانے کے دروازے پر رکی۔ وہ گاڑی سے اتر کر جلدی سے آگے بڑھا تو ملک نعیم کو پہچان کر لوگ اس کے اردگرد جمع ہو گئے۔ مائرہ سے جب تعارف ہوا تو اس نے ملک نعیم سے کہا

''اچھا ہوا آپ یہیں مل گئے، ورنہ مجھے آپ کے گھر آنا پڑتا۔''

''میں تو اب بھی آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ آپ میرے گھر تشریف لائیں۔''

باتوں کے دوران مائرہ نے کیمرے کو اشارہ کر دیا۔ مائرہ نے مائیک اس کے سامنے کیا تو بھی سمجھ گیا۔ تبھی مائرہ نے سوال کیا

''آپ کا شمار علاقے کے سرکردہ افراد میں ہوتا ہے، آپ بھی سیاست کرتے ہیں۔ قسمت نگر میں یہ جو بھیانک قتل ہوا ہے اور اس کا الزام آپ ہی کے سیاسی مخالف کے بیٹے پر ہے، جو اس وقت ایم این اے ہے اور حکومت میں بھی شامل ہے، آپ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟''

''قسمت نگر میں جو بہیمانہ قتل ہوا ہے، میں اس کی زبردست مذمت کرتا ہوں۔ یہ سراسر ظلم ہے۔ بات یہ نہیں کہ وہ میرے سیاسی حریف ہیں، بلکہ کسی بھی معاشرے میں جرم برداشت نہیں کیا جا سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے قتل ہوا، کس نے کیا، اس کا جو بھی مجرم ہے، میں حکومت وقت سے یہ اپیل کروں گا کہ وہ جلد از جلد مجرموں کو گرفتار کر کے انہیں کیفر تک پہنچائیں۔'' ملک نعیم نے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا تو مائرہ نے دوسرا سوال کرتے ہو پوچھا

''کیا آپ کا فرض نہیں بنتا کہ اس مظلوم کی مدد کریں، اس کا شوہر قتل ہوا ہے جو اس کا اور اسے خاندان کا واحد سہارا تھا؟ اور اگر آپ چاہتے ہیں کہ اس خاتون کا شوہر قتل ہوا ہے، اسے جلد از جلد انصاف ملے۔ انصاف کے حصول کے لیے آپ اس خاتون کی کیا مدد کریں گے؟''

''سچی بات تو یہ ہے یہ خاتون ابھی تک میرے پاس نہیں آئی۔ میں نے بھی آپ ہی کی طرح سنا ہے، اور اس کے لیے میں قسمت نگر تھانے میں آیا ہوں۔ جہاں تک مجھ سے ہو سکا، اسے انصاف کے حصول میں مدد دینے کے لیے میں پوری کوشش کروں گا۔ اور جیسی یہ مجھ سے مدد چاہے گی میں اسے دوں گا۔'' ملک نعیم نے کہا تو مائرہ نے پوچھا

''کیا آپ ایسا صرف اس لیے کریں گے کہ اس میں آپ کے سیاسی مخالف چوہدری جلال کے بیٹے کا نام ملزم کے طور پر آ رہا ہے؟''

''وہ میرا سیاسی مخالف ہے، میں یہ مانتا ہوں لیکن جرم تو جرم ہے وہ جس نے بھی کیا ہے، اسے سزا ضرور ملنی چاہیے۔ میں آپ میڈیا سے بھی اپیل کروں گا کہ آپ بھی مجرموں تک پہنچنے میں مدد دیں۔ میں اس خاتون کو اس کا حق دلانے کا اعلان کرتا ہوں۔''

ملک نعیم نے ایک عزم سے کہا تو مائرہ نے اگلا سوال کیا

''کیا آپ کا یہ اعلان محض سیاسی لوگوں کے بیان کی طرح ہوگا یا آپ اس بارے پیش رفت بھی کریں گے؟''

''اگر آپ یہ کہنا چاہ رہی ہیں کہ ملزم کوئی سیاسی اثر ورسوخ استعمال کر کے بچ جائیں گے تو ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ ملزم جتنا بھی طاقتور ہوگا، اسے قانون کی گرفت میں لانے کے لیے میں بھرپور مدد کروں گا۔ یہ میرا وعدہ رہا آپ یقین رکھیں کہ یہ سیاسی وعدہ نہیں ہوگا۔'' ملک

نعیم کے اتنا کہنے پر مائرہ نے کیمرے کو اشارہ کیا تو اس کے ساتھ ہی کیمرہ بند کر دیا گیا۔

''بہت شکریہ ملک صاحب۔اب ہم چلتے ہیں۔'' مائرہ نے اخلاقاً کہا تو ملک نعیم نے کہا

''نہیں آپ چلیں گھر، کھانا کھا کر جائیں گے۔آئیں آپ سب۔''

''بہت شکریہ ملک صاحب، پھر کبھی سہی، اس وقت ہمیں رپورٹ مکمل کرنے قسمت نگر جانا ہے۔''

''جیسے آپ کی مرضی۔'' اس نے کہا اور تھانے کے اندر چلا گیا۔اس دوران مائرہ اپنے چینل کے لوگوں کے ساتھ گاڑی کی طرف جاتے ہیں اور قریب کھڑے فہد سے بولی

''آؤ چلیں۔''

''چلو۔'' فہد نے کہا اور اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا۔سراج ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ چکا تھا۔اس کے ساتھ دوسرے بھی جانے کو تیار تھے۔مائرہ نے حسرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔گاڑیاں آگے پیچھے قسمت نگر کی جانب روانہ ہو گئی۔

❁......❁......❁

حویلی کے کاریڈور میں چوہدری جلال انتظار کرنے کے سے انداز میں ٹہل رہا تھا۔اتنے میں منشی فضل دین آ گیا تو چوہدری اس کی جانب متوجہ ہو گیا۔منشی بڑے مودب انداز میں بولا

''چوہدری صاحب۔!وہ نذیرے کی بیوہ صفیہ......وہ فہد کے ساتھ تھانے کی طرف گئی ہے۔ایف آئی آر لکھوانے۔اس کے ساتھ گاؤں کے کچھ لوگ بھی ہیں۔''

''مگر۔!تم تو کہہ رہے تھے کہ نعمت علی ان سب کو لے کر یہاں سے چلا جائے گا؟''

چوہدری جلال نے ماتھے پر تیوریاں ڈال کے پوچھا تو منشی بولا

''اس نے تو مجھے یہی کہا تھا۔لیکن صفیہ نے اپنے شوہر کا بدلہ لینے کا گاؤں کے چوک میں اعلان کیا ہے۔اور وہ خود گئی ہے فہد کے پاس، وہ اسے لے کر تھانے کی طرف چلا گیا ہے۔''

''چل یہ شوق بھی پورا کر لیں۔ان کے دل میں کوئی حسرت نہ رہ جائے۔میں تو انہیں بہت کچھ دے دینا چاہتا تھا۔تم ایسے کرو۔فون کر کے انسپکٹر کو ساری بات سمجھا دو، ایف آئی آر درج نہیں ہونی چاہئے۔چاہے کچھ بھی ہو جائے۔میں اتنے میں دیکھ لیتا ہوں۔''

چوہدری جلال نے کہا تو منشی تیزی بولا

''جی، وہ میں کہہ دیتا ہوں۔کیا یہ بات میں وکیل صاحب کو بھی بتا دوں۔''

''ہاں۔!اسے بھی بتا دو۔انسپکٹر سے کہو کہ وہ صفیہ وغیرہ کو الگ لے جا کر بات کرلے۔فی الحال انہیں ٹال دے، پھر بعد میں دیکھتے ہیں۔لگتا ہے یہ عورت ایسے نہیں سمجھنے والی۔'' چوہدری جلال نے غصے میں کہا

''اصل میں اسے سمجھانے والا ہی تو اس کے ساتھ ہے۔ اگر وہ اس کا ساتھ نہ دے تو اس عورت کی کیا جرات کہ وہ تھانے کا رخ کرے۔ پہلے کبھی ایسا ہوا ہے؟'' منشی نے تبصرہ کیا

''منشی۔! میں بھی سمجھ رہا ہوں کہ فہد اصل میں کیا چاہتا ہے۔ ابھی اس معاملے میں دیکھوں گا، وہ کرتا کیا ہے۔ پھر اس کا پتہ صاف کرنا ہی پڑے گا۔ خیر۔! تم سے جو کہا ہے وہ دیکھو، فون کرو میں آ کر اوپر بات کرتا ہوں۔''

''جی بہتر۔'' یہ کہہ کر منشی اندر کی جانب بڑھ گیا تو چوہدری بھی آہستہ قدموں سے اس کے پیچھے چل پڑا۔

منشی نے تھانے دار کو فون ملایا تا کہ اسے ہدایت دے سکے کہ چوہدری جلال کیا چاہتا ہے لیکن وہ تھانے میں نہیں تھا۔ تھانے کے منشی نے تمام روداد بتا دی۔ فون رکھ کر اس نے ایف آئی آر درج ہونے کے بارے میں چوہدری جلال کا بتایا تو وہ ایک دم سے پریشان ہو گیا۔ کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد کہا

''وہ اے ایس پی جعفر سے بات کراؤ۔''

چوہدری جلال کے چہرے پر پریشانی تھی۔ منشی فون ملا رہا تھا۔ رابطہ ہوتے ہی رسیور بڑھاتے ہوئے کہا

''یہ لیں چوہدری صاحب بات کریں۔''

''اے ایس پی جعفر۔! یہ کیا کر دیا ہے آپ کے انسپکٹر نے۔ ایف آئی آر درج کر دی۔ کیا اسے آپ نے سمجھایا نہیں تھا میری آپ سے تفصیلی بات ہو چکی ہے پھر بھی......'' چوہدری جلال نے دبے دبے غصے میں کہا

''جی۔! سمجھایا تو تھا اسے لیکن میڈیا کے سامنے وہ کیا کر سکتا تھا۔ اسے ایف آئی آر درج کرنا پڑی۔ یعنی شاہد بھی تو ان کے ساتھ تھا۔ وہ تو کیا، میں خود کو بے بسی محسوس کر رہا ہوں۔'' جعفر نے جواب دیا

''تم جانتے ہو کہ میں نے تمہیں بتایا تھا کہ یہ سب سیاسی مخالفت میں ہو رہا ہے۔ یہ اچھا نہیں ہوا اے ایس پی۔'' چوہدری جلال نے دھمکاتے ہوئے کہا تو وہ بولا

''یہ اچھا ہوا ہے یا برا، میں نہیں جانتا۔ میں تو نیا آیا ہوں چوہدری صاحب۔! میں کیا کر سکتا ہوں۔ یہ سب پریس کی وجہ سے ہوا ہے۔ سارا معاملہ آپ کے سامنے ہے۔''

''لیکن آپ اس بات کا تو خیال کریں نا کہ ہمیں خواہ مخواہ پھنسایا جا رہا ہے۔ کل جب اوپر سے حکم آیا تو آپ ہی پر دباؤ آئے گا۔'' چوہدری جلال نے دھمکایا تو جعفر بولا

''میں نے کوئی غیر قانونی کام نہیں کیا، میں کہاں تک قتل چھپا سکوں گا۔ اگر آپ کے بیٹے نے قتل نہیں کیا تو یقین رکھیں، اسے کچھ نہیں ہوگا لیکن اگر اس نے واقعی قتل کیا ہے تو اسے کوئی قانون کی گرفت سے نہیں بچا سکتا، نہ آپ کی سیاست، نہ آپ کی دولت اور نہ اثر و رسوخ۔ ایک عام آدمی اور آپ میرے لئے برابر ہیں۔''

چوہدری جلال کی انا پر یہ لفظ بجلی بن کر گرے۔ اسے یہ گمان ہی نہیں تھا کہ ایک آفیسر اسے یوں جواب دے گا۔ اس لئے غصے بھرے رعب سے بولا

''وہ میں جانتا ہوں کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ آپ ہمارے لیے کیا کر سکتے ہیں؟''

''اب تو سارا معاملہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ کسی طرح اس خاتون کو منالیں۔ صلح تو کرنی پڑے گی پھر دیکھتے ہیں، کیا ہو سکتا ہے۔'' جعفر نے سکون سے کہا

''آپ سے کچھ نہیں ہوگا، اب میں کر کے دکھاتا ہوں۔''

چوہدری جلال نے غصے میں فون منشی کو تھما دیا۔ پہلی بار اسے اپنے لہجے کے کھوکھلے پن کا احساس ہوا تھا۔

چوہدری جلال نے کچھ دیر سوچا اور پھر اچانک بولا

''اوئے منشی۔ وکیل کے آنے سے پہلے، جس طرح بھی ہو سکے، وہ چاچے سوہنے کو لے آؤ۔ اس کا بیٹا ہی ہے نا چشم دید گواہ، میری بات سمجھ رہے ہونا۔''

''جی میں سمجھ گیا۔ ابھی گیا۔'' منشی نے کہا اور تیزی سے باہر کی جانب چل دیا۔

چوراہے میں پہنچ کر منشی نے دور ہی دیکھ لیا، چاچا سوہنا زمین پر بچھی چادر پر بنی کنکوری کھیل رہا تھا۔ اس نے گاڑی وہیں رکوا دی۔ پھر اتر کر سیدھا چاچے سوہنے کے پاس چلا گیا۔ سب کو نظر انداز کر کے اس نے چاچے سوہنے سے سلام کیا تو چاچے سوہنے نے منشی کی طرف حیرت سے دیکھ کر پوچھا

''خیر تو ہے نا منشی۔ ! بڑی تیزی میں آئے ہو۔''

''خیر تو تیرے پتر کی نہیں ہے جو نکے چوہدری کے خلاف گوائیاں دیتا پھرتا ہے۔ کدھر ہے وہ......'' منشی نے بڑے رعب سے کہا تو چاچا سوہنا بولا

''ساری خیریں اسی کی طرف سے ہیں منشی۔ جس نے پیدا کیا ہے اور رہی بات میرے پتر کی گواہی کی، میں اس کے معاملے میں دخل نہیں دیتا جو اس کا دل چاہئے کرے۔''

''تو جانتا ہے کہ تو کیسی بات کر رہا ہے۔ تیرے جیسے کمی کمینوں کی ہمت یہ ہونے لگی کہ اب وہ چوہدریوں کے خلاف گواہیاں دیتے پھریں، سنو۔ ! چاہے اس کے معاملے میں دخل دیتے ہو یا نہیں۔ ابھی میرے ساتھ چلو اور چوہدری صاحب کو یہی بات بتادو۔'' منشی نے کہا

''مجھے کیا لینا دینا تیرے چوہدیوں سے، میں کیوں جاؤں۔'' چاچا سوہنا بولا

''دیکھ سوہنے۔ ! ابھی میں آیا ہوں۔ یہ نہ ہو کہ پہلے کی طرح اب تجھے بندے ہی اٹھا کر لے جائیں۔''

''بات سن اوئے منشی۔ ! پہلے کی بات اور تھی، اب ہمارا بندوبست ہے۔ ہم کمی کمین تو پہلے ہی مرے ہوئے ہیں، یہ نہ ہو کہ تجھے یا

تیرے چوہدری کو لے کر مر جائیں۔" چاچا سوہنا تلخی سے بولا تو منشی نے کافی حد تک نرم پڑتے ہوئے کہا

"لیکن چوہدری صاحب کے پاس تو جانا ہی پڑے گا۔"

"کیوں، جانا پڑے گا؟" چاچے سوہنے نے اکتاتے ہوئے کہا تو منشی نے تاک لیا کہ چاچا سوہنا جھے سے اکھڑ گیا ہے۔اب جتنی اس سے بات کی تو یہ چوراہے میں بیٹھ کر ان کی بے عزتی ہی کرتا رہے گا۔اس نے سوچا کہ اس سے تو بعد میں بھی نپٹا جا سکتا ہے۔اس لئے فوراً پینترا بدلتے ہوئے بولا

"لیکن اپنے پتر کو خود ہی سمجھا دو۔ورنہ ہمارا سمجھایا بہت برا ہوگا۔"

"میں کہہ دوں گا اسے۔" چاچا سوہنا نے لاپرواہی سے جواب دیا تو منشی بولا

"تمہیں کہنا ہوگا اور وہ جو فہد کے ساتھ گھومتا پھرتا ہے نا، وہ زیادہ دن گھوم پھر نہیں سکے گا۔یہ بھی اسے سمجھا دینا۔

"یار منشی۔!اتنی تلخ زبان کیوں استعمال کرتے ہو۔تو نے بتا دیا میں اسے کہہ دوں گا۔اب جاؤ، مجھے یہ چال چلنی ہے۔" چاچا سوہنا بولا اور پھر کھیلتے ہوئے زور سے چال چلی۔منشی چند لمحے تک اس کی طرف دیکھتا رہا پھر پلٹ کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔چاچے سوہنے نے اس کی طرف دھیان ہی نہیں دیا۔

منشی واپس حویلی پلٹا تو چوہدری جلال کے پاس وکیل بیٹھا ہوا کاغذات نکال رہا تھا۔چوہدری جلال اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔منشی ان کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔تبھی وکیل نے کاغذات بڑھاتے ہوئے کہا

"چوہدری صاحب۔اچھوٹے چوہدری کی ضمانت قبل از گرفتاری ہو گئی ہے۔جس طرح ہوئی ہے، یہ میں جانتا ہوں۔ویسے آپ بھی بے خبر نہیں ہیں۔"

چوہدری جلال نے وہ کاغذات پکڑ کر ایک طرف رکھتے ہوئے پوچھا

"سارا معاملہ آپ کے سامنے ہے،اس صورت حال میں آپ کیا مشورہ دیتے ہیں۔آگے کیا ہوگا؟"

"آگے کیا ہوگا؟اس کا فیصلہ ابھی نہیں کیا جا سکتا۔"

وکیل نے سوچتے ہوئے جواب دیا تو چوہدری جلال نے تشویش سے پوچھا

"کیوں؟ کیس بھی آپ ہی لڑیں گے۔اپنی مدد کے لیئے جتنے چاہیں وکیل اپنے ساتھ لے لیں۔"

"بات یہ نہیں ہے چوہدری صاحب۔امیرا نہیں خیال کہ ہم یہ کیس زیادہ لمبا لے جا سکیں گے۔سیاست میں اب وہ طریقے نہیں رہے کہ آپ دھونس دھاندلی یا جبر سے عوام پر حکمرانی کر سکیں۔آپ جانتے ہیں کہ ملک نعیم نے پریس کانفرنس کر کے اس عورت کی بھرپور مدد کا اعلان کر دیا ہے۔کیونکہ بقول آپ کے کہ وہ اب متحرک ہو گیا ہے اور سیاسی معاملات میں دلچسپی لے رہا ہے، وہ اب اس کیس میں دلچسپی لے گا۔کیوں لے گا یہ بھی آپ جانتے ہیں۔وہ میڈیا میں اس معاملے کو اچھالے گا۔اور......"

وکیل نے صورت حال کو تفصیل سے بتانا چاہا تو چوہدری جلال نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا

''کچھ بھی ہو وکیل صاحب۔! ابھی ایک زمانے تک سیاست کا یہی طریقہ رائج رہے گا۔ سیاسی پارٹیاں کہاں ان چھوٹے موٹے سیاست دانوں کو آگے لے کر آتی ہیں۔ اور پھر اختیار کن لوگوں کے پاس ہے۔ یہ آپ کو اچھی طرح معلوم ہے۔ ایف آئی آر کے لئے کتنے لوگوں نے زور لگایا اور ضمانت یونہی ہو گئی۔ یہ بات بھی سمجھیں آپ۔ ابھی کچھ نہیں بدلہ، اختیار جہاں پہلے تھے اب بھی وہیں ہے، عوام تو پاگل ہے جو تبدیلی کی باتیں کرتے نہیں تھکتی اور لیڈر انہیں بے وقوف بنا رہے ہیں۔ سب چل رہا ہے۔''

''لیکن یہ دیکھیں کہ اس عورت کو حمایت مل گئی۔ پہلے ایسا نہیں ہوتا تھا'' وکیل نے اسے جواباً کہا تو چوہدری جلال نے مسکراتے ہوئے کہا

''او وکیل صاحب۔! آپ جس ماحول کی بات کر رہے ہیں۔ وہاں لوگ دال روٹی کے چکر سے نکلیں گے تو سوچیں گے۔ ماضی میں کتنے بڑے بڑے جلوس نکلا کرتے تھے۔ اب کیوں نہیں۔ لوگوں کو روٹی کے جھمیلے سے فرصت ہی نہیں۔ وہ کیا سڑکوں پر آئیں گے۔ ہم نے اس بے وقوف عوام کو کر ہی ایسا دیا ہے۔''

''مگر ایسے ہی حالات انقلاب کو جنم دیتے ہیں۔ عظیم تبدیلی آتی ہے۔ خیر۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر بتایا ہے کہ ملک نعیم اس پوزیشن میں ہے کہ وہ سیاسی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اور پھر آپ فہد کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ سو اس معاملے کا حل صلح کے علاوہ اور کچھ نہیں۔'' وکیل نے صاف گوئی سے کہا تو چوہدری جلال نے بھڑک کر کہا

''کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟ میں اور صلح کروں؟''

''جتنی جلدی صلح ہو جائے گی۔ یہ معاملہ اتنی جلدی دب جائے گا۔ مخالفین بھی سیاسی فائدہ نہیں اٹھا پائیں گے۔ معاملہ بہر حال صلح پر ہی ختم ہوگا۔ اس کے لیے کوشش کریں۔'' وکیل نے تحمل سے کہا

''وکیل صاحب۔! آپ تو خوامخواہ گھبرا رہے ہیں حالات ایسے بھی نہیں ہیں۔ آپ کیس کی تیاری کریں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' چوہدری جلال نے لاپرواہی سے کہا تو وکیل سر ہلاتے ہوئے بولا

''آپ کی مرضی ہے چوہدری صاحب۔! میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ اب کیس چلے گا تو ہم دیکھیں گے کہ کیا کرنا ہے۔ اب مجھے اجازت۔''

''ہاں ٹھیک ہے۔'' چوہدری جلال نے کہا تو وکیل ہاتھ ملاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ چلا گیا تو، چوہدری بھی کھڑا ہوا اور منشی نے چوراہے میں ہونے والی بات بتا دی۔ جس سے اس کی تیوریوں پر بل پڑے، اگلے ہی لمحے وہ نارمل ہوتا ہوا بولا

''ٹھیک ہے منشی، اور کچھ کہنا ہے؟''

''چوہدری صاحب۔!وہ عورت اب فہد کی بات مان رہی ہے۔یہ صلح ہے تو مشکل لیکن ناممکن نہیں ہے۔صفیہ کو منایا جا سکتا ہے۔''

''جس طرح بھی ہو۔اب یہ معاملہ ختم ہونا چاہئے۔''

چوہدری جلال نے اکتاتے ہوئے کہا تو منشی نے جلدی سے کہا

''آپ فکر نہ کریں۔''

یہ کہہ کر وہ اندر کی جانب گیا۔جبکہ دوسری طرف بشریٰ بیگم کا افسردہ چہرے کے ساتھ ان کی باتیں سن چکی تھی۔وہ اپنے بیٹے کے لئے کچھ اور ہی سوچ رہی۔ایک ماں ہونے کے ناطے اس کی سوچ کچھ اور ہی تھی۔

ایسے وقت میں چوہدری کبیر اپنے ڈیرے پر بیٹھا ٹیلی وژن دیکھ رہا ہے۔تبھی ماکھا لنگڑاتا ہوا اندر آیا تو اس کی طرف متوجہ ہو کر چوہدری کبیر نے ٹی وی کی آواز کم کرتے ہوئے پوچھا

''ہاں بولو۔!کوئی پتہ چلا؟''

''جی چوہدری صاحب۔!وہ بات سچی ہے۔جو صفیہ نے گاؤں کے چوک میں فہد سے کہی تھی۔'' ماکھے نے جواب دیا تو چوہدری کبیر نے پوچھا

''تمہارا مطلب ہے صفیہ جو اپنی فریاد لے کر فہد کے پاس گئی تھی، اسے سلمیٰ نے بھیجا تھا؟ اس کے کہنے پر وہ فہد کے پاس گئی تھی۔''

''جی چوہدری صاحب۔!بالکل ایسا ہی ہوا ہے۔میں نے تصدیق کر لی ہے۔'' ماکھے نے بتایا

''صفیہ کی ایک ہی دن میں اتنی ہمت نہیں ہو سکتی کہ وہ میرے خلاف پرچہ کٹوانے تھانے چل پڑے۔سلمیٰ نے ہی اس کا ذہن میں آگ بھری ہے۔'' چوہدری کبیر نے خود کلامی کے سے انداز میں کہا

''جی وہ اس سے برابر ملتی رہی ہے۔اور اب بھی اس کے پاس جاتی ہے۔'' ماکھا تیزی سے بولا

''تو پھر اصل میں وہی میری دشمن ہوئی، جسے میں دل سے چاہتا ہوں۔پر کوئی بات نہیں، میں تو اسے بڑے پیار سے نظر انداز کرتا چلا آ رہا تھا، مگر مجھے لگتا ہے، اب اس کا بہت سارا خیال رکھنا پڑے گا۔'' چوہدری کبیر نے دانت پیستے ہوئے غصے میں کہا

''اصل وجہ تو فہد کا یہاں آنا ہے، اس کی وجہ سے سلمیٰ میں اتنا حوصلہ آ گیا ہے۔ورنہ پہلے تو اس نے کبھی اونچی آواز میں بات نہیں کی تھی کسی کے سامنے۔'' ماکھے نے کہا

''تم ٹھیک کہتے ہو۔فہد کے آنے ہی سے تو انہیں سانس لینا نصیب ہوا ہے مگر وہ فہد......وہ کب تک رہے گا۔وہ بھی تو، اب نہیں رہنے والا خیر۔!تم جاؤ۔!میں دیکھتا ہوں کیا کرنا ہوگا۔'' یہ کہہ کر اس نے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی کی آواز اونچی کرتے ہوئے ساری توجہ ٹی وی سکرین کی جانب کر لی۔ماکھا لمحہ بھر کھڑا رہا پھر باہر چلا گیا۔چوہدری کبیر کی نگاہیں تو ٹی وی اسکرین پر تھیں لیکن وہ کچھ اور سوچ رہا تھا۔

⁂

ماسٹر دین محمد عصر کی نماز پڑھ کر گھر آیا تو دالان میں پڑی چارپائی پر بیٹھ گیا۔ سلمٰی کچن میں بیٹھی کام کر رہی تھی۔ اس نے اپنے باپ کا چہرہ دیکھا تو اٹھ کر اس کے پاس آ کے بیٹھ گئی۔ پھر بڑے نرم سے انداز میں پوچھا

''ابا جی۔! آپ کچھ پریشان سے لگ رہے ہیں۔ کیا بات ہے؟ کیا ہوا؟''

ماسٹر دین محمد چند لمحے خاموش رہا پھر سلمٰی کی طرف دیکھ کر بولا

''صفیہ مدد لینے فہد کے پاس گئی، وہ اس کی مدد کرنے کو تیار ہو گیا ہے۔ کیا تو نے اسے فہد کے پاس بھیجا تھا۔''

''ہاں۔! میں نے اسے فہد کے پاس بھیجا تھا۔ میں نے اسے حوصلہ دیا ہے کہ وہ انصاف کے لیے کوشش کرے۔'' سلمٰی نے عزم سے کہا

''تم جانتی ہو۔ تمہارا یہ حوصلہ دینا ایک نئی جنگ کی بنیاد بن سکتا ہے۔ اس کا کیا نتیجہ ہو گا۔ یہ سوچا ہے تم نے؟'' ماسٹر دین محمد نے گہری سنجیدگی سے پوچھا تو سلمٰی بولی

''حد سے بڑھا ہوا خوف انسان کو دلیر بنا دیتا ہے۔ جنگ ہو گی یا امن رہے گا، میں اس کے بارے میں نہیں جانتی مگر یہ مجھے پتہ ہے کوئی تو ہو جو چوہدریوں کے سامنے کھڑا ہو اور اب وقت آ گیا ہے ابا جی۔''

''کیا تمہیں یہ سوچ فہد نے دی ہے۔ اس نے کہا تھا کہ صفیہ کو اسکے پاس بھیجیں؟'' ماسٹر دین محمد نے ایک خیال کے تحت پوچھا

''نہیں ابا جی۔! میں نے خود صفیہ سے کہا تھا۔ اس مظلوم عورت کا کوئی بھی ساتھ نہ دے، لیکن میں ضرور ساتھ دوں گی۔'' سلمٰی نے حتمی لہجے میں کہا

''تم کیا کر سکتی ہو، ساری زندگی ہم ......'' ماسٹر دین محمد اسے سمجھاتے ہوئے بولا تو وہ اس کی بات کاٹ کر بولی

''ان کا ظلم سہتے رہیں ہیں۔ ظلم اس وقت تک بڑھتا رہتا ہے جب تک کوئی اس کے سامنے ڈٹ نہیں جاتا۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ اب مجھے نہیں ڈرنا زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ وہ ہمیں مار دیں گے۔ لیکن ابا جی مجھے یہ بتائیں کہ پہلے ہم کون سے زندہ ہیں۔''

''اس کا مطلب ہے تم نے صفیہ کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔'' ماسٹر دین محمد نے پوچھا

''جی، میں اس کا ہر طرح سے ساتھ دوں گی۔''

وہ فیصلہ کن لہجے میں بولی تو ماسٹر دین محمد نے کہا

''جیسے تمہاری مرضی پتر! میں نے تو زندگی گذار لی۔''

''آپ فکر نہ کریں ابا جی، سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' سلمٰی نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا

''خیر۔ ادھر فہد اور صفیہ نور پور سے واپس آ گئے ہیں۔ ان کے ساتھ ایک صحافی لڑکی بھی ہے۔ مجھے پیغام ملا ہے کہ وہ فہد کے ساتھ ادھر آئیں گے۔'' ماسٹر دین محمد نے کہا تو سلمٰی چونک گئی۔

''جی، اچھا۔'' یہ کہتے ہوئے وہ اٹھ گئی۔ ماسٹر دین محمد اپنی سوچوں میں کھو گیا۔

زیادہ وقت نہیں گذرا کہ باہر ہارن کی آواز آئی۔

''لگتا ہے مہمان آ گئے ہیں۔'' ماسٹر دین محمد نے اونچی آواز میں کہا تو سلمٰی آنچل درست کرتے ہوئے اٹھ گئی

''جی، میں دیکھتی ہوں۔''

سلمٰی نے دروازہ کھولا۔ پہلے فہد اور پھر مائرہ اندر آ گئی۔ مائرہ نے گھر پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی، پھر سلمٰی کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ سلمٰی آگے بڑھ کر اسے ملی، پھر اسے ساتھ لے کر ماسٹر کے پاس آ گئی۔ ماسٹر دین محمد نے اس کے سر پہ پیار دیتے ہوئے کہا

''اچھا تو یہ بیٹی صحافی ہے، بیٹھو بیٹا۔''

مائرہ، ان کے قریب کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی

''سلمٰی آؤ نا تم بھی میرے پاس بیٹھو۔''

''میں آپ کے لیے کچھ لے آؤں، مطلب.....'' اس نے کہنا چاہا تو مائرہ اس کی بات کاٹ کر بولی

''او چھوڑو، ادھر فہد کے گھر سے بہت اچھی چائے پی کر آئی ہوں۔ اب دل نہیں کر رہا۔ کچھ دیر بعد تمہارے ہاتھ کا بنا ہوا کھانا کھاؤں گی۔ اور یہ تم کیا آپ جناب لے کر بیٹھ گئی ہو، ہم دوست ہیں یار۔''

''تو میں تمہارے لیے کھانے کا بندوبست کرتی ہوں۔'' سلمٰی نے کہا تو مائرہ بولی

''تم ادھر بیٹھو میں نے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں، کھانا بھی ہم بنا لیں گے۔'' سلمٰی بیٹھ گئی تو وہ ماسٹر دین محمد کی طرف دیکھ کر بولی

''اور سنائیں انکل''

''اللہ کا شکر ہے بیٹا لو تم لوگ باتیں کرو، میں ابھی آتا ہوں۔''

ماسٹر دین محمد نے کہا اور باہر نکلتا چلا گیا۔ تب فہد نے کہا

''سلمٰی، اب تم اپنے پراجیکٹ کے بارے میں بتاؤ یہ تمہاری بہت ہیلپ کرے گی۔''

''ہاں ہاں بتاؤ۔'' مائرہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، پھر کچھ دیر بعد وہ باتوں میں کھو گئیں۔

❁......❁......❁

فہد اپنے گھر داخل ہوا تو سراج اکیلا ہی صحن میں چارپائی پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ سامنے والی چارپائی آ کر بیٹھ گیا تو سراج نے پوچھا

''مہمان چلے گئے۔''

''ہاں چلے گئے۔ اور یار میں نے تم سے پوچھنا تھا کہ وہ موبائل فون ٹاور لگانے والوں سے تمہارا رابطہ ہو گیا تھا؟'' فہد نے پوچھا

''ہاں۔! وہ میرے ساتھ ویسا ہی معاہدہ کر گئے ہیں جیسے تم نے کہا تھا۔ انہوں نے اپنا کام بھی شروع کر دیا ہے۔ کہہ رہے تھے کہ

دنوں میں کام مکمل کرلیں گے۔" سراج نے جواباً کہا تو بولا

"چلوٹھیک ہے۔" پھرادھراُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا،" یہ چھاکا کدھر ہے؟"

اس سے پہلے کہ سراج جواب دیتا، ان کے پھاٹک پر دستک ہوئی اس کے ساتھ ہی انہیں عمر حیات آتا ہوا دکھائی دیا۔ اس نے آتے ہی سلام کیا اور آ کر ان کے قریب بیٹھ گیا۔ سراج نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا

"سناؤ چاچا عمر حیات کیا حال ہے، کیسے آنا ہوا؟

"میں ٹھیک ہوں پتر۔! اور میں آیا اس لیے ہوں کہ کل میں یہاں سے جا رہا ہوں۔کل اپنا زمینوں کا قبضہ لے لو۔" عمر حیات نے سکون سے کہا

"اتنی جلدی جا رہا ہے چاچا ابھی چند دن اور رہ لیتا۔" سراج نے اخلاقاً کہا تو وہ بولا

"کیا کرنا ہے رہ کر جب جانا ہے تو بس جانا ہے۔ میں نے کل پٹواری کو بلایا ہے۔تم بھی اپنے لوگوں کو لے آنا ممکن ہے چوہدری کوئی خرابی کرنے کی کوشش کرے۔"

عمر حیات نے تشویش سے کہا۔ اس پر فہد نے چونکتے ہوئے تحمل سے پوچھا

"چاچا۔! تمہیں یہ خیال کیوں آیا کہ وہ خرابی بھی کر سکتا ہے، اس کا ڈر کیوں ہے؟"

"دیکھو پتر، چوہدری نے تو آگے نہیں آنا، وہ تو بلہ شیری ہی دے گا نا۔ اس نے میرے بھائیوں کو آگے کرنا ہے۔ اور میرے بھائی پہلے ہی سے غصے میں ہیں۔ ایک تو میں نے اپنی بیٹی کا رشتہ انہیں نہیں دیا، دوسرا زمین ان کے ہاتھ سے نکل گئی ہے۔" عمر حیات نے وجہ بتادی

"ہاں چاچا، وہ تو اپنا غصہ نکالنے کی کوشش کریں گے۔ میرا خیال ہے وہ اب کچھ نہیں کرے گا۔"

فہد نے پریقین لہجے میں کہا تو سراج بولا

"فہد کے ذہن میں شاید نہ ہو لیکن میں نے اس کا بندوبست کرلیا ہوا ہے۔"

"چلو اچھا ہے، اللہ کرے وہ کچھ نہ ہی کریں تو بہتر ہے۔ پھر بھی تم لوگ اپنا دھیان رکھنا۔"

عمر حیات نے دعائیہ انداز میں کہا تو فہد بولا

"ہاں چاچا کیوں نہیں ہم اپنا پورا دھیان رکھیں گے۔"

"اچھا پتر۔اب میں چلتا ہوں، کل میں نے صرف زمین ہی تمہارے حوالے کرنی ہے، میں نے کل ہی یہاں سے چلے جانا ہے۔" یہ کہتے ہوئے عمر حیات اٹھنے لگا تو فہد جلدی سے بولا

"چاچا، ابھی بیٹھو، چائے تو پی لو۔"

"میں نے ابھی پی ہے۔ اور پھر کافی کام ہیں۔" یہ کہہ کر اس نے دونوں سے ہاتھ ملایا اور باہر کی جانب چلا گیا۔

"بولو۔! کیا کرنا ہے اب؟" سراج نے فہد کی طرف دیکھ کر پوچھا تو وہ بولا

"یہی۔! زمینوں کا قبضہ لیں گے اور کیا۔" اس پر سراج تھوڑا فکر مند ہو گیا جبکہ فہد کے چہرے پر سکون تھا۔

اگلی صبح وہ فہد چھاکا اور سراج ان زمینوں میں جا پہنچے، جو انہوں نے عمر حیات سے خریدی تھیں۔ وہاں پٹواری کے ساتھ اور کافی سارے لوگ تھے۔ کنواں پر درخت تلے بیٹھ کر پٹواری نے کاغذات تیار کیے جو اس نے دستخط اور انگوٹھوں کے بعد فہد کے حوالے کر دیئے۔ یہ مرحلہ امن اور صلح سے حل ہو گیا۔ کسی بندے نے بھی شرانگیزی نہیں۔ زمین کا قبضہ بخیر و عافیت ہو گیا۔ اسی وقت عمر حیات نے اپنے گھر کی چابی بھی اس کے حوالے کر دی۔ دعائے خیر ہوئی اور وہ سب وہاں سے آ گئے۔ چاچا عمر حیات بھی گاؤں چھوڑ کر چلا گیا۔

"تو پھر چاچا عمر حیات چلا گیا۔ وہ بھی ان چوہدریوں کا ستایا ہوا تھا۔ میرا نہیں خیال کہ اب وہ کبھی پلٹ کر یہاں آئے گا۔ آئے گا بھی کیوں؟" سلمٰی نے فہد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں دالان میں بیٹھے ہوئے تھے۔ فہد نے وہ کاغذات سلمٰی کو دے دیئے تھے۔

"ہاں۔! اگر اس نے یہاں آنا ہوتا تو وہ اپنا سب کچھ بیچ کر جاتا کیوں۔ لگتا ہے اس نے بھی بڑا صبر کیا ہے۔ سلمٰی، یہ بستیاں بھی محبت کے ساتھ بستی ہیں۔ یہ نفرت، یہ ظلم بستیوں کو ہی نہیں اجاڑتے۔ انسانوں کو بھی ایک دوسرے سے دور کر دیتے ہیں۔" فہد نے دکھ سے کہا تو سلمٰی بھی افسوس ناک لہجے میں بولی

"پتہ نہیں بے چارہ یہاں سے کتنا دکھی ہو کر گیا ہوگا۔"

"ہاں۔! زمین کا قبضہ دیتے وقت اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ اور پھر اس سے یہاں رہا نہیں گیا، فوراً چلا گیا۔" فہد نے وہ لمحات یاد کرتے ہوئے بتایا

"مجھے تو ڈر تھا کہ کہیں زمین کا قبضہ لیتے وقت چوہدری کے لوگ نہ مداخلت کر دیں۔ وہاں پھر سوائے لڑائی جھگڑے کے اور کیا ہونا تھا۔" سلمٰی نے تشویش زدہ لہجے میں کہا تو فہد بولا

"جب کوئی لڑائی جھگڑے کے لیے تل جائے تو پھر لڑنا بھی پڑتا ہے۔ لیکن مجھے نہیں لگتا کہ چوہدری اب مزید مجھ پر دھونس جمائے گا۔ اس نے اگر کچھ کرنا ہوتا تو اب تک کر چکا ہوتا۔"

"اس نے سکون تو برباد کیا ہوا ہے نا؟" سلمٰی نے نفرت سے کہا تو فہد مسکراتے ہوئے بولا

"کسی کا سکون چھین لینے والے پہلے خود بے سکون ہوتے ہیں۔ دراصل وہ اندر سے بہت زیادہ بزدل ہوتے ہیں۔ یہی بزدلی چھپانے کے لیے وہ کمزروں پر ہاتھ اٹھاتے رہتے ہیں۔ تاکہ دوسروں پر اپنا رعب دکھاتے رہیں۔ خیر۔! چھوڑو ان باتوں کو۔"

"تو پھر اور کیا باتیں کریں؟" سلمٰی نے مسکراتے ہوئے پوچھا تو فہد نے گہری سنجیدگی سے کہا

"چاچے عمر حیات کا گھر اب خالی ہو گیا ہے۔ اور تمہیں پتہ ہے نا کہ اب تم نے وہاں پر کیا کرنا ہے؟"

"میں جانتی ہوں کہ مجھے کیا کرنا ہے، وہ گھر اب فقط سکول ہی نہیں ہوگا۔ وہاں اور بہت سارے کام ہوں گے۔ آپ مجھے بتاتے

جائیں، میں کرتی چلی جاؤں گی۔اب اتنا حوصلہ آ گیا ہے مجھ میں۔''

سلمٰی نے عزم سے کہا تو فہد سمجھاتے ہوئے بولا

''تم اُسے اپنی ضرورت کے مطابق ٹھیک کروالو۔اس میں چند دن لگ جائیں گے پھر تم اپنا کام شروع کر دو۔''

''ہاں یہ ٹھیک ہے، ویسے پیپر ورک تو میں نے کب کا شروع کر دیا ہوا ہے۔''

''گڈ، مجھے تم سے یہی اُمید تھی۔اب میں نے کچھ کاغذات دیکھنے ہیں کمرے میں، تم ایک کپ چائے لے آؤ میرے لئے۔''

''جیسے آپ کی مرضی۔''سلمٰی نے کھڑا ہوتے ہوئے کہا۔تبھی فہد کھڑا ہوا اور باہر والے کمرے کی جانب چلا گیا۔سلمٰی اسے محبت پاش نگاہوں سے دیکھتی رہی۔

فہد کمرے میں موجود، سامنے پڑے کاغذات میں الجھا ہوا تھا۔سلمٰی کمرے میں آ کر چائے کا مگ اس کے سامنے رکھا اور خود ایک جانب ہو کر بیٹھ گئی۔فہد نے اس کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے پوچھا

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟''

''میں یہ دیکھ رہی ہوں کہ کیا میں آپ کی مدد کر سکتی ہوں۔''وہ بھی مسکراتے ہوئے بولی

''مدد۔!ان کاغذات کے بارے میں، یہ تو مختلف دستاویزات ہیں، تم انہیں سمجھ نہیں پاؤ گی۔یہ مجھے ہی دیکھنا ہوں گے، اگر کوئی اور بات ہے تو بتاؤ۔''فہد اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر بولا

''میں دراصل آپ سے ایک بات کرنا چاہ رہی تھی۔''اس نے ہولے سے کہا تو فہد نے سنجیدگی سے پوچھا

''بات، بولو۔کیا بات ہے؟''

''میں وہ دراصل صفیہ کے بارے میں بات کرنا چاہتی ہوں اس بے چاری کا کیا ہوگا؟ ایف آئی آر تو درج ہو گئی۔لیکن کیا اسے انصاف مل سکے گا؟''سلمٰی نے پوچھا

''کیوں نہیں ملے گا اسے انصاف، ملے گا اور ضرور ملے گا۔اصل میں ہم لوگوں سے اُمید لگا بیٹھتے ہیں کہ شاید وہ ہمیں انصاف دیں گے مگر اسے بھول جاتے ہیں جو حقیقی منصف ہے۔وہ سب دیکھ رہا ہے، بس ظالم کی رسی دراز کر دیتا ہے۔''فہد نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا

''لیکن وہ صفیہ وہ تو مایوس ہو رہی ہے نا، اسے حوصلہ تو میں اور آپ ہی دیں گے نا۔''سلمٰی نے یاد دلایا

''بے شک۔!انسان ہی ایک دوسرے انسان کے لیے وسیلہ ثابت ہوتے ہیں۔ظاہر ہے اسے انصاف ملنے میں کچھ وقت تو لگے گا نا۔''فہد نے کہا

''اور وقت کا کوئی اندازہ نہیں ہے کہ کب تک۔وہ بیوہ ہو چکی ہے اس کے بچے ہیں۔وہ ان کی روزی روٹی پوری کرے گی یا

انصاف کے لیے عدالتوں میں دھکے کھاتے پھرے گی؟ ایسا نظام کیوں نہیں بن جاتا، جہاں ہر شخص کو تحفظ کا احساس ہو اور اگر کوئی ظالم ظلم کرے تو اسے فوراً سزا مل جائے۔'' سلمیٰ کے لہجے میں گویا آگ بھری ہوئی تھی، جس پر فہد نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے تحمل سے کہا

''یہی سسٹم ہی تو ہے۔ جس نے ان ظالموں کو بہت طاقتور بنا دیا ہوا ہے۔ اور عوام ظلم پر ظلم سہتے چلے جا رہے ہیں۔ اسی سسٹم ہی کو بدلنا ہے۔''

''کیسے بدلے گا یہ سسٹم؟'' سلمیٰ نے بے صبری سے پوچھا تو فہد بولا

''عوامی طاقت سے، اگر ہم جمہوریت چاہتے ہیں تو عوام کا شعور ہی اس سسٹم کو بدل سکتا ہے ورنہ......''

''ورنہ۔! ہم ایسے ہی ظلم سہتے رہیں گے۔'' سلمیٰ نے اس کی بات کاٹ کر کہا

''نہیں۔! اب وقت بدل گیا ہے سلمیٰ۔! سسٹم پہلے ذہن میں بدلتا ہے۔ پھر اس کے مطابق عمل ہوتا ہے۔ عوام کو یہ شعور آ جائے کہ انہوں نے اپنا حق کیسے لینا ہے تو سب بدل جائے گا۔ تم فکر نہ کرو سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' فہد نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا

''مجھ سے تو اس بے چاری کا دکھ نہیں دیکھا جاتا۔ مجھ سے جو ہو سکا میں اس کی ہر طرح سے مدد کروں گی۔ اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔'' سلمیٰ نے گلوگیر لہجے میں کہا تو فہد بولا

''تم کیا سمجھتی ہو۔! کیا میں تمہارے اس دکھ سے واقف نہیں ہوں۔ میرے بھی وہی جذبات ہیں۔ جو تمہارے ہیں۔ کیا تم نہیں جانتی ہو کہ اب ہمارے دکھ سکھ سانجھے ہیں؟''

''جانتی ہوں۔! اسی لیے تو پورے حوصلے کے ساتھ صفیہ کی مدد کر رہی ہوں۔ میں اسے انصاف دلا کر ہی رہوں گی۔'' سلمیٰ نے عزم سے کہا

''بس تمہارا یہی اعتماد مجھے حوصلہ دیتا ہے۔ جو اب میری اصل طاقت ہے۔ ہم دونوں مل کر یہی عوامی شعور دیں گے۔'' فہد نے اسے محبت پاش نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ جس پر سلمیٰ شرما گئی اور وہاں سے اٹھ کر باہر چلی گئی۔ فہد مسکراتے ہوئے اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ وہ سلمیٰ کے حوصلے پر خوش تھا۔

❁......❁......❁

شام کے سائے رات میں ڈھل چکے تھے۔ جعفر اپنے آفس میں تھا۔ اس کے ساتھ مائرہ تھی۔ دونوں آفس آمنے سامنے بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ جعفر نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا

''ہو گئی رپورٹنگ تمہاری؟''

''ہاں ہو گئی۔'' مائرہ نے دھیمے سے کہا اور پھر لمحہ بھر بعد میں بولی ''جعفر۔! زندگی میں اتنی گھٹن کہاں سے آ جاتی ہے؟ سانس لیتے ہوئے بھی اتنی مشکل ہو جاتی ہے دل کرتا ہے کہ سانس ہی نہ لیا جائے۔''

جعفر نے چونک کر اسے دیکھا اور پوچھا

''مائرہ۔! اتنی مایوسی؟ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ کیوں ایسا فضول سوچ رہی ہو؟''

''یہ فضول سوچیں نہیں ہیں۔ میرے حالات کا وہ دیا ہوا تاثر ہے۔ جسے میں بڑی شدت سے محسوس کر رہی ہوں۔'' اس نے جواب دیا تو جعفر بولا

''لیکن مجھے یوں لگ رہا ہے کہ تمہیں آرام کرنے کی ضرورت ہے۔ دن رات کام کر کے تم تھک چکی ہو اتنی محنت نہیں کرتے۔ جس سے بندہ مایوس ہو جائے۔''

''تم نہیں سمجھ سکو گے جعفر اور سمجھ سکتے بھی نہیں ہو۔'' مائرہ نے حسرت بھرے انداز کہا تو جعفر مسکراتے ہوئے بولا

''کیوں، میں کیوں نہیں سمجھ سکتا؟ حالانکہ تم خود مجھے ذہین قرار دے چکی ہو۔''

''پھر بھی تم نہیں سمجھ سکتے۔'' وہ ایک دم سے بدلی ہوئے لہجے میں بولی۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ بات بدل گئی ہے۔ جعفر نے یونہی ضد کرتے ہوئے کہا

''چلو بتاؤ۔ کیوں، میں کیوں نہیں سمجھ سکتا؟''

''ایک عورت کیا سوچتی ہے اور کیسے سوچتی ہے۔ کیا تم ایسا سوچ سکتے ہو۔ اگر تم ایسا دعویٰ کرو تو میرے خیال میں تمہارے مردپن پر......'' مائرہ کہتے ہوئے ایک دم سے رک گئی اور پھر مسکرا دی۔ جعفر نے تیزی سے پوچھا

''یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟''

''اسی لئے کہہ رہی ہو ہر بات بحث کے لئے نہیں ہوتی۔'' وہ کہتے ہوئے ہنس دی تو جعفر بولا

''لگتا ہے آج کل تمہارے ساتھ کوئی پرابلم چل رہا ہے اگر میں کوئی مدد کر سکوں تو بتاؤ۔ رئیلی۔! میں بندہ بڑا مخلص ہوں اور......''

''تمہیں کس نے کہہ دیا ہے کہ میرے ساتھ کوئی پرابلم چل رہا ہے یونہی بس تم تو۔'' مائرہ نے کہا اور بات ہوا میں اڑا دی جیسے کچھ بھی نہ ہوا ہو۔

''کسی کو بتانے کی کیا ضرورت ہے مائرہ۔ تمہاری یہ آواز چیخ چیخ کر کہہ رہی ہے۔ اس پر تمہارا یہ کھویا ہوا لہجہ کسی بھی بات کا ٹھیک طرح سے جواب نہیں دینا۔ اور تمہارے چہرے کی اڑی ہوئی رنگت۔ اسے میں کیا کہوں؟'' جعفر نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ اس پر مائرہ اعتراف کرنے کے سے انداز میں بولی

''تم ٹھیک کہتے ہو اور تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میں ایسی کیوں ہو گئی ہوں، میں فہد کو نہیں بھلا پا رہی ہوں۔'' اس کے یوں کہنے پر جعفر کے چہرے پر حسرت بھرا تاثر پھیل گیا۔ تبھی وہ خود پر قابو پاتے ہوئے بولا

''اوکے۔ تم کچھ بھی مت سوچو، اب ایسے کرو کچھ دیر آرام کر لو، پھر ہم قسمت نگر چلتے ہیں اور فہد سے جا کر ملتے ہیں۔ خوب گپ......''

''نہیں، مجھے آج ہی واپس جانا ہے۔ مجھے رپورٹ تیار کرنی ہے اسے ان ایئر بھی جانا ہے۔ میں کام سے آئی ہوں یونہی سیر کے لیئے نہیں۔ میں ابھی کچھ دیر بعد نکلوں گی، اور سفر بہت لمبا ہے۔ سلمیٰ اور ماسٹر جی سے مل آئی ہوں۔ دونوں بہت اچھے ہیں۔'' اس نے یوں کہا جیسے وہ دل کچھ اور چاہ رہی ہو لیکن اس کی زبان پر کچھ اور ہو۔ جعفر چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ مائرہ نے نگاہیں چرالیں تو وہ بولا

''او کے، جیسا تم چاہو لیکن ذرا سا آرام کرلو، پھر کھانا وغیرہ کھا کر نکل جانا۔''

''او کے، چلو۔'' مائرہ نے افسردہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور اٹھ گئی۔ تو جعفر بھی اٹھ گیا۔ دونوں ہی اپنے اپنے طور پر بہت کچھ سوچ رہے تھے، مگر اظہار کی ہمت نہیں پا رہے تھے۔

مائرہ چلی گئی تو جعفر کو اپنے اکیلے پن سے بے چینی ہونے لگی۔ اس وقت اسے پتہ چلا کہ مائرہ اس کے لئے کتنی اہم ہے۔ چاہئے وہ اس کی محبت کا اعتراف نہیں کرتی بلکہ فہد کی محبت کا دم بھرتی ہے لیکن اس کی قربت ہی سے امید بندھی ہوئی تھی۔ جعفر سے بیٹھا نہیں گیا۔ بلکہ اٹھ کر چل دیا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ فہد کے پاس جائے اور اس سے بہت ساری باتیں کرے۔ مگر حالات نے یہ مجبوری ان کے درمیان لا کھڑی کی تھی۔ وہ ملک نعیم کی طرف نکل گیا۔ اس وقت جعفر بغیر یونیفارم کے تھا۔

ملک نعیم گھر پر ہی تھا۔ یوں اچانک اسے دیکھ کر وہ پہلے تو کچھ بھی نہ سمجھا۔ ذرا دیر بعد وہ دونوں کاریڈور میں کرسیاں بچھائے بیٹھے ہوئے تھے۔ دھیمی روشنی تھی۔ وہ دونوں باتیں کر رہے تھے۔ جعفر نے مسکراتے ہوئے اس سے کہا

''ملک صاحب میں یوں خاموشی سے اس لیے آپ کے پاس آیا ہوں کہ پولیس والا اگر اپنے کسی نجی کام کے لیے بھی کسی کے پاس چلا جائے تو لوگ سو طرح کی باتیں بناتے ہیں۔''

اس پر ملک نعیم نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا

''آپ کا اپنا گھر ہے جیسے مرضی ملنے کے لیے آئیں۔'' یہ کہہ کر اس نے خوشگوار حیرت سے کہا،'' وہ آپ کی دوست رپورٹر کافی تیز ہے۔ اس نے خبر کے ساتھ میری پریس کانفرنس بھی چلا دی۔ حالانکہ وہ ابھی یہیں تھی۔''

''انٹرنیٹ کا زمانہ ہے۔ اس نے ابتدائی خبر بھیج دی تھی۔ ابھی تفصیلی رپورٹ بعد میں آئے گی۔ ویسے میں ٹی وی پر آپ کی پریس کانفرنس دیکھی ہے اور اس کا بڑا اثر بھی ہوا ہے۔ مجھے اوپر سے کافی کہا جا رہا ہے کہ میں پوری دیانتداری سے اس معاملے کو دیکھوں۔ اور کچھ دھمکیاں بھی مل رہی ہیں۔ بتانا میں چاہ رہا ہوں کہ چوہدری کی دسترس جہاں تک بھی ہے، اب میری راہ میں وہ رکاوٹ نہیں۔ مجھے خوف نہیں۔'' جعفر نے کہا تو ملک نعیم بولا

''خوف تو مجھے بھی نہیں ہے۔ لیکن وہ کب اور کیا سازش کرلیں اس کا تو اندازہ نہیں ہے نا؟''

''میں مانتا ہوں کہ آج وہ طاقتور ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ہمیشہ ہی ایسا رہے گا۔ اسے اسی کے میدان میں شکست دینا ہوگی۔ جس میں وہ دوسروں کو شکست دینا چاہتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں اس بات کو۔ خیر میری ایک تجویز ہے آپ کے لیے۔'' جعفر نے کہا

''جی فرمائیں۔'' ملک نعیم بولا

''آپ نے فہد کے بارے میں تو سنا ہوگا؟ جو قسمت نگر میں رہتا ہے اور اس کی.....''

وہ کہتے کہتے رُک گیا تو ملک نعیم جلدی سے بولا

''بالکل، کیوں نہیں یہ وہی نوجوان ہے۔ جو اس وقت چوہدریوں کا اکیلے ہی مقابلہ کر رہا ہے۔ باوجود کوشش کے چوہدری اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے۔ صفیہ کی وہی مدد کر رہا ہے۔ میں اس سے براہ راست ملا تو نہیں مگر اس کے بارے میں سنا بہت ہے۔ شاید آج تھانے میں دیکھا بھی ہو، میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''کیا آپ چاہیں گے کہ آپ اس کی مدد کریں؟'' اس نے پوچھا تو ملک نعیم تیزی سے بولا

''بالکل، میں اس سے ملنا چاہتا ہوں اور اگر قسمت نگر کی قسمت بدلنے میں وہ میرا ساتھ دے تو یقیناً یہ کایا جلدی پلٹ سکتی ہے۔''

''تو پھر آپ جب چاہیں اس سے مل لیں۔ ان حالات میں آپ دونوں کی ملاقات بہت ضروری ہے۔'' جعفر نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تو ملک نعیم نے پوچھا

''تو اس طرح کیا آپ پس منظر میں رہیں گے؟''

''ملک صاحب اس کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ میرے جتنے بھی اختیارات ہوں۔ وہ بہر حال محدود ہیں۔ اور میں انہی اختیارات ہی سے کام لینا چاہتا ہوں۔'' جعفر نے کہا ملک نعیم حتمی لہجے میں بولا

''آپ ٹھیک کہتے ہیں اور میں سمجھتا ہوں اس بات کو میں بہت جلد فہد سے خود ملوں گا۔''

''نعیم صاحب۔! اپنے حلقے میں عوامی رابطہ بڑھائیں۔ میں اور میرے دوست آپ کے ساتھ ہیں۔ بپھرا ہوا دریا سوائے تباہی کے کچھ نہیں کرتا۔ جبکہ پُرسکون دریا سے بہت کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ آپ اپنے لوگوں کو مضبوط کریں۔ تا کہ آنے والے الیکشن میں وہ آپ کا ساتھ دے سکیں۔'' جعفر نے صلاح دی

''ٹھیک ہے۔ میں پوری کوشش کرتا ہوں۔ اب تو عوام بھی خاصی سیانی ہو گئی ہے۔ جہاں مفاد ہوتا ہے۔ وہیں کام دیتے ہیں۔ ورنہ پوچھتے ہی نہیں۔'' ملک نعیم نے ہنستے ہوئے کہا تو جعفر نے تصحیح کرتے ہوئے کہا

''عوام نہیں۔ عوام میں سے چند لوگ۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' ملک نعیم نے کہا اور پھر ان کے درمیان لمبی باتیں چل نکلیں۔ رات گئے جعفر وہاں سے نکلا اور واپس آ کر اس وقت تک نہیں سویا جب تک ماڑہ اپنے گھر نہیں پہنچ گئی۔

❁.....❁.....❁

صفیہ افسردہ سی چولہے کا پاس بیٹھی اپنے بچوں کو روٹی کھلا رہی تھی۔ بچے بھی خاموش سے تھے۔ اس کی سوچوں کے لئے یہی خیال کافی تھا کہ وہ آئندہ آنے والا وقت کیسے گذارے گی۔ اس کے بچوں کا مستقبل کیا ہوگا۔ وہ اپنے شوہر کا بدلہ لینے کے لئے قانون کا سہارا تو لے چلی ہے، کیا قانون اسے انصاف دے گا؟ وہ انہی سوچوں میں کھوئی ہوئی تھی کہ اس کے گھر کا دروازہ کھلا اور اس کے سسر نعمت علی کے ساتھ منشی فضل دین گھر میں آکر صحن میں بچھی چارپائیوں پر بیٹھ گئے۔ تبھی نعمت علی نے اونچی آواز میں اسے پکارتے ہوئے کہا

''صفیہ۔ اُو بیٹی صفیہ۔ ذرا ادھر تو آنا۔ دیکھ منشی جی آئیں ہیں۔ تجھ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ جلدی آ ذرا۔''

اس پر صفیہ نے خشمگیں نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا، لمحہ بھر کو سوچا اور پھر اٹھ کر ان کے قریب چارپائی پر آکر بیٹھ گئی۔ تب منشی فضل دین دھیمے سے لہجے میں بولا

بیٹی صفیہ۔! تو اس گاؤں کی بیٹی ہے۔ ہمیں تیرا خیال ہی نہیں، تیرا احساس بھی ہے۔ چوہدری تو وڈے لوگ ہیں۔ ہم جیسے غریبوں کا ان سے کیا مقابلہ۔ میں تیرے ہی فائدے کے لیے بات کرنے آیا ہوں۔ اگر تو ٹھنڈے دل و دماغ سے میری بات سن لو۔''

''کہو منشی۔ کیا کہنا چاہتے ہو۔'' اس نے بھی دھیمے لہجے میں کہا تو نعمت علی بولا

''ہاں ہاں بول منشی۔ تُو اطمینان سے اپنی بات کہہ۔ صفیہ سمجھدار ہے۔''

''دیکھ بیٹی۔ تو ساری زندگی یوں اکیلی تو نہیں رہ سکتی۔ آخر تجھے اپنا گھر چاہئے۔ تیرے بچوں کے سر پر سایہ چاہیے۔ تو نے ان کی پرورش کرنی ہے۔ ان بچوں کا کیا ہوگا۔ یہ سب سوچا ہے تو نے؟'' منشی نے پوچھا

''میں نے کیا سوچنا ہے منشی۔! اب سوچنے کے لیے رہ کیا گیا ہے۔'' صفیہ بولی

''آج نہیں تو کل۔ اسوچنا تو پڑے گا۔ ہم نذیر کو واپس تو نہیں لا سکتے۔ پر ایسا تو کچھ کر سکتے ہیں کہ تجھے تحفظ ملے اور تیرے بچے بھی سکون کی زندگی گذاریں۔'' منشی نے کہا تو صفیہ نے اس کی طرف دیکھا اور بولی

''منشی۔! کھل کر بات کہہ، آخر تو کہنا کیا چاہتا ہے؟''

''تو آرام سے اس گھر میں عدت پوری کر، اگر تو چوہدری کے ساتھ صلح کر لے گی تو یہ گھر تجھے ہمیشہ کے لیے مل جائے گا۔ تیرے بچوں کی پرورش کے لیے چوہدری خود ذمہ داری لے لیں گے۔ جیسے تو چاہے گی۔'' منشی نے بڑے نرم لہجے میں کہا نعمت علی

''اور بیٹی۔! میرا کیا ہے۔ آج ہوں کل نہیں ہوں گا تو نے بھی زندگی گذارنی ہے۔ اگر تو چاہے تو تیری شادی بھی ہم......''

''بابا۔! تو یہ کیا بات کر رہا ہے؟'' صفیہ نے حیرت سے کہا تو منشی نے جلدی سے کہا

''شرع میں کوئی شرم نہیں ہے پتر، خیر۔! تو عدت پوری کر اور چوہدریوں سے صلح کر لے۔ اسی دن یہ گھر تیرے نام لگا دیا جائے گا۔ تو مالک ہوگی اس گھر کی چل میں کوشش کر کے زمین کا ٹکڑا بھی تیرے نام کروا دوں گا۔ بس تو ہاں کر۔''

''منشی۔! یہ جو تو مجھے لالچ دے رہا ہے۔ کیا یہ نذیر کے خون کی قیمت ہے۔ جو تو چوہدریوں کی طرف سے مجھے دینے آیا ہے۔ تو

کیا سمجھتا ہے کہ میں مان جاؤں گی؟'' صفیہ نے ایک دم سے غصے میں کہا تو نعمت علی بھی غصے بولا

''چپ کرنا ہنجار۔! تجھے پتہ نہیں کہ تو کس سے بات کر رہی ہے۔''

''مجھے پتہ ہے بابا، میں کس سے بات کر رہی ہوں، پر میں نذیر کے خون کا سودا نہیں کر سکتی۔'' وہ حتمی لہجے میں بولی تو نعمت علی نے کہا

''یہ بھی تو سوچ تو جائے گی کہاں؟''

اس پر صفیہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ نعمت علی نے بہت بڑی بات کہہ دی تھی۔ ایک لمحے میں سارے ناطے توڑ دیئے تھے۔ ایک دم سے ہر تعلق پرایا کر دیا۔

''نعمت علی۔! یہ جو آج اس کے ساتھ ہیں نا۔ چند دن گذرنے دے۔ یہ کہیں بھی دکھائی بھی نہیں دیں گے۔ ابھی اس کا دماغ ان لوگوں نے خراب کر رکھا ہے۔ جب وہ نہ رہے تو اس کی عقل ٹھکانے آئے گی۔ کون اپنے گھر سے مفت روٹیاں کھلاتا ہے۔'' منشی نے حقارت سے کہا صفیہ بولی

''منشی۔! جس اللہ نے پیدا کیا ہے نا، وہی پالنے والا بھی ہے۔ چاہے ساری دنیا میرا ساتھ چھوڑ جائے، میں نذیر کا بدلہ لے کر رہوں گی۔ یہاں تک کہ تم سب لوگ مل کر مجھے مار دو۔''

یہ کہتے ہوئے وہ اٹھی اور واپس اپنے بچوں کے پاس جا بیٹھی۔ تبھی منشی نے اٹھتے ہوئے کہا

''تم پھر بھی سوچ لو صفیہ۔ بہت غور کرنا ہماری باتوں پر۔ زندگی جذباتی باتوں سے نہیں کٹتی۔ حقیقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔''

صفیہ نے ان کی جانب دیکھا ہی نہیں وہ یوں اپنے بچوں کو روٹی کھلانے میں مصروف ہو گی۔ جیسے اس نے سنا ہی کچھ نہ ہو۔

''میں اسے سمجھاؤں گا۔ فی الحال اس کے دماغ پر غصہ سوار ہے۔ اتر جائے گا۔'' نعمت علی نے منشی سے کہا

''ہاں۔! سمجھانا اسے، اس میں ہی بھلا ہے۔''

منشی نے کہا اور وہ باہر کی جانب چل دیا اور نعمت علی سوچوں میں گم چارپائی پر بیٹھ گیا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اسے کیسے سمجھائے۔

سارا دن وہ صفیہ کو سمجھاتا رہا لیکن صفیہ نے اس کی بات نہیں مانی۔ وہ تھک ہار گیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ اس کی بہو، اس کی بات نہیں مانے گی۔ شام ہوتے ہی نعمت علی جھجکتے ہوئے حویلی چلا۔ جہاں پورچ کے پاس منشی اس کے انتظار میں تھا۔ وہ قریب آ کر رک گیا تو منشی نے پوچھا

''ہاں بھئی نعمت علی۔! کیا کہتی ہے تمہاری بہو۔ وہ مانتی ہے تا نہیں؟''

''تم جانتے ہو منشی۔! ابھی اس کا دکھ تازہ ہے اس کے دماغ پر غصہ سوار ہے۔ میں اس سے کروں گا بات، وہ مان جائے گی۔''

نعمت علی دھیمے سے لہجے میں کہا تو منشی طنزیہ لہجے میں بولا

''کب مانے گی وہ۔ چوہدری صاحب نے اتنی بڑی رقم اس لئے نہیں دی کہ وہ انکار کر دے اس کا دماغ خراب ہو گیا ہوا ہے۔ چوہدری صاحب صرف اقرار سنیں گے بس، اس کے علاوہ کچھ نہیں۔''

''میں نے کہا ہے نا، میں اسے منالوں گا۔ سمجھ جائے گی۔'' نعمت علی نے بے بسی سے کہا

''دیکھ! چوہدری جی کو بہانے کرنے والے لوگ بالکل بھی پسند نہیں ہیں۔ اسے مناؤ۔ ورنہ تمہارے سمیت یہاں سے کوئی بھی نہیں جا سکے گا۔ تم لوگ نرمی کی زبان نہیں سمجھتے شاید۔'' منشی نے سخت لہجے میں کہا

''قتل تو میرا بیٹا ہوا ہے۔ اور وہ میری بہو ہے، میں مانتا ہوں کہ وہ چند لوگوں کی باتوں میں آگئی ہے۔ اس لیے کچھ دن تو لگیں گے نا۔ میں پوری کوشش کر کے منالوں گا۔'' نعمت علی نے اسے منانے والے انداز میں کہا

''پھر وہی کوشش۔! ایسی بات پھر چوہدری صاحب کے سامنے مت کرنا اسے مناؤ۔ یا سمجھاؤ، کچھ بھی کرو۔ وہ خود جائے تھانے اور اپنا کیس خود ختم کروائے۔ ورنہ تم جانتے ہو۔ ہم نے بھی تو چوہدریوں کا نمک کھایا ہے۔'' منشی نے حقارت سے کہا اور نعمت علی کو جانے کا اشارہ کیا۔ نعمت علی نے حسرت سے اسے دیکھا اور پھر دھیرے سے ماتھے پر ہاتھ لے جا کر سلام کر کے واپس پلٹ گیا۔

✿......✿......✿

روشن صبح میں سورج ابھی نکل ہی رہا تھا۔ سراج اور فہد دونوں کھیتوں میں چہل قدمی کرتے ہوئے آ رہے تھے۔ یہ وہ صبح تھی، جس کے بعد انہوں نے ایک بہت بڑا کام کرنے کی ٹھان لی تھی۔ رات کی ہوئی پلاننگ کو حتمی صورت دے رہے تھے۔ ایسے میں چھاکا انہیں دور سے آتا ہوا دکھائی دیا۔ اسے دیکھ کر سراج نے مزاحاً کہا

''چھاکا آ رہا ہے۔ اللہ کرے کوئی خیر کی خبر ہی لا رہا ہو۔''

فہد نے اسے مسکراتے ہوئے دیکھ کر کہا

''وہ خبر ہی لایا ہے یا پھر کام سے بھاگ کر آ گیا ہے۔''

وہ دونوں مسکرا دیئے۔ اتنے میں چھاکا قریب آ گیا اور آتے ہی بڑے جوش سے بولا

''یار تم دونوں ادھر ہو۔ میں پتہ نہیں، کہاں کہاں سے ڈھونڈ کر آیا ہوں۔''

''بولو۔ بات کیا ہے کیوں ڈھونڈ رہے تھے۔'' سراج نے پوچھا تو چھاکا بولا

''دو باتیں ہیں۔ ایک تو وہ ٹاور والے آئیں ہیں۔ ان سے مل لیں جا کر اور دوسری بات یہ ہے کہ کل منشی گیا تھا صفیہ کے پاس۔''

اس پر سراج نے تشویش سے پوچھا

''کب؟ کیا کرنے گیا تھا؟''

''مجھے یہ پتہ چلا ہے کہ وہ صبح کے وقت چاچے نعمت علی کے ساتھ اس کے پاس گیا اور صلح کر لینے کے عوض بہت زیادہ لالچ دیا ہے

۔یہاں تک کہ گھر اور زمین بھی دینے کو کہا ہے۔'' چھاکے نے بتایا

''کیا جواب دیا پھر صفیہ نے؟'' فہد نے پوچھا

''وہ تو نہیں مانی، لیکن چاچے نعمت کی زبانی سنا ہے کہ وہ بہت جلد مان جائے گی۔'' اس نے جواب دیا

''اگر صفیہ مان گئی تو پھر بہت برا ہوگا یار۔'' سراج نے تشویش سے کہا تو فہد بولا

''دیکھ سراج۔! ہمارا جو فرض تھا۔وہ ہم نے پورا کیا۔اب اگر وہ ہماری مدد چاہے گی تو ہم اس کے ساتھ ہوں گے۔اگر وہ چوہدریوں سے کسی بھی وجہ سے صلح کر لیتی ہے تو وہ ایسا کر سکتی ہے۔ہم اسے روک تو نہیں سکتے۔یہ اس کی مرضی ہے۔اس کی سوچ ہے۔''

''لیکن۔! اگر وہ صلح کر لیتی ہے تو پھر ہم جو اتنا آگے چلے گئے ہیں چوہدری کی مخالفت میں پھر کسی پر کیا اعتبار رہ جائے گا۔یہ بھی تو سوچ۔اسے روکنا ہوگا۔'' سراج نے کہا تو فہد سمجھاتے ہوئے بولا

''تم خواہ مخواہ پریشان ہو گئے ہو سراج۔میرا نہیں خیال کہ وہ چوہدریوں سے صلح کرے گی۔اگر اس نے صلح کرنی ہوئی تو ہم اسے نہیں روک سکتے۔بلکہ اچھا ہے۔ابھی دیکھ لیتے ہیں کہ وہ اپنے ارادے میں کتنی مضبوط ہے۔باقی چوہدریوں کی مخالفت، تو پہلے ہماری ان کے ساتھ کون سی محبت چل رہی ہے۔''

''آخر یار عورت ذات ہے۔وہ دھمکیوں میں آسکتی ہے۔لالچ بھی ہو.....'' سراج نے کہنا چاہا تو فہد بولا

''کچھ نہیں ہوتا۔تو ذرا تحمل سے کام لے، دیکھ کیا کرتی ہے وہ۔سب سب بھول جا، اس پر سوچ جو ہم نے آج کرنا ہے، چل وہ تیرے ٹاور والے آئے ہیں۔پہلے ان سے ملتے ہیں، تاکہ وہ تو جائیں۔''

''چلو، مگر یہ صفیہ والی بات کو یونہی مت لینا۔''

سراج نے اسے سمجھایا تو فہد نے جلدی سے کہا

''ہاں ہاں دیکھتے ہیں۔''

وہ تینوں وہاں سے گھر کے لئے چل دیئے۔

ٹاور والوں سے ملنے کے بعد فہد اپنی کار میں سلمیٰ کے گھر پہنچا اور اسے اپنے ساتھ لے کر سکول کے سامنے جا پہنچا۔جہاں کبھی وہ پڑھا تھا۔ایک لمحے کے لئے اس کے دل میں ٹیس اٹھی۔ماضی اسے اپنی لپیٹ میں لے لینا چاہتا تھا۔مگر فوراً ہی اس نے خود پر قابو پا لیا۔اس نے دیکھا سکول کی عمارت پر زنگ آلود تالا پڑا ہوا تھا۔فہد کی گاڑی وہاں آکر رکی اور اس میں سے فہد اور سلمیٰ باہر آگئے۔انہی لمحات میں اطراف میں سے سراج اور چھاکا نکلے۔سراج کے ہاتھ میں گن تھی۔اس کے ساتھ کافی سارے اسلحہ بردار لوگ تھے۔سلمیٰ بہت جذباتی ہو رہی تھی۔اس کے گالوں پر آنسو رواں تھے۔فہد نے کار میں سے ہتھوڑا نکالا۔وہ ہاتھ میں ہتھوڑا لئے آگے بڑھا ہے اور تالے پر ضرب لگانے لگا۔تالا ٹوٹ گیا تو فہد نے سلمیٰ کو ساتھ لیا اور سکول میں داخل ہو گیا۔چھاکا اور سراج ان کے ساتھ تھے۔اندر جا کر انہوں نے گھنٹی لی

اور سلمیٰ کے ہاتھ میں دے دی۔ سلمیٰ اس گھنٹی کو اپنے ہاتھ میں لئے چند لمحے دیکھتی رہی۔ پھر بڑے جذباتی انداز میں گھنٹی بجانے لگی۔ ایک ضرب، دوسری ضرب تیسری ضرب۔

ٹن...... ٹن...... ٹن......

گھنٹی کی آواز پورے قسمت نگر میں پھیل گئی۔ لوگ چونک اٹھے۔ سکول بیل بج رہی تھی۔ گھر، بازار، گلی، کھیت، راستے سب جگہ آواز سنی جارہی تھی۔ لوگ حیران ہو کر سن رہے تھے۔ ماسٹر دین محمد وہ آواز دھیمی مسکراہٹ سے یوں سن رہا ہے جیسے کوئی نغمہ ہو۔ چوراہے میں بھی سکول کی گھنٹی سنائی دے رہی تھی۔ حنیف دوکاندار اور چاچا سوہنا بھی سن رہے تھے۔

حنیف دوکاندار نے حیران کن انداز میں پوچھا

''یہ ہمارے گاؤں کے سکول کی گھنٹی بج رہی ہے نا؟''

''حقیقت تو یہی ہے حنیف، لگتا ہے قسمت نگر کی بدلتی ہوئی قسمت کو اب کوئی نہیں روک سکتا۔'' چاچے سوہنے نے خوشگوار انداز میں اپنی رائے دی

''او چاچا کوئی خدا کا خوف کرو۔ اتنے برس ہو گئے چوہدریوں نے یہ سکول نہیں کھلنے دیا۔ اب گاؤں میں ایک نئی مصیبت کھڑی ہو جائے گی۔ یہ گھنٹی تو کسی نئے شر کی آواز ہے۔''

حنیف دوکاندار نے خوف زدہ ہوتے ہوئے کہا تو چاچا سوہنا بولا

''نہیں، بالکل نہیں، یہ شر کی نہیں، خیر کی آواز ہے۔ تعلیم ہر بچے کا بنیادی حق ہے۔ چوہدری کون ہوتے ہیں، ان معصوم بچوں کو ان کے حق سے محروم کرنے والے۔''

''یہ بھی فہد کی نئی شرارت ہے۔ دیکھنا اب خون خرابہ ہوگا۔ یہ بندہ کسی کو چین نہیں بیٹھنے نہیں دے رہا۔ جب سے یہ گاؤں میں آیا ہے۔ کوئی نہ کوئی فساد ہی بپا رہتا ہے۔'' حنیف دوکاندار نے کہا

''وہ تم جیسے بے ضمیروں کو جھنجھوڑ رہا ہے کہ نیند سے اٹھو اور اپنا حق پہچانو۔ وہ ظالموں کو للکار رہا ہے مگر ظالم بجائے اس کا سامنا کرنے کے کمزوروں پر ہاتھ اٹھا رہے ہیں اور کمزور خواہ مخواہ خوف سے دبے جا رہے ہیں۔ یہ تبدیلی ہے۔ اب نہ بدلا تو کبھی نہیں بدلے گا۔'' چاچے سوہنے نے اسے دیکھتے ہوئے حقارت سے کہا

''یہ تیرے جیسے چند اُسے شہہ دے رہے ہیں۔ اس وقت تمہارا پتہ بھی نہیں چلنا جب چوہدری اپنی آئی پر آ گئے۔'' حنیف دوکاندار نے ڈرایا تو چاچا سوہنا بولا

''تو آ جائیں نا اپنی آئی پر، کس نے روکا ہے، فہد کا سامنا کرتے ہوئے کیوں ڈرتے ہیں۔ سکول کھل گیا ہے۔ اب اس میں بچے پڑھیں گے۔ اب چوہدری جو مرضی کر لیں یہ بند نہیں ہوگا۔''

"دیکھو کیا ہوتا ہے، سکول بند ہوتا ہے یا اس کے کھولنے والے....." حنیف دوکاندار کہتے ہوئے خاموش ہو گیا اور پلٹ کر اپنی دوکان کی طرف چلا گیا۔

سکول کی گھنٹی بج رہی تھی اور اس وقت تک بجتی رہی جب تک سارے قسمت نگر نے نہ سن لیا۔

فہد اور ماسٹر کھانا کھا چکے تو سلمٰی چائے لے کر آ گئی اور پھر ان کے پاس ہی بیٹھ گئی۔ تبھی ماسٹر دین محمد نے کہا

"سکول کا تالا تو توڑ دیا ہے تم لوگوں نے، ایک خواب تھا وہ پورا ہو گیا، لیکن یہ چوہدری اسے برداشت نہیں کر پائیں گے۔ وہ ضرور....."

"سکول کا تالا توڑنے سے پہلے میں نے سب سوچ لیا تھا اور اس کا بندوبست بھی کر لیا تھا۔ آپ کوئی فکر نہ کریں میں نے محکمہ تعلیم کے آفیسرز سے بھی بات کر لی ہے۔ بلکہ آج کل میں آپ کے پنشن کیس کا فیصلہ بھی ہو جائے گا۔ آپ بس دیکھیں، ان چوہدریوں کی بے بسی۔ اب آپ بالکل فکر نہ کریں۔" فہد نے انہیں حوصلہ دیتے ہوئے کہا تو ماسٹر دین محمد بولا

"فہد پتر۔! یہ اب تشویش والی بات یہ ہے اگر صفیہ مان گئی تو اب تک جو تمہاری کوششیں ہیں۔ وہ سب رائیگاں جائیں گی۔ دشمنی بھی بڑھ جائے گی۔ یہ تم لوگوں کو پہلے سوچنا چاہئے تھا نا کہ اس کا اثر و رسوخ بہت زیادہ ہے۔"

"بات اثر و رسوخ کی نہیں اور نہ ہی دشمنی کی ہے۔ بات یہ ہے کہ اگر صفیہ دباؤ میں آ کر ان کی بات مان لیتی ہے تو پھر چوہدری کے جبر کا جال توڑنا مشکل ہو جائے گا۔ لیکن یہ ناممکن تو پھر بھی نہیں ہے۔" فہد نے سنجیدگی سے کہا

"میں تمہارے حوصلے کی داد دیتا ہوں فہد۔! اس قدر مشکل حالات میں بھی تم حوصلہ نہیں ہارے ہو۔ جبکہ میرے کہنے کا مقصد یہ ہے یہ بیٹا کہ بندہ اپنی لڑائی تو لڑ سکتا ہے۔ کسی کی لڑائی کیا لڑے۔ اب صفیہ جیسی کمزور عورت ان کا دباؤ کب تک برداشت کرے گی۔" ماسٹر دین محمد نے کہا تو سلمٰی بولی

"ہم اس کا سہارا ہیں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ جتنا مرضی وہ اس پر دباؤ ڈالیں۔ صفیہ نہیں مانے گی۔ وہ ان کے لالچ میں بھی نہیں آئے گی۔"

"کسی کا کیا اعتبار۔! فرض کیا وہ لالچ یا دباؤ میں آ جاتی ہے تو ہم اس کا کیا کر سکتے ہیں؟ جبکہ چوہدری تو ہر ممکن کوشش کریں گے نا معاملہ اس کے بیٹے کا ہے۔ اب معاملہ صفیہ پر ہے۔ اس کا کوئی بھی فیصلہ حالات کا رخ موڑ سکتا ہے۔" ماسٹر دین محمد نے کہا تو فہد بولا

"آپ ٹھیک کہتے ہیں استاد جی، میں مان لیتا ہوں کہ وہ لالچ یا دباؤ میں آ کر اپنا فیصلہ تبدیل کرے گی۔ تو پھر کیا ہوا۔ چوہدری کے ساتھ ہمارے حالات تو ویسے ہی رہیں گے۔ اور اگر دشمنی بڑھتی ہے تو پھر بڑھ جائے۔"

"ابا جی، آپ گھبرائیں مت۔ میں ابھی اس سے ملتی ہوں۔ اسے حوصلہ دوں گی۔ جس طرح کا سہارا چاہے گی میں اسے دوں گی۔" سلمٰی نے کہا تو ماسٹر دین محمد پوچھا

''کیا سہارا دو گی۔ کیا دے سکتی ہو تم۔ چوہدری تو اسے روپے پیسے اور زمین کا لالچ دے رہے ہیں۔ تم کیا دے سکتی ہو۔ کیا ہے تمہارے پاس؟''

''کیا نہیں ہے سلمٰی کے پاس استاد جی۔ گھر، روپیہ پیسہ، زمین سب کچھ ہے سلمٰی کے پاس۔''

اس کے یوں کہنے پر ماسٹر دین محمد چند لمحے خاموش رہا پھر بولا

''میں تو اپنی رائے دے رہا تھا۔ باقی تم لوگ جانو کہ کیا فیصلہ کرتے ہو۔''

''آپ پریشان نہ ہوں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میری ساری کوششوں کا محور فقط صفیہ نہیں ہے اور بہت کچھ ہے۔'' فہد نے کہا تو ماسٹر دین محمد بولا

''تم جو بہتر سمجھتے کرو۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔''

''آپ ناراض ہیں؟'' فہد نے اچانک پوچھا تو ماسٹر دین محمد نے جلدی سے کہا

'اونہیں پتر۔! میں تم سے کیوں ناراض ہونے لگا۔ میں آئندہ آنے والے حالات کی سختی سے آگاہ کر رہا تھا۔''

اس پر فہد نے اپنے استاد کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر حوصلہ مند لہجے میں کہا

''آپ پریشان نہ ہوں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اچھا، اب میں چلتا ہوں۔''

ماسٹر دین محمد نے اپنا سر ہلایا تو فہد اٹھ کر چل دیا۔

فہد گھر پہنچا تو ملک نعیم اس کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا۔ فہد کو خوشگوار حیرت ہوئی۔ وہ بڑے تپاک سے ملا۔ اسے عزت کے ساتھ بٹھایا۔ پھر فہد اور ملک نعیم دونوں کمرے میں خوشگوار موڈ میں بہت دیر تک علاقے اور اس کی صورت حال پر باتیں کرتے رہے۔ تبھی ملک نعیم نے کہا

''آپ سے اتنی ڈھیر ساری باتیں کر کے مجھے بڑا حوصلہ ملا ہے۔ خیر۔! باتیں اور ملاقاتیں تو اب ہوتی رہیں گی۔''

''کیوں نہیں ملک صاحب۔! آپ جیسا سیاسی بندہ، سیاست کے بغیر بھلا کہاں رہ سکتا ہے اور پھر جدوجہد تو اس جاگیردار کے خلاف ہے جس نے جبر سے علاقے پر حکمرانی کر رکھی ہے۔ میرا مقصد تو اس جبر کے خلاف لڑنا ہے۔''

فہد نے گہری سنجیدگی سے کہا تو ملک نعیم صاف انداز میں بولا

''سیاست یا الیکشن جیتنا ہی میرا مقصد نہیں ہے مجھ سے یہ ظلم نہیں دیکھا جاتا۔ میں نے پہلے بھی اپنی بساط مطابق کوشش کی تھی، اب بھی کر رہا ہوں۔''

''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ میں آپ کے ساتھ ہوں۔''

فہد نے زوردار لہجے میں کہا تو ملک نعیم حتمی لہجے میں بولا

''تو پھر یہ طے ہوا کہ نذیر کا خون رائیگاں نہیں جائے گا۔ہم اس مظلوم عورت کی ہر ممکن مدد کریں گے۔اور اس کے لیے چاہے جو بھی کرنا پڑے۔ظاہر ہے اسے سیاسی ایشو بنائیں گے تو ہی اس مظلوم عورت کی فریاد سنی جائے گی۔''

''اسے قانونی مدد بھی تو فراہم کرنی ہے۔''فہد نے یاد دلایا تو ملک نعیم نے کہا

''میں ہوں نا۔اس میں جو خرچ وغیرہ ہوگا،وہ میں کروں گا۔آپ کو اس معاملے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔بہترین وکیلوں کی مدد لیں گے۔''

''چلیں یہ تو طے ہو گیا۔اس کے علاوہ جو آپ کہیں میں حاضر ہوں۔''فہد نے خوش ہوتے ہوئے کہا

''میں تو یہاں تک سوچ رہا ہوں کہ یہاں لوگوں کو روزگار کے زیادہ سے زیادہ مواقع دوں تاکہ وہ ساری زندگی کی کمین نہ رہیں اپنے پاؤں پر خود کھڑے ہو جائیں۔''ملک نعیم نے اپنی خواہش کا اظہار کیا

''میں بھی اس نہج پر سوچ رہا ہوں دیکھیں،جاگیردار ہو نا سرمایہ دار دونوں کو اپنے منافع سے غرض ہے۔لیکن مزدور کو وہ فائدہ کہاں ہے،روزگار کے مواقع کون پیدا کرتا ہے''فہد نے بھی اپنا خیال بتایا تو ملک نعیم بولا

''میں سمجھ رہا ہوں آپ کی بات،فہد آپ ملے ہو نا تو مجھے نئی توانائی مل گئی ہے۔اس علاقے کا سیاسی سیٹ اپ بھی نئے سرے سے دیکھیں گے۔ظاہر ہے،کچھ وقت بعد ہم نے الیکشن میں تو جانا ہی ہے۔اس وقت تک ہمیں سیاسی طور پر مضبوط ہونا ہے۔''

''عوام اب باشعور ہے ملک صاحب۔!عوامی فائدے کی بات تو بہت ہوتی ہے۔لیکن عملی طور پر کچھ نہیں ہوتا۔عوام اب تنگ آ گئے ہیں ان خالی خولی وعدوں سے اب وقت آ گیا ہے کہ ان کے لیے کچھ کرنا ہوگا ورنہ آپ اور ہم انقلاب کی چاپ تو سن رہے ہیں۔''فہد نے اسے آنے والے وقت کا کا احساس دلایا

''بالکل۔!تب پتہ نہیں۔اس انقلاب کے بعد جو سیٹ اپ بنے گا۔اس میں ہم کہاں ہوں گے۔یہ شاید ہم ابھی سوچ نہیں رہے ہیں۔خیر۔!فی الحال مجھے اجازت دیں،گاؤں تک پہنچتے کافی وقت ہو جائے گا۔اب ملاقات تو ہوتی رہے گی۔''ملک نعیم نے اجازت چاہی تو فہد خوش دلی سے بولا

''کیوں نہیں،ضرور ہوگی ملاقات۔''

یہ کہتے ہوئے وہ کھڑا ہو گیا۔دونوں نے ہاتھ ملایا،پھر ملک نعیم دروازے کی جانب بڑھ گیا۔جاتے ہوئے اس کے چہرے پر خاصی خوشی تھی۔

❁......❁......❁

حویلی کے ڈرائنگ روم میں بشریٰ بیگم گہری سوچوں میں گُن بیٹھی ہوئی تھی۔کچھ دیر پہلے رانی اسے چائے دے گئی تھی جواب تک ویسے پڑی ٹھنڈی ہو رہی تھی۔رات کی باتیں اسے بھول نہیں رہی تھیں۔پہلی بار اس نے چوہدری جلال کو بدلا ہوا محسوس کیا تھا۔اس وقت

بھی وہ لان میں اکیلا بیٹھا ہوا تھا۔

رات چوہدری جلال خواب گاہ میں تھا۔ بشریٰ بیگم نے اس کی محویت دیکھ کر پوچھا

''کیا سوچ رہے ہیں آپ؟''

''سوچنا کیا بیگم۔! دنیاداری کے مسائل تھوڑے ہیں۔ ایک کو حل کرو تو دوسرا سامنے آ کھڑا ہوتا ہے۔ اردگرد پھیلے ہوئے تھوڑے جھنجٹ ہیں۔ ان کے لئے سوچنا تو پڑتا ہے۔'' چوہدری جلال نے عجیب سے لہجے میں کہا تو بشریٰ بیگم نے اس کے لہجے پر غور کرتے ہوئے بولی

''آپ پہلے کبھی اتنے فکر مند دکھائی نہیں دیئے، آپ مجھے ٹال رہے ہیں؟''

''بیگم۔! تمہیں معلوم ہی ہے کہ معاملہ کیا چل رہا ہے۔ میں نے کبیر کو بہت سمجھایا کہ حالات اب پہلے جیسے نہیں رہے ہیں۔ مگر وہ مانا ہی نہیں۔ یہ وقت بھی آنا تھا کہ ایک معمولی عورت ہمارے سامنے آ کھڑی ہوگی۔ اور وہ ہماری مجبوری بن جائے گی۔'' چوہدری جلال نے کہا

''میں نے وکیل کی ساری باتیں سن لی تھیں۔ چوہدری صاحب۔! اس سے پہلے کی حالات مزید ہمارے ہاتھ سے نکل جائیں۔ ہمیں انہیں سنبھالنا ہوگا۔ صفیہ اگر مان جاتی ہے تو پھر معاملہ ختم ہو سکتا ہے نا؟'' بشریٰ بیگم بولی

''مشکل تو یہی ہے۔ وہ ہمارے مخالفین کے ہاتھوں میں ہے۔ معاملہ اگر اپنے ہی علاقے میں رہتا تو کوئی بات نہیں تھی لیکن۔! مخالفین اسے بہت دور تک لے جانا چاہتے ہیں۔ اس کے اثرات ٹھیک نہیں ہوں گے۔'' چوہدری جلال نے سوچتے ہوئے لہجے میں کہا

''کیا فہد اس قدر مضبوط ہو گیا ہے کہ آپ اسے نہیں روک پا رہے ہیں؟'' اس نے تشویش سے پوچھا تو چوہدری جلال نے نخوت سے کہا

''فہد۔! اُسے تو میں ابھی ایک چیونٹی کی طرح مسل دوں لیکن اس وقت وہ ایسی عورت کے پیچھے کھڑا ہوا ہے۔ جیسے وہ مظلوم بنانے پر تلا ہوا ہے۔ اگر اس وقت اسے کچھ کہتے ہیں تو وہ بھی مظلوم بن جائے گا۔''

''لے دے کر بات صفیہ پر ہی آن ٹکتی ہے نا چوہدری صاحب۔! اگر آپ اجازت دیں تو میں کوشش کر کے دیکھتی ہوں۔ میں چلی جاتی ہوں اس کے پاس۔'' بشریٰ بیگم نے مان سے کہا تو چوہدری جلال نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا

''نہیں، ابھی ہم پر ایسا وقت نہیں آیا۔ لوگ کیا کہیں گے۔ کیا میں اتنا کمزور ہو گیا ہوں کہ اپنے معاملات کے لئے تمہیں کسی کے پاس بھیجوں نہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔''

''چوہدری صاحب۔! یہ معاملہ میرے بیٹے کا بھی ہے۔ میں اگر آپ کی بیوی ہوں تو ایک بیٹے کی ماں بھی ہوں کیا میں اپنے بیٹے کے لیے اتنا بھی حق نہیں رکھتی ہوں۔ کہ اس کے لئے کچھ کر سکوں۔'' وہ جذباتی انداز میں بولی تو چوہدری جلال نے کہا

''میں ہوں نا اور اس معاملے کو دیکھ رہا ہوں، تمہیں فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ٹھیک ہو جائے گا سب کچھ۔''

''نہیں چوہدری صاحب۔! مجھے اپنے بیٹے کے لیے ایک کوشش کر لینے دیں۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ نے بھی کوشش کی ہیں۔ لیکن وہ نہیں مانی میں ایک بار.....'' بشریٰ بیگم نے کہنا چاہا تو چوہدری جلال نے سختی سے کہا

"بیگم۔!تم مجھے مجبور کر رہی ہو۔ مجھے احساس دلا رہی ہو کہ میں کچھ نہیں کر پاؤں گا۔ میں کوشش کر رہا ہوں نا۔"

"مجھے یقین ہے کہ وہ میری بات مان جائے گی۔"

بشریٰ بیگم نے بحث کرتے ہوئے کہا تو چوہدری جلال نے چڑتے ہوئے کہا

"نہیں۔ چاہے یقین بھی ہے۔ لیکن میں نے جب کہہ دیا ہے تو بس کہہ دیا اب تم سو جاؤ۔" چوہدری یہ کہہ کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ بشریٰ بیگم غم زدہ سی کروٹ بل کر لیٹ گئی۔ وہ تب سے سوچ رہی تھی۔ پھر اسے بات کرنے کا موقعہ ہی نہ ملا تھا۔ چوہدری جلال باہر لان میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے رانی کو بلایا اور اسے باہر لان میں چائے لانے کا کہہ کر چوہدری جلال کے پاس جانے کے لئے اٹھ گئی۔

چوہدری جلال اور بشری بیگم لان میں تھے اور رانی انہیں چائے سرو کر رہی تھی۔ بشری بیگم نے ادھر ادھر کی باتوں میں چوہدری جلال کا موڈ بہتر کرنے کی کوشش کی تھی۔ ایسے میں چوہدری کبیر کی گاڑی پورچ میں آ رکی۔ وہ گاڑی میں سے نکلا اور تیزی سے ان کی جانب آ گیا۔ اس کے چہرے پر انتہائی غصے کے آثار تھے۔ بشری بیگم نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا

"آؤ کبیر، چائے پیو گے؟"

چوہدری کبیر نے ماں کی بات سن کر غصے میں کہا

"بابا۔! پہلے تو فہد ہی یہاں کے لوگوں کو ہمارے خلاف بھڑکاتا پھر رہا تھا۔ لیکن اب ماسٹر دین محمد کی بیٹی سلمی اور صفیہ دونوں مل کر واضح طور پر ہمارے خلاف اعلان جنگ کر رہی ہیں۔"

اس کے یوں کہنے پر چوہدری جلال اور بشری بیگم نے چونک کر اسے دیکھا۔ چوہدری جلال چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا

"ہوا کیا کبیر بیٹا۔ کچھ بتاؤ گے بھی؟"

"اتنے برس سے جو سکول ہم نے بند کروا دیا ہوا تھا۔ وہ آج سلمی اور فہد نے جا کر کھول دیا ہے اور انہوں نے اعلان کیا کہ اب یہ سکول روزانہ کھلے گا۔ بولیں اب کیا کرنا چاہئے؟"

یہ خبر چوہدری جلال کے لئے کسی تازیانے سے کم نہیں تھی، یہ اس کی انا کے لئے بہت بڑا جھٹکا تھا۔ وہ خاموش ہی تھا کہ بشری بیگم نے کہا

"مگر اس میں اتنا غصے میں آنے کی کیا ضرورت ہے۔ تیرے بابا دیکھ لیتے ہیں۔ تم ذرا صبر سے کام لو۔"

"نہیں بیگم۔! یہ صبر کرنے والا کام نہیں ہے، سکول کی گھنٹی، ہماری شکست کی صدا ہے۔ یہ برداشت نہیں ہوگی۔" چوہدری جلال نے دبے دبے غصے میں کہا تو چوہدری کبیر بولا

"اتنے برس سے جو ہمارا رعب و دبدبہ یہاں کے لوگوں پر طاری ہے، وہ انہوں نے چیلنج کر دیا ہے۔ کب تک انہیں نظر انداز کرتے رہے گے۔"

"سکول چلائے گا کون، ہماری مرضی کے بغیر یہاں عملہ نہیں آ سکتا۔ پہلے کیا یہاں عملہ آیا، سب اپنے گھروں میں بیٹھے تنخواہیں لے رہے ہیں۔ میرے پتر جہاں تک چیلنج کرنے کی بات ہے، اس کی انہیں سزا بھگتنا پڑے گی۔"

"لیکن بابا، انہیں روکنا تو ہوگا؟" چوہدری کبیر نے غصے میں کہا۔ پھر لمحہ بھر خاموشی کے بعد بولا" بابا آپ وقت حالات اور سیاست کے قیدی بن کررہ گئے ہیں۔ میں آپ کو فقط بتانے آیا ہوں، میں انہیں روکوں گا۔ ابھی اور اسی وقت۔"

"تم کچھ بھی نہیں کرو گے اور تمہیں کوئی ضرورت نہیں اس بارے میں سوچو بھی۔" بشریٰ بیگم نے تیزی سے کہا تو چوہدری کبیر نے سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا

"دن بدن ان کا حوصلہ بڑھتا جا رہا ہے۔ اور کی مصلحت حالات خراب کر رہی ہے، ایک دن سب کچھ ہاتھ سے نکل جائے گا۔ میں یہ تماشہ نہیں دیکھ سکتا۔"

"تم صرف تم تماشہ دیکھو، کہا نا تمہیں کچھ نہیں کرنا۔" بشریٰ بیگم نے درشتی سے کہا تو چوہدری کبیر نے حیرت سے اپنی ماں کو دیکھا اور اٹھ کر وہاں سے چل دیا۔ دونوں نے اس کی طرف دیکھا اور خاموش رہے۔ رانی نے کچھ برتن اٹھائے اور وہاں سے چل دی۔

❁.......❁.......❁

شام ڈھل کر رات میں بدل چکی تھی۔ صفیہ اپنے گھر کے اکلوتے کمرے میں زمین پر بیٹھی رو رہی تھی۔ اس کا دھیان نجانے کہاں تھا۔ اس کے قریب اس کے بچے چارپائی پر پڑے سو رہے تھے۔ وہ شام ہی سے رو رہی تھی۔ ایسا دکھ اس کے اندر سرائیت کر گیا تھا کہ آنسو خشک ہی نہیں ہو رہے تھے۔ جیسے وہ سوچتی، اس کا دکھ مزید بڑھ جاتا۔ جیسے اس کے اندر ساون برستے برستے رک ہی نہ رہا تھا، انتقام کی آگ ہی اتنی زیادہ تھی۔

ڈھلتی ہوئی شام کے وقت صفیہ چارپائی پر بیٹھی تھی۔ وہ سوئی سے کوئی کپڑا سی رہی تھی۔ باہر سے بابا نعمت علی آیا تو وہ اسے دیکھ کر اٹھ گئی۔ بابا خاموشی سے آ کر بیٹھ گیا۔ تبھی صفیہ نے دھیرے سے پوچھا

"خیر تو ہے بابا! سارا دن کہاں تھے۔ پلٹ کر گھر ہی نہیں آئے؟ کچھ کھایا پیا بھی نہیں ہے صبح سے۔"

"کھانا پینا کیا ہے بیٹی۔! جب ہر طرف خوف کا اندھیرا چھا جائے تو پھر کھانے پینے کا خیال کہاں رہتا ہے۔ بھوک پیاس تو جیسے اُڑ گئی ہے۔ کچھ سوچ سمجھ ہی نہیں آتی۔ کیا کروں اور کیا نہ کروں؟"

بابا نعمت علی بے بسی سے سوچا تو صفیہ نے پوچھا

"کیا کرنا چاہتا ہے تو بابا؟"

"سو دفعہ تمہیں سمجھایا ہے بیٹی۔ ہم غریب لوگ چوہدریوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے، اب تو ہم یہاں سے کہیں اور بھی نہیں جا سکتے کہ چلو اپنی جان بچا کر کسی طرف نکل جائیں۔"

بابا نعمت علی روہانسا ہوتے ہوئے بولا تو صفیہ نے حیرت سے پوچھا

''ایسی کیا بات ہوگئی ہے بابا۔تو ایسے کیوں سوچ رہا ہے۔''

''میں تو کچھ بھی نہیں سوچ رہا۔میری اب سوچ کہاں رہی ہے۔مجھے تو حکم کا پابند کر دیا گیا ہے۔'' بابا نعمت علی نے صاف انداز میں کہہ دیا

''کیسا حکم۔ضرور انہوں نے تمہیں ڈرایا دھمکایا ہوگا۔پر تو انہیں بتا دے میں مر تو سکتی ہوں،لیکن میں بدلہ ضرور لوں گی۔'' اس نے ٹھی صاف کہہ دیا تو بابا نعمت علی نے غصے سے کہا

''کیسے لے گی بدلہ،اتنی رقم ہے تیرے پاس جو تو خرچ کر سکے،جن لوگوں کے سر پر تو بڑی بڑی باتیں کر رہی ہے نا۔وہ کل تیرے ساتھ نہ ہو تو کیا کرے گی۔کون دے گا اتنی دیر تک تیرا ساتھ،تیرے ساتھ کون تھانے کچہریوں کے دھکے کھائے گا۔کل کو جو تو تھک ہار کر چوہدریوں کے سامنے ہاتھ جوڑے گی،اچھا نہیں ہے کہ تو آج ان کی بات مان لے۔'' بابا نعمت علی نے اسے سمجھایا تو صفیہ نے مضبوط لہجے میں کہا

''ان کی بات ماننے سے پہلے میں مر جانا قبول کر لوں گی۔''

''تو پھر مرنے کے لیے تیار ہو جا۔انہوں نے کہہ دیا ہے کہ اگر تو نہیں مانی نا تو پھر......'' وہ بے بسی سے کہتے ہوئے خاموش ہو گیا تو صفیہ نے کہا

''وہ یہ بھی کر کے دیکھ لیں۔جیتے جی تو انہوں نے مجھے اور میرے بچوں کو مار ہی دیا ہے اب جان سے بھی مار دیں۔میں نہیں ڈرتی ان سے۔''

''دیکھ تو سمجھ جا،وہ جو دے رہے ہیں۔لے کر صبر شکر کر لے۔ورنہ بہت پچھتانا پڑے گا۔کیوں عذاب کو دعوت دے رہی ہے۔کون ہے تیرا جو تجھے سنبھال لے گا۔اپنے مستقبل کا سوچ،اپنے بچوں کا سوچ۔'' بابا نعمت علی نے غصے میں کہا اور چارپائی سے اٹھ کر باہر کی طرف نکل جاتا ہے۔صفیہ ایک دم سے افسردہ ہوگئی۔اسے کوئی بھی حوصلہ دینے والا نہیں تھا۔کیا وہ اپنا حق بھی نہیں لے سکتی؟ جس نے جرم کیا،اسی کی طرف داری ہو رہی ہے۔کیسا نظام ہے۔اس نے آسمان کی جانب دیکھا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ پھر آنسو تھے کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔

رات ڈھلتی چلی جا رہی تھی۔صفیہ اپنے کمرے میں افسردہ بیٹھی رو رہی تھی۔اس کے بچے سو گئے ہوئے تھی اتنے میں دروازہ پر دستک ہوئی۔اس نے چونک کر سر اٹھایا،پھر دروازہ کھولنے کے لیے اٹھی۔اس نے لالٹین اٹھائی اور صحن پار کر کے دروازہ کھولا تو سامنے بشریٰ بیگم کو کھڑی دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی۔اس کے ساتھ حویلی کی ایک ملازمہ رانی تھی۔صفیہ کے منہ سے سرسراتے ہوئے نکلا

''چوہدرانی جی۔آپ؟''

چوہدرانی نے اس کی طرف دیکھا اور نرم لہجے میں بولی

''اندر آنے کے لیے نہیں کہوں گی صفیہ؟''

''آں، آؤ آؤ چوہدرانی آؤ۔'' صفیہ نے کہا دروازے میں سے ہٹ گئی۔ چوہدرانی بشریٰ بیگم اندر آ گئی۔ بچے سوئے پڑے تھے۔ وہ دونوں آمنے سامنے تھیں اور رانی ایک جانب کھڑی تھی۔ بشریٰ بیگم خاموش تھی

''کہو چوہدرانی جی، کیسے آنا ہوا اور وہ بھی اس وقت؟'' باوجود کوشش کے صفیہ کے لہجے میں طنز در آیا تھا، اس پر بشریٰ بیگم نے نرم لہجے میں کہا

''رات کے اندھیرے میں کسی کے دروازے پر یا تو کوئی چور جاتا ہے یا پھر بہت مجبور، تمہارے سامنے ایک مجبور ماں کھڑی ہے۔ تم چاہو تو اس کی جھولی بھر سکتی ہو۔''

''چوہدرانی۔ میرا اللہ تو کسی کے ساتھ بے انصافی نہیں کرتا پھر یہ جھولیاں بھرواتے رہنا، تم لوگوں کا ہی مقدر کیوں۔ ہے کوئی اس کا جواب؟'' صفیہ نے غصے میں پوچھا تو بشریٰ بیگم بولی

''میں مانتی ہوں کہ میرے بیٹے سے ظلم ہو گیا۔ اس کے لیے میں تمہارے دروازے پر اس لیے چل کر آئی ہوں کہ تم بھی ماں ہو۔ میرے دکھ کو سمجھو گی اور......''

''میں بھی تو ماں ہوں۔ کیا میرے یہ بچے مٹی کے کھلونے ہیں یا ان میں جان ہی نہیں ہے۔ ان کے سر سے تمہارے بیٹے نے باپ کا سایہ چھین لیا تو میں ماں ہو کر ان کا دکھ محسوس نہیں کرتی، کیا ہم غریبوں کے جذبات نہیں ہوتے۔ ہم سانس نہیں لیتے، ہمیں دکھ نہیں ہوتا؟'' صفیہ غصے کی شدت میں کہتی چلی گئی تو بشریٰ بیگم نے اسی نرم لہجے میں کہا

''میں تمہارا دکھ سمجھتی ہوں لیکن جو ہونا تھا وہ ہو گیا صفیہ، اب نذیر واپس تو نہیں آئے گا تم ان بچوں کے مستقبل کے لیے جو مانگو میں دینے کو تیار ہوں بس میرے بیٹے کو معاف کر دو۔''

''نہیں۔! تم نہیں دے پاؤ گی، اور نہ ہی تمہیں ہمارے دکھ کا احساس ہے۔ اگر احساس ہوتا نا تو یوں میرے زخموں پر نمک چھڑنے نہ آ جاتی۔'' وہ انتہائی دکھ سے بولی تو بشریٰ بیگم نے ماں سے پوچھا

''تم مانگ کر تو دیکھو صفیہ۔ میں دوں گی۔ بولو؟''

''کیا تم اپنا بیٹا مجھے دے سکتی ہو یا میرے بچوں کی طرح اس کے باپ کا سایہ دے سکتی ہو اسے بھی یتیم کر سکتی ہو۔'' صفیہ نے غصے میں کہا تو بشریٰ بیگم بھی غصے میں بولی

''یہ کیا بک رہی ہو؟''

''ابھی تو میں نے بات کی ہے اور چوہدرانی تم اپنے آپ میں نہیں رہی۔ دکھ سمجھتی ہو میرا؟ تم لوگ کیوں نہیں سمجھے ہو کہ غریب بھی حق پر ہو سکتا ہے۔ تم میرے سر کے سائیں کا خون خریدنے آئی ہو۔''

صفیہ نے نفرت سے کہا تو بشریٰ بیگم غصے میں بولی

''ہوش کی دوا کر صفیہ۔!تم جس کی زبان بول رہی ہو۔وہ تمہیں کچھ نہیں دے سکتی؟''

''کون کسی کو کچھ دے سکتا ہے،ابھی تم نے بھی دعویٰ کیا تھا۔سنو چوہدرانی۔!مجھے اس دنیا میں انصاف ملے یا نہ ملے لیکن قیامت کے دن تم لوگوں کا گریبان میرے ہاتھ میں ہوگا۔میں اپنے شوہر کے قاتل کو سزا دلوا کر رہوں گی۔اس دنیا میں کوشش کروں گی۔اگلے جہان میرا ربّ مجھے انصاف دے گا۔''

وہ غصے بھرے لہجے میں تیز انداز میں بولی تو بشریٰ بیگم نے حقارت سے کہا

''ابھی تم ہوش میں نہیں ہو۔جب ہوش میں آؤ،تو میرے پاس آجانا۔میں تمہیں۔تمہارے تصور سے بھی زیادہ دے دوں گی۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے رانی کو چلنے کا اشارہ کیا۔وہ دونوں باہر کی جانب چلی گئیں تو صفیہ بے بس ہو کر رونے لگ گئی۔پھر نجانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔

صبح کے وقت صفیہ چولہے کے پاس بیٹھی آگ جلانے کی کوشش کر رہی تھی۔تبھی بابا نعمت علی گھر میں آیا ہے اور آتے ہی پوچھا

''صفیہ۔!یہ میں کیا سن رہا ہوں رات چوہدرائن آئی اور تو نے اسے خالی ہاتھ لوٹا دیا۔تیرا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔جانتی ہو وہ ہمارے ساتھ کیا کر سکتے ہیں؟''

''کیا کر سکتے ہیں۔یہی نا کہ وہ ہمیں مار دیں گے۔تو مار دیں۔ایسی زندگی جی کر ہم کیا کریں گے۔جس میں ہمیں کوئی پوچھنے والا نہ ہو۔''اس نے نفرت سے جواب دیا تو بابا نعمت بولا

''اصل میں تیرا دماغ خراب کیا ہے ماسٹر دین محمد کی بیٹی نے،دیکھ لینا وہ تیرا ساتھ نہیں دے سکے گی۔وہ خود ساری زندگی چوہدری کے سامنے اونچی سانس نہیں لے سکے۔وہ تیرا کیا ساتھ دیں گے؟''

''جب خون کے رشتے ہی سفید ہو جائیں تو پھر کوئی ساتھ دے یا نہ دے نذیر تیرا بھی تو بیٹا تھا بابا۔تو ان سے بدلہ لینے کی بجائے مجھے خوف زدہ کر رہا ہے؟''صفیہ نے جتایا تو بابا نعمت نے سمجھایا

''بدلہ تو وہاں لیا جاتا ہے جہاں طاقت ہو۔ہم بے طاقت بے بس لوگ بھلا ان سے کیا بدلہ لے سکتے ہیں۔ہم لوگ تو سکون سے سانس لے لیں،یہی غنیمت ہے۔''

''تو پھر ہمیں جینے کا بھی کوئی حق نہیں ہے بابا۔''صفیہ غصے میں بولی

''تُو پہلے ایسی تو نہیں تھی۔بات مان جایا کرتی تھی۔لیکن جب سے ماسٹر دین محمد کی بیٹی نے تیرا دماغ خراب کیا ہے۔تو آگ اگل رہی ہے۔میری بات مان جا کیوں اس بڑھاپے میں میری زندگی خراب کر رہی ہے۔مان جا۔ورنہ......''وہ غصے میں کہتا ہوا رک گیا۔

''ورنہ کیا بابا تو کہنا کیا چاہتا ہے۔''وہ ایک دم بھڑک اٹھی تو وہ بھی غصے میں بولا

''میں یہی کہنا چاہتا ہوں تو اگر میری بات نہیں مانے گی۔تو پھر تیرا ہمارا تعلق کیا رہ جائے گا۔تو پھر جہاں جانا چاہئے چلی جا۔''

''بابا۔! تو کبھی اتنا کمزور تو نہیں تھا۔میں ان بچوں کو لے کر چلی جاؤں گی۔نہیں رہوں گی، چلی جاؤں گی۔'' اس نے بھی کہا

''ہاں ہاں چلی جا ہماری جان تو عذاب میں نہیں رہے گی نا'' بابا نعمت نے تنگ آتے ہوئے کہا تو فیصلہ کن انداز میں بولی

''چلی جاؤں گی۔''

یہ کہتے ہوئے وہ ایک دم سے رو دی۔بابا چند لمحے کھڑا رہا پھر باہر نکل گیا۔صفیہ دھاڑیں مار کر رونے لگی۔

صفیہ اپنے گھر کے صحن میں دھری چارپائی پر بیٹھی رو رہی تھی۔ایسے میں سلمٰی اس کے گھر میں داخل ہوئی۔اس نے دور سے دیکھا اور پریشان ہوگئی۔وہ اس کے قریب گئی تو صفیہ نے اس کی طرف دیکھا اور مزید شدت سے رونے لگی۔تب سلمٰی نے تشویش سے کہا

''کیا ہوا صفیہ۔! کیوں رو رہی ہو۔کیوں بلایا مجھے۔خیریت تو ہے نا۔''

''بابا نے مجھے اس گھر سے نکل جانے کو کہہ دیا ہے۔'' صفیہ نے سسکتے ہوئے کہا اور شدت سے رو پڑی تو سلمٰی نے چونکتے ہوئے کہا

''اوہ! وہی ہوا نا جس کا ڈر تھا۔پر تم گھبراتی کیوں ہو کیوں حوصلہ ہار رہی ہو۔میں ہوں نا۔''

''تم کب تک میرا اور میرے بچوں کا بوجھ اٹھا پاؤ گی۔میں محنت مزدوری کر کے اپنے بچوں کا پیٹ پال لوں گی۔لیکن یوں میرے سر سے چھت چھین لی جائے گی۔میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔کہاں جاؤں گی؟'' صفیہ نے روتے ہوئے کہا

''تو حوصلہ کر اور چل میرے ساتھ کہتے ہیں، ایک در بند سو در کھلے۔اپنا سامان اگر لینا چاہتی ہے تو لے لو اور سیدھی میرے پاس آ جا، اپنے بچوں کو لے کر۔میں تمہارا سہارا بنوں گی۔'' سلمٰی نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا

''تم کیسے؟'' صفیہ نے حیرت سے پوچھا

''میں نے کہا نا، فکر کرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔یہ رونا دھونا بند کرو اور چلو میرے ساتھ۔'' سلمٰی نے کہا

''سلمٰی۔! کیا مجھے انتظار نہیں کرنا چاہئے۔بابا غصے میں کہہ کر تو گیا ہے۔شاید اسے اپنے پوتوں کا خیال آ جائے۔مجھے جلد بازی نہیں کرنی چاہیے۔'' اس نے سوچتے ہوئے کہا تو سلمٰی بولی

''تم چاہو تو انتظار کر لو مگر ایک دن تجھے اس گھر سے جانا ہوگا۔یہ چوہدریوں کی ملکیت ہے۔بہر حال تم جب چاہو اور جس وقت چاہو میرے پاس آ سکتی ہو۔میں تمہاری ہر ضرورت کا خیال رکھوں گی۔''

''تو پھر میں دیکھ لوں بابا کو؟'' صفیہ نے پوچھا

''ہاں دیکھ لو جیسے تمہارا دل چاہئے۔'' سلمٰی نے اس کی بات مانتے ہوئے کہا۔صفیہ نے حسرت بھری نگاہوں سے اس گھر کی در و دیوار پر نگاہ ڈالی اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔سلمٰی اسے دلاسا دینے لگی۔

ماسٹر دین محمد اور فہد دالان میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔فہد نے کہا

"استاد جی۔ آپ ایک دو دن میں تیار رہیں۔ آپ کو میرے ساتھ نور پور جانا ہوگا۔ وہ آپ کا پینشن کیس منظور ہو گیا ہے۔ وہاں سے چیک لینا ہوگا۔"

"اُو پتر۔ میں جانتا ہوں ان محکمے والوں کو۔ اتنی جلدی کہاں وہ چیک دینے والے ہیں۔ ابھی مہینہ ڈیڑھ مہینہ تو لگ ہی جائے گا۔ یہ محکمے فرض شناسی سے کام کریں نا تو اس ملک کے آدھے مسائل خود بخود حل ہو جائیں۔" ماسٹر دین محمد نے کہا۔ اسی وقت سلمیٰ باہر گیٹ سے اندر آگئی۔ دونوں نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ قریب آکر رک گئی تو ماسٹر دین محمد نے اس سے پوچھا

"خیر تو تھی صفیہ نے بڑی جلدی میں تمہیں بلایا تھا؟"

"وہ بابا نعمت علی نے اسے اپنے گھر سے نکل جانے کو کہا ہے۔ چوہدریوں کی بات نہ ماننے پر۔" سلمیٰ نے افسردگی سے کہا

"تو پھر۔ تم نے کیا کہا؟" ماسٹر دین محمد نے پوچھا

"میں نے کہا۔ آ جاؤ۔ میرے گھر میں اس کی ذمہ داری لیتی ہوں۔ آپ کہیں......"

یہ کہتے ہوئے اس نے سوالیہ انداز میں ان دونوں کی طرف دیکھا تو فہد نے تیزی سے مشورہ دیتے ہوئے کہا

"ٹھیک کہا تم نے۔ وہ جب بھی آئے تم اسے چاچے عمر حیات کے گھر ٹھہرا دو۔ اگر وہ وہاں خطرہ محسوس کرے تو یہاں۔ جیسا تم چاہو۔"

"اب اگر اس کی ذمہ داری لی ہے تو پوری طرح سے نبھانا۔ یاد رکھنا، اس کے آنے کے ساتھ۔ تمہیں دکھ اور پریشانیاں بھی مل سکتی ہیں۔" ماسٹر دین محمد نے سمجھایا

"مجھے احساس ہے ابا جی، میں نے یہ ذمے داری صرف ایک مظلوم کا ساتھ دینے کے لیے لی ہے۔"

سلمیٰ نے کہا تو ماسٹر دین محمد نے سکون سے حوصلہ دیا

"تو پھر گھبرانا نہیں، وہ اوپر والا تیرا ساتھ ضرور دے گا۔"

"آپ چائے وغیرہ پی، میں لاؤں؟" سلمیٰ نے پوچھا تو فہد نے کہا

"نہیں۔ ضرورت نہیں۔ میں بھی ذرا سراج کی طرف جا رہا ہوں۔ تمہاری وجہ سے استاد جی نے مجھے بلوا لیا۔ اچھا، میں اب چلتا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے وہ اٹھ کر چل دیا۔ سلمیٰ نے اسے محبت بھری نگاہوں سے دیکھا اور اندر چلی گئی۔

❁......❁......❁
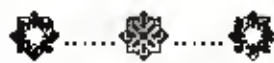
چوہدری کی حویلی میں در آنے والی وہ صبح اتنی خوشگوار نہیں تھی۔ چوہدری جلال گہری سنجیدگی کے ساتھ دالان میں بیٹھا گہری سوچ میں گم تھا۔ چہرے پر غصے کے تاثرات پھیلے ہوئے تھے۔ ایسے میں بشریٰ بیگم چائے لے کر دھیرے دھیرے قریب آئی اور میز پر چائے رکھ کر اس کی سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ چوہدری جلال نے اس کی طرف دیکھا اور پھر سرد لہجے میں پوچھا

"تمہیں جب میں نے روکا تھا کہ اس نیچ ذات کی عورت کے پاس نہیں جانا تو پھر تم کیوں گئیں؟"

"چوہدری صاحب۔! میں نے پہلے بھی آپ سے کہا ہے کہ میں ماں ہوں۔اور میں اپنے بیٹے کے لیے....." بشریٰ بیگم نے کہنا چاہا مگر وہ کی بات ٹوک کر بولا

"مگر شوہر کی حکم عدولی کر چکی ہو۔کیا میں سمجھ لوں کہ اب تمہیں شوہر سے زیادہ اپنا بیٹا عزیز ہو گیا ہے۔جو کہ واقعی گنہ گار ہے۔"

"میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی سرتاج کہ میں آپ کی حکم عدولی کروں۔" یہ کہتے ہوئے وہ اس کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے بولی،" مجھے معاف کر دیں۔پہلی اور آخری بار معاف کر دیں۔"

"تم جانتی ہو بیگم،ان نیچ ذات کے لوگوں کے بارے میں۔ان لوگوں سے نرم لہجے میں بھی بات کر لو تو یہ سر پر چڑھ جاتے ہیں۔جس کا ثبوت یہ ہے کہ اس نے تمہاری بات نہیں مانی۔" چوہدری جلال نرم پڑتے ہوئے بولا تو بشریٰ بیگم نے اپنے دونوں ہاتھوں سے چائے کی پیالی اٹھا کر اسے دیتے ہوئے کہا

"اس کے دماغ میں تو بہت آگ بھری ہوئی ہے۔وہ کوئی بات سننا ہی نہیں چاہتی۔"

"وہ اس وقت پوری طرح دشمنوں کے ہاتھ میں ہے۔وہ اسے ہتھیار کے طور پر استعمال کر رہے ہیں۔لیکن نہیں جانتے ان کا سامنا کس سے ہے۔وہ کچھ بھی نہیں کر سکے گی۔" چوہدری جلال نے حقارت سے کہا اور پیالی پکڑ لی

"کہیں میرے بیٹے کبیر کو کچھ....." بشریٰ بیگم نے جان بوجھ کر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا

"میرا بھی وہ بیٹا ہے اگر اسے کچھ ہوتا ہے تو پھر ہماری سیاست کا کیا فائدہ میں تو ان کی اچھل کود دیکھ رہا ہوں۔کبیر محفوظ ہے۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے چائے کی پیالی اٹھالی اور ہلکا سپ لیا۔بشریٰ بیگم حسرت و یاس سے اپنے شوہر کی جانب دیکھتی رہی،جو سوچ میں کھویا ہوا سپ لے رہا تھا۔تبھی بشریٰ نے چونکتے ہوئے پوچھا

"کہاں ہے میرا کبیر وہ حویلی میں تو نہیں ہے۔"

"ڈیرے پر ہے بلوا لو اسے،اگر بلا سکتی ہو تو،کیونکہ آج سکول کی گھنٹی پھر بجے گی اور وہ لوگ یہ گھنٹی یونہی نہیں بجا رہے ہیں۔میں نے اسے بہت سمجھایا،وہ نہیں مان رہا۔" چوہدری نے بے بسی سے کہا

"مطلب،دشمن یہ چاہتے ہیں کہ تصادم ہو اور....."

بشریٰ بیگم نے کہا اور پریشانی کے عالم میں اٹھ کھڑی ہوئی،چوہدری جلال نے پیالی واپس میز پر رکھ دی۔

چوہدری کبیر اضطرابی انداز میں ڈیرے کے کوریڈور میں ٹہل رہا تھا۔اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی اور غصے کے تاثرات نمایاں تھے۔اتنے میں ماکھا آ گیا تو چوہدری کبیر نے پوچھا

"ہاں بول ماکھے،کیا خبر ہے۔آج بھی انہوں نے سکول کھولنا ہے یا پھر بس تالا توڑنے ہی کا شوق تھا اور ایک دن ہی گھنٹیاں بجا کر غائب ہو گئے؟"

''نہیں چوہدری صاحب، سلمیٰ کچھ بچوں کے ساتھ سکول کی طرف ہی جا رہی ہے اور اس کی حفاظت کے لیے فہد اور اس کے ساتھ بندے بھی موجود ہیں۔'' ماکھے نے بتایا تو چوہدری کبیر نے چونکتے ہوئے پوچھا

''کتنے بندے لیے پھرتے ہیں؟''

''تھوڑے سے ہیں۔'' ماکھے نے بتایا

''او خیر ہے، جتنے بھی ہوں۔ تیاری کرو سکول تو بند ہونا ہی ہے۔ آج اس فہد کی زندگی کی کتاب بھی بند کر دیتے ہیں۔ دیکھتا ہوں کون سکول چلاتا ہے؟'' چوہدری کبیر نے غصے میں کہا تو ماکھا بولا

''جو حکم چوہدری صاحب۔''

چوہدری کبیر کا ڈیرے سے نکلا، میز پر پڑے ہولسٹر میں ریوالور نکالا اور پھر اپنی کار میں جا بیٹھا۔ چوہدری کبیر گاڑی نے سٹارٹ کر لی۔ اس دوران اس کے ملازمین بھی ایک دوسری جیپ میں بیٹھنے لگے۔ ایسے میں

ڈیرے کے پھاٹک میں گاڑی آ کر رک گئی۔ اس میں سے منشی نے نکل کر مودب انداز میں دروازہ کھولا۔ تو بشریٰ بیگم باہر نکل آئی۔ چوہدری کبیر جہاں تھا وہیں رک گیا۔ وہ حیرت سے اپنی ماں کو دیکھتے ہوئے جلدی میں اپنی گاڑی میں سے باہر آ کر غصے میں اپنی ماں سے بولا

''آج تک حویلی کی کوئی عورت ڈیرے پر نہیں آئی۔ یہ بات آپ جانتی ہو ماں، ایسا کیا ہو گیا ماں کہ......''

''کہاں جا رہا ہے تو؟'' بشریٰ بیگم نے پوچھا

''جن لوگوں نے سکول کھولا ہے نا انہیں سبق دینے جا رہا ہوں۔'' چوہدری کبیر نے طنزیہ لہجے میں کہا تو بشریٰ بیگم سکون سے بولی

''چل میں بھی تیرے ساتھ چلتی ہوں۔''

''او کیا ہو گیا ہے ماں، میں کوئی کچ کی گولیاں کھیلنے نہیں جا رہا۔ میرا راستہ مت روک۔'' چوہدری کبیر نے احتجاجاً کہا تو بشریٰ بیگم اسی سکون سے بولی

''میں تیری گاڑی میں بیٹھ رہی ہوں۔ تو چاہے تو مجھے سکول لے جا یا واپس حویلی۔ میں نے تیرے باپ سے وعدہ کیا ہے کہ اب تجھے کوئی خون نہیں کرنے دوں گی۔''

وہ اپنا آنچل سنبھالتے ہوئے چوہدری کبیر گاڑی میں جا بیٹھتی۔ وہ بے بسی میں چند لمحے سوچتا رہا پھر ملازمین کو واپس جانے کا اشارہ کر کے اپنی گاڑی میں جا بیٹھا۔

حویلی کے ڈرائینگ روم میں چوہدری جلال، وکیل اور چوہدری کبیر تینوں صوفوں پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ منشی کھڑا تھا۔ چوہدری کبیر غصے میں کہہ رہا تھا۔

''بابا میں تو پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ یہ جو اچانک یہاں تماشے ہونا شروع ہو گئے ہیں، یہ کوئی فہد کا کمال نہیں بلکہ اس کے پیچھے ملک

نعیم ہے۔ وہی سب کچھ کر رہا ہے۔''

''نکے چوہدری جی آپ کے پاس اس بات کا کوئی ثبوت ہے؟ یا فقط آپ کا اندازہ ہے؟'' وکیل نے پوچھا

''دوسری بار الیکشن ہارنے کے بعد وہ اچانک خاموش ہو گیا اور ہم نے اس کی خاموشی کو نظر انداز کر دیا مگر وہ اندر ہی اندر ہمارے خلاف سازشیں کرتا رہا۔ یہاں تک کہ صفیہ کے لیے اس نے پریس کانفرنس کر دی تو وہ کھل کر سامنے آیا۔ اب وہ باقاعدہ فہد سے مل کر گیا ہے، یہاں اس گاؤں میں آ کر، اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے۔''

''یہ ثبوت نہیں ہیں نکے چوہدری صاحب۔'' وکیل نے کہا تو چوہدری جلال بولا

''آپ کہنا کیا چاہ رہے ہیں وکیل صاحب۔''

''ذرا غور کریں چوہدری صاحب، ریونیو آفیسر نے فہد کے حق میں فیصلہ دیا تو آپ نے اس کا تبادلہ کروا دیا۔ ڈی ایس پی جا دلہ کروا گیا، اس نے سیاسی دباؤ برداشت نہیں کیا۔ مطلب آپ کی بات نہیں مانی اور جو اس کی جگہ اے ایس پی آیا ہے اس کا موڈ کوئی آپ کے حق میں نہیں لگتا۔ وہ سیدھے سیدھے فہد کی بات کرتا ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے چوہدری صاحب، کیا ملک نعیم، انتظامی طور پر اتنی اپروچ رکھتا ہے؟'' وکیل نے سمجھایا تو چوہدری جلال نے سوچتے ہوئے کہا

''لگتا نہیں ہے کہ وہ اتنی اپروچ رکھتا ہوگا۔''

''نہیں آپ یقین سے بات کریں۔'' وکیل نے پوچھا

''نہیں، نہ اس کی ہمت ہے اور نہ اس کے اس قدر تعلقات ہیں۔'' اس نے حتمی لہجے میں کہا تو وکیل بولا

''تو پھر سوچئے چوہدری صاحب، کہیں آپ سیاسی طور پر ناکام تو نہیں ہو رہے؟ آپ کا اثر ورسوخ کدھر گیا؟ یا پھر مان لیں کہ ملک نعیم اپروچ رکھتا ہے اور وہ سیاسی طور پر مضبوط ہو گیا ہے۔''

''میرا ذہن نہیں مانتا کہ وہ اتنا بڑا کھیل، کھیل سکتا ہے۔ جہاں دشمن کی کمزوریوں اور خامیوں پر نظر رکھی جاتی ہے، وہاں اس کی خوبیوں پر بھی نگاہ ہوتی ہے۔ وہ اتنی ہمت نہیں کر سکتا۔'' چوہدری جلال حتمی لہجے میں بولا

''کیا وہ ہمت کر بھی نہیں سکتا؟'' وکیل نے پوچھا

''اگر اس نے حوصلہ کر ہی لیا ہے تو اس کا راستہ روکنا بہت ضروری ہوگا۔'' اس نے بات سمجھتے ہوئے کہا

''کب راستہ روکیں گے آپ جب اس کے مہرے مضبوط ہو کر آپ کو شہ مات دینے کے لئے آپ کے سر پر آ پہنچیں گے؟'' وکیل نے کہا تو چوہدری کبیر تڑپ کر بولا

''بابا، اجازت دیں ملک نعیم کا ہی پتہ صاف کر دیتے ہیں سارے مہرے خود ہی پٹ جائیں گے۔''

''پتہ صاف کر دینا بہت آسان ہوتا ہے نکے چوہدری جی۔ مگر پھر اسے سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے، یہ احساس ہوگا آپ کو۔ میں

کبھی بھی یہ مشورہ نہیں دوں گا۔" وکیل نے کہا تو چوہدری کبیرا انتہائی طنزیہ لہجے میں بولا

"تو پھر کیا کریں وکیل صاحب، اب ان کی منت تو کرنے سے رہے۔"

"یہ وقت جوش کا نہیں ہوش کا ہے۔ کچھ لو کچھ دو کا اصول اپنا کر سیاست کریں۔ علاقے کے لوگوں کو اعتماد میں لیں۔ ان پر نوازشیں کریں۔ ڈرانے دھمکانے کی بجائے ان کو یہ باور کرائیں کہ آپ ان کے ہمدرد ہیں۔ ان کے چھوٹے چھوٹے کام کروا دیں۔ اپنی سیاسی جماعت میں اثر و رسوخ بڑھائیں۔" یہ کہہ کر وہ ایک لمحہ کے لئے رکا اور پھر چوہدری جلال کی طرف دیکھ کر بولا،" آپ نے ساری زندگی سیاست کی ہے کیا آپ نہیں جانتے؟"

"میں تو جانتا ہوں وکیل صاحب، لیکن کبیر کو کون سمجھائے۔ یہ جو چند لوگ یہاں کھیل تماشے کر رہے ہیں ان کی کوئی اوقات ہی نہیں ہے۔ بس اصل وجہ تک پہنچنا ہے۔ اس کی سمجھ آ گئی تو یہ سب خود بخود ختم ہو جائے گا۔" چوہدری جلال نے سمجھانے والے انداز میں کہا

"یہی بات اس وقت سمجھ آئے گی جب یہ نکے چوہدری سیاست سیکھیں گے، تو پتہ چلے گا۔"

وکیل نے سمجھایا تو چوہدری جلال بولا

"وہ تو میں نے آپ سے کہا ہے۔ آپ اسے سمجھائیں۔ باقی میں سب دیکھ لوں گا۔" یہ کہہ کر اس نے منشی کی طرف دیکھ کے پوچھا

"دیکھو کھانا لگ گیا ہے؟"

"جی لگ گیا ہے، آپ آئیں۔"

اس نے کہا تو سبھی اٹھ گئے تو منشی فون کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے تھانے کے نمبر ڈائل کئے اور انتظار کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد تھانیدار نے فون اٹھا لیا۔ اس نے منشی کو پہچانتے ہوئے پوچھا

"اوئے منشی جی کیا حال ہے تیرا؟ کیسے کیا فون؟"

"میں ٹھیک ہوں، بس، تیرے ذمے لگانا ہے۔"

"کام، کیسا کام؟" اس نے پوچھا

"تو ہے کہ نہ حویلی آیا ہے اور نہ ڈیرے پر، اور نہ ہی تو فون پر ملتا ہے۔ لگتا ہے نئے اے ایس پی نے تجھ سے کوئی زیادہ ہی کام لینا شروع کر دیا ہے۔" منشی نے طنزیہ لہجے میں کہا تو تھانیدار چڑتے ہوئے بولا

"اوئے کام کیا منشی، اس اے ایس پی نے تو پڑھنے پا دیا ہے۔ یہ پہلا افسر ہے جس کی ابھی تک مجھے سمجھ نہیں آئی۔ اور جس دن اس کی مجھے سمجھ آ گئی اس کی ساری افسری گھما کر رکھ دوں گا۔ خیر، تو کام بول۔"

"کام یہ ہے کہ وہ جو چھاکا ہے نا، اسے کچھ دن اس طرح اندر رکھنا ہے کہ وہ باہر نہ آ پائے۔ بس اتنا سا کام ہے، جو تو نے کرنا ہے۔" منشی نے بتایا

''کچھ دن، مطلب؟'' اس نے پوچھا

''ہاں، اگر بات نہیں مانتا تو پھر اسے لمبا بھیج دے مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' منشی نے کہا

''اوئے مدعا کیا ڈالنا ہے اس پر؟ دیکھ تجھے پتہ ہے نئے افسر کا، جو کام بھی ہونا ہے وہ پھر پکا ہی ہونا ہے۔'' تھانیدار نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا

''میں کون سا کہہ رہا ہوں کہ تو کچا کام کر۔ کام تو پکا ہی ہونا چاہیے۔ وہ خود کو چشم دید گواہ بنائے پھرتا ہے نانذیر کا۔'' منشی نے اسے سمجھایا تو تھانیدار نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا

''اوئے ایک تو یہ چشم دید گواہوں نے میری مت ماردی ہے۔ ویسے چوہدری کبیر کو بھی چاہیے کہ ہتھ ہولا رکھے وہ بھی نا۔''

''اور یہ وڈھے لوگ جانے کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ چھاکے پر جو مدعا ڈالنا ہے اور جیسے ڈالنا ہے وہ بتا دینا میں سارا بندوبست کر دوں گا۔'' منشی نے اس کی بات نظرانداز کرتے ہوئے کہا

''وہ تو ٹھیک ہے بتادوں گا۔ پر ہم جو چوہدریوں کی اتنی غلامی کررہے ہیں ادھر اُدھر جو دینا ہے وہ بھی ہم پلے ہی دیں۔'' تھانیدار نے کہا

''کتنا چاہیے ہوگا اس کام کے لیے؟'' منشی نے پوچھا

''کام دیکھ لو، رقم بھی خود طے کرلو تم نے کون سا نئی رقم دینی ہے۔ تجھے پتہ تو گاڑی بنا پیٹرول کے نہیں چلتی۔'' اس نے واضح انداز میں کہا تو منشی بولا

''تو مدعا ڈال، رقم تجھے پہنچ جائے گی۔''

''بس تو کوئی کام کا بندہ تلاش کر کے رکھ باقی فکر نہ کر۔'' تھانیدار نے بھی یقین دہانی کروادی تو منشی بولا

''بندے بڑے، اب میں فون رکھتا ہوں۔''

منشی نے رسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

بشریٰ بیگم افسردہ سی بیٹھی سوچ رہی تھی کہ رانی آگئی۔ اس نے پاس بیٹھ کر ہولے سے پوچھا

''بیگم صاحب، آپ تو بہت زیادہ ہی پریشان ہوگئی ہیں۔''

''معاملہ میرے پتر کا ہے۔ کیا مجھے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ یہ کوئی میرے بس کی بات ہے پتہ نہیں کیا ہوگا۔'' بشریٰ بیگم نے حسرت سے کہا تو رانی قالین پر صوفے کے ساتھ بیگم کے پاس بیٹھتے ہوئے بولی

''بیگم صاحب۔! بھلا مجھے بتائیں۔ آپ اگر یونہی پریشان رہیں تو کیا یہ معاملہ حل ہوجائے گا۔ نہیں نا۔''

''تم کہتی تو ٹھیک ہو لیکن یہ میرا دل جو ہے نا، بہت ڈر رہا ہے۔ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔'' بشریٰ بیگم نے سوچتے ہوئے کہا تو رانی بولی

''آپ ماں بن کر سوچ رہی ہیں نا لیکن پریشانی سے کچھ نہیں ہوگا۔''

''تو پھر اور کیا کروں میں۔ اس صفیہ کو منانے گئی تھی لیکن اس نے تو کوئی اُمید بھی نہیں چھوڑی۔'' بشریٰ بیگم نے حسرت سے کہا۔ اس دوران چوہدری کبیر نے کمرے میں آتے ہوئے اپنی ماں کی بات سن لی۔ تبھی اس نے دبے دبے غصے میں کہا

''آپ نے وہاں جا کر اچھا نہیں ماں۔ نہیں جانا چاہئے تھا وہاں۔''

''تم۔! میں تو اس کے پاس.....'' بشریٰ بیگم نے چونک کر کہا تو چوہدری کبیر حقارت سے بولا

''یہ ہماری شان اور مرتبے کے خلاف ہے کہ آپ اس کی کمین عورت کے دروازے پر چل کر گئی ہو۔ زیادہ سے زیادہ کیا ہوتا پولیس پکڑ کر لے جاتی مجھے، سزا ہو جاتی۔ میں مر جاتا۔''

''اللہ نہ کرے پتر۔! یہ تو کیسی باتیں منہ سے نکال رہا ہے۔ برا ہو دشمنوں کا تمہارے سر پر تو میں نے ابھی سہرے دیکھنے ہیں۔'' بشریٰ بیگم نے تیز لہجے میں کہا

''ہاں۔ یہ بات کی ہے نا آپ نے کام کی، میں یہی بات کرنے کے لیے آپ کے پاس آیا ہوں۔'' اس نے کہا تو بشریٰ بیگم نے چونک کر کہا

''یہی بات۔! کیا مطلب، تم کہنا کیا چاہ رہے ہو۔''

''آپ نے ایک دفعہ مجھ سے پوچھا تھا نا کہ میری پسند کون ہے؟'' چوہدری کبیر نے کہا

''ہاں پوچھا تھا کون ہے وہ بتاؤ مجھے، میں اسے ہی تمہاری دلہن بناؤں گی۔ بتا پتر؟'' بشریٰ بیگم نے خوش ہو کر کہا تو چوہدری کبیر بولا

''تو سنو ماں، میری پسند، ماسٹر دین محمد کی بیٹی سلمیٰ ہے، وہی میری دلہن بنے گی۔''

''یہ..... یہ کیا کہہ رہے ہو تم سلمیٰ، وہ کیوں؟'' بشریٰ بیگم نے شدید حیرت سے کہا تو چوہدری کبیر مسکراتے ہوئے بولا

''اس کیوں کا جواب، میں اس وقت دوں گا، جب وہ میری دلہن بن گئی۔''

''بیٹا، کہاں وہ کہاں تم؟ یہ جوڑ بنتا ہی نہیں ہے۔ تم خواہ مخواہ ضد کر رہے ہو۔ ایسا مت سوچو، تمہارا معاملہ جلدی ختم ہو جائے گا تو ہم تمہیں بہت اونچے گھرانے سے دلہن لا کر دیں گے۔ پھر ایسا نہیں سوچنا۔'' وہ انکار کرتے ہوئے بولی

''ماں۔! میں نے کہہ دیا۔ اور بہت سوچ سمجھ کر یہ کہا ہے۔ وہ ہر حال میں میری دلہن بنے گی۔ اور بس۔'' چوہدری کبیر نے فیصلہ کن انداز میں کہا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ بشریٰ بیگم حیرت زدہ سی بیٹھی رہ گئی۔ رانی نے اس کی طرف دیکھا اور گھبرا کر پلٹ گئی۔

رات کا دوسرا پہر ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ چوہدری جلال حویلی کے والان میں بیٹھا گہری سوچ میں کھویا ہوا۔ بشریٰ بیگم نے اسے یوں دیکھا تو دبے قدموں سے اس کے پاس آئی تو چوہدری نے اس کی طرف دیکھ کر ایک طویل سانس لیا۔

''آپ نے سونا نہیں۔ رات اتنی گہری ہو گئی ہے۔'' بشریٰ بیگم نے پوچھا تو چوہدری جلال اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا

''بیگم ۔! یہ جو تو نے کبیر کی ضد بارے مجھے بتایا ہے، یہ ٹھیک نہیں ہے۔ ماسٹر دین محمد کو ساری زندگی ہم نے دبا کر رکھا ہے اس کی بیٹی سلمٰی بارے کبیر کی خواہش...... یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے؟''

''میں نے اپنے طور پر معلوم کیا چوہدری صاحب ۔! اپنا کبیر ۔اس سلمٰی کے لیے اپنے دل میں محبت پال چکا ہے ۔جس کا اظہار وہ کرتا رہا ہے ۔ہم ہی غافل رہے ہیں ۔''

بشریٰ بیگم نے اس پر واضح کر دیا تو چوہدری جلال نے چونکتے ہوئے کہا

''کیا مطلب ۔! یہ محبت کیا ہوتی ہے ۔فضول ضد ہے کبیر کی یہ ۔اسے یہیں ختم کرنا ہو گی یہ ضد ۔بتا دینا اسے میں ایسا کبھی نہیں ہونے دوں گا ۔''

''میں بھی نہیں چاہتی کہ کبیر ایسی خواہش کرے ۔لیکن اگر سختی سے روکیں گے تو ممکن ہے وہ ہماری بات نہ مانے اور.....'' بشریٰ بیگم نے کہنا چاہا تو وہ بات کاٹ کر بولا

'' کچھ بھی کر لے ۔ایسا ممکن نہیں ہو گا ۔'' پھر ایک دم سے خاموش ہو کر لمحہ بھر کے لئے سوچا اور بولا ،'' بیگم ۔! تم نے یہ معلوم نہیں کیا کہ اس لڑکی سلمٰی نے ہی کبیر پر ڈورے ڈالے ہوں؟''

''وہ کبیر سے نفرت کرتی ہے ۔'' بشریٰ بیگم نے ہولے سے کہا تو چوہدری جلال سمجھتے ہوئے بولا

''تو پھر وہ ایسا صرف اپنی ضد اور انا کے لیے کرنا چاہتا ہے ۔اسے سمجھا دو وہ ایسی فضولیات میں نہ پڑے ۔ بلکہ اس جاگیر کو سنجالنے کے لیے خود کو تیار کرے ۔اگر میں نہ رہا تو وہ کچھ نہیں کر پائے گا ۔''

''اللہ نہ کرے ،آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں ۔ میں آپ کو یہی بتانا چاہ رہی کہ آپ پریشان نہ ہوں ۔ میں اسے آہستہ آہستہ منا لوں گی ۔اس کے ذہن سے سلمٰی نکال دوں گی ۔ آپ اس کے لیے جلدی دلہن دیکھ لیں ۔ پھر وہ سب بھول جائے گا ۔'' بشریٰ بیگم نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا

''ایسا ہی کرنا ہو گا ۔ بس یہ نذیر والے معاملے کی دھول کم ہو جائے ۔ پھر اس کی شادی کر دیتے ہیں ۔'' چوہدری جلال نے حتمی انداز میں کہا تو بشریٰ بیگم بولی

''یہی بہتر رہے گا ۔آپ آئیں ۔آرام کریں ۔رات بہت ہو گئی ہے ۔''

''چلو ۔''

چوہدری جلال اٹھا گیا ۔وہ دونوں چلتے ہوئے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے ۔

❁......❁......❁

صبح کی نماز کے بعد فہد اور سراج چہل قدمی کیا اور گھر کے صحن میں آ کر بیٹھ گئے۔ وہ باتیں کر رہے تھے کہ چھاکا آ گیا، اس نے آہستہ سے سلام کیا اور کچن کی طرف جانے لگا۔ تبھی سراج نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے خوشگوار موڈ میں پوچھا

''اوئے چھاکے۔! بڑا چپ چاپ ہے۔ خیر تو ہے لبنے نے تو نہیں مارا؟''

''کیا ہوا ہے تجھے، کیوں پریشان ہے؟'' فہد نے بھی اس کا چہرہ دیکھ کر پوچھا تو چھاکا بولا

''پریشانی تو ہے، چوہدری کا منشی آیا تھا ابے کے پاس...... دھمکی لگانے۔''

''کہیں وہ نذیرے والے کیس میں تو نہیں؟'' سراج نے تیزی سے پوچھا

''ہاں۔! کہہ رہا تھا کہ میں اپنا بیان واپس لے لوں۔'' چھاکے نے جواب دیا تو اس نے کہا

''ہوں، یار انہوں نے تو ایسا کرنا ہی ہے اب، لگتا ہے چوہدری قانونی جنگ ہار کر بدمعاشی پر اتر آئے ہیں۔''

''وہ پہلے کون سا قانونی جنگ لڑتے ہیں۔ غنڈہ گردی ہی تو کرتے ہیں، جس کی وجہ سے لوگ ان سے خوف زدہ ہیں اور اس غنڈہ گردی کے لیے انہوں بدمعاش پالے ہوئے ہیں۔ خیر چھاکے، وہ جو کچھ بھی کہیں ان کی چھوڑ انہوں نے تو کہنا ہی ہے یہ بتا، تو اور تیرا ابا کیا کہتے ہیں' فہد نے پوچھا

''کچھ نہیں، ابے نے تو صرف مجھے بتایا ہے اور کوئی بات نہیں کی اور میں تو وہی کہوں گا نا جو آپ لوگ کہیں گے۔'' چھاکے نے کہا تو فہد بولا

''کیوں، تم ہماری زبان کیوں بولو گے نہیں، چھاکے، ہم لوگوں کے کہنے پر نہ جا، اپنے اندر سچ بولنے کی ہمت پیدا کر۔ وہی سچ کہنے کا حوصلہ کر جو اصل حقیقت ہے۔ چوہدری زیادہ سے زیادہ جان سے مروا دے گا، اس سے آگے وہ کیا کر سکتا ہے، یہ سوچ لے۔'' یہ کہہ کر فہد چھاکے کے دل پر ہاتھ رکھ کر بولا، ''یہ جو کہتا ہے وہ کر۔''

''نہیں فہد۔! میں نے فیصلہ کر لیا ہوا ہے۔ میں نے تو وہی کہنا ہے جو حقیقت ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔ میں آنکھیں بند نہیں کر سکتا۔'' چھاکے صاف لہجے میں کہا تو سراج بولا

''تو پھر کیا غم ہے۔ یہ رونی صورت کو ختم کر۔''

''میں پریشان اس لیے نہیں ہوں کہ انہوں نے مجھے دھمکی دی یا وہ میرے کسی فیصلے پر اثر انداز ہوں گے۔ میں پریشان اس لیے ہوں کہ اگر میری وجہ سے نکے چوہدری کو سزا ہوتی ہوئی نظر آئی تو وہ مجھے مارنے کی پوری کوشش کریں گے۔ اس طرح صفیہ کو انصاف تو نہیں مل سکے گا۔'' چھاکے نے اپنی پریشانی کی وجہ بتائی تو فہد نے ہنستے ہوئے کہا

''اب وہ وقت ختم ہو چکا ہے چھاکے۔ کبیر جس طرح پہلے اس علاقے میں بدمعاشی کر رہا تھا نا، اب ویسا نہیں کر سکے گا۔ اسے اب ہم سے چھپ کر ہی رہنا ہوگا۔''

''تو حوصلہ کر چھاکے ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ کیا ہم نہیں ہیں۔ اور پھر تجھے کیا، تیری تو پورے علاقے میں دس پچھ ہو گئی ہے۔'' سراج نے خوشگوار انداز میں ہنستے ہوئے کہا تو وہ تینوں ہنس دیئے۔ تبھی فہد نے کہا

''چل اب جلدی چائے ہی پلا دے۔ تیرے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ تیرے ہاتھ کی چائے کا تو چسکا ہی لگ گیا ہے۔''

''سیدھے ناشتہ ہی بنا میری جان، وہ تیرا شیخ آفتاب بھی تو آتا ہوگا۔'' سراج نے یاد دلایا تو فہد نے کہا

''او ہاں یار، کچھ کھانے کو دے دے۔ اس کے ساتھ پتہ نہیں کتنا وقت لگتا ہے۔''

''ابھی لو۔'' چھاکے نے کہا اور کچن میں گھس گیا۔

فہد، سراج اور شیخ آفتاب کھیتوں کے درمیان پھرتے ہوئے زمین دیکھ رہے تھے۔ ان کے انداز سے یہی ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ زمین کا سروے کر رہے ہوں۔ وہ چلتے ہوئے سڑک کنارے آ گئے، جہاں گاڑیاں کھڑی تھیں اور ان کے پاس شیخ آفتاب کا ڈرائیور اور گن مین کھڑے تھے۔ شیخ آفتاب نے خوشگوار لہجے میں کہا

''زمین تو میں نے دیکھ لی فہد صاحب۔ یہ فیکٹریوں کے لیے انتہائی مناسب جگہ ہے۔ میں ایسی ہی جگہ چاہتا تھا اور چوہدری جلال میری راہ میں رکاوٹ بنا ہوا تھا۔''

''یہ چاچے عمر حیات کی زمین تھی جو میں نے خریدی ہے۔ چوہدری جلال میری بھی راہ میں آیا تھا۔ مگر اب نہیں، اب آپ یقین رکھیں۔ وہ کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کرے گا۔''

فہد نے اسے یقین دلایا تو شیخ آفتاب بولا

''فہد صاحب، ان سیاستدانوں کا کوئی بھروسہ نہیں۔ آپ نہیں جانتے، ہمارے ہاں سیاست کسے کہتے ہیں؟''

''جانتا ہوں شیخ صاحب، دھوکا دینا، جھوٹ بولنا اور دوسروں کو کچل کر اپنے مفادات حاصل کرنے ہی کو سیاست سمجھا جاتا ہے۔'' فہد نے کہا

''ہمارا سیاسی کلچر ہی یہی بن چکا ہے کہ دولت لگاؤ اور دولت کماؤ حلال حرام، قومی مفاد، اور عوام کی خدمت ان کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ سیاست بھی ایک کاروبار کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ سرمایہ لگا کر ایم پی اے، ایم این اے بن جاؤ، خوب کرپشن کرو، لوٹ مار کرو اور دولت بناؤ۔ غریب آدمی تو الیکشن کے اخراجات پورے نہیں کر سکتا۔'' شیخ آفتاب نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا تو فہد سکون سے بولا

''لیکن، بات تو ووٹ پر آ کر ختم ہوتی ہے نا شیخ صاحب، غریب اگر اپنے جیسے کسی بندے کو ووٹ دے دیں تو وہ ایم این اے بن جائے گا۔''

''مگر، غریب کو ووٹ کی طاقت کا شعور نہیں۔ وہ بے چارہ ان سیاست دانوں کی غلامی میں پھنسا ہوا ہے۔'' شیخ آفتاب نے حقیقت بتائی تو فہد حوصلہ افزا لہجے بولا

''اب غریب نکلے گا، کم از کم اس علاقے سے تو نکلے گا۔ خیر، ہم اپنی بات کریں۔''

''میرے پاس یہاں زمین نہیں تھی۔ ورنہ میں چوہدری کی پیدا کردہ رکاوٹیں ختم کر دیتا۔ خیر، اُسے چھوڑیں، آپ بتائیں یہ سارے معاملات طے کرنے کے لیے آپ کب آ رہے ہیں ہمارے پاس؟''

شیخ آفتاب نے پوچھا تو فہد نے کہا

''آپ جب چاہیں۔ ویسے تو ملک نعیم صاحب نے آپ سے بات کر لی ہوگی۔''

فہد نے اپنا عندیہ دیا تو اس نے لمحہ بھر سوچا اور بولا

''میں تو کہتا ہوں آج ہی ملاقات ہو جائے، کچھ منظر نکھرے تو باقی باتیں بھی ہو جائیں گی۔''

''چلیں آج ہی سہی، آپ ملک صاحب کے ہاں پہنچیں، میں بھی وہیں آ جاتا ہوں۔''

''میں دو گھنٹے بعد آپ کا وہیں انتظار کروں گا۔'' یہ کہہ کر شیخ آفتاب نے اپنا ہاتھ بڑھایا تو دونوں نے اس سے ہاتھ ملایا۔ ڈرائیور گاڑی میں بیٹھا۔ وہ بھی، گن مین بھی اور ہاتھ ہلاتے چلے گئے۔ فہد اور سراج نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر اپنی گاڑی کی جانب بڑھ گئے۔

ملک نعیم کے گھر میں فہد، شیخ آفتاب، ملک نعیم اور سراج بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ شیخ آفتاب کہہ رہا تھا ''یہ تو طے ہے ملک صاحب کہ اس علاقے میں فیکٹریاں لگانی ہیں۔ چوہدری جلال نے ہمیشہ مخالفت کی ورنہ میں تو سرمایہ لگانے کو بالکل تیار بیٹھا ہوں۔''

''شیخ آفتاب۔! یہ ٹھیک ہے کہ آپ سرمایہ اپنے منافع کے لیے لگا رہے ہیں۔ لیکن یہ اس علاقے کے لیے ضروری بھی ہے۔ کیونکہ یہاں غربت ہے، بے روزگاری ہے، ہسپتال نہیں، کوئی بڑا اسکول نہیں۔ فیکٹریاں لگانے کے ساتھ آپ کو یہ سہولیات دینا ہوں گی۔'' فہد نے کہا تو ملک نعیم بولا

''بے شک۔! یہی تو پہلی ترجیح ہے۔ سرمایہ دار کا منافع عوام میں سے ہو کر آتا ہے۔''

''میں نے سوچا ہے کہ میں نے وہاں سے کئی برس تک منافع نہیں کمانا، سیدھی بات ہے میں نے اپنی ضد پوری کرنی ہے۔ میری زندگی میں صرف چوہدری جلال ہی ایسا شخص آیا ہے جس نے میری راہ میں رکاوٹیں پیدا کیں۔ خیر۔! آپ جو بھی اور جیسی بھی شرائط رکھیں جو طے کرنا چاہیں کریں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔'' شیخ آفتاب نے واشگاف انداز میں کہہ دیا تو فہد بولا

''میری صرف ایک شرط ہے۔ اس علاقے کے لوگوں کی خوشحالی، اور بس۔''

''ہم بھی تو یہی چاہتے ہیں۔ آپ نے سکول کھول کر علاقے پر بہت احسان کیا ہے۔ اب یہ بند نہیں ہونے دیں گے۔ میں نے خود محکمے والوں سے بات کی ہے۔'' ملک نعیم نے کہا

''تو پھر طے ہو گیا۔ آپ جیسے چاہیں پیپرز بنوا لیں۔ مجھے منظور ہوگا۔'' یہ کہتے ہوئے شیخ آفتاب نے فہد کی جانب ہاتھ بڑھا دیا۔ فہد نے ہاتھ ملایا تو ملک نعیم اور سراج کے چہرے پر مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

❁.......❁.......❁

صفیہ اپنے گھر میں چارپائی پر بیٹھی دال چُن رہی تھی کہ نعمت علی گھر میں آ گیا۔ وہ اسے گھر میں دیکھ کر مسکرا دیا۔ صفیہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔ وہ قریب پڑی چارپائی پر بیٹھتے ہوئے بولا

"مجھے معلوم تھا کہ تم کہیں نہیں جاؤ گی۔ تیرا ہمارے سوا ہے کون۔ اچھا کیا تو نے میری بات مان لی۔ اب تو چاہئے تو یہ گھر اپنے نام لکھوا لینا۔ چوہدری ہمیں یہ گھر دے دیں گے۔"

"بابا۔! یہ تو کیسی باتیں کر رہا ہے۔ یہ سچ ہے کہ تمہارے سوا ہمارا ہے کون مگر میں یہاں اس لیے نہیں ہوں کہ میں نے اپنے شوہر کے قاتلوں کو معاف کر دیا ہے۔"

صفیہ نے واشگاف انداز میں کہا تو بابا نعمت علی کی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔ وہ غصے میں بولا

"تو پھر تُو یہاں کیوں ہے۔ میں نے تمہیں یہاں سے چلے جانے کو کہا تھا۔"

"چلی جاؤں گی اور اگر چلی گئی تو پلٹ کر بھی واپس نہیں آؤں گی۔" صفیہ نے کہا

"دیکھو صفیہ۔! تمہارے پاس دو ہی راستے ہیں یا تو چوہدریوں کی بات مان لے اور یہاں پر سکون زندگی گذار یا پھر در بدر کی ٹھوکریں کھانے کے لیے چلی جا۔ میں بھی مجبور ہو گیا ہوں۔ میں چوہدریوں کے سامنے بہانے بنا بنا کر تھک چکا ہوں۔" بابا نعمت علی نے ہار مانتے ہوئے کہا تو صفیہ بولی

"تو مجبور نہ ہو بابا۔! میں چلی جاتی ہوں۔"

"تو پھر چلی کیوں نہیں جاتی ہو۔ یہاں بیٹھی کیا کر رہی ہو۔ تم اب میری ذمے داری نہیں ہو۔ بابا نعمت علی نے چیخ کر کہا۔ آخری لفظ کہتے ہوئے بابا کا گلہ رندھ گیا۔ صفیہ نے اس کی جانب دیکھا۔ وہ اٹھ کر باہر کی جانب چلا گیا۔ صفیہ نے اپنے بچوں کی طرف دیکھا پھر دکھ اور حسرت سے بولی

"چلو بیٹا۔! اب ہم یہاں سے چلیں۔ اب ہم یہاں نہیں رہ سکتے۔"

اس نے آنکھوں میں آئے آنسو صاف کیے اور اپنے بچوں کو لے کر باہر نکل گئی۔ وہ سیدھی سلمٰی کے گھر جا پہنچی۔ اس وقت ماسٹر دین محمد صحن میں بیٹھا ہوا تھا جب دروازے میں صفیہ آن کھڑی ہوئی۔ اس کے ساتھ بچے تھے۔ ماسٹر دین محمد کی نگاہ اس کی طرف اٹھی تو بولا

"آ جاؤ بیٹی، آؤ۔ آ جاؤ، وہاں کیوں کھڑی ہو۔" یہ کہا پھر سلمٰی کو آواز دی، "سلمٰی اُو پتر سلمٰی۔"

دروازے کی طرف سے صفیہ آ گئی تو اندر کی جانب سے سلمٰی وہاں آ گئی۔

"میں آ گئی ہوں سلمٰی۔ ہمیشہ کے لیے وہ گھر چھوڑ کر آ گئی ہوں۔" صفیہ نے کہا

"میں یہ تو نہیں کہتی کہ تم نے اچھا کیا یا برا لیکن یہاں تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہو گی۔ آؤ بیٹھو۔" سلمٰی نے کہا

"میں محنت مزدوری کروں گی۔ اپنے بچوں کا پیٹ پال لوں میں کوشش کروں گی کہ جلدی......" اس نے کہنا چاہا تو ماسٹر دین محمد نے تحمل سے کہا

''اُو بیٹی۔! تو بیٹھ۔! کچھ کھا پی لے، پھر یہ باتیں سوچتی رہنا اللہ نے تیرے لیے چھت کا بندوبست بھی کر دیا ہے۔ وہ رزق دینے والا ہے۔ وہی دے گا۔ تو بیٹھ سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''میرے لیے چھت کا بندوبست؟'' صفیہ نے حیرت سے پوچھا تو سلمٰی نے بتایا

''ہاں۔ وہ چاچے عمر حیات والا گھر خالی ہے نا، تو اپنا سامان ادھر ہی رکھ لینا۔ ادھر رہنا چاہو تو بھی ہمیں پریشانی نہیں۔ بس اب تم نے ان باتوں کو نہیں سوچنا۔ تو بیٹھ میں ان بچوں کے لیے کچھ کھانے کو لاتی ہوں۔''

صفیہ نے تشکر بھرے انداز میں ان دونوں کی طرف دیکھا اور وہیں ایک چارپائی پر بچوں کو لے کر بیٹھ گئی۔

صفیہ نے جہاں چاچے عمر حیات والے گھر میں ڈیرہ ڈال لیا، وہیں سلمی نے اسی گھر کو اپنا آفس بنا لیا۔ لیکن یہ ابھی باقاعدہ نہیں ہوا تھا۔ سلمی ابھی اپنے گھر ہی کام کرتی تھی۔ اس وقت سلمٰی دالان میں میز پر کافی سارے کاغذ پھیلائے بیٹھی تھی۔ صفیہ اس کے پاس زمین پر بیٹھی ہوئی اسے دیکھ رہی تھی۔ جب فہد گھر میں آیا۔ اس نے بڑے غور سے اسے دیکھا اور خوشگوار موڈ میں پوچھا

''کیا ہو رہا ہے۔ یہ اتنا بڑا دفتر کیوں لگایا ہوا ہے۔''

''آپ بیٹھیں تو میں آپ کو بتاؤں۔'' اس نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ فہد قریب پڑی کرسی پر بیٹھ کے بولا

''بیٹھ گیا اب بولو۔''

''پہلی بات تو یہ ہے کہ صفیہ اپنا چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے اپنے پاس آ گئی ہے۔ میں نے اسے سب سمجھا دیا۔ جدھر چاہے رہے۔''

''ٹھیک ہے اور دوسری بات؟'' فہد نے پوچھا۔

''میں نے اپنا کام شروع کر دیا ہے۔ پہلے میں گاؤں کے ان غریب لوگوں کی لسٹ بنا رہی ہوں جو کسی نہ کسی حوالے سے مدد کے مستحق ہیں۔ بعد میں یہ فیصلہ کریں گے کہ انہیں اپنے پاؤں پر کیسے کھڑا کیا جا سکتا ہے تاکہ وہ اپنی کمائیں اور خود کھائیں۔'' سلمی نے بتایا تو فہد بولا

''یہ تو بہت اچھا ہے، جب تک ہم خود انحصار نہیں ہوں گے۔ ان جاگیرداروں کے چنگل سے تو نہیں نکل سکتے۔''

''مسئلہ بھی تو یہیں ہے نا۔ ان کے چنگل سے نکل کر خود انحصاری تک کے درمیان سہارے کی ضرورت ہے، اس پر ہمیں سوچنا ہے۔ اور ان کے لیے کچھ کرنا ہے۔'' سلمی نے گہری سنجیدگی سے کہا تو صفیہ نے پوچھا

''میں چائے بناؤں آپ کے لیے؟''

''ہاں۔! بناؤ۔ لیکن ذرا جلدی۔ میں نے ابھی نور پور کے لیے نکلنا ہے۔ یہ استاد جی کدھر ہیں؟''

''ساتھ والے گاؤں، اپنے کسی دوست کے پاس گئے ہیں۔ آپ کہاں گئے ہوئے تھے۔'' سلمی نے پوچھا تو صفیہ ان کے پاس سے اٹھ کر کچن کی طرف چلی گئی۔

''جیسا کام تم کر رہی ہو، ویسا ہی میں کر رہا ہوں۔ دیکھو میں نے چاچے عمر حیات کی زمین اس لیے خریدی ہے کہ اس پر فیکٹری لگاؤں۔ تاکہ لوگوں کو روزگار ملے اور وہ خود انحصار ہو کر چوہدریوں کے چنگل سے نکل آئیں۔'' فہد نے کہا تو سلمی بولی

''فیکٹری لگانا کوئی معمولی بات ہے، اس کے لیے بڑا سرمایہ چاہئے؟''

''میرے پاس اتنا سرمایہ ہے کہ ایک کی بجائے دس فیکٹریاں یہاں لگا لوں۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ یہاں کے لوگ بھی میرے ساتھ شامل ہو جائیں۔'' فہد نے جواب دیا تو سلمی نے جلدی سے پوچھا

''وہ کیوں؟''

''شیخ آفتاب نے بہت کوشش کی فیکٹری لگانے کی مگر چوہدری نے اس کی چلنے نہیں دی۔ وہ سرمایہ اٹھا کر پھرتا رہا لیکن کسی نے زمین نہ دی۔ اب میں نے زمین خریدی ہے تو میرے ساتھ پارٹنر بننا چاہتا ہے۔ میرے ساتھ مقامی لوگ ہوں گے تو میری ہی قوت میں اضافہ ہوگا نا۔ صبح سے اسی کے ساتھ تھا۔ اب بات آئی سمجھ میں۔''

''جی سمجھ گئی۔'' سلمی نے مسکراتے ہوئے کہا تو فہد لسٹ اٹھا کر پڑھنے لگا۔

❁.......❁.......❁
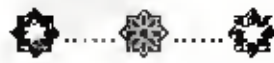
حویلی کے ڈرائنگ روم میں بشریٰ بیگم بیٹھی ہوئی تھی۔ رانی اس کے لیے چائے کا مگ لا آئی تو رانی نے وہ مگ اسے تھماتے ہوئے کہا

''یہ لیں بیگم صاحبہ۔!''

''کبیر کہاں ہے؟ ابھی تیار نہیں ہوا؟'' بشریٰ بیگم نے مگ پکڑتے ہوئے پوچھا تو رانی بولی

''وہ جی، تیار ہو کر ادھر ہی آ رہے ہیں۔''

لفظ اس کے منہ ہی میں تھے کہ چوہدری کبیر اندر سے وہیں آ گیا۔ بشریٰ بیگم نے چائے کا سپ لے کر مگ رکھ دیا اور کبیر کی طرف دیکھ کو بولی، ''کدھر جا رہے ہو؟''

''ڈیرے پر۔'' اس نے کہا اور پھر اپنی ماں کی طرف دیکھ کر بولا ''کیوں خیر ہے ماں، جو آپ ایسے پوچھ رہی ہیں آج؟''

''میں نے تم سے بات کرنی ہے۔ بیٹھو۔''

کہیں۔!'' یہ کہہ کر وہ پاس پڑی کرسی پر بیٹھ گیا تو بشریٰ بیگم نے اس کی طرف دیکھ کر کہا

''تیرے بابا سے میری بات ہوئی تھی۔ وہ تمہاری اس سلمی کا نام بھی نہیں سننا چاہتے۔ وہ جانتے ہیں کہ تم صرف ضد میں آ کر اسے اپنی دلہن بنانا چاہتے ہو۔ اس لیے......''

بشریٰ بیگم نے کہنا چاہا تو چوہدری کبیر مسکراتے ہوئے ہولے سے بولا

''ماں، میں نے ضد کی ہے یا خواہش، میری دلہن سلمی ہی بنے گی، کوئی دوسری نہیں۔''

''تم کون ہوتے ہو اکیلے فیصلہ کرنے والے جو فیصلہ چوہدری صاحب کریں گے وہی ہوگا۔'' بشریٰ بیگم نے غصے میں پوچھا تو چوہدری کبیر سکون سے بولا

''ماں تو بہت بھولی ہے، شادی اس سے میں نے کرنی ہے فیصلہ بھی میرا ہی ہوگا۔''

''تو پاگل ہو گیا ہے۔ جو میں کہہ رہی ہوں۔ تم اسے سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کر رہے ہو۔ کیوں فضول بحث کرتے ہو۔'' وہ اکتاتے ہوئے بولی تو چوہدری کبیر نے جذباتی انداز میں کہا

''ماں آپ نہیں جانتی ہو۔ وہ میرے لیے کیا ہے۔''

''کیا ہے وہ تمہارے لیے، ذرا مجھے بھی تو معلوم ہو میں اس.....'' بشریٰ بیگم نے حیرت سے پوچھا تو وہ مزید کہنا چاہتی تھی تو اس نے انگلی کھڑی کر کے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کر دیا۔ وہ حیرت اور غصے میں اسے دیکھتی رہی۔ چوہدری کبیر مسکراتا ہوا اٹھ کر بیرونی دروازہ عبور کر گیا۔ رانی اسے جاتا ہوا دیکھتی رہی۔

دوپہر سے ذرا پہلے چوہدری جلال صوفے پر بیٹھا سوچ رہا تھا۔ چند لمحے بعد منشی فضل دین وہاں آ گیا۔ وہ چوہدری کی جانب متوجہ ہو کر بولا

''چوہدری صاحب۔! آپ تک جو خبر پہنچی ہے وہ ٹھیک ہے۔ میں نے تصدیق کر لی ہے۔ سیٹھ آفتاب نے وہ جگہ اپنی فیکٹریوں کے لیے پسند کر لی ہے۔ جو فہد نے عمر حیات سے خریدی ہے۔''

''اس کا مطلب ہے سیٹھ آفتاب اب بھی اپنی ضد پر قائم ہے۔ وہ یہاں فیکٹریاں لگانا اب تک نہیں بھولا۔'' چوہدری جلال نے حقارت سے کہا تو منشی بولا

''لگتا تو یہی ہے۔ کیونکہ اس نے زمین پسند کر کے فہد سے بات کر لی ہے۔''

''منشی۔! جب تک یہ فہد یہاں نہیں آیا ان لوگوں کی ہمت نہیں پڑی کہ وہ میری مرضی کے بغیر یہاں فیکٹریاں لگانے کا سوچ سکیں۔ اس فہد نے انہیں رستہ دے دیا ہے۔ یہ ہمارے لیے اچھا نہیں ہے۔'' چوہدری جلال نے سوچتے ہوئے کہا

''سچی بات تو یہ ہے چوہدری صاحب۔! آپ نے شروع ہی سے فہد کے بارے میں غلط اندازہ لگایا۔ نکا چوہدری ٹھیک کہتا تھا۔ اسے یہاں پیر جمانے ہی دینا چاہیں تھے۔ وہ کھلے عام لوگوں کو آپ کے بارے میں بھڑکا رہا ہے۔ اس کا وجود ہمارے لیے بہت بڑا خطرہ بن گیا ہے چوہدری صاحب۔'' منشی نے اسے یاد کرایا

''تم ٹھیک کہتے ہو۔ وہ ہمیں ہر طرح سے زچ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ میں اب سمجھا ہوں کہ وہ ہم سے کس طرح انتقام لینا چاہتا ہے۔ اب اسے یہاں نہیں رہنا چاہئے۔'' چوہدری جلال نے سر ہلاتے ہوئے کہا

''تو پھر جتنی جلدی ہو سکے، اس کا کام ہو جانا چاہئے، ورنہ مشکل پیدا کرتا چلا جائے گا وہ ہمارے لئے۔'' منشی نے بڑی خطرناک

صلاح دی تو چوہدری جلال اس کی ہاں میں ہاں ملاتا ہوا بولا

''ہاں۔! اب اس کا بندوبست کرنا ہی پڑے گا اس پر ایسے ہاتھ ڈالنا ہے کہ وہ پھڑک نہ سکے۔''

''لیکن آپ پہلے نکے چوہدری والا معاملہ دیکھ لیں۔'' منشی نے یاد دلایا تو چوہدری جلال کو یاد آ گیا

''وہ نعمت علی سے پوچھو، اگر اس کی بہو نہیں مانتی تو......''

''میں سمجھ گیا، ان کا یہی حل ہے لیکن اگر میں کہوں کہ فہد ہی جو اس مسئلے کا جڑ ہے تو......'' منشی نے سوالیہ نشان چھوڑ دیا تو چوہدری جلال لمحہ بھر توقف کے بعد بولا'' اس کے بارے میں نے سوچ لیا ہے۔ بس چند دن مزید ہیں۔ ہاں ڈرائیور سے کہو گاڑی نکالے۔ نور پور پر جانا ہے۔''

منشی نے حکم سن کر اپنا سر ہلایا اور جلدی سے باہر کی جانب چلا گیا۔

سہ پہر کے وقت چوہدری جلال اور بشریٰ بیگم دونوں لان میں تھے۔ چوہدری کبیر دھیرے دھیرے چلتا ہوا ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ ان دونوں کے چہرے پر تاثر یہی تھا کہ وہ اس سے کوئی اہم ترین بات کرنا چاہ رہے ہیں۔ اس لئے چوہدری کبیر نے پوچھا

''جی بابا۔! آپ نے مجھے بلایا۔ خیریت تو ہے نا۔''

''ہاں۔! خیریت ہے اگر تم چاہو تو ورنہ شاید نہ ہو سکے۔'' چوہدری جلال نے کسی تاثر کے بغیر کہا

''کیا مطلب۔ ایسی کیا بات ہو گئی ہے۔'' چوہدری کبیر سکون سے بولا تو بشریٰ بیگم نے کہا

''بات یہ کبیر۔ وقت ایسا آ گیا ہے، جب ہمیں کچھ فیصلے کر لینے چاہئیں۔ ورنہ حالات ہمارے ہاتھ سے ریت کی طرح نکل جائیں گے۔''

''ایسا کیا ہو گیا ہے بابا، آپ لوگ کیوں اتنے پریشان ہیں۔'' چوہدری کبیر نے حیرت سے پوچھا ''یہی بات کرنے تمہیں بلایا ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ ابھی نذیر کا معاملہ ختم نہیں ہوا اور تم نے ایک نئی ضد شروع کر دی ہے، اور ایسی ضد جسے نہ عقل تسلیم کرتی ہے اور نہ ہماری خاندانی روایات۔'' چوہدری جلال نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تو وہ بولا

''تو میں کون سا اس ماسٹر کی بیٹی کو اس حویلی کی زینت بنانا چاہتا ہوں۔ جس سے ہماری خاندانی روایت ٹوٹ جائے گی۔''

اس نے کہا تو دونوں میاں بیوی چونک گئے۔ تبھی چوہدری جلال نے الجھتے ہوئے پوچھا

''کیا مطلب۔! تم کہنا کیا چاہتے ہو؟''

''میں تو فہد کو ذہنی اذیت چاہتا ہوں میں سلمٰی کو اس حویلی میں نہیں لاؤں گا بلکہ نوکرانی بنا کر نور پور میں رکھوں گا۔ اس کی جرات کیسے ہوئی کہ میرے خلاف نذیر کی بیوی کو بھڑکانے کی۔'' چوہدری کبیر نے حقارت سے کہا تو چوہدری جلال نے سوچتے ہوئے کہا

''ہوں۔! تو یہ سوچ رہے ہو تمہاری؟''

''کیونکہ آپ فہد کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں۔ان لوگوں کو صرف فہد کی وجہ سے اتنا حوصلہ ملا ہے کہ وہ ہمارے خلاف سر اٹھا سکیں۔اور یہ جو حالات ہمارے خلاف ہو رہے ہیں۔صرف اور صرف اسی وجہ سے ہیں۔'' چوہدری کبیر نے اپنے باپ کو دلیل دی

''کبیر۔!تم نہیں سمجھتے ہو۔وقت کا تقاضا یہ ہے کہ اگر اسے راستے سے ہٹاتے ہیں نا تو پھر ہمارے پاس حالات سدھارنے کا بھی موقعہ نہیں رہ جاتا۔شاید تم نہیں جانتے اس نے بچپن سے لیکر اب تک ہمارے خلاف ہی قوت جمع کی ہے۔'' چوہدری جلال نے کہا

''تو پھر فیصلہ کر لیں۔ہمیں کیا کرنا ہے۔یوں حالات کے ہاتھ سے نکلتے دیکھتے رہیں یا پھر ان حالات پر قابو پا لیں۔'' چوہدری کبیر نے پوچھا چوہدری جلال دھیمے سے لہجے میں بولا

''ان حالات پر قابو پانا ہی ہوگا کبیر''

''تو بس پھر، میں جو کرتا ہوں، مجھے کرنے دیں۔'' چوہدری کبیر نے مسکراتے ہوئے کہا تو بشریٰ بیگم تیزی سے خوف زدہ لہجے میں بولی

''خدارا کچھ ایسا نہ کرنا جو ہمارے لیے نئی مصیبت بن جائے میرے بیٹے، پہلے ہی ہم بہت اذیت سے گذر رہے ہیں، بہت ہو چکا یہ خون خرابہ۔''

''ماں۔!فیصلہ ہو چکا ہے۔'' چوہدری کبیر نے حتمی لہجے میں کہا اور اٹھ کر اندر کی جانب بڑھ گیا۔ بشریٰ بیگم کے چہرے پر اذیت بھرے جذبات ابھر آئے تھے، اسے یہ فیصلہ پسند نہیں آیا تھا۔

اسی شام وکیل جمیل اختر حویلی کے ڈرائنگ روم میں تھا۔چوہدری جلال نے اسے بلوایا تھا کہ یہ اچانک ملک نعیم کیسے سر اٹھانے لگا ہے، یہاں تک کہ اس کے ساتھ فہد اور شیخ آفتاب جیسے لوگ بھی آن ملے تھے۔وہ اس سوال کا جواب چاہتا تھا کہ ایسا آخر کیا ہو گیا ہے کہ وہ مضبوط ہو رہے ہیں۔وہ قدرے غصے میں بات کر رہا تھا

''یہ سب کیا ہو رہا ہے وکیل صاحب۔!ہم پرکھوں سے یہاں پر سیاست کر رہے ہیں۔آج تک علاقے میں ہماری اتنی مخالفت نہیں ہوئی جتنی اب ہو رہی ہے۔لوگ جگہ جگہ بیٹھ کر ہمارے ہی خلاف باتیں کر رہے ہیں۔''

''چوہدری صاحب۔!ایسا تبھی ہوتا ہے جب کسی بھی سیاست دان کی اپنے حلقے میں سیاسی گرفت کمزور ہو جائے، مفاد پرست تو کچھ بھی نہ ہونے سے بہت کچھ بنا لیتے ہیں۔دیکھنا یہی ہوگا کہ سیاسی گرفت کمزور کیوں ہوگئی؟'' وکیل نے بڑے تحمل سے کہا

''کیوں ہوگئی آپ سب کا خیال کیا؟'' اس نے بھی کافی حد تک تحمل سے پوچھا

''یہ لوگ آپ کو کیا بتائیں، انہوں نے تو وہی کیا ہے جو آپ نے کہا۔ان کے پاس ووٹ تو ہیں۔لیکن وہ صلاحیت نہیں جس سے بدلتے ہوئے حالات کا رخ دیکھ سکیں۔کیا آپ نے علاقے کے ان با اثر لوگوں سے رابطہ رکھا۔جو اپنے طور پر چھوٹی چھوٹی قوموں میں ہیں۔'' وکیل نے پوچھا

''آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں وکیل صاحب۔نور پور کے چھوٹے موٹے کاموں سے لیکر اسمبلی تک چھوٹے بڑے اداروں میں ان کے کام نکلوائے ہیں۔سفارشیں کی ہیں۔نوکریاں دلوائیں ہیں جائز اور ناجائز سارے کام ہوتے ہیں۔اور رابطہ کیسے ہوتا ہے۔'' چوہدری جلال نے الجھتے ہوئے کہا تو وکیل بولا

''چوہدری صاحب۔!میں بار بار عرض کرتا رہا ہوں کہ اب سیاست اور حالات کا رخ بدل گیا ہے۔اب عوام کو شعور ہے۔کامیاب وہی ہوگا جو عوامی خدمت کرے گا،اسی کے ہاتھ میں سیاسی گرفت ہوگی۔''

''وکیل صاحب میں آپ کی اسی بات سے اختلاف کرتا آیا ہوں۔میں چاہوں تو ایک ہی دن میں پانسہ پلٹ کر رکھ دوں بس چند بندوں کو قابو کرنے کی بات ہے یہ نہ عوامی شعور سے ہوگا اور نہ عوامی خدمت سے۔میرے خیال میں اصل معاملہ یہ ہے کہ مفاد پرست لوگ سیاسی بلیک میلنگ پر اتر آئے ہیں۔کیا خیال ہے۔''

یہ سن کر وکیل کا چہرہ اتر گیا۔اس نے تحمل سے کہا

''آپ درست کہہ رہے ہیں۔لیکن غلط میں بھی نہیں کہہ رہا۔علاقے کی چھوٹی چھوٹی قوتوں کو ساتھ لے کر ہی چلنا ہوگا۔''

''آپ کا کیا خیال ہے۔ملک نعیم یہ جو اپنے ہونے کا ناکام ثبوت دے رہا ہے۔میں اس سے گھبرا جاؤں۔آپ اپنا گروپ مضبوط کریں۔میں علاقے کی سیاست کو خود دیکھتا ہوں۔'' چوہدری جلال نے کہا تو وکیل بولا

''جیسے آپ کی مرضی۔میں آپ کو نور پور کی صورت حال بارے بتا دیتا ہوں، پھر جیسا آپ کہیں، ویسا ہی ہوگا''

وہ دونوں باتیں کرنے لگے۔

وکیل چلا گیا تو چوہدری جلال نے بہت دیر تک سوچتا رہا۔اسے اپنی تمام تر مشکلات کی وجہ صرف اور صرف فہد ہی لگا۔اس کے یہاں آنے ہی سے حالات اس کے قابو میں نہیں رہے تھے۔اس سے پہلے کہ سب کچھ اس کے ہاتھ سے نکل جائے،اس نے فہد ہی کو راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کر لیا۔اسی رات چوہدری جلال اپنے ڈیرے پر جا پہنچا۔جیسے ہی اس کی گاڑی رکی اس کے پیچھے ہی ایک اور کار آن رکی۔اس میں سے ایک نوجوان نکلا،جس نے جین اور لیدر جیکٹ پہنی ہوئی تھی۔اس کا چہرہ کافی حد تک ڈھکا ہوا تھا۔چوہدری جلال نے اس کی طرف غیر جذباتی انداز میں دیکھا تو کاشی نے مسکراتے ہوئے اس سے ہاتھ ملایا۔چوہدری جلال نے غیر جذباتی انداز میں کہا

''بہت عرصے بعد ملاقات ہوئی ہے کاشی۔''

''آپ نے یاد ہی اتنے عرصے بعد کیا ہے۔اس دوران آپ کو کام نہیں پڑا، آج کام پڑا تو آپ نے بلوا لیا۔'' کاشی نے اس کی طرف بہت سنجیدگی سے جواب دیا

''ہاں تمہاری یاد، خیر معاملہ ہی کچھ ایسا آ پڑا ہے، میں تو سیدھے سیدھے اس کا حل کر لیتا لیکن یہ سیاست درمیان میں آ گئی۔دونوں کی فکر میں معاملہ ہاتھ سے نکلتا جا رہا ہے۔''

چوہدری جلال نے اپنی الجھن بتائی تو کاشی سکون سے بولا

''ہم کس لئے ہیں چوہدری صاحب، ہم حاضر ہیں۔ بولیں، آپ کے مقابلے میں کوئی اور سیاست دان آ گیا ہے کیا؟''

''ایک چھوٹا سا سیاست دان تو پہلے ہی تھا لیکن اس کے علاوہ ایک غیر اہم سا بندہ ہے جسے شروع میں نے اہمیت ہی نہیں دی تھی۔ اب وہ دردِ سر بن گیا ہے۔'' چوہدری نے کہا تو کاشی لاپرواہی سے بولا

''اب میں آ گیا ہوں نا، سکون ہو جائے گا۔ کہیں تو آج رات ہی اس کا کام کر دیتا ہوں۔''

''نہیں۔! اتنی بھی جلدی نہیں ہے۔ تم آؤ نا، سکون سے بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔ معاملہ یہاں کا ہی نہیں نور پور کا بھی ہے۔ میں تمہیں تفصیل سے سمجھا دیتا ہوں۔ آؤ۔'' چوہدری جلال نے کہا اور کاشی کو لے کر اندر کی جانب بڑھ گیا

❁ ❁ ❁

جعفر اپنے آفس میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ جب سے مائرہ یہاں سے ہو کر گئی ہے، اس کی اپنی ذات میں بہت تبدیلی آ گئی تھی۔ اسے یہ تو کنفرم ہو گیا تھا کہ مائرہ اس کے بلاوے سے زیادہ فہد کی کشش میں وہاں تک کھنچی چلی آئی ہے۔ وہ یہ سب جانتے ہوئے بھی مایوس نہیں تھا، اسے ہلکا سا دکھ ہو رہا تھا کہ جا کر اس نے فون بھی نہیں کیا تھا۔ تب اس نے سوچا اگر اس نے فون نہیں کیا تو وہ خود کر لے۔ یہ سوچ کر وہ مسکرا دیا۔ اس نے اپنا فون اٹھایا اور مائرہ کے نمبر ڈائل کر دیئے۔ لمحوں میں اس سے رابطہ ہو گیا۔ حال احوال کے بعد اس نے پوچھا

''کیسا لگا تمہیں فہد کا گاؤں؟'' نا چاہتے ہوئے بھی اس کے لبوں سے نکل گیا تو مائرہ نے کچھ بھی محسوس نہ کرتے ہوئے پر جوش انداز میں کہا

''میں سوچ رہی ہوں جعفر کہ وہاں کچھ دن رہ کر زبردست سی رپورٹ بناؤں۔ ہم ترقی کی بات کرتے ہیں، لیکن کہاں ہے ترقی؟ میں اس علاقے کو مثال کے طور پر پیش کروں گی۔ وہاں انسان بستے ہیں، کیا جدید دنیا کی سہولتوں پر ان کا کوئی حق نہیں اب دیکھو پیسے کے زور پر وہ ایم این اے نے اپنا ہاں تو فون ٹاور لگوا لیا اور دوسرے عوام اس سہولت سے محروم ہیں۔ اسی طرح باقی معاملات میں ہے۔''

''تمہیں یاد ہے مائرہ۔ مجھے تم نے یہ بات پہلے بھی کہی تھی لیکن اس وقت تمہارے لہجے میں یہ شدت نہیں تھی۔ ہمارا میڈیا بھی ابھی تک عوام کے ان مسائل تک نہیں پہنچ سکا جس پر شعور دینا چاہئے؟ خیر، تم نے تبصرہ نہیں کیا؟'' جعفر نے خود پر قابو پاتے ہوئے پوچھا تو مائرہ نے سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا

''جعفر، کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے۔ انسان سامنے پڑی ہوئی شے کو نہیں سمجھ پاتا۔ یونہی خواہ مخواہ الجھن کا شکار رہتا ہے۔ اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر پاتا۔''

''تم کہنا کیا چاہ رہی ہو۔ کیا الجھن ہے۔ کسے سمجھ نہیں پاتی ہو؟'' جعفر نے پوچھا

''بعض اوقات حالات ایسے بن جاتے ہیں۔ جس سے ہمارے اپنے ہی بدگمان ہو جاتے ہیں۔ مجھے یہ بتاؤ۔ ہمیں اپنوں کی بد

گمانی دور کر دینی چاہیے نا؟'' جواب دینے کی بجائے اس نے سوال کر دیا۔ جس پر جعفر بولا

''بالکل۔! کیوں نہیں اپنوں کے درمیان الجھن نہیں ہونی چاہیے۔ کوئی بھی تعلق ہو اس میں کوئی ابہام نہیں ہونا چاہیے۔ اسے صاف ہونا چاہیے۔''

''میرا اور تمہارا تعلق کیا ہے۔ تم میرے بہت اچھے دوست ہو۔ اس کے علاوہ ہمارے درمیان کوئی تعلق نہیں اور.....'' مائرہ نے کہنا چاہا تو جعفر تیزی سے بات کاٹ کر شکوہ بھرے لہجے میں بولا

''نہیں مائرہ ہم فقط دوست ہی نہیں کچھ اور بھی ہیں۔ یہ بات تمہیں اب تک سمجھ آ جانی چاہیے تھی۔ ضروری تو نہیں ہوتا کہ اظہار ہی کیا جائے۔''

''کیوں۔! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہمارے درمیان کچھ اور تعلق اظہار مطلب؟'' مائرہ نے حیرت سے پوچھا

''ہاں مائرہ۔! میں تمہیں چاہتا ہوں۔ اور میں تمہارے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔'' جعفر نے ہمت کر کے اظہار کر دیا تو مائرہ نے چونک کر حیرت بھرے لہجے میں پوچھا

''تم جعفر یہ سوچ بھی کیسے سکتے ہو کیا تمہیں نہیں معلوم کہ میں فہد سے محبت کرتی ہوں، اسے چاہتی ہوں۔''

''مگر میں جانتا ہوں کہ وہ تمہیں کبھی نہیں اپنائے گا۔ وہ اب لوٹ کر کبھی واپس نہیں آئے گا۔ اس نے اپنی الگ سے دنیا بنالی ہے۔ یہ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ آئی ہو۔'' جعفر نے اسے بتایا تو وہ غصے میں بولی

''نہیں جعفر تم فہد کی بات نہیں اپنی بات کہو، میں تو تمہیں ایک دوست سمجھتی تھی اور تم کیا سوچتے رہے ہو، تم نے میرے اعتماد کو دھوکا دیا۔ تم وہ جعفر نہیں ہو، اب تم مجھ سے ملنے کی کوشش مت کرنا۔ میں نہیں چاہتی کہ میں......''

وہ کہہ نہیں پائی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ جعفر بے بسی سے اس کی طرف سے رونے کی آواز سنتا رہا۔ اچانک فون بند ہو گیا۔ اس نے فون کو بے بسی سے دیکھا پھر ایک طرف اچھال دیا۔ وہ بہت مایوس ہو گیا تھا۔

رات گہری ہوتی چلی جا رہی تھی۔ دھیمی روشنی میں مائرہ اپنے بیڈ روم سوچتی چلی جا رہی تھی۔ اسے جعفر کا جذباتی پن یاد آ رہا تھا۔

''ہاں مائرہ۔! میں تمہیں چاہتا ہوں۔ اور میں تمہارے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتا...... مگر میں جانتا ہوں کہ وہ تمہیں کبھی نہیں اپنائے گا۔ وہ اب لوٹ کر کبھی واپس نہیں آئے گا۔ اس نے اپنی الگ سے دنیا بنالی ہے۔...... میں جھوٹ نہیں بولتا اور پھر تم سے تو غلط بیانی کر ہی نہیں سکتا یہ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ آئی ہو۔''

مائرہ نے اذیت سے اپنے بالوں میں انگلیاں پھیریں اور بڑبڑاتے ہوئے بولی

''یہ تم کیا سوچ رہے ہو جعفر۔! مجھے تو فہد کا انتظار کرنا ہے۔ اور تم مجھے یقین ہے۔ وہ لوٹ کر ضرور آئے گا اور اگر نہ آیا تو؟ جعفر کی بات ٹھیک ہوئی تو کیا میں جعفر جیسا دوست بھی گنوا بیٹھوں گی۔ یا خدایا۔! میں کس دوراہے پر آن کھڑی ہوں۔ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ کیا مجھے

اپنا آپ حالات کے دھارے پر چھوڑ دینا چاہئے۔ مجھے کوئی نہ کوئی تو فیصلہ کرنا ہوگا، میں فہد کو میں چاہتی ہوں اور جعفر مجھے، میں کیا کروں، مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا؟"

اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی کنپٹیوں کو دبایا اور پھر بے بس سی ہو کر اپنے بیڈ پر ڈھیر ہوگئی۔

جعفر اپنی سرکاری رہائش گاہ میں اپنے بیڈ پر پڑا سوچتا چلا جارہا تھا۔ اسے یہ تو پتہ تھا کہ مائرہ ناراض ہوگئی ہے لیکن یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کا اب ردعمل کیا ہوگا۔ وہ یہ سوچ کر ہی کرب سے گذر جاتا کہ وہ اس کا ساتھ چھوڑ جائے گی۔ وہ اس سے بات کرنا چاہتا تھا، اس نے کئی بار نمبر بھی ملائے لیکن ہر بار رک گیا۔ تبھی اسے کچھ نہ سوجھا تو اس نے ملک نعیم کے نمبر ملا لئے۔ رابطہ ہو جانے پر جعفر نے پوچھا

"سنایئے کیا حال ہے؟ کیسے چل رہی ہے آپ کی سیاست اور کیا کہتا ہے آپ کا علاقہ؟

"سب ٹھیک ہے اور بہت اچھا ہے۔ چوہدری کے خلاف جو نفرت ہے۔ لوگ اسی وجہ سے میرے قریب آنے کی کوشش کررہے ہیں۔ اور میں انہیں اپنے قریب کرنے کی کوشش کررہا ہوں۔"

ملک نعیم نے خوش ہوتے ہوئے کہا تو جعفر بولا

"ہاں یہ جو جاگیرداری سسٹم میں لوگ ہیں نا، یہ فقط چند لوگوں کو نواز کر اپنا مطلب نکالتے ہیں۔ دراصل وہ حاکمیت چاہتے ہیں۔ ایسی حاکمیت جس میں کم از کم عوام کی بھلائی نہیں ہوتی۔ آپ کا علاقہ تو زیادہ تر دیہاتی ہے۔"

"ہاں۔! زیادہ دیہاتی ہے، میں کام کررہا ہوں وہاں پر، فہد کی وجہ سے میں جلدی کامیابی حاصل کرلوں گا۔"

ملک نعیم نے حوصلہ افزا انداز میں کہا تو جعفر بولا

"اس کی وجہ سے کیسے، وہ کیسے؟"

"اس نے بڑی تیزی سے اپنے گاؤں قسمت پور اور پھر اردگرد کے علاقے میں اپنا اثر ورسوخ بنایا ہے۔ گو چوہدری نے جو اپنا خوف برسوں سے لوگوں پر مسلط کیا ہے۔ اسے ختم کرنے میں کچھ تو وقت لگے گا۔ وہ جو یہاں میرے حامی اور سپورٹر تھے۔ اس کے لیے بھی وہ بہت اہم ثابت ہورہا ہے۔" ملک نعیم نے بتایا

"یہ تو بہت اچھی بات ہے میں نے کہا تھا نا کہ وہ آپ کے لیے بہت اہم ہوگا۔" جعفر نے کہا تو ملک نعیم بولا "اصل میں یہ ایک نئی لہر کی وجہ سے بھی ہے لوگ سابقہ چہروں کو ان کے کاموں کو دیکھ کر اُکتا چکے ہیں، وہ نئی سوچ چاہتے ہیں، نئی قیادت چاہتے ہیں۔"

"وہ اس لئے ملک صاحب کہ نسل نئی آگئی ہے، انہیں وقت کی تبدیلی کا شعور ہے، وہ اپنے اردگرد بھی تبدیلی چاہتے ہیں۔" جعفر نے تبصرہ کیا تو ملک نعیم بولا

"اصل میں یہ وقت ہی تو ہے جو سب کچھ بدل دیتا ہے لوگ کب تک ان کرپٹ سیاست دانوں کو مقدس گائے بنا کر رکھیں جب وہ عوام کے لیے کچھ نہیں کریں گے تو عوام بھی انہیں ووٹ نہیں دیں گی۔"

"یہ تبدیلی تو ایک فطری عمل ہے۔" وہ بولا

"بس اب تو الیکشن کا انتظار ہے مجھے یقین ہے کہ اس سے پہلے سب ٹھیک کر لوں گا۔" ملک نعیم نے کہا

"میرے لائق جو بھی ہو۔تو مجھے بتایئے گا۔اچھا اب اجازت۔اللہ حافظ۔" جعفر نے اچانک کہا

"ضرور بتاؤں گا۔اللہ حافظ" ملک نے کہا تو جعفر نے فون بند کر دیا۔اس نے تو سوچا تھا کہ کچھ دل بہل جائے گا مگر وہاں باتیں ہی دوسری شروع ہو گئیں تھیں۔

وہ اپنے کمرے میں صوفے پر بیٹھا سوچ رہا تھا۔اسے بہت سارے خیال آ رہے تھے۔اسے فہد کی بات یاد آ رہی تھی کہ مائرہ کا بہت خیال رکھنا، میرے جانے کے بعد سب کچھ اطمینان سے بتا دینا کہ میرا گاؤں جانا کتنا ضروری ہے۔بس وعدہ کرو، جو تمہیں کہا ہے وہی کرو گے۔پھر اسے مائرہ کی بات یاد آئی جو اسے بہت دکھ دے رہی تھی کہ تم جعفر یہ سوچ بھی کیسے سکتے ہو، کیا تمہیں نہیں معلوم کہ میں فہد سے محبت کرتی ہوں، اسے چاہتی ہوں۔وہ اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولا "مائرہ سے اپنے من کی بات کہہ کر، اپنے جذبات کا اظہار کر کے، میں نے کہیں غلطی تو نہیں کی؟ وہ کیا سوچے گی۔یہی کہ میں نے اس کی دوستی کا غلط مطلب لیا۔میں جو اس کے خواب دیکھتا رہا ہوں۔اس کی چاہت کو اپنے دل میں لیے پھرتا ہوں، کیا میں غلط ہوں یا فہد کی چاہت میں بھٹکتی مائرہ کا انتظار کرتے ہوئے وقت ضائع کر رہا ہوں۔مجھے کیا کرنا چاہئے کوئی فیصلہ کر لینا چاہئے یا پھر۔خود کو حالات پر چھوڑ دینا چاہئے۔"

اس نے تلخی سے آنکھیں موند کر صوفے سے ٹیک لگا لی۔وہ بہت دل برداشتہ ہو چکا تھا۔

جعفر صوفے پر نیم دراز نجانے کب سو گیا تھا۔اس کے منہ پر کتاب تھی۔رات کا نجانے کون سا پہر تھا کہ اس کے فون کی بیل بجی۔اس نے بے زاری سے فون اٹھا کر اسکرین دیکھا تو یوں چونکا کہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔کال ریسیو کر کے جلدی سے بولا

"لیس مائرہ، تم، اس وقت؟"

"ہاں۔! میں اور کیا اس وقت میں تمہیں فون نہیں کر سکتی۔" مائرہ نے عام سے لہجے میں کہا

"ایسی تو کوئی بات نہیں۔بس وہ تم بھی جانتی ہو" اس نے الجھتے ہوئے جواب دیا تو وہ سنجیدگی سے بولی

"دیکھو۔! ہم بہت اچھے دوست ہیں اور دوستوں میں غلط فہمیاں ہوتی رہتی ہیں۔اچھے دوست تو وہی ہوتے ہیں نا، اپنی غلط فہمیاں دور کر لیں۔اس میں کوئی شرمندگی والی بات نہیں ہے۔"

"کیا چاہتی ہو تم؟" جعفر نے اسی الجھن میں پوچھا تو مائرہ نے مضبوط لہجے میں کہا

"کچھ نہیں۔بس اتنا چاہتی ہوں کہ ہم دونوں نے جو اپنے دل میں چھپا چھپا کر باتیں رکھی ہوئی ہیں، وہ ہمیں ایک دوسرے سے کہہ دینی چاہئیں۔ہمارے درمیان کوئی نیا تعلق بنتا ہے یا نہیں۔اہمیت اس کی نہیں بلکہ ہمارے لیے اہم یہ ہونا چاہئے کہ ہماری دوستی پہ کوئی حرف نہ آئے۔"

''اگر تم ایسا سوچتی ہو تو پھر میرے ضمیر پر جو اتنا بوجھ ہے وہ اتر جائے گا۔اس میں شک نہیں کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں اور ہمیں یہ طے کرنا ہوگا کہ آخر ہمارے درمیان تعلق کی نوعیت کیا ہے۔'' جعفر نے سنجیدگی سے کہا

''جعفر۔! میں تم سے آج طے نہیں کروں گی۔ بلکہ کبھی بھی نہیں طے نہیں کروں گی۔ہم اسے وقت پر چھوڑ دیتے ہیں پلیز......'' اس نے منت بھرے انداز میں کہا تو جعفر سکون سے بولا

''او کے، اب یہ طے ہے کہ ہم نے کبھی آپس میں ایسی کوئی بات ہی نہیں کی تھی ۔اور سناؤ کیسی ہو۔''

''اب میں پر سکون ہوں۔اور سکون سے سو پاؤں گی۔باقی باتیں صبح کریں گے۔'' ماڑہ نے کہا اور فون بند کر دیا۔جعفر نے فون ایک طرف رکھا اور بیڈ پر جا لیٹا۔بات کر کے وہ اچھا محسوس کر رہا تھا۔

صبح کی نماز کے بعد ماسٹر دین محمد گلی میں چلتا آ رہا تھا۔ایسے میں سامنے سے ایک عورت آ گئی۔وہ قریب آ کر رکی جیسے وہ اس سے بات کرنا چاہ رہی ہو۔ماسٹر دین محمد رک گیا تو وہ عورت بولی

''ماسٹر جی۔کیا حال ہے آپ کا؟''

''میں ٹھیک ہوں بہن۔تو سنا۔گھر میں سب ٹھیک ہیں نا۔'' ماسٹر دین محمد نے سکون سے پوچھا تو وہ عورت بولی''سب ٹھیک ہیں۔ویسے ماسٹر جی۔میں کئی دنوں سے سوچ رہی تھی کہ آپ کی طرف آؤں۔میں نے آپ سے ایک بات کرنا تھی۔''

''خیر تو ہے نا بہن۔ایسی کیا بات کرنا تھی۔'' اس نے پوچھا تو وہ عورت شکوہ بھرے لہجے میں بولی

''دیکھیں نا۔میں تو وہی کہوں گی۔جو آپ کے فائدے کی بات ہو۔گاؤں میں لوگ بڑی باتیں بنا رہے ہیں۔ایسا کچھ کہتے ہیں کہ بس توبہ ہی بھلی۔''

''ایسا کیا کہتے ہیں؟'' ماسٹر دین محمد نے حیرت سے پوچھا تو اس عورت نے انتہائی طنزیہ لہجے میں کہا

''یہی کہ ایک جوان جہان لڑکا آپ کے گھر میں رہتا ہے۔یہ ٹھیک نہیں ہے۔اور اگر اسے رکھنا آپ کی مجبوری ہے کہ وہ آپ باپ بیٹی کو کھلاتا پلاتا ہے، روپیہ پیسہ دیتا ہے تو پھر آپ کیوں نہیں فہد کی شادی سلمٰی سے کر دیتے؟''

یہ سن کر ماسٹر دین محمد چونک گیا۔اس نے خود پر قابو رکھا اور بڑے تحمل سے پوچھا

''ایسا کون کہتا ہے؟''

''سارے گاؤں والے۔کسی کی زبان تو نہیں روکی جا سکتی۔ویسے آپ پریشان نہ ہونا بھی نہیں چاہیے، یہ صلاح ہے بھی ٹھیک، نہ ہنگ لگے نہ پھٹکری۔رنگ بھی چوکھا آئے۔کوئی خرچہ نہیں، اور بیٹی بیاہ دو۔فہد گھر جوائی بھی رہے گا۔'' اس عورت کے لہجے میں طنز کے ساتھ حقارت بھی تھی۔تبھی ماسٹر دین محمد نے تحمل سے جواب دیا

''یہ جو کچھ بھی کہہ رہے ہیں بالکل غلط کہہ رہے ہیں۔''

''دیکھیں نا ماسٹر جی آپ سیانے بندے ہیں، بھلا بتائیں جوان جہان لڑکی گھر میں ہے تو پھر جب ایک جوان جہان لڑکا گھر میں جب چاہے آئے، جب چاہے جائے کوئی روک ٹوک نہیں تو پھر اس پر اگر لوگ باتیں بنائیں، وہ کیسے غلط ہو گئیں بھلا؟''

''فہد میرے بیٹوں کی طرح ہے۔'' ماسٹر دین محمد نے خود پر قابو رکھتے ہوئے کہا حالانکہ اسے شدید غصہ آ رہا تھا۔ عورت تنک کر بولی

''ہوگا، پر سگا تو نہیں ہے، اب دیکھیں نا، اس کا کون سا اپنا گھر نہیں ہے پھر کیوں دن رات آپ کے گھر میں پڑا رہتا ہے۔ اب یہ مت کہیے گا کہ وہ سلمیٰ پر اپنی دولت نہیں وار رہا۔''

''بہت برا کہہ رہے ہیں لوگ۔'' ماسٹر دین محمد نے کہا

''بالکل جی جب وہ اکٹھے گاؤں میں اکیلے ادھر اُدھر گھومیں پھریں گے ساتھ ساتھ دکھائی دیں گے تو یہی سوچیں گے نا کہ ان میں کوئی خاص ہی تعلق ہے۔'' اس عورت نے ماسٹر کے بدلتے چہرے کو دیکھا اور پھر جلدی سے بولی، ''خیر۔! اس وقت تو مجھے جلدی ہے میں پھر آؤں گی گھر، تب تفصیل سے بات کروں گی۔ اللہ حافظ۔''

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گئی۔ ماسٹر چند لمحے وہیں سن کھڑا رہا پھر قدم بڑھاتا ہوا چل دیا۔ اس کی چال میں قطعاً اعتماد نہیں رہا تھا۔

ماسٹر دین محمد صحن میں آ کر چارپائی پر ڈھے جانے والے انداز میں بیٹھا۔ سلمیٰ کچن میں تھی، وہ پانی کا گلاس لے کر آئی اور وہ اسے تھماتے ہوئے پوچھا

''ابا جی۔ ناشتہ لاؤں آپ کے لیے؟''

''نہیں پتر۔! تو بس میرے لیے ایک چائے کی پیالی لے آ۔'' ماسٹر دین محمد نے کہا تو سلمیٰ نے گہری نگاہوں سے دیکھا اور پھر دھیرے سے اپنے باپ کے پاس بیٹھ کر پوچھا

''ابا جی، کیا بات ہے، آپ نے ٹھیک طرح سے بات نہیں کی، آپ کا لہجہ آپ کا ساتھ نہیں دے رہا، کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں پتر۔ بعض اوقات انسان ایسے موڑ پر آن کھڑا ہوتا ہے جہاں پر لفظ گنگ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ کہنے والی بات بھی کہی نہیں جا سکتی۔'' ماسٹر دین محمد نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا تو سلمیٰ بولی

''ابا جی۔! ایسی کون سی بات ہے جو آپ مجھ سے بھی کہہ نہیں پا رہے ہیں۔ مجھے نہیں یاد۔ پہلے کبھی ایسا وقت ہم پر آیا ہو کہ ہم بات ہی نہ کر سکیں؟''

''یہ بات ہی ایسی ہے پتر۔! بتانا بھی چاہتا ہوں لیکن کہہ نہیں پا رہا ہوں۔'' وہ بے چارگی سے بولا

''آپ کہہ دیں اور آپ کو یہ بات کہنا ہوگی۔ کیا میں آپ کے کرب کا اندازہ نہیں کر سکتی؟'' سلمیٰ نے دکھی لہجے میں کہا تو ماسٹر دین محمد بہت مشکل سے بولا، ''تو پھر سنو۔!'' یہ کہہ کر اس نے عورت والی بات سلمیٰ سے کہہ دی۔ سلمیٰ نے بڑے تحمل سے بات سن کر کہا

''ابا جی۔! جب سے فہد آیا ہے۔ مجھے اسی بات کا ڈر تھا۔ آپ فہد سے کچھ نہیں کہیں گے۔ میں خود اس سے بات کرلوں گی۔''

''کیا کہو گی اس سے، مجھے اس کی ناراضگی کا ڈر نہیں لیکن ان حالات میں اس کا دل نہیں ٹوٹنا چاہیے۔ ہمارے سوا اس کا ہے کون یہاں پر۔ وہ دشمنوں سے نبرد آزما ہے اس وقت۔'' ماسٹر دین محمد نے سسکتے ہوئے کہا تو سلمٰی نے اس حوصلہ دینے والے انداز میں کہا

''میں سمجھتی ہوں ابا جی۔ مجھے کیا کرنا میں آپ کے لیے ناشتہ لاتی ہوں۔'' سلمٰی یہ کہتے ہوئے اٹھ گئی اور ماسٹر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ یہ ان کے لئے ایک نیا امتحان تھا۔

سہ پہر کا وقت تھا۔ ملک نعیم کے ہاں سے واپسی پر فہد ماسٹر دین محمد کو خوشخبری دینا چاہتا تھا۔ وہ گھر میں آیا تو سنسان گھر دیکھ کر ایک لمحے کو ٹھٹکا۔ وہ انگلی میں کار کی چابی گھوما رہا تھا، اسے روک کر اس نے سنسان والان کو دیکھا۔ تبھی اجنبی چہرہ لئے سلمٰی اندر سے والان میں آئی۔ فہد طویل سانس لے کر دالان میں چلا گیا پھر کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا

''یہ آج معمول سے ہٹ کر اتنی خاموشی کیوں ہے۔ استاد جی کدھر ہیں؟''

''آ گئے آپ؟'' سلمٰی نے اجنبی لہجے میں پوچھا

''تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ اور یہ تم کس اجنبی لہجے میں مجھ سے بات کر رہی ہو؟'' فہد نے چونک کر پوچھا تو سلمٰی نے اسی کھردرے لہجے میں جواب دیا

''فہد۔! میں نے آپ سے کہا تھا نا کہ میں سب کچھ برداشت کر سکتی ہوں۔ لیکن جب بات میری عزت تک آئے گی۔ وہ میں برداشت نہیں کر پاؤں گی۔''

''تم کیا کہنا چاہتی ہو۔ صاف لفظوں میں کہو؟'' فہد نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے پوچھا تو سلمٰی بولی

''یہی کہ آپ اب اس گھر میں مت آیا کریں۔''

اس نے بڑی مشکل سے کہا، جس پر فہد نے اسے غور سے دیکھا اور بڑے تحمل سے کہا

''سلمٰی۔! میں یہ نہیں پوچھوں گا کہ کیوں؟ گھر تمہارا ہے، تم کہہ رہی ہو لیکن بس مجھے اتنا بتا دو، کیا استاد جی بھی ایسا ہی چاہتے ہیں؟''

''ہاں۔! وہ بھی چاہتے ہیں۔'' اس نے بہ مشکل کہا تو فہد چند لمحے خاموشی کے بعد پوچھا

''سلمٰی کیا میں سمجھ لوں کہ وہ جنگ جو ہم لڑ رہے تھے، کیا اب مجھے وہ جنگ تنہا لڑنا ہوگی۔''

''نہیں۔! میں آپ کے ساتھ برابر کھڑی ہوں اس وقت تک، جب تک ہمیں کامیابی نہیں مل جاتی یا پھر میرا وجود ختم ہو جائے گا۔''

''میرے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ میں جانتا ہوں تعلق کے لیے ملنا ضروری تو نہیں ہوتا۔'' فہد نے مسکراتے ہوئے کہا اور اٹھ گیا۔ اس نے لمحہ بھر کو اس کی طرف بھرپور نگاہوں سے دیکھا اور مڑ کر چلا گیا۔ سلمٰی نے ایک بار ہاتھ بڑھا کر اسے روکنا چاہا لیکن پھر خود پر قابو پا کر رک گئی۔ فہد بڑھتا ہوا دروازہ پار کر گیا تو سلمٰی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ جبکہ فہد سلگتے ہوئے دماغ کے ساتھ کار میں آ بیٹھا۔

فہد اپنے گھر میں بستر پر لیٹا بہت افسردگی سے سوچتا چلا جا رہا تھا کہ یہ سلمٰی کو کیا ہوا؟ اس کا لہجہ اس قدر اجنبی کیوں ہو گیا تھا۔ کسی نے سازش کی ہے یا کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے؟ کیا ہوا اس کو، کم از کم مجھے بتانا تو چاہئے تھا کہ آخر ہوا کیا ہے؟ کسی نے کچھ کہا۔ کوئی بات ہوئی؟ معلوم تو ہونا چاہئے۔ اس کے خیالات کا تانا چھاکے کے آجانے سے ٹوٹ گیا۔ وہ کمرے میں داخل ہوا اور آتے ہی بولا

''اُو فہد، یار دیکھو اپنا فون چلا کر، وہ موبائل فون چالو ہو گیا ہے ہمارے علاقے میں۔''

''اچھا کب؟'' فہد نے کہا اور قریب پڑا فون اٹھا کر اسے آن کر دیا۔ سگنل آرہے تھے۔ اس دوران چھاکا بتاتا چلا گیا۔

''ابھی میں آرہا تھا تو لوگ باتیں کر رہے تھے۔ ٹاور والے اسے چلا گئے ہیں، یار مجھے بھی چلانا سکھا دے۔''

''ہاں یار آگئے ہیں سگنل۔ چل تو چائے بنا۔ پھر میں تجھے بتاتا ہوں۔ یہ کیسے چلتا ہے۔'' فہد نے کہا تو چھاکا کمرے سے چلا گیا۔ فہد نے ایک لمحے کے لئے سوچا اور پھر مسکراتے ہوئے نمبر پش کرنے لگا۔

اس وقت مائرہ اپنے بیڈ پر لیٹی ہوئی سوچوں میں گم تھی۔ اس کا فون بجا ہے تو اس نے دیکھا، پھر چونک کر فون ریسیو کر لیا۔

''ہیلو۔! فہد تم کہاں سے بات کر رہے ہو۔''

''اپنے گاؤں قسمت نگر سے مائرہ۔! میرے گاؤں سے نکل کر ہوا میں سرسرانے والی پہلی آواز تمہارے نام ہے۔'' فہد نے خوشگوار موڈ میں کہا تو مائرہ ہنستے ہوئے بولی

''اُوہ۔! فون سروس شروع ہو گئی وہاں، اچھا لگا مجھے بہت اچھا لگا۔ تم نے مجھے کال کی۔''

''کچھ ایسی ہی احساس میں بھی محسوس کر رہا ہوں۔ اعتراف کرتا ہوں۔ میں نے تمہارے یہاں آکر چلے جانے کو بہت مس کیا۔'' فہد نے کہا تو مائرہ ایک دم سے کھلتے ہوئے بولی

''واؤ سچی فہد۔ ا ویسے مجھے بھی بڑی تشنگی محسوس ہوئی۔ میں اسے بیان نہیں کر سکتی۔ تمہارے پاس آئی بھی اور تم سے اتنی ڈھیر ساری باتیں بھی نہ کر سکی۔ اینی ہاؤ کیسے ہو تم؟''

''مائرہ۔ ا کیا تم کسی ایسے انسان کے احساسات کا تعین کر سکتی ہو جسے صرف اپنی ذات کو منوانا ہو بلکہ اسے اپنوں کے وقار کو بھی تسلیم کرانا ہو۔ شاید تم اسے دماغی خلل قرار دو۔ مگر سچ یہی ہے۔ من کی دنیا کے تقاضے عجیب ہوتے ہیں ہے نا، میں بس ایسا ہی ہوں۔'' فہد نے جذباتی ہوتے ہوئے کہا تو مائرہ بولی

''پہلے تو نہیں لیکن اب سمجھ رہی ہوں۔ تم نے خود اپنے آپ کو مشکل میں ڈال رکھا ہے۔ تو اس کی ایک معقول وجہ ہے تمہارے پاس۔ میں سمجھتی ہوں۔''

''تم سمجھتی گئی ہو مائرہ۔! میرے لیے اتنا ہی بہت ہے۔ میں ایسے حالات میں گھرا ہوا ہوں، یہ تو طے ہے کہ میں جنگ ہار کر یہاں سے بھاگنے والا نہیں ہوں۔ بلکہ خود کو فنا کر دینے تک سینہ سپر رہنے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔'' فہد کے لہجے میں وہی عزم تھا، جسے وہ پہلے بھی محسوس کر چکی تھی۔ اس لئے سکون سے پوچھا

''کیا میں تمہارے لیے کچھ کرسکتی ہوں؟''

''ہاں۔! بہت کچھ۔اتنا کہ جتنا کوئی بھی نہ کر سکے۔بس تم اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا۔یہی میرے لیے بہت ہے۔'' فہد نے خلوص سے کہا تو وہ اس کی بات نظرانداز کر کے بولی

''فہد میں نے ایک پلان بنایا ہے۔وہ میں نے جعفر سے بھی ڈسکس کیا ہے۔اس بارے میں چند دن بعد میں تمہیں بتاؤں گی۔'' اس نے جذباتی انداز میں یوں کہا جیسے رو دے گی۔پھر خود پر قابو پا کر بولی،'' اچھا میں اب فون بند کرتی ہوں میں بعد میں کروں گی۔'' اس نے ایک دم سے فون بند کردیا تھا۔فہد نے حیرت سے سیل فون کو دیکھا پھر دھیرے سے مسکرا کر فون ایک جانب رکھ دیا۔

بشریٰ بیگم حویلی میں ایک کھڑکی کے پاس کھڑی، دیکھ تو باہر رہی تھی لیکن گہری سوچ میں کھوئی ہوئی تھی۔اسے رانی کے آنے کا بھی احساس نہیں ہوا۔جبکہ رانی اسے ساکت دیکھ کر چونک گئی۔وہ کچھ اور ہی سمجھی، اس لئے تیزی سے بولی

''چوہدرانی جی، چوہدرانی جی چوہدرانی جی۔''

اس کے یوں خوف زدہ لہجے پر بشریٰ بیگم نے چونکتے ہوئے رانی کو دیکھا اور پھر آہستہ سے بولی

''آں ہاں...... کیا بات ہے؟''

'چوہدرانی جی۔خیر تو ہے ناں۔میں نے پہلے کبھی آپ کو اتنا پریشان نہیں دیکھا۔کہیں نکے چوہدری کی وجہ سے تو...... پر یہ کون سا نئی بات ہے۔وڈے چوہدری سب سنبھال لیں گے۔'' رانی نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا

''نہیں، بات وہ نہیں جو تم سمجھتی ہو۔میں تو کی اس ضد کے بارے میں سوچ رہی ہوں، جو اس نے ماسٹر دین محمد کی بیٹی کے لیے کی ہے۔وہ نہیں جانتا۔یہ ضد اس کے لیے خطرناک بھی ثابت ہو سکتی ہے۔'' بشریٰ بیگم نے سوچتے ہوئے لہجے میں کہا تو رانی بولی

''میں نے تو سنا ہے چوہدرانی جی۔نکا چوہدری اس سے بڑی محبت کرتا ہے۔یہ آج کی بات نہیں، بڑی پرانی بات ہے۔''

''محبت ہی تو نہیں کرتا وہ اس سے۔اگر محبت کرتا ہوتا نا تو حالات ایسے نہ بنتے۔وہ اس سے نفرت کرتا ہے۔اس کی وجہ کچھ بھی ہو۔'' بشریٰ بیگم نے دکھ سے کہا

''پھر تو یہ ٹھیک نہیں ہوگا۔اور ماسٹر دین محمد یا سلمٰی وہ کہاں مانیں گے۔'' رانی نے گھبراتے ہوئے کہا

''وہ نہ بھی مانیں۔لیکن بات جب ضد کی آجائے تو یہ چوہدری نفع نقصان نہیں دیکھتے۔'' بشریٰ بیگم نے اسی لہجے میں کہا جیسے اسے بہت افسوس ہو رہا ہو

''ہاں! یہ تو ہے، پر اب کیا ہو سکتا ہے۔نکا چوہدری تو اپنی ضد کا پکا ہے۔'' رانی نے کہا

''بہت کچھ ہو سکتا ہے رانی، بہت کچھ، جب تک فہد ہے۔سلمٰی پر کوئی آنچ نہیں آئے گی، یہ میں جانتی ہوں۔ہاں اگر فہد نہ رہا تو

شاید حالات بدل جائیں ۔اس لیے فہد کی سلامتی بہت ضروری ہے۔ بہت ضروری۔'' بشریٰ بیگم نے حتمی لہجے میں کہا تو رانی بولی

''آپ کو پتہ ہے چوہدرانی جی، وہ فہد حویلی والوں کے کتنا خلاف ہو رہا ہے اور پھر بھی آپ؟''

''ہاں پھر بھی، اب ہمیں ہی کچھ نہ کچھ کرنا ہو گا۔تو میرا ایک کام کر۔'' بشریٰ بیگم نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا تو رانی بولی

جی چوہدرانی جی، بولیں۔''

''کسی ذریعے سے کسی طرح میری ملاقات فہد سے کروا دے، میں اس سے بات کرنا چاہتی ہوں۔'' بشریٰ بیگم نے کہا تو رانی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور دھیرے سے بولی

''چوہدرانی جی، آپ کہتی ہیں تو میں کچھ کرتی ہوں۔''

بشریٰ بیگم نے گہری سانس لیا اور پھر باہر دیکھنے لگی، حیرت زدہ سی رانی اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ وہ نجانے کیا سوچ رہی تھی۔

رانی اسی دوپہر سراج کے ڈیرے پر جا پہنچی۔ سراج اور رانی دونوں کھیت کی منڈھیر پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

''آج تم دن کے وقت آ گئی۔ پھر تم اتنی دیر سے آئی ہوئی ہو اور بڑی خاموش سی ہو، کیا پریشانی ہے؟'' سراج نے پوچھا تو رانی ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی

''پریشانی تو کوئی نہیں ہے۔ میں تم سے ایک بات کرنا چاہ رہی ہوں، سوچ رہی ہوں کہ تم سے کیسے بات کروں؟''

''اگر کوئی بات کہنی ہے تو کہو، اس میں سوچنا کیا؟'' سراج نے کہا تو رانی بولی

''پتہ نہیں، مجھے وہ بات تم سے کہنی بھی چاہئے یا نہیں۔ اصل میں سراج، وہ چوہدارنی کا ایک کام ہے، اس نے وہ مجھے کرنے کے لیے کہا ہے۔''

''چوہدارنی کا کام، دیکھ رانی، اگر اس نے کوئی دھمکی دی ہے تو چپ چاپ واپس چلی جا، بہت سن لیں میں نے اس خاندان کی دھمکیاں اور.....'' سراج نے غصے میں کہا تو رانی اس کی بات کاٹ کر تیزی سے بولی ''ایسا نہیں ہے سراج، وہ صرف فہد سے ملنا چاہتی ہے اس سے بات کرنا چاہتی ہے۔ وہ وڈھے اور نکے چوہدری کی طرح خون خرابہ نہیں چاہتی۔ چوہدرانی نے اتنا کہا ہے کہ میں ملنا چاہتی ہوں فہد سے۔ ظاہر ہے وہ کوئی ایسی بات کرنا چاہتی ہو گی، جس سے یہ لڑائی ختم ہو جائے۔''

''رانی، ان چوہدریوں نے ظلم ہی اتنے کیے ہیں کہ اب زخموں پر جتنا بھی مرہم رکھ دیا جائے وہ زخم بھریں گے نہیں۔'' سراج نے اسے حقیقت بتائی

''تم اگر اسے فہد سے ملا دو تو ممکن ہے کوئی راہ نکل ہی آئے؟'' رانی نے صلاح دی تو سراج نے خلوص سے کہا

''تو یقین رکھ رانی، میں پورے خلوص کے ساتھ فہد سے ملوا دوں گا، وہ اگر نہ بھی مانا تو میں منا لوں گا۔ آگے اللہ کی مرضی۔''

''مجھے تم پر یقین ہے سراج، اللہ کرے یہ ظلم، خون خرابہ اور لڑائی بند ہو جائے۔ اچھا اب میں چلتی ہوں، بہت دیر ہو گئی ہے۔'' رانی

نے اٹھتے ہوئے کہا تو سراج بھی اٹھ کے بولا

"ٹھیک ہے، میں تجھے بتادوں گا۔آؤ تجھے چھوڑ دوں۔"

وہ دونوں منڈھیر سے اٹھ کر آگے بڑھے۔تبھی ان کے عقب میں ماکھا نمودار ہوا۔وہ انہیں یوں دیکھ رہا تھا جیسے اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آرہا ہو۔سراج اور رانی کو خبر ہی نہیں تھی کہ دشمنوں کی نگاہ ان پر پڑ چکی ہے۔

ماکھا بڑے مضطرب انداز میں ڈیرے کے صحن میں کھڑا تھا۔اتنے میں کبیر کی گاڑی آکر رکی اور اس میں سے کبیر باہر نکلا۔ماکھا تیزی سے اس کی جانب بڑھا۔وہ جیسے ہی قریب آیا تو چوہدری کبیر نے پوچھا

"اوئے ماکھے، خیر تو ہے نا، ایسے کیوں کھڑا ہے؟"

"نکے چوہدری جی میں آپ کا انتظار کر رہا تھا۔" ماکھے نے تیزی سے کہا تو چوہدری کبیر سنجیدگی سے پوچھا

"وہ کیوں؟ میرا انتظار کیوں کر رہا تھا؟"

"بات ہی کچھ ایسی ہے، نکے چوہدری جی۔" وہ جھجکتے ہوئے بولی تو اس نے غصے میں کہا

"تو چل پھر منہ کھول، بتا کیا بات ہے۔منہ میں گھنگنیاں ڈالی ہوئی ہیں کیا؟"

"وہ حویلی میں آپ کی نوکرانی ہے نا جی، وہ کیا نام ہے اس کا رانی.....۔" ماکھے نے کہا

"ہاں کیا ہوا اسے؟" چوہدری کبیر بولا

"آج میں نے اس کو سراج کے ساتھ بیٹھے ہوئے اور بڑی گہری باتیں کرتے ہوئے اپنی ان آنکھوں سے دیکھا ہے۔کتنی دیر تک وہ اس کے کھیتوں میں اس کے ساتھ رہی ہے۔پھر سراج اسے کافی دور تک چھوڑنے آیا۔اور....."

"تو سچ کہہ رہا ہے۔" چوہدری کبیر نے تصدیق چاہی تو ماکھا جلدی سے بولا

"میں جھوٹ کیوں بولوں گا جی، پھر میں نے گاؤں کے کچھ بندوں سے بھی معلوم کیا، وہ دونوں شادی کرنا چاہتے ہیں جی، محبت کرتے ہیں جی وہ ایک دوسری کے ساتھ۔"

"وہ تو ٹھیک ہے ماکھے پر حویلی کی ملازمہ ہمارے دشمنوں کے ساتھ ملے، یہ کیسے ممکن ہے؟' چوہدری کبیر نے غصے میں کہا اور واپس اپنی گاڑی میں جا بیٹھا۔اگلے ہی لمحے اس نے گاڑی سٹارٹ کی اور ڈیرے سے باہر نکلتا چلا گیا۔

اس وقت بشریٰ بیگم اپنے بیڈ پر اور رانی اس کے پاس قالین پر بیٹھی ہوئی تھی۔بشریٰ بیگم نے اس سے پوچھا

"ہاں اب بتا، وہ فہد سے ملنے کی کوئی راہ نکلی؟"

"چوہدرانی جی وہ سراج ہے نا، امین ارائیں کا بھائی، ان کا ہمارے گھر آنا جانا ہے۔اس کا گھر ہمارے گھر کے قریب ہی ہے لیکن میں اسے اکیلے میں اس کے ڈیرے پر ملی تھی، اور اس کے ساتھ اطمینان سے بات کی۔" رانی نے تحمل سے کہا

"تو اس نے تمہاری بات سن لی؟" بشریٰ بیگم نے حیرت سے پوچھا تو رانی بولی
"پہلے تو اس نے بہت غصہ کیا کہ میں ایسی بات کہنے کیوں آ گئی ہوں، پھر جب میں نے آپ کے بارے میں بتایا کہ آپ خون خرابہ نہیں چاہتی ہو تو پھر اس نے میری بات پر سوچا۔"
"اچھا تو پھر کیا کہا اس نے؟" بشریٰ بیگم نے تجسس سے پوچھا تو رانی نے سکون سے بتایا "میں نے اس سے یہ کہا تھا نا کہ آپ فقط فہد سے ملنا چاہتی ہیں تم کوئی ایسا بندوبست کرو کہ آپ دونوں کی ملاقات ہو جائے پھر جو فیصلہ ہو گا وہ بعد کی بات ہے۔"
"وہی تو میں پوچھ رہی ہوں کہ اس نے کیا کہا؟" بشریٰ بیگم نے بے صبری سے پوچھا
"وہ مان گیا، اس نے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ آج ہی فہد سے بات کرے گا۔ بلکہ اسے مجبور کرے گا کہ چوہدرانی جی کی بات سن لے، پھر جو ہو گا دیکھا جائے گا۔" رانی نے بتایا تو بشریٰ بیگم نے سوچتے ہوئے پوچھا
"کیا خیال ہے سراج کی بات فہد مان جائے گا۔ ویسے اگر تم سیدھے فہد سے بات کر لیتی تو زیادہ اچھا تھا۔"
"نہ چوہدرانی جی مجھے اس سے ڈر لگتا ہے، اسی لیے تو میں نے سراج سے بات کی ہے، وہ تو ہمارے گاؤں کا ہے نا۔" رانی نے خود میں سمٹتے ہوئے کہا تو بشریٰ بیگم نے سکون سے کہا
"اچھا چل ٹھیک ہے۔ اب کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو، میں فہد سے مل کر کوئی نہ کوئی حل ضرور نکال لوں گی۔"
"اللہ کرے امن ہو جائے۔" رانی نے دعا کی تو بشریٰ بیگم نے کہا
"اب تو جا، اپنا کام کر، میں ذرا آرام کر لوں، بہت تھک گئی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ نیم دراز ہو گئی اور رانی اٹھ کر باہر چلی گئی۔
رانی صفائی ستھرائی میں مشغول تھی کہ چوہدری کبیر کمرے میں آیا اور اس نے آتے ہی اس کی چوٹی سے پکڑ کر زوردار تھپڑ اس کے منہ پر مار دیا۔ پھر غصے میں پھنکارتے ہوئے بولا
"تم حویلی کی ملازمہ ہو کر ہمارے ہی دشمنوں سے پیار کی پینگیں بڑھاؤ۔ انہیں یہاں کے راز بتاؤ۔"
"نن..... نن نہیں چوہدری جی، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" رانی نے خوف زدہ ہوتے ہوئے کہا تو چوہدری کبیر پاگل ہوتے ہوئے بولا
"غلط فہمی..... وہ بھی مجھے ہوئی ہے، بتا تو سراج سے ملی تھی، کیا یہ جھوٹ ہے؟"
"میں گئی تھی اس کے پاس لیکن....." اس نے کہنا چاہا مگر چوہدری کبیر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "ہمارا ہی نمک کھاتی ہو اور ہمارے ہی خلاف دشمنوں سے ملتی ہو۔ میں تو کسی کو اپنے خلاف سوچنے نہیں دیتا اور تم ہو کہ حویلی کی باتیں باہر جا کر دشمنوں کو بتاتی ہو؟"
"ایسا کچھ نہیں ہے نکے چوہدری جی ایسا کچھ نہیں ہے۔" رانی روتے ہوئے ڈر کے بولی
"تو بولو، وہاں کیا کرنے گئی تھی کیوں ملتی ہو سراج سے وہ بھی اس کے کھیتوں میں جا کر۔" چوہدری کبیر نے جس طرح الزام

دینے والے انداز میں کہا تو رانی نے عزت پر حرف آتا محسوس کر کے دلیری سے بولی

''یہ سچ ہے کہ میں اس سے ملی ہوں مگر میرا یقین کریں حویلی کے خلاف میں نے......''

''خاموش!!!'' چوہدری کبیر نے دھاڑتے ہوئے کہا تو رانی سہم گئی اور سہمے ہوئے انداز میں کبیر کی طرف دیکھا تو وہ نفرت سے بولا

''پتہ نہیں کب سے تم یہاں کی باتیں انہیں بتا رہی ہو۔ میں بھی کہوں حالات ہماری گرفت میں کیوں نہیں آرہے ہیں۔ ہمارے ہی گھر کا بھیدی...... تمہیں سزا ملے گی اور ضرور ملے گی۔''

''میں نہیں چوہدری جی آپ چوہدارنی جی سے پوچھ لیں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔'' رانی ہذیانی انداز بولی تو کبیر اسے تھپڑ دے مارا۔ اور پھر اچانک رُک کر اس کے بدن کو گہری نظر سے دیکھتے ہوئے چوہدری کبیر بدلے ہوئے لہجے بولا

''میں مجھے تو آج معلوم ہوا ہے کہ تم جوان ہو گئی ہو شادی کرنا چاہتی ہو، سراج کے ساتھ۔''

یہ کہتے ہوئے وہ اس کی جانب بڑھا تو رانی اس کی نیت سمجھتے ہوئے بولی

''نہ چوہدری جی نہ میرے قریب مت آنا۔''

کبیر رکا نہیں بلکہ اس کی بانہیں تھام لیں۔ وہ کسی بے بس پرندے کی مانند اس کی گرفت میں پھڑ پھڑا کر رہ گئی۔ وہ کمرے سے نکل جانا چاہتی تھی، لیکن ایسا نہ کرسکی۔ کبیر نے اسے دبوچ لیا تھا۔

ایک چیخ حویلی میں گونج کر رہ گئی۔ لٹی پٹی رانی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھی ہوئی تھی۔ کبیر کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ اس نے حقارت سے اس کی طرف دیکھا اور اپنے کپڑے درست کرتا ہوا اٹھا۔ وہ باہر جانے کے لئے مڑا تو سامنے دروازے میں بشریٰ بیگم کھڑی تھی۔ وہ شدید حیرت سے انہیں دیکھ رہی تھی...... کبیر قریب سے خاموشی کے ساتھ باہر نکل گیا، بشریٰ جیسے ہی اس کے قریب آئی، رانی سسک پڑی تو بشریٰ بیگم نے دھیرے سے پوچھا

''رانی، بولو کیا ہوا، بولو رانی؟''

رانی ایک ٹک اس کی طرف دیکھتی رہی پھر نفی میں سر ہلا دیا۔ بشریٰ بیگم نے حیرت سے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کہا

''یہ تو نے اچھا نہیں کیا کبیر، مان توڑ دیا ہے تو نے میرا، بھروسہ ٹوٹ گیا ہے میرا......'' وہ بڑبڑاتے ہوئے رانی کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔ ''اٹھ جا، اس سے پہلے کہ حویلی کے دوسرے ملازموں کو معلوم ہو، اپنا آپ سمیٹ لے۔''

''نہیں بیگم صاحبہ، رانی اب نہیں رہی، ختم ہو گئی ہے۔''

رانی نے انتہائی دکھ سے کہا تو بشریٰ بیگم دانت پیستے ہوئے بولی

''کبیر۔!''

وہ انتہائی غصے میں اٹھ کر باہر چلی گئی۔ رانی وہیں دیوار کے ساتھ لگی ہوئے بے دم سی پڑی رہی۔

بشریٰ بیگم کو کبیر گھر نہیں ملا۔ وہ پہلے تو اسے خود حویلی میں تلاش کرتی رہی پھر اسے نوکروں سے معلوم ہوا کہ کبیر اپنی گاڑی میں باہر چلا گیا ہے۔ بشریٰ دالان میں غصے میں بے حال اور پریشان سی کھڑی رہی پھر چونک کر اس طرف چل پڑی جہاں وہ رانی کو چھوڑ آئی تھی۔ اس نے کوریڈور میں چلتے ہوئے اسے آواز دی مگر کوئی جواب نہ آیا۔ اس کی آواز گونج کر رہ گئی۔ تبھی وہ اس کمرے کے دروازے تک آ کر رک گئی۔ وہ اندر دیکھ کر ششدر رہ گئی۔ رانی پنکھے سے جھول رہی تھی۔ یہ دہشت زدہ منظر دیکھ کر بے ساختہ بشریٰ بیگم کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

❁.....❁.....❁

فہد اپنے گھر کے صحن میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سامنے والی چارپائی پر اور سراج بیٹھا باتیں کہہ رہا تھا۔

”یار آج صبح رانی آئی تھی بشریٰ بیگم کا پیغام لے کر۔“

”رانی اور وہ بھی بشریٰ بیگم کا پیغام لے کر، خیر تو ہے نا، کیا کہتی ہے؟“ فہد نے چونکتے ہوئے پوچھا تو سراج بولا

”چوہدرانی تم سے ملنا چاہتی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ.....“ لفظ اس کے منہ ہی میں ہوتے ہیں کہ چھاکا تیزی سے گھر میں داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اس یوں آتے دیکھ کر وہ دونوں نے حیرت سے اسے دیکھا اور فہد نے پوچھا

”خیر تو ہے چھاکے، کیا ہو گیا ہے تمہیں؟“

”غضب ہو گیا سراج، حویلی میں رانی نے خودکشی کر لی ہے۔ مگر لوگ کہہ رہے ہیں کہ اسے قتل کیا گیا ہے۔“ چھاکے نے کہا تو وہ دونوں بری طرح چونک گئے۔ سراج نے بڑبڑانے والے انداز میں پاچھا

”خودکشی.....مگر کیوں؟ کس لیے؟ تمہیں کس نے کہا؟“

”حویلی کے مالی نے مجھے ساری تفصیل بتائی ہے۔ کبیر نے رانی کو کسی جوگا بھی نہیں چھوڑا تھا، اپنی ہوس کا نشانہ بنایا اور ابھی کچھ لوگ اسے دفنا کر آئے ہیں۔“ چھاکے نے بتایا تو سراج کے غصہ پھیلتا چلا گیا۔ فہد کا حیرت اور دکھ ملا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ کس کیفیت سے گذر رہا ہے۔

”رانی کو پامال کر کے، اسے قتل کر کے دفن بھی کر دیا گیا۔“ سراج نے انتہائی حیرت سے پوچھا

”حویلی والوں نے اسے خاموشی سے دفنا دیا ہے تاکہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو، مگر اتنا بڑا ظلم چھپ تو نہیں سکتا نا۔“ چھاکے نے بتایا یہ سنتے ہی سراج غصے میں اٹھا۔ چارپائی پر پڑی گن اٹھائی اور تیزی سے باہر کی طرف لپکتا چلا گیا۔ فہد نے بھاگ کر اسے پکڑا تو سراج نے حیرت اور شکوہ بھرے انداز میں کہا

”نہیں فہد، کیا اب بھی مجھے تم روکو گے؟“

”تم کیوں اس کے گندے خون سے اپنے ہاتھ گندے کرنا چاہتے ہو۔ تھوڑا صبر کر لو۔ یقین کرو مجھ پر، ہم بدلہ لیں گے اور ضرور لیں گے، اس وقت میرے کہنے پر رک جاؤ۔“ فہد نے اس کے ہاتھ سے گن چھینتے ہوئے کہا

”کب تک صبر کروں فہد، رانی میری محبت تھی یار، اس بے غیرت نے میرے بھائی کو قتل کیا۔ اب رانی کو اب بھی اسے چھوڑ دوں۔ نہیں فہد نہیں، تم میں حوصلہ ہوگا مجھ میں اب نہیں رہا۔“ یہ کہتے ہوئے اس کی آواز بھرا گئی۔

"میری بات تو سنو، میں چلوں گا تیرے ساتھ لیکن......" فہد کہتا ہوا رک گیا کہ سراج اس کی بات کاٹتے ہوئے باہر کی جانب جاتے ہوئے بولا

"وہ قتل پر قتل کئے جا رہا ہے اور میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاؤں۔ اب وقت آ گیا ہے فہد، تم میرا ساتھ دو یا نہ دو میں آج اسے ختم کر دوں گا۔"

"تم کیا سمجھتے ہو، وہ ہمارے انتظار میں نہیں ہوگا؟ اس نے اپنے ڈیرے پر غنڈوں کی فوج بیٹھائی ہوگی۔ اندھا دھند چڑھائی ہمارے نقصان میں جائے گی، یہ بات تم کیوں نہیں سمجھتے ہو؟ ذرا سا صبر کرو۔ میرے کہنے پر۔" فہد نے اسے سمجھایا تو سراج نے انتہائی غصے میں کہا

"یار یہی ہوگا نا کہ میں مر جاؤں گا۔ اب مجھے مر ہی جانا چاہئے۔"

"مریں گے تمہارے دشمن، تم ایک بار ادھر بیٹھو، میں تمہیں سمجھاتا ہوں۔ ہم نے کرنا کیا ہے۔ میری بات اگر تمہاری سمجھ میں آ جائے تو پھر جو چاہے کرنا، آؤ بیٹھو۔" فہد نے اسے پکڑا اور وہ اس کے کاندھے سے لگ کر رونے لگ گیا۔

رانی کے خودکشی کرنے والی بات کوئی معمولی نہیں تھی۔ جنگل کی آگ کی مانند پورے قسمت نگر میں پھیل گئی۔ صبح ہو جانے تک یہ بات ہر بندے کو معلوم ہو گئی۔

اس وقت سلمٰی سکول میں کرسی پر بیٹھی ہوئی ایک کاپی دیکھ رہی تھی۔ ایک بچہ اس کے پاس کھڑا تھا۔ تبھی اس کے پاس صفیہ اور ایک عورت آ گئیں۔ صفیہ نے آتے ہی بتایا

"سلمٰی، حویلی میں رانی نے خودکشی کر لی ہے۔ راتوں رات بے چاری کو خاموشی سے دفنا بھی دیا۔"

"کیا...... کیوں؟" سلمٰی انتہائی حیرت سے پوچھا

"خودکشی کی تو بات اڑائی گئی ہے، اصل میں چوہدری کبیر نے اس کی عزت سے کھیل کر قتل کیا ہے۔"

تب صفیہ نے اسے وہ روداد سنائی جو قسمت نگر میں پھیل چکی تھی۔ سلمٰی بے حد جذباتی ہو رہی تھی۔ اس کے آنسو نکل پڑے۔ اسے بہت دکھ ہوا تھا۔

"وہ بے چاری غریب لڑکی ان حویلی والوں کے ظلم کا سہہ کر دفن ہو گئی، کون پوچھتا ہے سلمٰی۔ کس نے سوال کرنا ہے ان حویلی والوں سے؟" عورت نے کہا تو سلمٰی چونکتے ہوئے بولی

"میں...... میں کروں گی سوال، نہیں بخشوں گی ان حویلی والوں کو۔ میں لوں گی رانی کے خون کا حساب۔ صفیہ تم ان بچوں کو گھر بھیج کر آ جانا میں دیکھتی ہوں۔ آؤ میرے ساتھ۔"

سلمٰی اس عورت کو اپنے ساتھ لے کر سکول سے باہر کی طرف چل پڑی۔

حبیب الرحمٰن اپنے گھر کے لان میں بید کی کرسی پر بیٹھا انگریزی اخبار پڑھ رہا تھا۔ایسے میں اندر سے مائرہ آ کر اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

''پاپا۔یہ اخبار چھوڑیں اور میری بات سنیں۔میں آپ سے ایک اہم بات کرنا چاہ رہی ہوں۔'' مائرہ نے کہا تو اس نے اخبار سے نگاہیں ہٹا کر مسکراتے ہوئے کہا

''اہم بات اور وہ تم کرنا چاہتی ہو۔تو کہو میں سن رہا ہوں۔''

''پاپا۔امیں کہیں پر تھوڑی سی انویسٹمنٹ کرنا چاہتی ہوں۔ظاہر ہے اس کے لیے مجھے کچھ سرمایہ چاہئے۔آپ دیں گے؟'' مائرہ نے لاڈ سے کہا تو حبیب الرحمٰن نے حیرت سے پوچھا۔

''تم بزنس کرو گی، کر سکو گی؟''

''پاپا۔ابزنس نہ کر سکی تو میرے پاس تجربہ تو ہوگا۔آپ سرمایہ دیں گے؟'' مائرہ نے کمزوری دلیل دے کر پوچھا

''بیٹا۔اتم نے کبھی مجھ سے کچھ نہیں مانگا اور پھر یہ سارا کچھ تمہارا ہی تو ہے۔جتنا چاہو سرمایہ لینا اور مجھے پوچھنے کی ضرورت بھی نہیں کہ تم یہ سرمایہ کہاں لگا رہی ہو۔''

حبیب الرحمٰن نے اعتماد سے کہا تو مائرہ خوش ہوتے ہوئے بولی

''تھینک یو پاپا۔آپ مجھ پر اتنا اعتماد کرتے ہیں۔میں آپ کو پوری تفصیل بتاؤں گی۔لیکن اس سے پہلے میں خود پوری معلومات لینا چاہتی ہوں۔''

''اگر بات معلومات کی حد تک ہے تو ایک بات پوچھوں بیٹا،تم یہ سرمایہ لگا کہاں رہی ہو؟ شاید میں تمہیں کوئی اچھا مشورہ دے دوں۔'' حبیب الرحمٰن نے سنجیدگی سے پوچھا تو مائرہ بولی

''پاپا میں یہ سرمایہ ایک فیکٹری میں لگانا چاہ رہی ہوں اور یہ محض منافع کمانے کے لیے نہیں۔''

''تو پھر کس مقصد کے لیے؟'' اس نے پوچھا

''پاپا، جب ہم کسی بھی علاقے کے بے روزگار نوجوانوں کے لیے روزگار کا بندوبست کرتے ہیں نا تو وہاں پر خوشحالی آتی ہے۔اس کے ساتھ ساتھ وہاں پر موجود جاگیرداروں کے تسلط کے تلے پسے ہوئے لوگ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں تو وہ لوگ جب اپنی مرضی کے مالک ہوتے ہیں اور اپنی ووٹ کا درست استعمال کرتے ہیں۔جس سے بہترین نمائندے آگے آتے ہیں اور بہترین حکومت بنتی ہے۔'' مائرہ نے تفصیل سے بتایا تو حبیب الرحمٰن نے پوچھا

''ہوں، یہ تو اس وقت ہمارے ملک کی اہم ضرورت ہے کیا تم کسی مخصوص علاقے میں یہ کام کرنا چاہ رہی ہو۔''

''جی پاپا۔'' مائرہ نے کہا حبیب الرحمٰن نے مسکراتے ہوئے کہا

''گڈ لک بیٹا، میری نیک خواہشات تمہارے ساتھ ہیں۔کیا اب میں اخبار پڑھ لوں؟''

''جی بالکل پڑھیں۔میں آپ کے لیے خود چائے بنا لاتی ہوں۔'' مائرہ نے ہنستے ہوئے کہا تو حبیب الرحمٰن نے آنکھیں بند کر کے اثبات میں سر ہلا دیا۔وہ چلی گئی تو حبیب الرحمٰن اخبار پڑھنے لگا۔

مائرہ آفس میں داخل ہوئی تھی کہ اس کا سیل فون بجا۔اس نے اسکرین دیکھ کر فون رسیو کر لیا اور بولی

''کیسے ہو جعفر؟''

''میں بالکل ٹھیک ہوں تم سناؤ۔'' وہ تیزی سے بولا تو مائرہ نے تشویش سے پوچھا

''میں تو ٹھیک ہوں مگر تمہاری آواز سے نہیں لگتا کہ تم ٹھیک ہو، بات کیا ہے؟''

''میں تمہیں قسمت نگر میں ہونے والی ایک واردات کے بارے میں بتانا چاہ رہا تھا۔یقین جانو اس کا مجھے ذاتی طور پر دکھ ہوا ہے۔'' یہ کہہ کر جعفر نے نہایت اختصار سے بتایا تو مائرہ نے انتہائی دکھ سے کہا

''اوہ یہ تو بہت برا ہوا کیا تم نے فہد سے بات کی؟''

''اب تو میرا اور اس کا ہر لمحے رابطہ رہتا ہے۔اسی نے ہی بتایا بلکہ فہد کا ایک دوست سراج اسی رانی سے شادی کرنا چاہتا تھا۔میں قسمت نگر جا رہا ہوں۔حویلی بھی جاؤں گا لیکن اس کے لئے کوئی ابتدائی رپورٹ ہونا۔یہ لوگ قتل پر قتل کیے جا رہے ہیں اور ہم کچھ نہیں کر پا رہے ہیں۔'' جعفر نے دکھ سے کہا تو مائرہ نے تیزی سے کہا

''جعفر، میں تمہیں بعد میں فون کرتی ہوں۔مجھے کچھ سوچنے دو۔''

''او کے، میں نور پور جا کر پھر تم سے بات کرتا ہوں۔بلکہ قسمت نگر سے معلومات لے کر بتاتا ہوں۔'' اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔مائرہ ایک دم سے دکھی اور پریشان ہو گئی تھی۔وہ کچھ دیر اپنے آفس میں بیٹھی رہی۔پھر ایک دم سے اس نے فیصلہ کر لیا۔

اس وقت فہد اپنی زمین پر چھاکے کے ساتھ چلتا جا رہا تھا۔وہ اسے بتا رہا تھا

''چھاکے۔ابھی تمہیں کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ یہ سب کیسے ہوگا میری آنکھ سے دیکھو۔یہاں جو فصلیں اُگتی ہیں۔یہاں فیکٹریاں لگیں گی تو بے شمار لوگوں کو روزگار ملے گا۔''

''لیکن فہد یہ فصلیں کہاں اُگیں گی۔اس طرح فیکٹریاں لگتی رہیں تو یہ کسان لوگ کہاں جائیں گے۔'' چھاکے نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا تو فہد نے سمجھایا

''ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ یہاں مزدور زیادہ ہیں اور مزدوری کم۔مزدور کم ہوں گے تو مزدوری زیادہ ہو جائے گی۔ماضی میں بھی زمین بے آباد تھی۔ایسی بے شمار زمینیں بے آباد پڑی ہیں۔انہیں آباد کرنا ہے۔پیٹ میں روٹی جائے گی نا تو مستقبل کے بارے سوچنا بھی آ جائے گی۔اللہ کی زمین بہت بڑی ہے۔اور جو زرعی ملک نہیں بھی ہیں وہ امیر ہیں۔بس یہی وسائل کی تقسیم ہی ترقی کی طرف لے گئی

۔غریب کا حق اسے ملنا چاہیے۔" لفظ اس کے منہ ہی میں تھے کہ فون کی بیل بجی۔اسکرین دیکھ کر فون رسیو کرتے ہوئے بولا

"ہیلو۔!مائرہ۔"

"کیا ہو رہا ہے؟"

"میں اس وقت اس زمین پر ہوں جہاں فیکٹری لگانی ہے۔میرے ساتھ میرا دوست ہے۔"اس نے بتایا تو مائرہ بولی

"اچھا سنو،تمہیں جتنا فنانس چاہیے، میں دوں گی۔پاپا سے میری بات ہوگئی ہے۔اب یہ کیسے کرنا ہے۔کیا ہونا ہے مجھے نہیں پتہ۔"

"تم میری بزنس پارٹنر بننا چاہتی ہو۔ ویل کم، یہ ٹھیک رہے گا۔"فہد نے کہا تو مائرہ خفا لہجے میں بولی

"میں تو بہت کچھ چاہتی ہوں۔مگر تم ہی نہیں مان رہے ہو۔خیر۔!ابھی میری جعفر سے بات ہوئی ہے،وہ رانی والے معاملے پر۔ میں خود آرہی ہوں۔سلمٰی سے کہنا پریشان نہیں ہونا۔اب میں کچھ دن قسمت نگر ہی میں رہوں گی۔"

"واقعی ،کب آرہی ہو؟"فہد نے حیرت سے پوچھا تو مائرہ نے گہری سنجیدگی سے بتایا

"بہت جلدی، ہمارا رابطہ تو رہے گا۔او کے میں بعد میں فون کرتی ہوں۔اللہ حافظ۔"

فون بند ہو گیا۔فہد کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھا گئی۔وہ چند لمحے سوچتا ہے پھر سر جھٹک کر چھاکے سے بولا

"آؤ چلیں۔"

وہ دونوں سڑک کنارے کھڑی کار کی جانب بڑھ گئے۔اس کا رخ سلمٰی کے آفس کی طرف تھا۔

سلمٰی میز کے اس پار کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔سامنے صفیہ کے ساتھ چند عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔سلمٰی ان سے بات کر رہی تھی۔

"میں نے آپ سب کو یہاں اس لیے بلایا ہے کہ اس آفس کا ہم باقاعدہ افتتاح کریں گے تاکہ پورے علاقے میں پتہ چلے کہ یہ آفس ہم نے کس مقصد کے لیے بنایا ہے۔لیکن اس وقت رانی والا معاملہ انتہائی دکھ بھرا اور سنگین ہے۔میں آپ سب کو یہ بتانا چاہ رہی ہوں کہ میں لڑوں گی رانی کا مقدمہ۔اس سے پہلے بھی میں صفیہ کی جنگ لڑ رہی ہوں۔"

"باجی آپ ہمیں بتائیں۔ہمیں کیا کرنا ہوگا؟"ایک عورت نے پوچھا تو سلمٰی نے کہا

"اپنے گھروں میں اپنے مردوں سے بات کریں ہم سب مل کر اس مقصد کو حاصل کرنا ہے۔"

"باجی،آپ برا نہ مناؤ تو ایک بات کہوں۔"دوسری عورت نے کہا تو سلمٰی بولی

"کہو۔برا ماننے والی کیا بات ہے۔"

"آپ یہاں جو بھی کر رہی ہے،ہمیں اس کی سمجھ ہے یا نہیں لیکن یہاں کے لوگ کیسے ہیں آپ کو پتہ ہے۔"

"ہماری بات لوگ سمجھیں گے۔آج تھوڑے لوگ ہوں گے تو کل زیادہ ہوں گے۔دھیرے دھیرے ہماری بات کی سمجھ سب کو آجائے گی۔ایک بار حوصلہ کر لیا جائے نا تو پھر ڈرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔دیکھنا ایک دن یہ سارے لوگ اپنے ساتھ ہوں گے۔

دیکھو۔! ہمارا کسی کے ساتھ جھگڑا تو نہیں ہے۔ہم تو اپنے حق کی بات کرتے ہیں۔اور ہمارے جو حالات ہیں،ان میں حق چھین لینا پڑتا ہے۔ ہمارا خدا ہماری مدد کرے گا۔یہاں بیٹھ کر عورتوں کے جو چھوٹے موٹے مسئلے ہیں ہم خود حل کر سکیں وہ لڑکیاں جو پڑھ نہیں سکیں۔انہیں تعلیم دے سکیں۔ارد گرد گاؤں کی عورتوں کو پتہ ہو کہ اس علاقے میں ان کی آواز سننے والا کوئی ہے۔اس لئے سب سے پہلے رانی بارے آواز بلند کرنی ہے۔"

"ہم غریب لوگ کسی کا مسئلہ کیا حل کریں گے؟" ایک عورت نے پوچھا تو سلمی نے کہا

"مانا کہ ہم غریب ہیں بے بس ہیں۔لیکن کب تک؟ کیا تم نہیں چاہتی ہو کہ تمہاری اولاد ان جاگیرداروں کی غلامی سے نکلے۔ہم نے کسی سے لڑائی نہیں کرنی بلکہ اپنے مسائل حل کرنے کی کوشش کریں گے۔"

"یہ صفیہ نے چوہدریوں کی بات نہیں مانی،اسے اپنے گھر سے نکلنا پڑا یہ تو اچھا ہو تم نے اسے سنبھال لیا ایسی تو کتنی ہیں۔کس کس کو سنبھالیں گی۔" دوسری عورت نے پوچھا تو سلمی بولی

"جب تک مجھ میں حوصلہ اور قوت رہی۔اب آپ لوگ بتائیں۔میرا ساتھ دیں گی یا نہیں؟"

"میں شاید پہلی عورت ہوں۔جس نے چوہدریوں کی بات نہیں مانی۔وہ اپنی طاقت آزمائیں۔میں اپنا صبر آزماؤں گی۔اور سچ یہ ہے ہمیشہ صبر کی فتح ہوتی ہے۔"

"یہ ٹھیک ہے کہ رانی پر ظلم ہوا۔ہم عورتیں اپنی عزت نہیں کریں گی تو کون کرے گا۔ہم تمہارے ساتھ ہیں،ہر طرح۔" دوسری عورت نے کہا تو سب اس کی ہمنوا ہو گئیں۔ان کا جوش وجذبہ دیکھ کر سلمی ایک دم جذباتی ہو گئی اور بولی

"آج سے میں رانی کا بدلہ لینے کا اعلان کرتی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ اٹھ گئی۔اسے اب فہد سے ملنا تھا۔

❀.......❀.......❀

حویلی کے ڈرائنگ روم میں بیٹھے چوہدری جلال نے بڑے کروفر سے فون بند کر کے رکھا۔پھر قریب کھڑے منشی سے پوچھا

"ہاں بول منشی کیا بات ہے؟"

"وہ جی باہر اے ایس پی صاحب آئے ہیں۔آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔" منشی نے دھیمے سے لہجے میں کہا تو چوہدری جلال نے بڑبڑاتے ہوئے کہا

"اے ایس پی! وہ کیا کرنے آیا ہے یہاں، بلاؤ"

منشی پلٹ گیا تو چوہدری جلال کے چہرے پر تشویش کے آثار ابھر آئے۔چند لمحوں بعد جعفر اندر گیا۔تو چوہدری جلال نے بجائے بٹھانے کے،دور ہی سے پوچھا

''کیسے آنا ہوا اے ایس پی؟''

''آپ اور آپ کے بیٹے کبیر کے خلاف میرے پاس درخواست آئی ہے۔ اس کے بارے میں ''تفتیش'' کرنے آیا ہوں، چوہدری صاحب۔'' جعفر نے طنزیہ انداز میں کہا تو چوہدری جلال نے غصے میں کہا ''تفتیش؟ آج تک کسی کی اتنی جرات نہیں ہوئی کہ یہاں آکر ایسی بات کرے۔ بول کس نے ہمارے خلاف درخواست دی ہے۔ وہ خود یہاں آکر انکار کرے گا کہ اس نے درخواست نہیں دی۔''

''نہ چوہدری صاحب نہ، یہ آپ کی خام خیالی ہے۔ آپ ایسا نہیں کر سکیں گے اور اگر ایسا زعم ہے تو بلا لیں اسے ماسٹر دین محمد کی بیٹی سلمی نے درخوست دی ہے۔ میں دیکھوں یہ انکار کیسے ہوتا ہے۔ کیا طریقہ ہے آپ کے پاس منت کرتے ہیں یا تشدد۔''

یہ سنتے ہی چوہدری جلال کا رنگ اڑ گیا۔ اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ اس لئے حیرت سے بولا

''سلمی نے...... ایسا نہیں ہوسکتا؟''

''ایسا ہو گیا ہے چوہدری صاحب اور اب سیدھے سبھاؤ مجھے بتائیں کہ رانی نے خودکشی کیوں کی؟ اور کیسے کی؟'' جعفر نے غصے اور حقارت سے کہا تو چوہدری جلال نے چند لمحے سوچ کر کہا

''اس نے چوری کی تھی۔ سزا کے خوف سے اس نے خودکشی کر لی۔ بس اتنی سی بات ہے۔ تھانے میں ہم نے رپورٹ کر دی تھی، قانونی کاروائی بھی پوری کی، اب تم کیا تفتیش کر رہے ہو؟''

''یہ کہ خودکشی تو اس نے کی لیکن کیوں کی؟ کس نے اسے خودکشی پر مجبور کیا۔ درخواست میں کچھ اور لکھا ہے۔ میں یہی معلوم کرنے آیا ہوں۔ اور چوہدری صاحب۔ میں نہیں سمجھتا کہ آپ اتنی بھی سمجھ نہیں رکھتے کہ رانی کا پوسٹ مارٹم کئے بغیر دفنا دیا گیا؟ سچ کیا ہے یہ آج نہیں تو کل معلوم ہو جائے گا۔'' جعفر نے کہا تو چوہدری جلال ہتک آمیز انداز میں بولا

''جو تمہاری ڈیوٹی ہے نا تم وہ کرو، ایویں ادھر ادھر کیوں وقت ضائع کرتے پھر رہے ہو۔ اب کچھ مزید پوچھنا ہے یا......''

''میں ڈیوٹی ہی کر رہا ہوں، یہ سبق مجھے نہ دیں۔ جہاں تک میرے علم میں بات آئی ہے، وہ یہ ہے کہ رانی نے خودکشی نہیں کی، اسے قتل کیا گیا ہے اور اس کی عزت تم لوگوں کے ہاتھوں پامال ہوئی ہے۔ ابھی مجھے آپ سے کچھ نہیں پوچھنا لیکن بہت جلد آپ مجھے خود بتائیں گے کیونکہ مجھے ڈیوٹی کرنا ہے غلامی نہیں۔''

جعفر نے غصے میں کہا تو چوہدری جلال نے سوچتے ہوئے تحمل سے کہا

''تمہارا خون کچھ زیادہ ہی گرم لگتا ہے اے ایس پی۔ خیر میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ تمہاری ان فضول قسم کی تفتیشوں میں اپنا وقت ضائع کروں۔ میرے منشی سے بات کر لیا کرو اور جاؤ۔''

''او کے میں چلتا ہوں لیکن ایک بات کہتا چلوں، وقت کسی کا نہیں ہوتا جب یہ ہاتھ سے نکلتا ہے، تب سمجھ آتی ہے۔'' جعفر نے

دھمکی آمیز لہجے میں کہا اور پلٹ کر باہر کی سمت چل دیا۔ چوہدری جلال اس کی طرف غصے سے دیکھتا رہا۔

چوہدری جلال ڈرائنگ روم ہی میں ٹہل رہا تھا۔ اس کے چہرے پر تشویش اور غصے کے ملے جلے تاثرات تھے۔ اتنے میں چوہدری کبیر اور منشی وہیں آگئے تو چوہدری جلال ان کی طرف دیکھ کر دھاڑتے ہوئے کہا

''میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ میری حویلی میں کوئی معمولی افسر آکر اونچی آواز میں بات کرے۔ مگر وہ اے ایس پی اتنی باتیں کر کے گیا ہے۔ بہت ایمان دار بنتا ہے۔ اس کی کیا جرات تھی کہ یہ سب کہے لیکن اسے تو سلمیٰ نے درخواست دی وہ کچھ زیادہ ہی پر پُرزے نہیں نکالنے لگی۔''

''اس کی جرات صرف اور صرف فہد کی وجہ سے ہوئی ہے بابا، ورنہ وہ کیا کر سکتی ہے۔ میں نے تو آپ کو کہا تھا کہ اس چڑیا ہی کو قید کر لیں مگر آپ نے ......'' چوہدری کبیر کہتے ہوئے رُک گیا تو چوہدری جلال بولا

''مگر اس کی اوقات نہیں ہے کہ ہمارے خاندان کا حصہ بنے''

''میں کون سا اسے اپنے خاندان کا حصہ بنا رہا ہوں بابا۔ فہد جس کاندھے پہ بندوق رکھ کر چلا رہا ہے میں نے تو وہ کاندھا قابو کرنا ہے بس۔'' چوہدری کبیر نے کہا

''تمہاری بات میری سمجھ میں آتی ہے لیکن......'' چوہدری جلال نے کہنا چاہا مگر چوہدری کبیر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا

''آپ سوچتے ہی رہیں گے اور پانی سر سے گذر جائے گا۔ آپ اپنے ووٹوں کی سیاست کی سوچتے ہیں لیکن میں اس علاقے پر اپنی حکمرانی کے بارے میں سوچتا ہوں۔ ووٹ تو پھر بھی ہمیں ہی ملنے ہے یہ لوگ پیار سے ماننے والے نہیں ہیں۔''

''تیرا کیا خیال ہے منشی؟'' چوہدری جلال نے پوچھا تو منشی نے بلا تردد کہا

''نکے چوہدری جی بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ ان پر اگر بھرپور وار نہ کیا گیا تو یہ ہماری جان کو آ جائیں گے۔ سلمیٰ کی شادی، اگر نکے چوہدری جی سے ہوگئی تو فہد کی چابی ہمارے ہاتھ آ جائے گی اور وہ جھاگ کی طرح بیٹھ جائے گا۔ پھر یہ حالات ہی نہیں رہیں گے۔''

''کیا وہ ماسٹر مان جائے گا، وہ تو آرام سے نہیں مانے گا؟'' چوہدری جلال نے پوچھا تو چوہدری کبیر نے حقارت سے کہا

''اسے ماننا ہوگا، وہ جس طرح بھی مانے۔ آپ ایک بار بات کر لیں پھر میں اسے منا لوں گا، مجھے اپنے طریقے سے منانا آتا ہے۔''

''ٹھیک ہے منشی، ابھی بلا اس ماسٹر کو، میں کرتا ہوں بات۔'' یہ کہہ کر وہ اندر کی طرف چلا گیا تو منشی پلٹ گیا۔ کبیر کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔

چوہدری جلال اضطرابی انداز میں ٹہل رہا تھا کہ منشی کے ساتھ ماسٹر دین محمد اعتماد کے ساتھ اندر آ گیا۔ دونوں آمنے سامنے ہوئے تو چوہدری جلال نے کہا

''خوش آمدید ماسٹر دین محمد جی آیاں نوں، آؤ بیٹھو۔ میں تم سے ایک بہت ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''میں یہیں کھڑا ہی ٹھیک ہوں۔ آپ کہیں میں سن رہا ہوں۔'' ماسٹر دین محمد نے کسی تاثر کے بغیر کہا تو چوہدری جلال تحمل سے بولا

''ماسٹر دین محمد۔! غیروں جیسی باتیں مت کرو، ماضی میں جو ہونا تھا۔ وہ ہو چکا۔ آؤ۔ بیٹھو۔! اور میری بات غور سے سن لو۔''

''ایسی بات کیا چوہدری۔ جس سے ماضی کی ساری باتیں بھلائی جا سکتی ہیں اور پھر..... کیا ایسا ممکن ہے کہ ہم ماضی کی باتیں بھول جائیں؟'' ماسٹر دین محمد نے سوال کیا تو چوہدری جلال نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا

''اوئے ماسٹر۔! تو نے ابھی سے ناراضگی والی باتیں شروع کر دی ہیں۔ آؤ۔ ادھر آؤ۔ بیٹھو۔''

ماسٹر دین محمد کھڑا رہا، تو وہ اسے باور کرانے کے لیے بولا ''میں اپنے ساتھ بیٹھا رہا ہوں۔ عزت اور مان دے رہا ہوں تمہیں، اپنے ساتھ بٹھا کر۔''

''چوہدری، سیدھا کہو تم کہنا کیا چاہتے ہو۔''

ماسٹر دین محمد بھی اکتائے ہوئے لہجے میں بولا تو چوہدری جلال نے اس کی طرف دیکھ کر کہا

''تو پھر سنو۔! مانا کہ ماضی میں تمہارے ساتھ بڑی زیادتیاں ہوئیں۔ لیکن اب میں چاہتا ہوں کہ تمہیں عزت دوں۔ تمہاری بیٹی سلمٰی اس حویلی کی بہو بن کر رہے۔''

''چوہدری۔! میں جانتا ہوں کہ صبر کیا ہوتا ہے۔ اور اس کے ساتھ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ صبر کی حد کیا ہوتی ہے۔ تو کون ہوتا ہے کسی کو عزت دینے والا۔ عزت اور ذلت فقط میرے اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ مجھے مجبور نہ کر کہ میں اپنا صبر توڑ دوں۔'' ماسٹر دین محمد سخت لہجے میں بولا تو چوہدری جلال نے غصے میں کہا

''میرے سامنے انکار کا مطلب تم سے زیادہ اچھی طرح اور کون جانتا ہے۔ تمہاری یہ تلخ بات میں اس لیے برداشت کر رہا ہوں کہ میں تم سے ناطہ جوڑنا چاہتا ہوں جا سوچ لے اور بہت اچھی طرح سوچ کر فیصلہ کر لے۔ نکاح ہوتے ہی کروڑوں کی جائیداد سلمٰی کے نام کر دوں گا۔''

''چوہدری۔! اپنی حویلی میں بلا کر تم نے یہ بات کی۔ اچھا نہیں کیا۔ میرا جواب بھی سن لو۔ ہم مر تو سکتے ہیں لیکن تمہاری یہ بات نہیں مان سکتے۔'' ماسٹر دین محمد سخت لہجے میں کہا تو چوہدری جلال بولا ''ٹھنڈے دماغ سے سوچو ماسٹر ٹھنڈے دماغ سے، چند روپوں کی نوکری تلاش کرنے والی لڑکی کے دن پھر جائیں گے، کروڑوں کی جائیداد ملے گی۔ زندگی سنور جائے گی، اس کی بھی اور تیری بھی۔ جاؤ جا کر سوچو۔ ورنہ میں خود ہی تمہاری ہاں سن لوں گا۔''

''میرا آج بھی اور کل بھی یہی جواب ہے چوہدری۔ تم.....'' ماسٹر دین محمد نے کہنا چاہا تو چوہدری جلال ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہوئے کہا

''بس۔! جاؤ لے جاؤ منشی اسے اور سمجھاؤ۔ آنے والے دنوں میں کیا ہوگا اسے یہ بھی سمجھا دو۔''

یہ کہہ کر اس نے رخ پھیر لیا۔ منشی اسے باہر کی جانب لے گیا۔ ماسٹر دین محمد نہایت افسردہ باہر چلا گیا۔

چوہدری جلال لان میں بیٹھا فون پر بات کر رہا تھا۔ چوہدری کبیر کی گاڑی پورچ میں رکی اور وہ کار سے اتر کر سیدھا اپنے باپ کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ چوہدری جلال فون بند کر کے کہا

''کبیر۔! کہاں تھے، تم مجھے تم سے ضروری بات کرنا ہے۔''

''بابا۔! نور پور کے بھی اور یہاں کے بھی سارے معاملات کو دیکھنے کے لیے آپ ہی نے کہا تھا۔ وہی دیکھ رہا ہوں، مصروف تو ہونا ہی ہے۔ خیر آپ بتائیں کیا بات کرنا تھی۔'' چوہدری کبیر نے کہا

''دیکھو، میں نے تمہیں کبھی کچھ نہیں کہا، تم جو مرضی کرتے رہے ہو۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم مجھے مشکل میں ڈال دو، تمہاری وجہ سے میں بہت پریشان ہو گیا ہوں۔'' چوہدری جلال نے کہا تو چوہدری کبیر بولا

''ایسی بھی کیا بات ہو گئی بابا؟''

''میڈیا کی رپورٹ نے اپنا اثر تو کیا ہے نا پارٹی کی طرف سے پوچھ گچھ کی گئی ہے کہ معاملہ کیا ہے، یہ ذرا سی چنگاری بھڑک بھی سکتی ہے۔ اس لیے میں اب تمہیں سمجھا رہا ہوں جو قدم بھی اٹھاؤ وہ بہت سوچ سمجھ کر اٹھاؤ۔''

''بابا آپ کو کیا ہو گیا ہے۔ یہ جو سلمٰی نے ہماری ناک کے نیچے آفس کھول لیا ہے۔ یہ صرف آپ کی ڈھیل کی وجہ سے ہوا۔ آپ اب سیاست دان بن کر ہی سوچ رہے ہیں۔ اس علاقے کا بڑا زمیندار نہیں، یہ کبھی نہ کھلتا۔'' چوہدری کبیر نے غصے میں کہا

''تم رانی کے معاملے میں بے وقوفی نہ کرتے۔ یہی بات تمہیں سمجھا رہا ہوں۔ اور ایسے دفتر جو ہوتے ہیں نا ڈیرے داری کی طرح ہوتے ہیں۔ عوام چار دن کھا پی لے گی، پھر کون جائے گا ان کے پاس۔ کب تک چلا سکتے ہیں وہ ڈیرے داری۔'' چوہدری جلال نے کہا

''اگر ایسا ہی ہوتا نا تو پریشانی والی بات نہیں تھی۔ اس آفس کا باقاعدہ افتتاح ہے۔ پتہ ہے کون کرے گا؟'' چوہدری کبیر تشویش سے کہا

''کون ہے؟'' چوہدری جلال نے پوچھا

''ملک نعیم، وہی ملک نعیم جس کو آپ مات دیتے رہے ہیں۔ وہی آج ہمارے علاقے میں اپنی سیاست چمکانے کی کوشش میں ہمارے سامنے آکھڑا ہوا ہے۔'' چوہدری کبیر کے لہجے میں حقارت تھی تو چوہدری جلال بولا

''اس کی یہ جرات ہو گئی۔''

''وہ چند دنوں میں یہاں آئے گا۔ عوامی حقوق کی نعرہ بازی میں لوگوں کو ہمارے خلاف بھڑکائے گا۔ بھوکے ننگے لوگوں کی باتیں کرے گا اور چلا جائے گا۔'' چوہدری کبیر نے یوں کہا جیسے ملک نعیم کی کوئی اہمیت ہی نہ ہو

''کبیر۔! یہ صرف آفس ہی نہیں ہے۔ بلکہ ہمارے خلاف ایک مرکز بنایا جا رہا ہے۔ فہد بہت سوچ سمجھ کر چال چل رہا ہے۔ نذیر

کی بیوی کے باعث وہ پہلے ہی لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کر رہا ہے۔ یہ آفس نہیں ہونا چاہئے۔" چوہدری جلال نے فیصلہ کن لہجے میں کہا تو چوہدری کبیر بولا

"میں آج شام تک ہی......" اس نے کہنا چاہا تو چوہدری جلال نے تیزی سے کہا

"نہیں کبیر۔ خود کچھ نہیں کرتے، یہ وقت ہوش کا ہے۔ جوش کا نہیں بلکہ چند دن صبر۔ فہد نے جو ماحول بنایا ہے نا وہ اسی کے ساتھ ختم ہو جائے گا۔ نہ آفس رہے گا اور نہ ان کی سیاست اب کھیل میں مزہ آئے گا۔ انہیں لوگوں کی ہمدردیاں نہ لینے دو۔"

"وہ جو لوگوں کو ہمارے خلاف بھڑکائیں گے؟" چوہدری کبیر نے حیرت سے کہا تو چوہدری جلال بولا

"اچھا ہے نا، ہماری وحشت کی بات ہی کریں گے۔ یہی وقت ہے جب لوگوں میں ان کے خلاف نفرت پھیلائی جا سکتی ہے، کرنے دو انہیں جلسے جلوس کرنے دو خیر۔ !تم فریش ہو جاؤ پھر بتاتا ہوں کہ اب کیا کرنا ہے۔ منشی کو بھی بلوا لو۔"

چوہدری جلال نے کہا تو چوہدری کبیر اٹھ کر اندر چلا گیا۔

❁......❁......❁
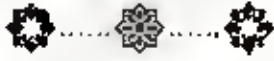
ماسٹر دین محمد اس وقت گھر میں اکیلا تھا۔ وہ چارپائی پر لیٹا ہوا کتاب پڑھ رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی اور اس کے ساتھ ہی منشی کی آواز آئی۔

"ماسٹر دین محمد، گھر پر ہی ہونا۔"

اس آواز کے ساتھ ہی منشی اندر آ گیا۔ اس نے دالان میں لیٹے ہوئے ماسٹر کو دیکھا اور اس کی جانب بڑھ گیا، پھر اس کے قریب بیٹھ گیا تو ماسٹر دین محمد نے یوں پوچھا جیسے خود پر قابو پا رہا ہو۔

"کیسے آئے ہو تم؟"

"یہی پوچھنے کہ تم نے اپنی بیٹی کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے۔ کیونکہ چوہدری صاحب زیادہ دیر نہیں کرنا چاہتے۔" منشی نے کہا تو ماسٹر دین محمد بولا

"اس نے اپنے گھر بلا کر ایسی گھٹیا اور بیچ بات کی تھی اور اب تم میرے گھر میں بیٹھ کر کمینی حرکت کر رہے ہو۔"

"سنو ماسٹر۔ !کیا تو نہیں جانتا کہ تو نے ذرا سی غلطی کی تھی اور تجھے بڑی سزا دی گئی۔ اب اگر کوئی ایسی بات کی تو یہ سزا تیری آئندہ نسل بھگتے گی۔ فہد کو پناہ دے کر تم نے اچھا نہیں کیا۔" منشی نے کہا تو ماسٹر دین محمد بے خوف لہجے بولا

"وہ دن گذر گئے۔ اب مجھے اور میری بیٹی کو موت سے ڈر نہیں لگتا۔ چوہدری نے سکول بند کروایا، وہ اب کھل گیا ہے۔ تیرے چوہدری کی اب یہ اوقات نہیں کہ اسے بند کروا دے۔ کہہ دینا اپنے چوہدری کو اور سمجھا دینا اسے آئندہ ایسی فضول سوچ بھی نہ سوچے۔ ورنہ شریف آدمی جب اپنی آئی پر آ جائے تو تیرے چوہدری جیسے کئی بے غیرت بہا کر لے جائے۔"

''تو نہیں جانتا۔ تیری بیٹی اگر نکے چوہدری کی دلہن نہ بنی تو اس کا حشر کیا ہو گا تیرے پاس یہی ایک موقعہ ہے۔ عزت سے اپنی بیٹی کو رخصت کر دے، ورنہ شاید اسے رانی کی طرح؟'' منشی نے دھمکی لگائی تو ماسٹر دین محمد نے غصے میں کہا

''تم یہاں سے چلے جاؤ تو اچھا ہے، ورنہ ابھی تیرے جوتے مار دوں گا۔ دفعہ ہو جاؤ۔''

یہ سن کے منشی خباثت سے مسکرا دیا پھر اٹھ کر باہر کی جانب چل دیا۔

ماسٹر دین محمد بے بسی سے آسمان کی طرف دیکھا اور دل مسوس کر رہ گیا۔ وہ دوبارہ لیٹ تو گیا لیکن کتاب نہ پڑھ سکا۔ وہ سوچنے لگا کہ یہ چوہدری نے مجھے ذلیل کرنے کا کوئی نیا طریقہ ڈھونڈا ہے۔ کیا وہ نہیں سمجھتا کہ میں اپنی بیٹی انہیں کیسے دے دوں گا۔ نہیں وہ کوئی بہت گہری سازش کر رہے ہیں یا پھر وہ صفیہ کی مدد کرنے پر سلمٰی کو انتقام کا نشانہ بنانا چاہ رہے ہیں۔ اب تو اس نے رانی کے بارے بھی اپنی آواز بلند کر دی ہے۔ ضرور یہ کوئی سازش ہے۔ میری پھول سی بیٹی۔ ان درندوں کے ظلم کا شکار ہو جائے، میں کبھی ایسے نہیں ہونے دوں گا۔

اسے کے تصور میں ایک بھیانک منظر ابھرا۔ اس کی بیٹی سلمٰی ایک صحرائی ویرانے میں درختوں کے درمیان اکیلی بھاگتی جا رہی تھی اور زور زور سے چیختے ہوئے پکار رہی تھی۔

''ابا۔! مجھے بچالو ابا مجھے بچالو مجھے بچالو۔''

ماسٹر دین محمد ایک دم سے چونکتے ہوئے بڑبڑایا

''نہیں میں ایسا ہرگز نہیں ہونے دوں گا۔ صبر کی وہ حد آ گئی ہے۔ جہاں زباں بندی جرم بن جاتی ہے میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ مجھے فہد سے بات کرنی چاہئے۔''

یہ بڑبڑاتے ہوئے اس کا چہرہ غصے سے بھر گیا۔ کچھ دیر ایسی کیفیت میں رہا اور پھر اچانک اپنا دل پکڑ کر رہ گیا۔

ماسٹر دین محمد بستر پر نڈھال پڑا ہوا تھا۔ سلمٰی اور صفیہ اس کے پاس تھیں۔ تبھی ماسٹر دین محمد نے پہلے دروازے کی طرف دیکھا اور پھر کراہتے ہوئے پوچھا

''فہد نہیں آیا ابھی تک؟''

''ابا۔! آپ ایسے کیوں کہہ رہے ہیں آ جائے گا وہ۔ آپ کتنی بار پوچھ چکے ہیں۔'' سلمٰی نے دھیرے سے کہا

''مجھے نہیں لگتا کہ وہ آئے گا۔ مجھے خود ہی جانا پڑے گا اس کے پاس۔'' ماسٹر دین محمد نے بے چارگی سے کہا۔ اتنے میں فہد دروازے میں نمودار ہوا تو صفیہ بولی

''وہ آ گیا ہے فہد۔''

یہ سن کر ماسٹر دین محمد کے چہرے پر سکون پھیل گیا۔ فہد اس کے قریب آ کر بولا

''حکم استاد جی۔ میں آ گیا ہوں۔ لیکن آپ کو ہوا کیا ہے ایک دم سے؟''

''اچھا ہوا تو آ گیا ہے پتر۔ میں نے تم سے بہت ضروری بات کرنا تھی۔ اکیلے میں۔'' ماسٹر دین محمد نے اس کی سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔ سلمٰی اور صفیہ کے چہرے کے تاثرات ایک دم سے بدل گئے اور وہ اندر چلی گئیں۔ تنہائی پا کر ماسٹر دین محمد نے کہا

''بیٹا۔! شاید چوہدری کوئی نئی سازش کر رہے ہیں۔''

''کیسی سازش، اور کیا۔ آپ مجھے کھل کر بتائیں۔''

فہد نے کہا تو ماسٹر دین محمد نے حویلی میں بلوانے اور منشی کے آنے تک ساری بات اسے بتادی۔ اس دوران فہد کا رنگ غصے میں سرخ ہوتا چلا گیا۔ وہ خود پر قابو پاتے ہوئے بولا۔

''اپنی طاقت کے زعم میں یہ اس نے اچھا نہیں کیا استاد جی۔ میں اب تک بڑے صبر سے اس کا مقابلہ کرتا آیا ہوں۔ بات عزت تک آ گئی ہے۔ اب وہ حد پار کر گیا ہے۔ اب صبر کرنا بزدلی ہوگی۔''

''صبر ہر حال میں کرنا ہے پتر اور خصوصاً اس وقت جب سامنے کوئی گھٹیا قسم کے دشمن سے ہوں۔'' ماسٹر دین محمد نے اس سے کہا تو وہ غصے میں بولا

''جیسے آپ کا حکم استاد جی، لیکن اتنی اجازت ضرور دیں کہ گھٹیا دشمن کو احساس ضرور دلاؤں کہ وہ کس قدر گھٹیا ہے۔ کمینے دشمن کے ساتھ اچھا سلوک، نیکی نہیں ہوتی۔''

''یہ تیری مرضی ہے پتر جیسے تو چاہے۔ لیکن سلمٰی کو بچالو۔ وہ بڑا اوچھا وار کرنا چاہتے ہیں۔''

''میں جانتا ہوں استاد جی۔ یہ منافقت اسی دن سے شروع ہوئی تھی، جب سلمٰی نے مجھے یہاں آنے سے روکا تھا۔ میں نے بھی منفی پروپیگنڈا سنا ہے اور سن رہا ہوں۔ منافقوں سے نپٹنا مجھے آتا ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔ اپنا خیال رکھیں۔ میں یہ سب دیکھ لوں گا۔ اب یہ میرا معاملہ ہے۔''

یہ کہہ کر اس نے استاد جی کا ہاتھ تھپتھپایا اور اٹھ کر تیزی سے باہر کی جانب بڑھ گیا۔ سلمٰی اسے دیکھتی رہ گئی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ اس نے بہت جلدی کی تھی۔

❁.....❁.....❁
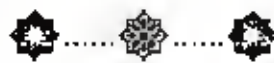
چوہدری جلال اور بشریٰ بیگم حویلی کے اندرونی دالان میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ چوہدری جلال نے اپنی بیوی کے چہرے پر دیکھا اور پوچھا

''کیا بات ہے بیگم۔! خیریت تو ہے نا تم بہت اداس لگ رہی ہو؟''

''جی چوہدری صاحب۔! خیریت ہے۔ بس آپ کو ایسے لگ رہی ہوں۔'' بشریٰ بیگم نے نگاہیں چراتے ہوئے کہا تو چوہدری جلال نے اصرار کرتے ہوئے پوچھا

"کچھ تو ہے۔ ویسے اگر تم نہ بتانا چاہو تو......"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے، میں بس وہ سوچ رہی تھی کہ وہ ماسٹر دین محمد کی بیٹی ہے نا سلمٰی۔ اس نے عمر حیات والے گھر میں آفس بنالیا ہے۔ اب باقاعدہ اس کا افتتاح بھی کرنے والی ہے۔ مجھے جہاں تک پتہ چلا ہے، وہاں بیٹھ کر یہ اعلان کر رہی ہے کہ وہ عورتوں کے حقوق کے لیے کام کرے گی۔ میں یہ سوچ رہی ہوں یہ سب وہ رانی کے لیے کر رہی ہے، یا اس کے رد عمل کے طور پر؟" بشریٰ بیگم نے الجھتے ہوئے پوچھا تو چوہدری جلال مسکراتے ہوئے بولا

"وہ سلمٰی بے چاری، اپنا حق نہیں لے پائی، کسی کو کیا حق دلائے گی۔ یہ سب وہ فہد کے کہنے پر لوگوں کو اکٹھا کرنے کے لیے ڈرامہ کر رہی ہے۔"

"جو کچھ بھی ہے چوہدری صاحب، وہ گاؤں کی اتنی عورتوں کو اپنے ساتھ شامل کرنے میں کامیاب ہوگئی ہے کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔" بشریٰ بیگم نے بتایا تو چوہدری جلال بولا

"ہاں مگر سوچنے والی بات یہ ہے کہ اب اس کا حوصلہ اتنا بڑھ گیا ہے۔ لگتا ہے کہ کوئی لمبی سازش ہو رہی ہے۔ خیر انہیں نہیں معلوم کہ ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔"

"کیسی سازش کیا ہونے والا ہے؟" بشریٰ بیگم نے چونکتے ہوئے کہا تو چوہدری جلال بولا

"بیگم۔ امیں کبیر کو صرف ایک جذباتی نوجوان سمجھتا تھا۔ لیکن اب پتہ چل رہا ہے وہ دور کی سوچتا ہے۔ اس نے جو سلمٰی کو اپنی دلہن بنانے کے لیے کہا ہے نا، تو بالکل درست کہا ہے۔ مجھے اب دیر نہیں کرنی چاہیے۔ اس کی شادی سلمٰی سے ہو جانی چاہئے۔"

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ۔ وہ کیا مان جائیں گے، ماسٹر دین محمد مان جائے گا جو ساری زندگی آپ کا عتاب سہتا رہا ہے؟" بشریٰ بیگم نے حیرت سے پوچھا

"یہی تو بات ہے، وہ عتاب کیوں سہتا رہا۔ اگر اس میں ذرا سی بھی جان ہوتی تو یہاں سے چلا جاتا۔ اب بھی وہ میری بات ٹال نہیں سکے گا۔ تم دیکھ لینا۔ ورنہ میں جو چاہوں وہ تو ہو ہی جاتا ہے۔" چوہدری نے غرور سے کہا تو بشریٰ بیگم بولی

"لیکن چوہدری صاحب، پہلے وہ اکیلے تھے۔ اب فہد ہے نا، انکے پاس۔"

"جو میں سمجھتا ہوں۔ وہ تم نہیں سمجھ پاؤ گی بیگم، اب فہد کو اکیلا کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ اب وہ سلمٰی، عوام کی نہیں، ہماری خدمت کرے گی۔ تم دیکھنا، ان کے ساتھ ہوتا کیا ہے۔" یہ کہہ کر وہ مسکرایا تو۔ بشریٰ بیگم پریشان ہوگئی۔

وہ اس وقت باتیں کر رہے تھے جبکہ انہیں خبر نہیں تھی کہ حویلی کے باہر چینل کی وین پورچ میں آ رکی تھی۔ اس میں سے مائرہ کے ساتھ دوسرے لوگ اتر آئے تھے۔ انہیں ایک ملازم نے آ کر بتایا تو چوہدری جلال نے حیرت سے اسے دیکھا پھر بولا

"انہیں بٹھاؤ، میں آتا ہوں۔"

ملازم یہ سن کر واپس چلا گیا۔

چینل والے ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے درمیان والے صوفے پر چوہدری جلال بیٹھا ہوا تھا۔ مائرہ نے اس سے سوال کیا

''میرا سوال آپ سے یہ ہے کہ رانی نامی جس ملازمہ نے آپ کی اس حویلی میں خودکشی کی، اسے آپ نے دفنانے کی اتنی جلدی کیوں کی؟''

''ہم نے تو اسے نہیں دفنایا۔ اس کے والدین آ کر اسے لے گئے تھے۔ ہو سکتا ہے انہوں شرمندگی کی وجہ سے جلدی کی ہو کیونکہ اس نے چوری کی تھی۔'' چوہدری جلال نے بڑے تحمل سے جواب دیا تو مائرہ نے پوچھا

''کیا چوری کی تھی؟''

''یہی کچھ رقم تھی اور زیور، شادی قریب تھی نا اس کی۔ حالانکہ اسے معلوم تھا کہ ہم اسے بیٹیوں کی طرح رخصت کرتے۔ یہ حویلی کی روایات ہے۔'' وہ اعتماد سے بولا

''اسی گاؤں قسمت نگر کی لڑکی سلمی نے آپ کے بیٹے پر جو الزام لگایا ہے، اس میں کس حد سچائی ہے؟'' مائرہ نے سوال کیا تو چوہدری جلال بولا

''میرا چونکہ ایک سیاسی پس منظر ہے اور میرے مخالفین مجھ پر، میرے خاندان کے افراد پر، ایسے سنگین الزامات لگاتے رہتے ہیں۔ خودکشی کے فوراً بعد ہم نے پولیس کو بتایا، انہوں نے کاروائی کی۔''

''لیکن تفتیش سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ اس دن تھانے میں رپورٹ درج نہیں ہوئی اور نہ ہی کسی ہسپتال سے میڈیکل رپورٹ لی گئی ہے۔ کاروائی پھر کیا ہوئی، کیا آپ غلط بیانی نہیں کر رہے ہیں؟'' مائرہ نے اسے گھیرا تو چوہدری جلال اسی تحمل سے بولا

''میں اس بارے کیا کہہ سکتا ہوں۔ میرے پاس اس کے ثبوت ہیں وہ میں آپ کو دکھا سکتا ہوں۔''

''یہ کاغذات آپ اپنے اثر ورسوخ سے بنوا سکتے ہیں۔'' مائرہ نے تیزی سے کہا تو چوہدری جلال بولا

''اس پر میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ اب میں سیاست بھی تو میں اپنے اثر ورسوخ سے کر رہا ہوں۔ یہ صرف مخالفین کا پروپیگنڈا ہے۔ آپ خود جائیں اور تحقیق کریں۔''

''میں نے تحقیق کی ہے اور اس بنیاد پر آپ سے بات کر رہی ہوں۔ رانی آپ کے بیٹے کبیر کی ہوس کا نشانہ بنی ہے اور اسے قتل کیا گیا ہے۔ اس سے پہلے صفیہ نامی خاتون کے شوہر قتل کا الزام آپ کے بیٹے پر ہے۔ جس کی باقاعدہ ایف آئی درج ہوئی ہے۔ اس پر آپ کیا کہیں گے؟'' مائرہ نے تلخی سے کہا تو چوہدری جلال غصے پر قابو پاتے ہوئے بولا

''آپ اگر تحقیق کر چکی ہیں تو پھر آپ میرے پاس کیا لینے آئی ہیں۔ میں ان الزامات کا سامنا کروں گا۔ مجھے یقین ہے کہ

میرے مخالفین کو ایسا کوئی ثبوت نہیں ملے گا جس سے وہ میری سیاسی ساکھ کو خراب کر سکیں۔"

اس پر مائرہ سوال کرنے لگی تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔ مائرہ نے حیران ہو کر دیکھا تو چوہدری جلال بولا

"بس بہت ہو چکے سوال، مجھے کچھ ضروری کام سے جانا ہے۔ باقی پھر سہی۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ گیا۔ مائرہ اس کی طرف دیکھتی رہی پھر مایوسانہ انداز میں اٹھ گئی۔ اسے سمجھ آ گئی تھی۔

قسمت نگر گاؤں کی ایک گلی میں کچھ لوگوں نے ایک لکھا ہوا بینر اٹھایا ہوا تھا۔ وہ اسے لگانا چاہ رہے تھے۔ ایک لڑکا دوسرے لڑکے کو صلاح دے رہا تھا

"ادھر ٹھیک ہے، ادھر لگا دیتے ہیں۔"

تبھی ان کے پاس سے ایک آدمی نے گذرتے ہوئے پوچھا

"اوئے لڑکو! یہ کیا کر رہے ہو؟"

"نور پور سے آنے والے مہمانوں کے لیئے بینر لگا رہے ہیں۔" لڑکے نے جواب دیا تو آدمی نے پوچھا

"کیا لکھا ہے اس پر؟"

"ہم ملک نعیم کی آمد پر انہیں خوش آمدید کہتے ہیں۔"

یہ سن کر وہ سر ہلاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

کچھ لڑکے چاچا عمر حیات والے اس گھر کے سامنے جھنڈیاں لگا رہے تھے جو اب سلمٰی کا آفس بن چکا تھا۔

سلمٰی اور صفیہ آفس میں تھیں۔ سلمٰی میز کے پیچھے کرسی پر بیٹھی ہوئی سامنے دھرے کاغذوں پر لکھ رہی تھی اور صفیہ ساتھ میں کھڑی تھی۔ باہر ہارن بجا تو سلمٰی چونک گئی۔ اس پر صفیہ نے کہا

"لگتا ہے فہد آیا ہے۔"

سلمٰی خاموشی سے لکھتی رہی۔ چند لمحوں بعد فہد دروازے کے فریم میں آن کھڑا ہوا اور بڑے سنجیدہ لہجے میں بولا

"اجازت ہے میں اندر آ سکتا ہوں؟"

سلمٰی نے اسے بڑی شاکی نگاہ سے دیکھا، پھر سر کا اشارہ کر دیا۔ وہ آ کر کرسی پر بیٹھا تو سلمٰی نے صفیہ سے کہا۔

"تم جاؤ صفیہ۔" پھر فہد کی طرف دیکھ کر کے بولی "یوں اجنبیوں کی طرح اجازت لینے کی کیا ضرورت تھی۔"

"تم نے اپنے گھر میں آنے سے جو منع کر دیا تھا۔ سوچا کہیں یہاں بھی تو مجھ پر پابندی نہیں ہے۔" فہد نے دھیمے لہجے میں کہا تو سلمٰی نے سکون سے کہا

"میں نے دل میں رہنے سے تو منع نہیں کیا نا اور آپ جانتے ہو۔"

''میں جانتا ہی نہیں، سمجھتا بھی ہوں۔ میں ایک بات تمہیں سمجھانا چاہتا ہوں۔تم نے دنیا کے مطابق نہیں اپنے مطابق جینا ہے۔ دنیا تو سو طرح کی باتیں کرے گی اور جینے نہیں دے گی۔'' فہد نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا

''کیا یہ اچھا نہیں ہے، کسی کو بات کہنے کا موقع ہی نہ دیا جائے؟'' سلمٰی نے پوچھا

''ذرا سوچو سلمٰی۔! میرے آنے سے لے کر اب تک ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ اب اچانک کیوں؟ اسے سمجھ؟ کسی بدگمانی میں مت پڑنا ورنہ لمحوں کا فاصلہ صدیوں پر محیط ہو جائے گا۔ مت ڈرو۔ دنیا کیا کہتی ہے۔ بس ذرا وقت کا انتظار کرو۔'' فہد نے تحمل سے کہا تو سلمٰی بولی

''میں آپ سے کبھی بدگمان نہیں ہو سکتی۔ دور رہ کر بھی میں آپ کے ساتھ ہوں اور مجھے پتہ ہے کہ آپ بھی مجھ سے غافل نہیں ہیں۔ اور مجھے یقین ہے یہ جدا جدا راستے ایک ہو جائیں۔''

''میں اس لیئے آیا ہوں کہ مائرہ، اپنی پوری ٹیم کے ساتھ یہاں قسمت نگر میں آ گئی ہے۔ اب وہ یہاں کچھ دن رہے گی، تمہارے گھر میں، تمہارے ساتھ۔'' فہد نے بتایا تو سلمٰی نے مضطرب ہوتے ہوئے کہا

''وہ گھر کیا اس کے شایان شان ہوگا وہ تو......''

''وہ ادھر اسی گھر میں رہے گی۔ بس تم اس کا خیال رکھنا۔'' فہد نے حتمی لہجے میں کہا تو سلمٰی بولی

''جیسا آپ چاہو۔ میں اس بہت خیال رکھوں گی۔''

''دوسری بات کہ تمہیں افتتاح پر رقم کی ضرورت ہوگی، یہ لو۔ اور رابطے کے لیے یہ سیل فون۔''

یہ کہتے ہوئے اس نے نوٹوں کی گڈیاں اور فون میز پر رکھ دیا۔ اور پھر کھڑا ہوا۔ سلمٰی نے نوٹوں کو دیکھ کر پھر اس کی طرف حسرت سے دیکھ کر پوچھا

''یہ اتنی بڑی رقم اور فون؟''

''ہاں۔! یہ رکھو۔ میں چلتا ہوں'' یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ سلمٰی اسے دیکھتی رہ گئی۔ یہی وہ لمحات تھے جب اسے فہد پر ٹوٹ کر پیار آیا۔ یہی تو شخص تھا جس نے اسے اعتماد جیسی دولت سے نوازا۔ ایک دم ہی اس میں جوش بھر گیا۔ وہ اپنی حالت پر مسکرا کر رہ گئی۔ اس نے صفیہ کو آواز دے کر بلایا۔ پھر خود ہی اٹھ کر باہر نکل گئی۔

سلمٰی کے آفس کے دوسرے کمرے میں زمین پر دری بچھائے دو لڑکیاں بیٹھی کاغذ پر لکھ رہی تھیں۔ سلمٰی نے ان سے جا کر پوچھا

''فہرست تیار ہو گئی یا ابھی......''

''جی باجی، بس تھوڑا سا کام رہ گیا ہے۔ ابھی مکمل ہو جاتی ہے۔'' ایک لڑکی نے سر اٹھا کر کہا تو سلمٰی خوش ہوتے ہوئے بولی

''شاباش، جلدی کر لو۔ پتہ ہے دوپہر تک کام مکمل کرنا ہے، شام کو افتتاح بھی ہے۔''

لفظ اس کے منہ میں ہی میں تھے کہ صفیہ نے آکر بتایا۔

''وہ باہر چینل والے آئے ہیں۔ تمہارے کمرے میں ہیں۔ بلاؤں انہیں۔''

''ادھر نہیں، میں ان کے پاس جاتی ہوں۔''

سلمٰی نے کہا اور فوراً اس طرف بڑھ گئی۔ مائرہ کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ سلمی اسے والہانہ انداز میں ملتے ہوئے بولی

''بہت خوشی ہوئی تمہیں دوبارہ دیکھ کر۔''

''یقین جانو مجھے بھی بہت خوشی ہو رہی ہے۔ اب تو میں کچھ دن ادھر ہی رہوں گی۔'' مائرہ نے خوش ہوتے ہوئے کہا تو سلمی بولی

''ابھی فہد یہاں سے گئے ہیں۔ تمہارے بارے میں بتا کر، آؤ بیٹھو نہیں بلکہ گھر ہی چلتے ہیں۔''

''وہ بھی چلے جائیں گے، پہلے تھوڑا سا کام کر لیں۔'' مائرہ نے کہا تو سلمی بولی

''جیسے آپ کی مرضی۔''

کچھ دیر بعد سلمی اور مائرہ آمنے سامنے بیٹھی ہوئیں۔ صفیہ ان کے پاس کھڑی تھی۔ کیمرہ مین اپنا کام کرتا تھا۔ تبھی مائرہ نے پوچھا

''رانی کے بارے میں آپ کا موقف کیا ہے۔ حویلی والے تو اس کی تردید کرتے ہیں۔''

''یہ حویلی والے اب تک ان بے زبانوں پر ظلم ہی کرتے آئے ہیں۔ انہوں نے رانی پر ظلم کیا، اس کے ثبوت اور شواہد موجود ہیں۔ یہ ان کا کوئی پہلا ظلم نہیں ہے۔ نجانے کتنے ظلم کیے ہیں انہوں نے۔'' سلمی سخت لہجے میں جواب دیا تو مائرہ نے اگلا سوال کیا

''آپ نے یہ جو تنظیم بنائی ہے، اس کا بنیادی مقصد کیا ہے؟''

''یہاں کے لوگوں کو بتاؤں کہ ان کا حق کیا ہے۔ رانی جیسی عورتوں کے حق کے لیے میں نے لڑنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس سے بھی پہلے میں اس خاتون صفیہ کو انصاف دلانے کی بھرپور کوشش کر رہی ہوں۔ جس کے شوہر کو دن دیہاڑے چوہدری کبیر نے قتل کر دیا تھا۔'' سلمی نے کہا تو مائرہ نے پوچھا

''کیا آپ ظلم کے خلاف لڑ سکیں گی؟ آپ کے پاس کیا طاقت ہے؟''

''مجھے اب کوئی خوف نہیں ہے۔ کیونکہ میں فیصلہ کر چکی ہوں میں چاہے زندگی ہار جاؤں لیکن انہیں ہارنے نہیں دوں گی، جن عورتوں کا اب میں حوصلہ ہوں میں بھی اب ان ظالموں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکتی ہوں اور کرتی رہوں گی۔'' سلمی نے جواب دیا

''کیا آپ تفصیل سے بتائیں گی کہ انہوں نے کیا ظلم کئے ہیں۔'' مائرہ نے پوچھا تو سلمی نے جرات سے کہا ''کیوں نہیں۔'' یہ کہہ کر وہ بتانے لگی۔ سلمی کے چہرے پر عزم جھلکنے لگا تھا۔ اس دوران صفیہ بھی روتے ہوئے اپنا موقف ریکارڈ کروا دیا۔

سہ پہر ہو گئی تھی۔ سڑک پر گاؤں سے باہر فہد، چھاکا اور چند لوگ کھڑے تھے۔ ایک بزرگ بندے کے ہاتھ میں ہار تھا۔ وہ سبھی راہ تک رہے تھے۔ فہد اس جانب دیکھ رہا تھا۔ سارے لوگ اسی جانب دیکھ رہے تھے۔ اچانک سڑک پر کاروں کا قافلہ آتا ہوا دکھائی دیا، جو

ذرا سی دیر بعد ان کے قریب آ کر رک گیا۔ ایک کار میں سے ملک نعیم ہی نکلا۔ اس نے سب سے ہاتھ ملایا۔ بزرگ آدمی نے اس کے گلے میں ہار ڈالا تو سب جلوس کی صورت میں چل پڑے۔

جیسے ہی وہ سلمٰی کے آفس کے سامنے پہنچے۔ وہاں کافی سارے لوگ ملک نعیم اور فہد بارے استقبالی لوگ نعرے لگ رہے تھے۔ ملک نعیم زندہ باد۔ دفتر کے باہر ربن لگا ہوا تھا۔ سلمٰی اور کچھ لوگ وہاں کھڑے تھے۔ ایک لڑکی نے اس کی جانب پلیٹ میں رکھی قینچی بڑھائی۔ ملک نعیم نے ربن کاٹ دیا تو ہر طرف تالیاں بج اٹھیں۔ گھر کے صحن میں سٹیج بنا ہوا تھا۔ میز کے پار سلمٰی، درمیان میں ملک نعیم اور گاؤں کا ایک بزرگ بندہ بیٹھ گیا۔

انہوں نے بڑا مختصر پروگرام رکھا تھا۔ پہلے سلمٰی نے ڈائس پر آ کر اپنا مقصد بتایا اور پھر ملک نعیم اٹھ کر سٹیج تک آ کر بات کرنے لگا

''قسمت نگر کے معزز لوگو! میں یہاں کوئی سیاسی تقریر نہیں کرنے آیا۔ صرف اور صرف ان عظیم لوگوں کی حوصلہ افزائی کرنے آیا ہوں۔ جنہوں نے یہ عزم کر لیا ہے کہ عوام کو ان کے حقوق کا احساس دلایا جائے۔ انہیں بتایا جائے کہ وہ بھی اس آزاد ملک کے آزاد شہری ہیں۔ کوئی انہیں غلام بنا کر نہیں رکھ سکتا۔ کیونکہ ہمارے جمہوری ملک کی اصل طاقت عوام ہیں۔ جب تک عوام اپنے حقوق کا شعور حاصل کرے گی۔ اس وقت تک کسی بھی طرح کی ترقی ممکن نہیں ہے۔ یہی شعور ایک محب وطن قیادت لے کر آئے گا۔ میں بھی آپ میں سے ہوں۔ ہم سب نے مل کر اس مشن کے لیے جدوجہد کرنی ہے۔ آپ مجھے اپنے ساتھ پائیں گے۔ میں ہر طرح کی خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ میں آپ کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلوں گا۔''

وہاں موجود لوگوں نے تالیاں بجائیں تو وہ سٹیج سے واپس آیا۔ ملک نعیم زندہ باد کے نعرے لگتے رہے۔ وہ لوگوں میں آ گیا اور ان سے ہاتھ ملاتا رہا۔ وہ کچھ دیر ان کے ساتھ رہا اور پھر اپنے ساتھ آئے قافلے کے ساتھ چلا گیا۔

شام ڈھل کر رات میں بدل گئی تھی۔ ماسٹر دین محمد کے ساتھ سلمٰی اور مائرہ، تینوں صحن میں بچھی ہوئی چارپائیوں پر بیٹھے ہوئے چائے پی رہے تھے۔ یوں دکھائی دے رہا تھا، جیسے سارے کاموں سے فارغ ہو کر صرف گپ شپ کے لئے بیٹھے ہوئے ہیں۔ ماسٹر دین محمد کہہ رہا تھا۔

''پہلی بات تو یہ ہے بیٹی، مجھے بہت اچھا لگا کہ تم نے ہمارے گھر کو رہنے کے لیے پسند کیا۔ جیسا بھی ہے، اس میں تمہارے رہنے کے لیے وہ سہولیات تو نہیں ہو گی۔''

''انکل، گھر مکینوں سے ہوتا ہے۔ بندہ وہیں رہنا پسند کرتا ہے جہاں وہ سکون محسوس کرے۔ آپ سے مل کر، سلمٰی سے مل کر، مجھے بہت سکون کا احساس ہوا ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے خوشگوار انداز میں پوچھا،''اور دوسری بات انکل؟''

''ہاں تم ٹھیک کہتی ہو، گھر مکینوں ہی سے بنتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے بیٹی کہ تم نے جو بتایا کہ اس علاقے کی رپورٹ بناؤ گی تا کہ یہاں کا حال بیان کر سکو، یقین جانو تم وہ کام کر رہی ہو جو ان لوگوں کا کرنا چاہئے تھا جو یہاں کے نمائندے بن کر ایوانوں میں جا کر بیٹھے ہوئے ہیں۔''

ماسٹر دین محمد نے دکھی لہجے میں کہا تو سلمی بولی

"وہ کیوں علاقے کی ترقی چاہئیں گے اس طرح تو ان کی علاقے پر حاکیت ختم ہو کر رہ جائے گی۔ یہاں کے لوگ ان کے شکنجے سے نکل جائیں گے۔"

"سلمی تمہارے خیال میں اس کا حل کیا ہے؟" مائرہ نے پوچھا

"سمپل، عوام کے نمائندے وہ لوگ ہوں، جو ان کے مسائل حل کریں۔ کوئی مسائل حل کرنے کی سوچے گا تو حل ہوں گے نا۔"

اس دوران ماسٹر دین محمد نے چائے کا خالی کپ قریب پڑی میز پر رکھ کر اٹھتے ہوئے بولا

"لو پتر، تم کرو باتیں، میں نماز پڑھ کر آتا ہوں۔"

وہ اٹھ کر باہر کی جانب گیا تو مائرہ بولی

"پچھلی بار جب میں آئی تو بہت افراتفری میں تھی۔ اس بار بھی کچھ ایسے ہی تھا۔ لیکن پھر بھی میں تمہارے لیے کچھ گفٹ لانا نہیں بھولی۔ مجھے امید ہے تمہیں پسند آئیں گے۔"

"مائرہ، تمہاری مہربانی کہ تم نے مجھے یاد رکھا۔ تمہارے آنے سے ہمیں بہت سہارا ملا ہے، ورنہ یہ چوہدری اپنی گھناؤنی سازش میں کامیاب ہو جاتے۔" سلمی نے ممنونیت سے کہا تو مائرہ بولی

"اب ان کی کوئی سازش کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔ میں پوری دنیا کو ان کا اصل چہرہ دکھاؤں گی۔ یہ کیسے لوگ ہیں۔ خیر چھوڑ دیہ تو ہوگا اور مل کر ہی کریں گی۔ کوئی اور بات نہ کریں۔"

"مثلاً کیس باتیں؟" سلمی مسکراتے ہوئے پوچھا تو مائرہ نے بے تکلفی سے کہا

"کچھ اپنے بارے میں کہو، کچھ میرے بارے میں پوچھو۔ دیکھو! ہم دوست تو بن گئی ہیں لیکن ایک دوسرے کے بارے ہم اتنا نہیں جانتیں۔"

"ہاں یہ تو ہے۔ چلو جان لیتی ہیں ایک دوسرے کے بارے میں۔"

سلمی نے کہا تو اس پر دونوں قہقہہ لگا کر دیں۔

❁......❁......❁

تھکا ہوا، چھاکا صحن میں بچھی چارپائی پر آ کر بیٹھ گیا۔ اندر سے چاچا سوہنا نکلا۔ وہ خوب تیاری کیئے ہوئے تھا۔ صاف ستھرے کپڑے، پگڑی وغیرہ باندھی ہوئی تھی۔ وہ آ کر چھاکے کے پاس بیٹھ گیا تو چھاکے نے حیرت سے پوچھا

"ابا! خیر تو ہے یہ ٹہور ٹشہور نکال کر، سرمہ ڈال کر کسی میلے میں جا رہا ہے؟"

"نہ، تو مجھے یہ بتا، دعوے تو یہ کرتا ہے کہ پورے علاقے میں تیری دس پچھ ہے، تجھے پتہ ہے اس علاقے میں کوئی میلہ ہے؟"

چاچا سوہنا مصنوعی غصے میں بولا تو چھاکے نے ہنستے ہوئے کہا

''میلہ تو نہیں ہے، پر یہ تیری تیاری ایویں ہی مغالطے میں ڈال رہی ہے نا۔''

''میں پتر کسی میلے پر نہیں اپنی نہو (بہو) تلاش کرنے جا رہا ہوں۔ میں نے سوچا ہے اب تیرا ویاہ کر دوں۔ عورت کے بغیر گھر کتنا سونا سونا سا لگتا ہے۔'' چاچا سوہنا مسکراتے ہوئے بولا چھاکے نے حیرت نے پوچھا

''ابا تجھے خیر تو ہے یہ کیسی باتیں کرنے لگ گیا ہے؟''

''میں کلا رہ گیا ہوں پتر، جو باتیں میں ادھر ادھر سے سن رہا ہوں نا وہ بڑی خطرناک ہیں۔ ٹھیک ہے سکول کھل گیا ہے تو چوہدری ایویں ہی چپ نہیں کر گئے، اس خاموشی کے بعد جو طوفان آنے والا ہے۔'' چاچے سوہنے نے تشویش سے کہا تو چھاکا بولا

''او ابا، تو ایویں ہی ڈر رہا ہے۔ کچھ نہیں ہوتا۔ اگر اس دن چوہدری مجھے مار دیتے تو کیا ہوتا؟ تو اب عیش کر، جہاں تاش کی پانچ بازیاں لگاتا ہے نا، وہاں دس لگایا کر۔ میں نہیں پڑھ سکا ابا تو آنے والی نسل تو پڑھے گی نا۔''

''پتر مجھے کلا نہ کر جائیں۔'' چاچا سوہنا جذباتی ہو کر بولا

''تجھے کلا ہونے کا اتنا ہی ڈر ہے نا تو سکول کے سامنے بیٹھ کر آلو چھولے بیچا کر، تیرا کچھ تو فائدہ ہو۔'' یہ کہہ کر اس نے ادھر ادھر دیکھ کے پوچھا، ''کدھر ہے میرا شہزادہ؟''

تبھی قریب ہی کہیں مرغا بول دیا تو چاچا سوہنا ہنستے ہوئے بولا

''لے سن لے۔''

چھاکا اپنے مرغے کی طرف بڑھ گیا تو چاچا سوہنا باہر نکل گیا۔ اس کا رخ چوراہے کی طرف تھا۔

چوراہے میں چاچا سوہنے کے اردگرد بیٹھے ہوئے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ تاش کھیل رہا تھا۔ اردگرد لوگ بیٹھے ہوئے کھیل بھی دیکھ رہے تھے اور تبصرے بھی کر رہے تھے۔ حنیف دوکاندار بھی باہر نکل کر بیٹھا ہوا تھا۔ ایک آدمی کے ساتھ اس کی درمیان باتیں چل رہی تھیں۔

''او یار۔! جب سے یہ فہد آیا ہے نا گاؤں میں کوئی نا کوئی نئی بات ہی ہو رہی ہے۔ اللہ خیر ہی کرے۔'' حنیف دوکاندار نے کہا تو سامنے والا بندے نے پوچھا

''اب کیا کر دیا اس نے؟''

''دیکھو یار۔ ماسٹر دین محمد کی بیٹی نے کوئی دفتر کھول لیا ہے۔ وہ بھی عوام کے لیے۔ اب وہ بھلا عوام کے لیے کیا کر سکے گی جو خود اکیلی نور پور تک سفر نہیں کر سکتی۔'' حنیف دوکاندار نے طنزیہ لہجے میں کہا تو وہ آدمی بولا

''اس میں فہد کہاں سے آ گیا۔''

''او پاگل۔! وہ بھی تو ماسٹر دین محمد کے گھر رہتا ہے۔ اس کی پڑھائی پٹیوں پر ہی وہ چل رہی ہے۔ سنا ہے سلمیٰ کے ساتھ اس کا بہت زبردست عشق چل رہا ہے، ورنہ اس کی جرات کہاں تھی۔ پہلے یوں دیکھا تھا اس کو۔'' حنیف دوکاندار نے سمجھایا تو آدمی بولا

''بس یار، مجھے تو ڈر ہی لگتا ہے، گاؤں میں کوئی طوفان ہی نہ آ جائے وہ بار بار چوہدری کو ہی للکار رہے ہیں۔''

تبھی چاچا سوہنا تاش ایک طرف رکھ کر بولا

''تو کیوں ڈر رہا ہے۔ تیرا کسی طوفان سے کیا لینا دینا، تیرے جیسے لوگ پیدا ہوتے ہیں کھاتے پیتے ہیں اور مر جاتے ہیں۔ کسی کا درد، کسی کا احساس کوئی کوئی جانتا ہے۔ اگر تم لوگوں کا احساس کرنے والا کوئی آ ہی گیا ہے تو اسے پہچانو۔''

''چاچا یہ تو کیا بات کر رہا ہے؟'' حنیف دوکاندار نے کہا تو چاچا سوہنا بولا

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ شعور وہیں آتا ہے جہاں انقلاب آنا ہو۔ اس بات کو سمجھ۔ اور چھوڑ دے فہد کی مخالفت۔ تیرے یہ چوہدری تجھے بچانے نہیں آئیں گے۔ ظلم جب بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے۔''

''یار۔! کل گاؤں میں ملک نعیم آ کر چلا گیا۔ اوئے مجھے ایک بندے نے بتایا ہے کہ اس کی اور چوہدریوں آپس میں بڑی مخالفت ہو گئی۔ اپنے اس نذیرے کے معاملے میں وہ صفیہ کی حمایت کر رہا ہے۔ اسی لیے تو وہ فہد کے پاس آیا تھا'' پاس بیٹھے آدمی نے بتایا تو ایک دوسرے آدمی نے کہا

''یار اگر چوہدریوں کی مخالفت ہے تو پھر یہاں کے حالات بھی اچھے بھلے خراب ہو جائیں گے۔''

''او حالات کیا خراب ہونے ہیں۔ انہوں نے ملک نعیم کے یہاں آنے کو اہمیت ہی نہیں دی۔ ورنہ اگر وہ چاہتے تو وہ یہاں آ کر تقریر نہیں کر سکتا تھا۔ چوہدری ایسے بھی نہیں ہیں کہ اپنے مخالف کو نظر انداز کر دیں۔ یہ جو خاموشی ہے نا۔ اس میں بھی کوئی نہ کوئی طوفان ہو گا۔ دیکھ لینا تم چند دنوں ہی میں دیکھ لینا۔''

حنیف دوکاندار نے کہا تو چاچا سوہنا تڑپ کر بولا

''اوئے سنو اوئے۔! جو طوفان آئے گا، اسے سبھی دیکھ لیں گے۔ تم یہ بتاؤ، وہ جو باتیں کر کے گیا ہے۔ وہ کیسی تھیں۔ یار، عجیب بے وقوف آدمی ہو، کیا چوہدریوں کا ظلم کرنا ہی لکھا ہے۔ وہ کون سی مخلوق ہے جو ہم غریبوں پر ظلم ہی کرتے رہیں اور ہم ظلم سہتے رہیں۔ اور تیرے جیسے منافق لوگ ان کی خوشامد ہی نہیں، انکے خوف سے ڈراتے رہیں۔ چوہدری کوئی آسمانی مخلوق نہیں ہیں کہ ان کی مخالفت نہ کی جا سکتی ہو۔''

''نہیں باتیں تو اس کی ٹھیک ہیں۔ مگر ان سیاست دانوں کی باتیں ہی ہوتی ہیں۔ ان پر عمل کم ہی ہوتا ہے۔'' حنیف دوکاندار نے دھیمے لہجے میں کہا چاچا سوہنا بولا

''اگر طوفان کی جگہ ملک نعیم لوگوں کے کام آنا شروع ہو جائے تو کیسا ہے؟''

''پھر تو چاچا ہمارے سارے مسئلے ہی نہ حل ہو جائیں۔'' پاس بیٹھے آدمی نے کہا تو چاچا سوہنا بولا

''تو بس پھر اس بات کو سوچو۔ غور کرو اس بات پر۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنے پتے اٹھائے اور کھیل میں مصروف ہو گیا۔ لوگ حیرت سے اسے دیکھ رہے تھے جس نے آج چوراہے میں بیٹھ کر چوہدریوں کی بھرپور مخالفت کر دی تھی۔

❁.......❁.......❁

رات کے اندھیرے میں کاشی سڑک پر اپنی گاڑی بھگائے لے جا رہا تھا۔ ایسے میں ڈیش بورڈ پر پڑا اس کا فون بج اٹھا۔ اس نے فون اٹھایا اور اسکرین پر دیکھا پھر مسکراتے ہوئے کال رسیو کر لی۔

''جی چوہدری صاحب، اتنی رات کو یاد کر لیا؟''

دوسری طرف چوہدری جلال حویلی کے کاریڈور میں کھڑا فون کر رہا تھا۔

''بول کاشی۔ کیا بات ہے۔ جو فون نہیں کیا۔ کیا میرا کام یاد نہیں ہے تمہیں؟''

''میں نے سب طرح کا جائزہ لے لیا ہے۔ صرف دو دنوں میں کسی بھی وقت گاؤں سے باہر فہد کا کام ہو جائے گا۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو چوہدری جلال بولا

''ہاں اس کا کام اب ہو جانا چاہئے بہت دن دے دیئے اسے۔''

''میرا کام کب ہو گا، چوہدری صاحب؟''

کاشی اپنے مطلب پر اتر آیا تو چوہدری جلال نے دبے دبے غصے میں کہا

''تیرا کام بھی سمجھ ہو گیا، بس علاقے میں یہ افواہ بھی نہیں اُڑنی چاہئے کہ اس معاملے میں ہمارا کوئی بھی تعلق ہے۔''

''کیا یہ آپ کی شرط ہے، میرے کام کے معاملے میں میں کام کروں گا تبھی آپ میرا کام کریں گے؟'' کاشی نے چونکتے ہوئے پوچھا

''نہیں شرط نہیں میں ابھی اوپر بات کرتا ہوں بس بہت محتاط ہوں تمہارا کام ہو گیا ہے سمجھو۔''

چوہدری جلال نے سمجھانے والی انداز میں کہا تو کاشی بولا

''آپ جانیں اور آپ کی احتیاط۔ میں کام کر دوں گا۔ آپ بھی میرا کام کر دیں۔ باتیں نہیں صرف کام۔''

''کہا ہے نا، ہو جائے گا۔ تم اپنا کام کرو، اوپر سے الیکشن بھی آنے والے ہیں۔'' چوہدری جلال نے کہا

''تو ٹھیک ہے آپ کا کام بھی سمجھو ہو گیا۔''

کاشی نے حتمی انداز میں کہا اور فون بند کر دیا۔ اس کے چہرے پر زہریلی مسکراہٹ آ گئی تھی۔

چوہدری جلال کاریڈور میں ٹہل رہا تھا۔ اتنے میں چوہدری کبیر باہر جانے کے لیے نکلا تو اپنے باپ کو دیکھ کر اس بڑھ گیا۔ اس کی طرف دیکھ کر چوہدری جلال نے کہا

''ابھی کاشی سے بات ہوئی تھی۔اس نے بتایا ہے کہ دو دن میں فہد کا کام ہو جائے گا۔''

''یہ اس کی سزا تو نہ ہوئی نا، ایک دم ختم ہو جائے گا۔میں سلمٰی سے شادی کر کے اسے بتانا چاہتا ہوں کہ جب ہم دشمنی کرتے ہیں تو وہ نسلوں تک اتر گئی۔میں اسے تڑپتا دیکھنا چاہتا ہوں۔'' چوہدری کبیر نے نفرت سے کہا

''وقت اور حالات کی نزاکت بھی ہے بیٹے۔ملک نعیم کا اس علاقے میں اترنا خطرے کا بہت بڑا الارم ہے، مسائل بڑھ جائیں گے۔'' چوہدری جلال نے اسے سمجھایا تو چوہدری کبیر بولا

''محض سلمٰی کو حاصل کرنا میری ضد نہیں ہے۔میں فہد کے ساتھ علاقے کے لوگوں کو بھی بتانا چاہتا ہوں۔کہ ہماری خاموشی ،ہماری کمزوری نہیں ہوتی۔''

''دیکھو۔!فہد کے بعد تم جو چاہو کرو۔میں تمہیں نہیں روکوں گا۔اب یہ فیصلہ تمہارا ہے۔پہلے کیا کرنا ہے۔سلمٰی سے شادی یا پھر فہد۔'' چوہدری جلال نے کہا تو چوہدری کبیر بولا

''چلیں بابا۔میں آپ کی بات مان لیتا ہوں۔آپ نے جو کہہ دیا ٹھیک کہہ دیا۔''

''یہ ہوئی نا بات۔کاشی کو اپنا کام کرنے دو پھر دیکھتے ہیں۔'' پنے باپ کے کہنے پر چوہدری کبیر نے اثبات میں سر ہلایا اور پھر مڑ کر پورچ کی جانب چلا گیا۔

باپ بیٹے کو خبر ہی نہیں تھی کہ ان کے عقب میں بشریٰ بیگم کھڑی ان کی باتیں سن رہی تھی۔اس کے چہرے پر خوف زدہ حیرت ہوئی تھی۔

❁......❁......❁

دن کا اجالا چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔جعفر ابھی آفس نہیں پہنچا تھا۔ملک نعیم اور شیخ آفتاب اس کے آفس میں دونوں آمنے سامنے صوفوں پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

''ملک صاحب۔آپ نے وہاں کی ساری روداد سنا دی۔ٹھیک ہے،لوگ آپ کے ساتھ ہوں گے۔فہد نے وہاں بہت کام کیا ہے۔اب آگے کا بھی تو سوچنا ہے،کیا پلاننگ ہونی چاہیے۔وہاں پر ہم نے بزنس ہی نہیں کرنا ووٹ بھی لینے ہیں۔اور اس کا سارا دارومدار فہد پر ہے۔میں نہیں سمجھتا کہ چوہدری جلال کو اس کی اہمیت کا احساس نہیں ہوگا۔اب فہد کی حفاظت بہت ضروری ہو گئی ہے۔'' شیخ آفتاب نے دور اندیشی سے کہا

''یہ آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔میرے علم کے مطابق اب تک چوہدری جلال نے اسے ڈرایا دھمکایا ہی ہے۔لیکن فہد بہت حوصلہ مند جواں نکلا۔وہ مضبوطی سے ڈٹا رہا ہے۔لیکن کب تک شیخ صاحب۔اس کے پاس اتنے وسائل نہیں ہیں۔'' ملک نعیم نے بتایا

''جنگ وسائل سے نہیں جیتی جاتی ملک صاحب۔!اس کے لیے حوصلہ اور دفاع چاہیے۔اگر وہ فہد کو راستے سے ہٹا دیتے ہیں تو

پھر......؟'' شیخ آفتاب نے سوال اٹھایا تو

ملک نعیم بولا

''ہمارا وہاں سب کچھ ختم ہو جائے گا۔''

''تو پھر سوچئے۔ یہاں سے بندے بھجیں یا وہاں سے تیار کریں۔ فہد کے گرد ایک حفاظتی حصار بنانا ہو گا۔ اور میں نے یہی بات کرنے کے لئے آپ کو یہاں آنے کی زحمت دی کہ ہم اے ایس پی صاحب سے اس سلسلے میں بات کریں۔'' شیخ آفتاب نے احساس دلایا تو ملک نعیم نے سوچتے ہوئے کہا

''کیوں نا یہ بات فہد سے کر لی جائے۔ وہ جو مناسب ہو گا، ہمیں بتائے گا۔ ہم اس کے لیے کریں گے۔''

''جیسے آپ چاہیں لیکن میرا خیال ہے کہ ہم اے ایس پی سے بات کریں۔ اس کے نوٹس میں یہ بات ہونی چاہئے۔ یہ تعاون کر رہا ہے، کچھ نہ کچھ تو کرے گا۔ یہ کام جلد از جلد ہو جانا چاہئے۔''

شیخ آفتاب کے کہنے پر وہ سر ہلا کر رہ گیا۔

کچھ دیر بعد جعفر اپنے آفس آ گیا تو دونوں سے بڑے تپاک سے ملا۔ بہت دیر باتوں کے دوران انہوں نے یہ خدشہ بھی ظاہر کر دیا۔ جعفر نے سنا اور ان کی پوری مدد کرنے کا وعدہ کر لیا۔ کچھ دیر بعد وہ چلے گئے تو جعفر نے فون اٹھا لیا۔

اس وقت فہد اپنے گھر کے صحن میں بیٹھا ہوا تھا کاغذات دیکھ رہا تھا کہ اس کا فون بج اٹھا۔

''ہاں بول، جعفر کیا بات ہے؟'' فہد نے خوشگوار انداز میں کہا تو جعفر سنجیدگی سے بولا

''کیسے ہو، کیسا چل رہا ہے، تم آئے ہی نہیں صفیہ کی پیشی پر؟''

''بس یار ادھر ایک کام آ گیا تھا۔'' اس نے بتایا تو نے گہری سنجیدگی سے کہا

''اچھا بات سن، آج ملک نعیم سے بات ہوئی تو اس نے ایک خدشہ ظاہر کیا، جو بہر حال درست بھی ہو سکتا ہے کہ چوہدری تجھے اپنے راستے سے ہٹانے کے لیے کچھ بھی کر سکتے ہیں۔''

''او یار ان کا بس چلے تو مجھے ابھی ختم کر دیں۔ کوئی نئی بات بتا۔'' فہد نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ بولا

''نہیں، میں کوئی مذاق نہیں کر رہا ہوں بالکل سیریس ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اب تو بہت محتاط رہا کر۔ اگر کہو تو میں کچھ بندے......''

''او یار چھوڑ جو تھوڑی بہت آزادی ہے، وہ بھی ختم ہو جائے گی۔ تم کب آ رہا ہے میرے پاس؟'' فہد نے اس کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا

''دل تو بہت کرتا ہے کہ تیرے ساتھ رہوں۔ یہ ذرا معاملہ ختم ہو جائے تو پھر کھل کر تجھے ملا کروں گا۔ سنا مائرہ کدھر ہے وہ؟''

جعفر اس کی بات سمجھتے ہوئے بولا تو فہد نے بتایا

''سلمی کے پاس اس کے گھر، باقی لوگ میرے پاس۔''

''اچھا آتا نور پور تو سلمی کے ہاتھ کے دو چار پراٹھے تو لے آتا۔'' جعفر نے شوخی سے کہا تو فہد ہنستے ہوئے بولا

''تو بھی بس۔''

اس پر دونوں ہنستے ہیں۔

❁......❁......❁

بشریٰ بیگم کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ڈرائیور کار چلا رہا تھا۔ جب حویلی سے کار نکالی تو اس نے ڈرائیو کو نہیں بتایا کہ کہاں جانا ہے۔راستے میں وہ اسے بتاتی گئی یہاں تک کہ سراج کا ڈیرہ آ جانے پر اس نے ڈرائیور سے کہا

''گاڑی روکو۔''

اس نے فوراً کار روک دی۔ بشریٰ بیگم نے غور دیکھا۔ اسے کچھ دور فہد اور سراج بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ وہ گاڑی سے اتری اور ان کی جانب بڑھ گئی۔

فہد اور سراج درختوں کی چھاؤں میں چار پائیوں پر آمنے سامنے ڈیرے پر بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے کہ بشریٰ بیگم کو اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر چونک اٹھے۔ بشریٰ بیگم ان کے قریب آ کر رک گئی تو سراج نے حیرت سے کہا

''چوہدرانی جی آپ؟''

''ہاں میں چوہدرانی بشریٰ بیگم، میں فہد سے ملنے آئی ہوں۔'' بشریٰ بیگم نے فہد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ تبھی فہد نے کسی تاثر کے بغیر کہا

''جی بولیں، میں سن رہا ہوں۔''

''بات صرف اتنی ہے بیٹا۔! پتہ نہیں تم میری بات پر یقین کرو بھی یا نہیں۔لیکن اتنا ضرور یاد رکھنا کہ میرے سینے میں بھی اک ماں کا دل دھڑک رہا ہے۔ بیٹے۔! کیا یہ عقل مندی نہیں کہ طوفان آنے سے پہلے خود کو محفوظ کر لیا جائے۔'' بشریٰ بیگم نے سمجھاتے ہوئے نرم لہجے میں کہا تو فہد بڑے تحمل سے بولا

''میں آپ کی بات سمجھ رہا ہوں لیکن جو طوفان میں گھر چکے ہوں۔ان کا کیا کیا جائے اور جن لوگوں نے طوفان اٹھایا ہوا ہے، انہیں بھی روکنا ہے،طوفان تبھی تھمے گا۔''

''میں طوفان سے ہونے والی تباہی سے ڈرتی ہوں۔ وہ چاہیے کسی کی بھی ہو۔کیا یہ اچھا نہیں ہے کہ طوفان ہی نہ آنے دیا جائے۔'' بشریٰ بیگم نے پوچھا جسے سمجھتے ہوئے فہد نے کہا

''کیا چاہتی ہیں آپ، میں کیا کرسکتا ہوں؟''

''تم تھوڑے عرصے کے لیے ہی سہی، یہاں سے چلے جاؤ۔ سلمٰی کو بھی ساتھ لے جاؤ۔ ایک ماں ہونے کے ناطے میں وعدہ کرتی ہوں تم جو چاہو گے وہی ہوگا۔'' اس نے کہا تو فہد نے سکون سے کہا

''اس کے لیے تو بڑا وقت درکار ہے۔ میں پہلے ہی بہت انتظار کر چکا ہوں۔ یہ آپ اچھی طرح جانتی ہیں۔''

''بیٹے بات سمجھنے اور سمجھانے میں تھوڑا وقت لگتا ہے نا اور طاقت تو ویسے بھی اندھی ہوتی ہے۔ میں......''

بشریٰ بیگم نے کہنا چاہا لیکن فہد اس کی بات کاٹ کر جذباتی لہجے میں بولا

''اندھی طاقت کی آنکھیں اس وقت کھلتی ہے، جب کوئی اسے روکنے والا سامنے آ جائے۔ پھر اسے احساس ہوتا ہے کہ وہ کہاں کھڑا ہے۔ چوہدرانی جی آپ ظلم ہوتا تو دیکھ سکتی ہیں۔ مظلوم اگر کھڑا ہو جائے تو اسے یہاں سے چلے جانے کا مشورہ دے رہی ہیں۔ آپ اپنے بیٹے اور شوہر کو سمجھائیں۔ میں بات مان بھی لوں تو کیا وہ آپ کی مان جائیں گے؟''

''بیٹا! میں چاہتی ہوں کہ تم لمبی عمر گذارو۔ تم سمجھ دار ہو۔ سلمٰی ابھی......''

بشریٰ بیگم نے کہا تو فہد نے غصے میں کہا

''آپ مجھے ڈرا رہی ہیں۔ وہ بھی موت سے۔ میں بہت پہلے بچپن میں مر گیا تھا۔ ظالموں کا ساتھ دینے والا بھی ظالم ہوتا ہے۔ آپ مجھے نہ نصیحت کریں، نہ مشورہ دیں۔ بلکہ دیکھیں ظالموں کے ساتھ ہوتا کیا ہے، کیا میرے والدین نہیں تھے، کیا قصور تھا؟ میرا، امین، نذیر، رانی ان کا کیا قصور تھا، ہے جواب آپ کے پاس؟ نہیں نا، تو اپنوں کو روکیں، مجھے نہیں۔''

''لیکن بیٹا اگر ہم......''

''نہیں چوہدرانی جی نہیں، جب رانی کو بے عزت کر کے مرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ تب آپ کہاں تھیں؟ حویلی ہی میں تھیں۔ آپ کا پتر آپ کی بات مان گیا تھا؟ اگر وہ نہیں مانا تھا تو مجھ سے بھی کوئی امید نہ رکھیں۔ جائیں''

فہد نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا تو بشریٰ بیگم نے انتہائی افسوس بھرے انداز میں اسے دیکھا اور پھر اپنے آنسوؤں پر قابو پاتے ہوئے واپس کار میں بیٹھ کر چلی گئی تو سراج نے دھیرے سے کہا

''لگتا ہے، چوہدری کوئی گہری چال چلنے والے ہیں۔ ورنہ یوں چوہدرانی کو نہ بھیجتے۔''

''سراج، جب ان کی جان پر بنتی ہے نا تو یہ غریب کے پاؤں بھی دھو کر پی جاتے ہیں۔ اس بات کو سوچو، جب رانی کی عزت اس بے غیرت کبیر نے پامال کی تھی یہ اس وقت کہاں تھی، آج یہ طوفان سے ڈرانے آ گئی ہے۔'' فہد نے غصے میں کہا تو سراج ہل کر رہ گیا۔ پہلی بار اسے فہد کی نفرت کا اندازہ ہو رہا تھا۔ تبھی اس نے کہا

''چل چھوڑ۔ گھر چلیں، نور پور بھی تو جانا ہے۔''

''ہاں چل۔'' فہد نے اٹھتے ہوئے کہا تو دونوں ڈیرے سے چل پڑے۔

کچھ دیر بعد فہد گھر سے نکل کر اپنی گاڑی کے قریب آکر بیٹھنے لگا تو چھاکا اندر سے آکر بولا

''یہ اپنی ڈاک تو لے لو۔ جو پوسٹ کرنی ہے۔ ورنہ آج پھر رہ جانی تھی۔''

''اُو یار۔! اچھا ہوا تو نے یاد دلا دیا ورنہ نور پور جا کر یاد آتا'' فہد نے کہا اور لفافے پکڑ کے ڈیش بورڈ پر رکھے پھر گاڑی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر گاڑی سٹارٹ کر کے بڑھا دی۔

اسے یہ خبر ہی نہیں تھی کہ کاشی موٹر سائیکل پر سوار گلی کی نکڑ پر کھڑا اس کا انتظار کر رہا ہے۔ فہد کی کار قریب سے گذر گئی تو کاشی بھی اس کے پیچھے نکل پڑا۔

فہد پہلے سلمٰی کا آفس گیا جہاں لڑکیاں کام کر رہی تھیں۔ صفیہ تیار ہوئی کھڑی تھی۔ سلمٰی میز پر بیٹھی کاغذ پر لکھ رہی تھی۔ وہ لکھ چکی تو کاغذ صفیہ کی جانب بڑھا کر بولی

''صفیہ اگر ممکن ہو یا پھر تمہیں کچہری سے وقت مل جائے تو آتے ہوئے نور پور سے یہ چیزیں لیتی آنا۔''

صفیہ نے کاغذ پکڑ لیا تو سلمٰی نے کچھ رقم بھی دراز سے نکال کر دی۔ وہ بھی صفیہ نے پکڑ لی۔ پھر مایوسی بھرے لہجے میں بولی

''پڑنی تو پیشی ہے۔ نجانے مقدمہ کب شروع ہوگا؟''

''اللہ کرے گا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اس بار دیکھ لو، پھر ہم خود ملک نعیم سے بات کریں گے۔ وکیل بدل دیں گے۔'' سلمٰی نے اسے سمجھایا تو صفیہ بولی

''دیکھیں۔ کیا ہوتا ہے۔ وکیل بے چارہ تو بڑی کوشش کر رہا ہے۔''

وہ کہہ رہی تھی کہ دروازہ ہلکا سا بجتا ہے اور فہد اندر آکر بولا ''صفیہ تم تیار ہو، چلیں۔''

''میں جی تیار ہوں بس آپ کا انتظار کر رہی تھی۔''

وہ آنچل سنبھالتے ہوئے بولی تو سلمٰی نے ہچکچاتے ہوئے کہا

''فہد۔! اگر میں کہوں کہ آج آپ نہ جاؤ تو......؟''

''کیوں میں کیوں نہ جاؤں۔'' فہد نے پوچھا

''آج نور پور سے محکمہ تعلیم کے کچھ لوگ آنے والے ہیں۔ ابھی کچھ دیر پہلے فون آیا تھا ان کا۔ وہ آپ سے بھی ملنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ سراج کو بھیج دیں صفیہ کے ساتھ؟''

''میں دیکھتا ہوں۔'' فہد نے سوچتے ہوئے کہا تو سلمٰی نے تیزی سے کہا

''آپ سراج بھائی سے کہہ دیں وہ چلے جائیں گے۔ آپ ٹالیں نہیں نا۔ میں نے ان سے وعدہ کیا ہے۔''

''اچھا، میں دیکھتا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ باہر کی جانب چلا گیا تو صفیہ بھی پیچھے چلی گئی۔ سلمٰی متذبذب سی بیٹھ گئی۔

قسمت نگر سے باہر جانے والی سڑک کے کنارے کاشی گھات لگائے موٹر سائیکل پر سوار تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ سڑک پر فہد کی گاڑی آ رہی ہے۔ جیسے جیسے کار نزدیک آ رہی تھی، کاشی مضطرب ہو رہا تھا۔ کاشی الرٹ ہو گیا۔ فہد کی گاڑی گذری تو اس نے موٹر سائیکل پیچھے لگا دیا اور اس کے ساتھ ہی ریوالور نکال لیا۔ وہ گاڑی کے قریب ڈرائیونگ سائیڈ سے پہنچا اور ریوالور سیدھا کیا۔ تبھی وہ چونک گیا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر سراج تھا جس کی نگاہ ریوالور پر پڑی۔ کاشی نے کار میں جھانکا، فہد نہیں تھا۔ اس نے موٹر سائیکل آہستہ کر لی اور ایک دم سے پیچھے رہ گیا۔ سراج گاڑی بڑھاتا لے گیا۔

سراج کو اندازہ ہو گیا تھا کہ ایک اجنبی کس مقصد کے تحت ان کے قریب آیا اور پھر پلٹ گیا۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھی صفیہ بھی سمجھ گئی تھی۔ سراج نے فون نکالا اور فہد کو کال کی۔ فہد اس وقت سلمٰی کے آفس میں تھا۔ سراج نے رابطہ ہوتے ہی کہا

''تم پر جو قاتلانہ حملے کی بات جعفر نے کہی تھی، اور چوہدرانی کی باتوں سے جو ہم نے اندازہ لگایا تھا، وہ بات حرف بحرف درست نکلا۔''

''تمہیں یہ سب کیسے پتہ چلا؟'' فہد نے پوچھا تو سراج نے کچھ منٹ پہلے ہونے والے واقعہ کی روداد بتانے لگا۔ جسے سن کر اس نے کہا

''تم کچہری پہنچو، میں دیکھتا ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے جعفر کے نمبر پش کر دیئے۔

کاشی ایک جگہ رک گیا تھا۔ اس نے ریوالور اپنی جیب میں ڈالا اور فون نکال کر چوہدری جلال کے نمبر پش کر دیئے۔ وہ اپنے ڈرائینگ روم میں بیٹھا ہوا تھا، شاید وہ کسی خبر کا منتظر تھا اس لئے تیزی سے پوچھا

''ہیلو۔! بولو، کیا ہوا؟''

''میں تو اس تک پہنچ گیا تھا لیکن وہ نہیں تھا۔ اس کی جگہ کوئی اور بندہ تھا۔ لگتا ہے اسے خبر ہو گئی ہے۔'' کاشی نے کہا تو چوہدری جلال نے غصے میں کہا

''یہ کیسے ممکن ہے۔ کہیں وہ بندہ......''

''نہیں، میں نے اسے جانے دیا۔ مگر میں یہ بات نہیں مان سکتا۔ کہ اسے اطلاع نہیں، ورنہ میں صبح سے اس کے پیچھے ہوں۔ اسے ہی نور پور جانا تھا۔ پتہ کریں اسے خبر دینے والا کون ہے؟'' کاشی نے اس کی بات کاٹ کر تیزی سے کہا تو چوہدری جلال بولا

''اگر ایسا ہے تو پھر یہ بڑی خطرناک بات ہے۔ خیر میں دیکھتا ہوں۔ تم میرا کام کرو، میں تمہارا کام کر رہا ہوں۔''

''ٹھیک ہے، بس ایک دو دن میں ہو جائے گا۔'' کاشی نے کہا اور فون بند کر دیا۔ جبکہ چوہدری جلال گہری سوچ میں ڈوب چکا تھا۔

سلمی اپنے آفس میں بیٹھی لڑکیوں سے بات کر رہی تھی۔ایک لڑکی نے ہنستے ہوئے کہا

”باجی۔گاؤں میں بڑی باتیں ہو رہی ہیں۔انہیں تو یہ یقین ہی نہیں تھا کہ دفتر کا افتتاح ہو جائے گا۔اب تو یہ محکمہ تعلیم والے بھی آ گئے اور این جی او والے بھی“

”ہاں۔!میں جانتی ہوں۔لیکن اب بہت سارے لوگ ہم سے رابطہ کر رہے ہیں۔یہ سارے وہ لوگ ہیں جو صفیہ کی طرح ان چوہدریوں کے ستائے ہوئے ہیں۔“سلمی نے اسے بتایا تو وہ بولی

”ان کا ظلم کب تک چلے گا۔آخر ایک دن تو ختم ہو گا۔“

”ایک اور بات بھی ہے،کوئی بھی ہم پر اس لیے ظلم کر جاتا ہے کہ ہم کمزور ہوتے ہیں۔ہمیں اپنی طاقت کا اندازہ ہی نہیں ہوتا۔ہم اپنی روٹی کے چکر میں اپنی اولاد کو پڑھا لکھا کر انہیں مضبوط نہیں بناتے ہمیں خود مضبوط ہونا ہے۔“سلمی نے سمجھایا تو وہ لڑکی بولی

”لیکن باجی۔ہم غریب لوگ اتنے وسائل کہاں سے لائیں۔ہمارے بچوں کو ہمارے ساتھ کام کرنا پڑتا ہے۔پیٹ پالنا ہی اتنا مشکل ہے۔“

”میں مانتی ہوں۔ایسا ہی ہے۔میں کہتی ہوں حکومتیں بھی کچھ نہیں کر سکتیں اگر ہم اپنے آپ کو بدل لیں۔ہم ایک دوسرے کی مدد کریں تو کیا نہیں ہو سکتا۔ہم خود اپنے بچوں کو پڑھائیں۔انہیں ہنر مند بنائیں۔خود قربانی دے لیں ۔پھر کل ہماری اگلی نسل کا ہے۔بچے تو ہمارے ہیں نا۔اب دیکھو۔!ہم سب نے ایک ہو کر یہ دفتر کھولا ہے نا جو چوہدری بھی جرات نہیں کر سکے۔میں اکیلی تھی لیکن خدا نے ایسے حالات پیدا کر دیئے۔لوگ میرے ساتھ ہوتے گئے۔اب میں چوہدریوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکتی ہوں۔ہمیں خود کو بدلنا ہے۔بس پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔آنے والے ہر دن میں لوگ ہمارے ساتھ ہوں گے۔دیکھ لینا۔“یہ کہہ کر وہ خوش کن خیال میں گم ہو گئی۔

مائرہ صحن میں فون کان کو لگائے جعفر سے بات کر رہی تھی۔جعفر نے اسے بتا دیا تھا کہ فہد کیسے بچ گیا ہے۔اس پر قاتلانہ حملہ کیسے ہونے والا تھا۔

”تم نے ابھی سلمی کو نہیں بتانا،فہد خود ہی بتا دے گا۔“

”ٹھیک ہے۔“مائرہ نے کہا پھر لحہ بھر کو رک کر بولی،”میں نے رپورٹ بھیج دی ہے ایک دو دن میں اسے اچھی طرح بنا لیا جائے گا تو پھر آن ائیر کر دی جائے گا۔“

”بس رپورٹ ایسی ہونی چاہئے کہ ہلچل مچ جائے۔اس کا کچھ اثر ہو خیر،کیسی لگی تمہیں سلمی۔“جعفر نے ایک دم موضوع بدل کر پوچھا تو مائرہ نے کہا،

”اسے میں نے دیکھا ہے،وہ تو ٹھیک بول لیتی ہے۔اس نے تو بہت باتیں کی ہیں۔بہت اچھی ہے وہ۔“

”اس نے بھی تو چوہدریوں کا ظلم سہا ہے۔مطلب نکے چوہدری نے تو بہت کوشش کی لیکن یہ ہی اس کے ہاتھ نہیں آئی۔کبھی موقع

ملا تو میں ان کی کہانی سناؤں گا۔اس کے اندر کا دکھ بول رہا تھا۔ بلکہ میں ہی کیوں تم خود سن لینا۔میرے خیال میں اب تک دوستی ہو گئی ہو گی۔'' جعفر نے کہا تو مائرہ نے بتایا

''اسی کے آفس میں ہوں۔ مجھے بہت اچھا لگا ہے اس سے دوستی کر کے۔میں اسے لے کر آؤں گی نور پور۔''

''یہ جب تمہیں فہد آنے کی اجازت دے گا نا تم تب ہی آ پاؤ گی۔''

جعفر نے چھیڑتے ہوئے کہا تو مائرہ اسے نظر انداز کر کے بولی

''اچھا پہلے مجھے بھی اس علاقے کی محرومیوں کے بارے میں اتنی سمجھ نہیں آتی تھی لیکن اب یہ رپورٹ بنا کر، لوگوں سے مل کر، سلمی سے باتیں کر کے پتہ چلا۔''

''جب تم نے یہاں کے پورے علاقے کا ایک وزٹ کر لیا تو بہت کچھ مزید بھی سمجھ جاؤ گی۔میں یہاں آیا ہوں تو مجھے معلوم ہوا تھا۔'' جعفر نے بتایا تو مائرہ نے پوچھا

''یہاں آکر تم نے فہد کی کیا مدد کی؟''

''پورے علاقے میں جو بھی چوہدریوں کے مخالف ہیں اپنی اپنی جگہ سب کو میں نے اپنی ہاتھ میں لے کر انہیں فہد سے متعارف کرا دیا ہے۔ان سب کے ساتھ اس کا رابطہ ہے۔ابھی تک لوگوں کو یہ نہیں معلوم کہ میرا اس کے ساتھ کیا تعلق ہے۔''

''ہوں میں سمجھ گئی۔او کے جعفر میں بھی کوشش کروں گی کہ اس کے کام آسکوں۔'' مائرہ نے کہا تو جعفر بولا

''اس کے کام آسکتی ہو۔اسے روٹی بنا کر دینے والا کوئی نہیں ہے۔نہیں، بلکہ اس کے پاس تو سلمی ہے ، میرے پاس کوئی نہیں۔''

''مجھے آنے تو دو پھر دیکھتی ہوں تجھے۔'' وہ مصنوعی غصے میں بولی تو جعفر ہنس دیا۔وہ بھی ہنس دی۔ پھر فون بند کر کے سلمی کی طرف چلی گئی۔

اس وقت جعفر نے فون رکھا ہی تھا کہ ملک نعیم کا فون آ گیا۔اس نے فوراً ہی کہا

''ہیلو!جی۔جعفر صاحب۔یہ الیکشن کی خبر آ رہی ہے ٹیلی وژن پر، کیا آپ نے خبر دیکھی؟

''جی۔الیکشن کی تاریخ کا اعلان ہو گیا ہے۔ مجھے اطلاع ہو گئی ہوئی ہے۔اب آپ کے لئے وقت بہت قیمتی ہے۔'' جعفر نے کہا تو ملک نعیم بولا

''یہ جو ملکی حالات اچانک بدل رہے ہیں۔ان میں کچھ بھی متوقع تھا۔بے شک اب وقت بہت قیمتی ہے الیکشن جیتنے کے لیے اب جتنا کچھ بھی کر لیا جائے وہ کم ہے۔''

''تو پھر الیکشن لڑنے کی بھرپور تیاریاں شروع کر دیں۔لوگوں سے رابطہ کریں فوراً باقی آپ کو معلوم ہے کہ کیا کچھ کرنا ہے۔اب تو ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔'' جعفر نے کہا تو وہ بڑے جوش اور جذبے سے بولا

''الیکشن کی تیاریاں تو کب کی شروع ہیں۔بس یہ الیکشن شیڈول کا انتظار تھا۔آپ فکر نہ کریں۔میں دوستوں سے رابطے میں ہوں۔ہم بھرپور طریقے سے الیکشن لڑیں گے۔

''بس یہی اعتماد اور حوصلہ چاہئے۔میں پوری طرح آپ کے ساتھ ہیں۔ہم رابطے میں رہیں گے۔'' وہ خوش ہوتے ہوئے بولا تو ملک نعیم نے کہا

''کیوں نہیں جی۔یہ سب معاملات صلاح مشورے سے ہی چلتے ہیں۔میں فہد سے ملتا ہوں اور الیکشن بارے پلان ترتیب دیتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے،آپ کل مجھے آفس میں ملیں۔باقی باتیں یہاں ہوں گی اللہ حافظ۔'' جعفر نے کہا

''اللہ حافظ۔'' وہ بولا اور فون رکھ دیا۔جعفر نے بھی فون رکھا اور سوچنے لگا۔اب فہد سے ایک ملاقات بہت ضروری تھی۔

الیکشن کا اعلان ہوتے ہی حویلی کی رونقیں بڑھ گئیں تھیں۔علاقے کے لوگ اس کے پاس آنا شروع ہو گئے تھے۔اس وقت بھی کچھ ایسا ہی سماں تھا۔چوہدری جلال بڑے کروفر سے ڈرائینگ روم میں تھا۔جمیل اختر ایک طرف اور اس کے حمایتی وہ لوگ موجود تھے جو کسی نہ کسی طرح اس کی سیاسی پارٹی سے تعلق رکھتے تھے۔یہی وہ مفاد پرست ٹولہ تھا جو اسے الیکشن جتواتے اور اپنا مفاد پورا کرتے تھے۔الیکشن کر ساتھ ہی یہ لوگ کھمبیوں کی طرح اُگتے تھے۔چوہدری جلال ان سب کی طرف دیکھ کر کہا

''یہاں پر آپ سب کو زحمت دینے کی وجہ تو آپ کو معلوم ہو ہی گئی ہے۔الیکشن ہو جائیں گے۔اس کا پتہ تو تھا لیکن اس قدر جلدی ہونے والے ہیں یہ اندازہ نہیں تھا۔ظاہر ہے ہم نے الیکشن میں حصہ تو لینا ہے۔اب صلاح مشورہ کر لیں کہ کیا کرنا ہے۔''

''چوہدری صاحب۔پہلے تو آپ بلا مقابلہ منتخب ہوتے آئے ہیں۔چھوٹی سیٹوں پر ہی مقابلہ ہوتا ہے۔اس میں بھی ہمارے ہی بندے جیت گئے۔لیکن اس دفعہ الیکشن مختلف ہو گا۔آپ کے مقابلے میں ملک نعیم آ چکا ہے۔'' جمیل اختر وکیل نے اسے حالات سے آگاہی دی۔تو چوہدری جلال بولا

''میں جانتا ہوں۔مقابلے میں ہر کوئی اتر سکتا ہے۔یہ اس کا جمہوری حق ہے۔لیکن ووٹ لے کر جیتنا ایک دوسرا مقابلہ ہے۔اس لیے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔''

''چوہدری صاحب۔!مقابلہ تو بن گیا ہے نا،باہر تو نکلنا پڑے گا نا آپ کو۔'' اس نے اپنا مدعا بتایا تو چوہدری جلال نے سمجھتے ہوئے کہا

''ہاں ہاں کیوں نہیں۔پہلے بھی تو نکلتے تھے۔خیر۔!یہ فیصلہ آپ لوگوں نے ہی کرنا ہے کہ چھوٹی سیٹوں پر الیکشن کسے لڑانا ہے؟''

''نہیں نہیں جی۔یہ فیصلہ آپ ہی نے کرنا ہے آپ نے تو ہمیں حکم دینا ہے۔ہم دن رات ایک کر دیں گے۔الیکشن ہم نے ہی جیتنا ہے۔'' وہاں پر موجود ایک شخص نے کہا تو چوہدری جلال اسے دیکھ کر بولا

''الیکشن تو ہم ہی نے جیتنا ہے۔ہم نور پور اور علاقے کے لوگوں سے صلاح مشورہ کر کے پھر بندے کھڑے کریں گے۔کیوں وکیل صاحب۔''

''ایسا ہی ہونا چاہئے۔ہم ایک دو دن میں یہ میٹنگ رکھ لیتے ہیں۔اور اس میٹنگ میں ہم یہ طے کرلیں گے کہ ایم پی اے کی سیٹ پر کس نے الیکشن لڑنا ہے۔'' جمیل اختر نے اس کی بات سمجھتے ہوئے کہا تو چوہدری جلال بولا

''ظاہر ہے ایم این اے کی سیٹ پر تو میں ہی الیکشن لڑوں گا۔باقی چھوٹی سیٹوں کے لیے آپ جو مناسب سمجھیں۔'' یہ کہہ کر وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔اس نے پارٹی ورکروں کو یہ باور کرا دیا تھا کہ مرضی اسی کی چلنی ہے۔کچھ دیر بعد وہ اٹھ گیا اور پارٹی ورکروں کو کھانے پر بلا لیا گیا۔

اسی دوپہر حویلی کے پورچ میں چوہدری جلال منتظر کھڑا تھا۔اس کے سامنے ایک گاڑی آ کر رکی، جس پر فلیگ لگا ہوا تھا۔اس میں سے پارٹی عہدیدار نکلا، جو اسی حکومت میں سینئر وزیر بھی تھا۔وہ الیکشن کے لئے طوفانی دورے پر تھا۔چوہدری نے بڑھ کر اس کا استقبال کیا۔وہ اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے خوشی سے بولا

''خوش آمدید بہت خوشی ہوئی کہ آپ میرے غریب خانے پر تشریف لائے۔آئیں تشریف لائیں۔''

وہ دونوں اندر کی طرف چل پڑے۔وہ دونوں آمنے سامنے صوفے پر تھے۔ان کے سامنے لوازمات تھے۔پارٹی عہدیدار وہاں موجود سیاسی ورکروں کو مل چکا تھا، ان سے وہی پرانی سیاسی گھسی پٹی باتیں اور وعدے کر چکا تھا۔پھر چوہدری جلال کے پاس بیٹھ کر کہا

''دیکھیں چوہدری صاحب میرے پاس اتنا وقت نہیں۔مجھے آگے بھی جانا ہے، بس آپ سے دو بہت ضروری باتیں کرنی ہیں۔مجھے امید ہے کہ اس پر دھیان دیں گے۔''

''جی کہیں میں سن رہا ہوں۔''

''کل ٹی وی پر جو، آپ کے متعلق رپورٹ چلی ہے۔اس نے نہ صرف ہلچل مچا دی ہے بلکہ پارٹی کو بھی اندر سے ہلا کر رکھ دیا ہے۔آپ کیا سمجھتے ہیں کہ آپ جو مرضی کریں، جو مرضی کہہ دیں اس کا کوئی اثر نہیں ہونے والا؟ آپ اپنی باتوں ہی میں جھوٹے لگ رہے تھے ٹی وی رپورٹ میں۔کیا آپ کو بات کرنا نہیں آتی؟''

تبھی چوہدری جلال گھبرائے ہوئے انداز میں پوچھا

''میں سمجھا نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں؟''

''آپ کو کیا سمجھ آنی ہے۔آپ کے بیٹے پر قتل اور عزت پامال کرنے کا مقدمہ ہے۔ہوا آپ کی خراب ہو رہی ہے اوپر سے ادارے ہماری جان کو آئے ہوئے ہیں کہ آپ ہماری پارٹی کے ہیں کیا آپ نے الیکشن نہیں لڑنا؟'' پارٹی عہدیدار نے طنزیہ انداز میں کہا تو چوہدری جلال نے تیزی سے کہا

''الیکشن تو لڑنا ہے۔آپ گھبرائیں نہیں۔ یہ ہماری آبائی سیٹ ہے۔ یہ پکی ہے۔ باقی رہے الزامات وہ محض مخالفین کا پراپیگنڈا ہے۔ میں ثابت کر دوں گا......''

''معاف کیجئے گا چوہدری صاحب۔ وہ جب ثابت ہوگا سو ہوگا، اس وقت تو ہوا آپ کے مخالف ہے۔آپ کو پارٹی نے ٹکٹ دینا ہے اور آپ کو میڈیا کے ساتھ بات کرنا نہیں آتی۔''

''اب اس کا کیا حل ہے کیا چاہتے ہیں آپ؟''

چوہدری جلال نے پوچھا تو پارٹی عہدیدار اسے سمجھاتے ہوئے بولا

''دیکھیں جی مجھے نہیں لگتا کہ اس بار آپ بلا مقابلہ جیت جائیں گے۔ الیکشن تو ہوگا۔ اگر آپ نے سیاست کرنی ہے تو اپنے آپ کو بدلنا ہوگا۔ یہ پرانی باتوں کو چھوڑنا ہوگا۔''

''ٹھیک ہے جی، میں دیکھتا ہوں۔'' وہ دھیمے سے لہجے میں بولا تو پارٹی عہدیدار نے کہا

''صرف دیکھنا ہی نہیں اس کا حل بھی نکالنا ہے۔اداروں کا بہت دباؤ ہے ہم پر اب میں آپ کو بتاتا ہوں کہ کیسے'' یہ کہتے ہوئے وہ اُسے سمجھانے لگا۔

❁......❁......❁

ملک نعیم کے گھر شیخ آفتاب، فہد اور ملک نعیم تینوں ڈرائینگ روم میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ان کے درمیان موضوع الیکشن ہی تھا۔شیخ آفتاب نے صلاح دیتے ہوئے کہا

''فہد۔! آپ کیوں پریشان ہیں۔ دوستوں نے جو فیصلہ کیا ہے۔ وہ بہت سوچ سمجھ کر ہی کیا ہوگا۔ اور اتنے لوگوں کی رائے کو ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔آپ تیاری کریں الیکشن کی۔ میں سمجھ رہا ہوں کہ اب یہاں کے لوگوں میں حوصلہ ہے۔لوگ بدل رہے ہیں، ان کی سوچ میں تبدیلی آرہی ہے۔''

''اور فہد، لوگ پرانے چہروں کو آزما کر اکتا چکے ہیں۔اب نئے لوگوں کو آگے آنا چاہیے۔لوگوں کو معلوم ہو کہ جو نئی قیادت ہے۔ وہی دراصل ان کی مخلص قیادت ہے۔ وہ نہ صرف ان کے مسائل کو سمجھتے ہیں بلکہ وہی حل کریں گے۔'' ملک نعیم نے اپنی رائے دی تو فہد بولا

''ملک صاحب قیادت کی سوچ مثبت ہونے چاہیے مثبت سوچ کا بندہ ہی دوسروں کے دکھ درد کا احساس کرتا ہے۔ ورنہ پھر کرپشن اور لوٹ مار ہی ہوتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ مثبت سوچ کے مالک ہیں۔''

''آپ کی بات ٹھیک ہے فہد۔لیکن نوجوان قیادت کو بھی موقعہ ملنا چاہیے۔ وہ زیادہ بہتر انداز میں قوم کی خدمت کر سکتے ہیں۔'' شیخ آفتاب نے کہا فہد بولا

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں شیخ صاحب۔! لیکن میں نے الیکشن نہیں لڑنا۔ میرا جو کام ہے، وہی کرنے دیں۔ مجھے ایک عام آدمی ہی رہنے دیں۔''

''کیا ایک عام آدمی اسمبلی کا رُکن نہیں بن سکتا؟ میرے خیال میں وہ زیادہ عوامی حقوق کی بات کر سکتا ہے۔ہم جانتے ہیں کہ آپ نے یہاں کتنی محنت کی ہے۔اب الیکشن تو آپ ہی کو لڑنا ہے۔ہار جیت کو چھوڑیں۔لوگوں کو معلوم ہو کہ آپ ہی ان کے حقیقی نمائندے ہیں۔'' ملک نعیم نے کہا تو فہد تحمل سے بولا

''دیکھیں میں تو عوام کی فلاح و بہبود کے لیے کام کروں گا۔اب اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں عوام کی قیادت کا حق بھی رکھتا ہوں۔نمائندگی کا حق میرٹ پر ہونا چاہئے۔جو بہتر نمائندے ہیں انہیں آگے لے آئیں۔''

''بہتر سے آپ کی کیا مراد ہے؟'' ملک نعیم نے پوچھا تو فہد نے جواب دیا

''وہی جو پورے دل سے، پوری توجہ کے ساتھ خلوص نیت سے عوامی مسائل حل کرنے کی تگ و دو کر سکیں۔''

''یہ جو تبدیلی کا خوشگوار جھونکا آ گیا ہے، اس سے لوگوں کو مایوس نہ کریں۔آپ کے الیکشن پر جو خرچ آئے گا۔اس کی فکر نہ کریں۔وہ میں کروں گا۔'' شیخ آفتاب نے کہا تو فہد بولا

''بات خرچ کی نہیں، ذمہ داری کی ہے۔اگر آپ ایک چھوٹی سیٹ کی ذمے داری مجھ پر ڈالتے ہیں تو پھر آپ کوئی اعتراض نہیں کریں گے۔میں چاہے جسے مرضی الیکشن لڑاؤں۔میں اس کی پوری ذمہ داری لوں گا۔''

''یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ فیصلہ تو آپ کے حق میں ہے۔اس طرح پارٹی ٹکٹ کا مسئلہ بن جائے گا'' ملک نعیم نے کہا تو فہد نے حتمی انداز میں بولا

''سوچ لیں آپ دوبارہ صلاح مشورہ کر لیں۔پارٹی ٹکٹ کا مسئلہ میں خود حل کر لوں گا۔''

''یہ سیٹ ہم نے آپ کو دی۔جسے چاہیں الیکشن لڑائیں۔اتنی بڑی بات ہے کہ چوہدریوں کے علاقے سے ان کے مقابلے کے لیے پورا پینل کھڑا ہو جائے۔فہد صاحب۔! آپ جو چاہیں سو کریں۔ہم ہر طرح سے آپ کے ساتھ ہیں۔'' شیخ آفتاب نے فیصلہ کن لہجے میں کہا تو ملک نعیم نے تائید کرتے ہوئے کہا

''میری تو حمایت آپ کے ساتھ ہے ہی۔بس جو کرنا ہے، جلدی کر لیں۔''

''ہو گیا۔صرف ایک دن چاہئے۔کل میں وہ آپ کو بتا دوں گا۔'' فہد نے سوچتے ہوئے کہا تو شیخ آفتاب بولا ''یہ تو ہو گیا ۔اب ہم کچھ دوسرے معاملات دیکھ لیں۔''

اس کے یوں کہنے پر وہ تینوں دوسرے معاملات پر باتیں کرنے لگے۔

ڈھلتی ہوئی شام میں فہد نے سلمیٰ کے آفس کے سامنے کار روکی اور آفس میں داخل ہوا۔سلمیٰ باہر صحن میں بیٹھی ہوئی کتاب پڑھنے میں مصروف تھی۔اس وقت فہد کو سلمیٰ خوبصورت دکھائی دی۔فہد آ کر اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا اور اسے بڑے غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''آج تم بہت اچھی لگ رہی ہو۔''

''میں اچھی ہوں، اس لیے اچھی لگ رہی ہوں۔آپ بتائیں کیسے آنا ہوا۔اور یہ تمہید کیوں باندھی جا رہی ہے۔'' سلمٰی نے شوخی سے پوچھا تو فہد بولا

''ہاں۔! میں نے تم سے کچھ کہنا ہے سلمٰی۔''

''ٹھیک ہے کہیں۔میں سن رہی ہوں۔'' سلمٰی اٹھلا کر بولی تو فہد نے سنجیدگی سے کہا

''یہ جو الیکشن آ رہا ہے نا، میں چاہتا ہوں تم چھوٹی سیٹ کے لیے الیکشن لڑو۔''

اس کے یوں کہنے پر سلمٰی ایک دم سے گھبرا گئی، یوں جیسے سکتے میں آ گئی ہو۔پھر دھیمے سے لہجے میں بولی

''فہد میں کس طرح الیکشن لڑ سکتی ہوں۔''

''جس طرح دوسرے لوگ الیکشن لڑتے ہیں۔'' فہد نے شوخی سے کہا تو سلمٰی نے اس کی طرف حیرت سے دیکھا اس کی نگاہوں میں محبت اتر آئی تھی۔وہ خود کو سنبھالتے ہوئے بولی

''جیسے آپ کا حکم۔ٹھیک ہے سرِ تسلیم خم ہے۔''

''لیکن؟'' فہد نے اس کے ایک دم مان جانے پر پوچھنا چاہا تو وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی

''یہ لفظ تو مجھے کہنا چاہیے تھا۔آپ نے کہہ دیا، آپ کا حکم میں نے مان لیا۔مجھے نہیں معلوم یہ سب کیسے ہوگا۔میرے سامنے تو بس آپ کی ذات ہے نا شاید محبت کیا، کیوں اور کیسے نہیں جانتی۔''

''بس مجھے یہی اعتماد چاہیے۔'' اس نے اطمینان سے کہا پھر سوچ کر بولا،'' آؤ۔! اگر گھر جانا چاہتی ہو تو آؤ۔میں ادھر ہی جا رہا ہوں۔استاد جی کو بھی تو بتانا ہے نا۔''

''چلیں۔'' وہ ایک دم مان گئی اور اٹھ کر چل دی۔

ماسٹر دین محمد نے ان دونوں کو اکٹھے آتے دیکھا تو اس کے چہرے پر واضح مثبت تبدیلی آئی۔پھر پرسکون سا ہو گیا۔وہ اس کے پاس آ کر بیٹھ گئے تو ماسٹر دین محمد نے پوچھا

''خیر تو ہے۔آج تم دونوں اکٹھے آئے ہو؟''

''خیر ہی ہے استاد جی۔دراصل میں نے سلمٰی کے بارے میں ایک فیصلہ کیا ہے۔اس بار چوہدریوں کے مقابلے میں سلمٰی الیکشن لڑے گی۔''

''یہ کیا بات ہوئی بھلا؟'' ماسٹر دین محمد نے حیرت سے پوچھا تو فہد بولا

''کیا آپ کو اچھا نہیں لگا۔''

''یہ فیصلہ تو تم کر ہی چکے ہو۔میں تو بس دعا ہی دے سکتا ہوں۔وہ دیتا رہوں گا۔'' ماسٹر دین محمد نے سوچتے ہوئے ایک دم سے کہا تو فہد نے پھر تصدیق چاہی

”استاد جی۔آپ ہماری اس کوشش پر دل سے کیا چاہتے ہیں؟“

”دیکھو بیٹا۔! سچائی کا جواب اگر سچائی ہوتا نا۔تو یہ حالات اور وقت سنہرا ہوتا۔جھوٹ کے مقابلے میں سچائی کی جیت تو ہے لیکن اس میں بڑی مشکلات حائل ہوتی ہیں۔اس کے لیے کبھی کبھی ایسی راہوں پر بھی جانا پڑتا ہے۔جیسے دل اور مزاج دونوں قبول نہیں کرتے۔“

ماسٹر دین محمد نے ڈھکے چھپے انداز میں اپنا موقف کہہ دیا تو فہد نے سکون سے کہا

”آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔اندھیرے میں قندیل اٹھانے والا تکلیف تو برداشت کرتا ہی ہے۔مگر پرسکون بھی تو وہی ہوتا ہے۔“

”ہاں۔! بعض اوقات ذارسی غفلت کے باعث ٹھوکر بھی لگ گئی۔انسان ایک غلط فیصلے کی وجہ سے گمراہ بھی ہوسکتا ہے۔یہ جو تم نے سلمٰی کوالیکشن لڑوانے کا فیصلہ کیا ہے کیا درست ہے؟“ ماسٹر دین محمد نے پوچھا

”کیوں کیا ہوا استاد جی،آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔میں لوگوں کے حقوق کے لیے جنگ رہا ہوں۔میں ہی اگر اپنے طبقے کی عزت نہیں دوں گا تو اور کون دے گا؟“ فہد نے جذباتی ہوتے ہوئے کہا تو ماسٹر دین محمد بولا

”میرے کہنے کا مقصد یہ نہیں تھا۔تم اگر امیدوار ہوتے تو زیادہ اچھا تھا۔سلمٰی لڑکی ذات ہے۔کامیاب ہو بھی گئی تو وہ کام نہیں کر سکے گی جو تم کر سکتے ہو۔اس نے ابھی تک نو پور نہیں دیکھا۔وہاں دارالحکومت میں ایوانوں میں پریس کانفرنسوں میں وہ کیسے جائے گی۔اس کی ہمت نہیں پڑے گی بیٹا۔وہ اس قدر باہمت نہیں ہے۔میں جانتا ہوں۔“

سلمٰی اس دوران اپنے باپ کے قریب آگئی اور بڑے جذباتی لہجے میں بولی

”ابا جی۔! یہ جو دن گذرے ہیں۔میں نے ان دنوں میں ایسی ایسی کہانیاں سنی۔لوگوں کے ایسے حالات معلوم ہوئے ہیں کہ میں آپ کو بتاؤں تو دل ہل جائے۔لوگ کس طرح جی رہے ہیں۔میں اب بھی ہوں،میرا دکھ تو کچھ بھی نہیں ہے۔میں ہر فورم پر جاؤں گی۔میں بتاؤں گی کہ ہم لوگ کس کرب سے گذر رہے ہیں۔اور ہاں اگر کوئی مشکل ہوئی تو فہد ہیں نا میرے ساتھ۔“ سلمٰی عزم کے ساتھ بولی تو ماسٹر دین محمد نے اس کے چہرے پر دیکھا۔پہلی بار اسے اپنی بیٹی بااعتماد لگی تھی۔سو وہ بڑے تحمل سے بولا

”اسی میں ہم سب کی بھلائی ہے۔خیر۔! تم لوگ بیٹھو،میں آتا ہوں۔“

یہ کہہ کر ماسٹر دین محمد باہر کی جانب چل دیا۔وہ جا چکا تو سلمٰی نے پوچھا

”مجھے سمجھ نہیں آئی،ابا کیا کہنا چاہ رہے تھے۔“

”ان کی باتوں میں ایک باپ کے خدشات تھے۔لیکن ہمیں کوئی ایسا موقعہ نہیں دینا چاہئے۔جس سے کسی کے دل میں بھی بدگمانی پیدا ہو۔“ فہد نے بتایا

”میرے ابا کو مجھ پر اعتماد ہے۔“ وہ اعتماد سے بولی

''اچھی بات ہے۔لیکن دشمن کا اعتماد نہیں۔وہ ایسا زہر بھی اگل سکتا ہے جس سے دامن پر چھینٹے پڑ جائیں۔'' فہد نے اسے اصل بات بتائی تو سلمٰی نے عزم سے کہا

''کچھ نہیں ہونا۔میرا کردار ہی لوگوں کے منہ پر ہاتھ رکھ دے گا۔''

''انشاءاللہ،ایسے ہی ہوگا۔'' فہد نے کہا تو سلمٰی کے چہرے پر حیا پھیل گیا۔ فہد مسکرا دیا۔

اگلے دن کی صبح صبح سراج کے ڈیرے پر فہد ڈاک کرنے کے انداز میں ٹہل رہا تھا۔اس کے ساتھ سراج تھا۔ایسے میں مائرہ کی کار آ کر رکی اور وہ باہر آ گئی۔سراج نے تیزی سے جا کر چار پائی کی طرف بڑھا تاکہ اسے بچھا دے۔مائرہ اس پر جا بیٹھی تو فہد بھی اس کے قریب آ گیا۔تبھی وہ پرسکون سے انداز میں بولی

''تو یہ ہے فہد تمہارا ٹھکانہ۔''

''ہاں اور سمجھو میرا کیمپ آفس بھی۔''

فہد نے کہا تو اس پر دونوں ہنس دیئے۔پھر سراج کی طرف دیکھ کر مائرہ نے پوچھا

''کیسے ہو سراج؟''

''میں ٹھیک ہوں۔آپ بیٹھیں میں ابھی آیا۔'' یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلا گیا۔تب فہد نے کہا''اب سنو،میں تم سے کیا بات کرنا چاہ رہا تھا۔جو گھر میں یا سلمٰی کے آفس میں نہیں ہو سکتی ہے۔مجھے تمہاری مدد کی ضرورت بھی ہے۔''

''یہ کیا کہہ رہے ہو۔کیسی مدد خیر بتاؤ؟'' مائرہ نے کہا تو فہد بولا

''مجھے اس سیاسی پارٹی کا ٹکٹ چاہئے،جس میں تمہارے پاپا ہیں۔''

''الیکشن لڑ رہے ہو واؤ۔بہت اچھی بات ہے مزہ آ جائے گا۔'' مائرہ نے خوش ہوتے ہوئے کہا تو فہد بولا

''میں الیکشن نہیں لڑ رہا۔بلکہ میں نے اپنے استاد جی کی بیٹی کو کامیاب کرانا ہے۔''

''کیوں،اسے کیوں۔تم کیوں نہیں۔وہ تو بہت معصوم ہے۔وہ کیا کہتے ہیں ممولے کو شاہین سے لڑانے والی بات ہے۔'' مائرہ نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا

''مجھے بہتر اندازہ ہے کہ اپنے مقصد کے لیے مجھے کیا کرنا ہے۔یہ وقت بہت نازک ہے،ہمیں بہت محتاط ہو کر چلنا ہے تم اپنے پاپا سے بات کرو۔'' فہد نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تو مائرہ کاندھے اچکا کر بولی

''خیر۔!تم یہاں کی سیاست بہتر جانتے ہو۔ٹکٹ تو مل جائے گا میں پاپا سے بات کر لوں گی بلکہ ان کو اس علاقے کی صورتحال بتا کر پوری طرح کوشش کروں گی۔ویسے بھی ان کی پارٹی نئے لوگوں کو سامنے لا رہی ہے۔میں خود بھی اپنی تعلقات آزمانے کی کوشش کروں گی۔یہ تو سمجھو کام ہو گیا ہے اور کوئی بات؟''

''نہیں فی الحال تو نہیں۔'' فہد نے سکون سے کہا تو مائزہ بولی

''میں ابھی فون کر دیتی ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے فون کی طرف متوجہ ہو گئی۔ فہد بہت دباؤ میں محسوس کرتا ہوا اس کی طرف دیکھنے لگا۔

❁......❁......❁

چھاکا اپنے مرغے کے ساتھ صحن میں بیٹھا ہوا اسے بادام کھلا رہا تھا۔ قریب ہی چارپائی پر چاچا سوہنا بیٹھا ہوا اسے دیکھ رہا تھا۔ چھاکے نے اپنے باپ کی طرف دیکھا پھر مرغے کی طرف متوجہ ہو کر بولا

''کھا شہزادے میرے ابے کا مال، پر یہ دیکھ لے اگر تو ہار گیا، تیری یخنی میں نے ابے ہی کو پلا دینی ہے۔''

''اوئے کب ہے اس کا مقابلہ؟'' چاچا سوہنا بولا

''مقابلہ، جس دن وی دارے چیمہ نے مجھے چیلنج کر دیا اسی دن مقابلہ ہو جائے گا۔ پر تو کیوں پوچھ رہا ہے ابا۔''

''یار، وہ یخنی پیئے بڑا ہی عرصہ ہو گیا ہے۔''

اس پر مرغا بول پڑا تو چھاکا بولا

''دیکھا، یہ شہزادہ بھی مائنڈ کر گیا ہے۔ دیکھنا ابا جیت ہماری ہی ہو گی۔ کیونکہ ایک ہی تے چھاکا ہے اس سارے علاقے میں جس کی دس پوچھ ہے۔''

''او تیری دس پوچھ سے یاد آیا، یہ فہد اصل میں کرنا کیا چاہتا ہے اور یہ سلمٰی بھی ایک دفتر کھول کر بیٹھ گئی ہے۔'' چاچا سوہنا یوں بولا جیسے تفتیش کر رہا ہو۔

''نا ابا مجھے یہ بتا، اگر تیری سمجھ میں بات نہیں آتی تو پھر تو بات ہی کیوں کرتا ہے۔ یہ انہوں نے کچھ نہیں کیا، اللہ سائیں نے ان ظالم چوہدریوں کی رسی کھینچنے کے لیے انہیں بھیجا ہے۔ تو دیکھنا ان کے ساتھ ہوتا کیا ہے۔'' چھاکا گہری سنجیدگی سے بولا

''اوئے میرے بھولے پتر، لوگوں کے سامنے اور خود کو سمجھانے کے لیے ہم بڑی بڑی باتیں کرتے رہتے ہیں لیکن یہ دل، اسے کون سمجھائے، یہ جو فہد کرتا پھر رہا ہے اس سے کچھ ہوتا نظر تو آتا نہیں۔'' چاچا سوہنا مایوسی سے بولا

''ابا تو پھر تو اپنی نظر کا علاج کرا، پورے علاقے میں ہلچل ہو گئی ہے۔''

چھاکے نے اس کی طرف دیکھ کر کہا تو چاچے سوہنے نے ایک طویل سانس لی اور بولا

''اللہ کرے وہی ہو جو ہم سوچ رہے ہیں۔'' پھر لمحہ بھر سوچ کر اٹھتے ہوئے بولا، ''لے فیر پتر میں تو چلا۔''

یہ کہہ کر چاچا سوہنا گنگناتا ہوا باہر کی طرف چل دیا

''جے ناں اُتریئے یار دے نال پورے...... ایڈے پٹنے نہ سہیڑ یئے نی...... وارث شاہ جے پیاس نہ ہووے اندر...... شیشے

شربتاں دے نہ چھیڑئے نی.....''

چوراہے میں چاچا سوہنا اور وہاں موجود لوگ، سب باتیں کر رہے تھے اور ساتھ میں تاش بھی کھیل رہے تھے۔ایک آدمی نے حنیف دوکاندار سے کہا

''لے بھئی حنیف۔! الیکشن کا اعلان ہو گیا ہے۔اب دیکھنا ہوگا چار دن ہلا گلا۔کاریں، جیپیں، موٹریں دوڑیں گی، شور شرابا ہوگا۔ نعرے لگیں گے۔''

''اوئے اصل بات تو یہ ہے کہ یہاں ہمارے علاقے میں سے الیکشن کون لڑے گا؟'' حنیف دوکاندار نے پوچھا تو اسی آدمی نے جواب دیا

''اوئے چوہدریوں نے ہی الیکشن لڑنا ہے۔کسی غریب بندے کی کیا جرات ہے کہ وہ الیکشن لڑے۔''

''غریب کیوں نہیں لڑ سکتا۔کیا اسے حق نہیں، فہد ہے نا۔'' چاچا سوہنا بولا تو وہ آدمی بولا

''او بھولے بادشاہ۔! الیکشن میں نوٹ لگانے پڑتے ہیں۔وہ بھی لمبے نوٹ۔''

اس پر حنیف دوکاندار قہقہہ لگا کر بولا

''اوئے اس فہد کی کیا اوقات کہ وہ چوہدریوں کے مقابلے میں الیکشن لڑے۔اوئے اس کی اوقات ہی کیا ہے۔اس کے پاس تو ڈیرہ تک نہیں ہے۔وہ کیا لڑے گا الیکشن؟''

''تو سچ کہتا ہے یار۔وہ جیسے کہتے ہیں نا کوئی جانور گاڑی تو روک سکتا ہے لیکن گاڑی چلا نہیں سکتا۔فہد واقعی الیکشن نہیں لڑ سکتا۔ پیسہ تو اس نے سارا زمینوں پر لگا دیا ہے۔اب سارا کچھ بیچے گا تو ہی الیکشن لڑے گا۔''

اس آدمی نے کہا تو چاچا سوہنا بولا

''اوئے تم لوگ تو جھلے ہو گئے ہو۔اگر فہد نے الیکشن لڑا تو وہ جیتے گا ضرور یہ میرا دل کہتا ہے۔''

''او چاچا۔! تو سیاست کی باتیں نہ کریں۔اپنا کام کر فیصلہ میدان میں ہوتا ہے۔صرف خواہش کر لینے سے سب کچھ ہاتھ نہیں آ جاتا۔'' حنیف دوکاندار نے کہا تو چاچا سوہنا بولا

''میدان میں بندے ہی لڑتے ہیں۔تم کیا سمجھتے ہو کہ الیکشن صرف نوٹوں سے لڑا جاتا ہے اس کے لیے حوصلہ اور اعتماد بھی چاہئے جو اب چوہدریوں کے پاس نہیں رہا۔''

''جب علاقے میں جس قدر نوٹ پھینکیں گے نا اسی قدر ووٹ اٹھا لیں گے۔'' حنیف دوکاندار نے طنز سے کہا تو چاچا سوہنا ہنستے ہوئے بولا

''نوٹوں سے تیرے جیسے بکاؤ مال اپنا ووٹ بیچتے ہیں۔اب نہیں بکنے والے ووٹ اب لوگوں کو شعور آ گیا ہے وقت ہی تبدیل

نہیں ہوا سوچ بھی تبدیل ہو گئی ہے۔اس بار الیکشن کا نتیجہ کچھ الگ ہی نکلے گا۔اب ہوا چل پڑی ہے۔"

چاچے نے بڑے اعتماد سے ان کی طرف دیکھا پھر کھیل کی طرف متوجہ ہو گیا۔

❁……❁……❁

حویلی کے ڈرائینگ روم میں چوہدری جلال اور وکیل جمیل اختر دونوں باتیں کر رہے تھے۔منشی ان سے ذرا فاصلے پر بیٹھا ہوا ان کی باتیں سن رہا تھا۔وکیل نے کہا

"مجھے آج ہی معلوم ہوا ہے کہ چھوٹی سیٹ کے لیے چوہدری کبیر کے مقابلے میں فہد کا فیصلہ کر لیا گیا ہے۔"

"کیا؟ کیا یہ خبر درست ہے؟" چوہدری جلال کو یہ سن کر بہت شاک لگا تھا۔

"ہاں۔مگر وہ نہیں مان رہا ہے۔کیوں نہیں مان رہا۔یہ تو معلوم نہیں ہو سکا ہے۔لیکن جلدی پتہ چل جائے گا۔" وکیل نے کہا تو چوہدری جلال تشویش سے بولا

"میں تو کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔خیر۔!وہ آتا ہے مقابلے میں تو آ جائے۔لیکن وہ کیوں نہیں مان رہا۔یہ بات سوچنے والی ہے کیا یہ معلوم ہو سکتا ہے۔"

"ویسے چند دن بعد سب کچھ سامنے آ جائے گا۔لیکن ایک مشورہ ہے۔کیوں نا۔اس سے مل کر اسے ٹٹولا جائے۔اس سے بہت کچھ واضح ہو جائے گا۔" وکیل نے صلاح دیتے ہوئے کہا تو چوہدری جلال بولا

"فوراً مل لیں اس سے۔بلکہ وہ کسی سمجھوتے پر بھی راضی ہو جاتا ہے تو کر لیں۔اسے اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ الیکشن نہیں جیت سکتا۔ممکن ہے وہ ان حالات سے کوئی فائدہ اٹھانا چاہ رہا ہو۔فوراً ملو جو شرط بھی ہو، ہم اسے مانیں گے اگر ماننے والی ہوئی تو۔"

"میں آج ہی اس سے ملنے کی کوشش کرتا ہوں۔ممکن ہے وہ ہماری کسی آفر کے انتظار میں ہو۔"

وکیل نے کہا تو چوہدری جلال تیزی سے بولا

"یہی میں کہہ رہا ہوں۔ممکن ہے ملک نعیم کا جو سامنے آنا ہے وہ محض ڈراوا ہی ہو۔"

"ٹھیک ہے۔میں ملتا ہوں۔یہ تو ہونا ہی تھا۔چوہدری صاحب۔!ملک نعیم نے اپنی سیاست چمکانے کے لیے اس علاقے میں آنا ہی آنا تھا۔یہ کوئی حیران کن بات نہیں ہے۔حیرت مجھے اس بات پر ہے کہ آپ اس کا سدباب وقت سے پہلے کیوں نہیں کیا۔ورنہ تو الیکشن میں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔" وکیل نے کہا تو چوہدری جلال حیرت سے بولا

"جانتا ہوں۔اس کی رسی میں نے ہی ڈھیلی چھوڑی تھی۔مگر مجھے حیرت اس بات پر ہے کہ ہمارے لوگ کیا کر رہے ہیں۔"

"طاقت کی کشش بہت ہوتی ہے چوہدری صاحب۔!لوگ اسی طرف جڑتے ہیں۔جہاں طاقت ہو۔آپ حکومت میں ہوتے ہوئے ان کے لیے کچھ نہیں کر رہے۔تو وہ آپ سے کیا توقع رکھیں۔روایتی سیاست ختم ہو چکی ہے۔یہ آپ مان لیں۔"

''وکیل صاحب۔!ابھی آپ کہہ رہے تھے کہ طاقت کی کشش بہت ہوتی ہے۔'' چوہدری جلال نے مسکراتے ہوئے کہا تو وکیل جمیل اختر بولا

''اب میں کیا کہہ سکتا ہوں۔طاقت کا اصل مرکز کہاں ہے۔یہی سمجھنا وقت کی اہم ضرورت ہے خیر۔!میں نے آپ کو حالات سے آگاہ کر دیا۔نور پور پر آپ کی گرفت کمزور ہو گئی ہے۔کیونکہ کبیر دہاں کا بوجھ نہیں اٹھا پا رہا ہے۔''

اس کی بات سن کر چوہدری نے چونکتے ہوئے پوچھا

''تو پھر کیا مشورہ دیتے ہیں آپ؟''

''یہی کہ ملک نعیم اپنی خوبیوں کے بل بوتے پر نہیں، بلکہ ہماری کمزوریوں سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔بجائے اسے دبانے کے، خود کو عوام میں مضبوط کریں۔میں تو یہی کہوں گا۔آج آپ کو میڈیا کا سامنا ہے اور آپ جواب نہیں دے پا رہے ہیں اس کی وجہ کیا ہے یہ سوچا آپ نے؟''

وکیل نے دلیل دیتے ہوئے کہا تو چوہدری جلال اکتائے ہوئے لہجے میں بولا

''ایک تو یہ میڈیا یا اچانک کیوں سوار ہو گیا ہے ہم پر، میں سوچتا ہوں اس پر۔''

''تو پھر اجازت میں چلتا ہوں۔''

وکیل اٹھتے ہوئے بولا وکیل چلا گیا تو منشی بولا

''چوہدری صاحب۔!یہ جو وکیل ہے نا، اسے سمجھ رہے ہیں آپ۔کہیں یہ نکے چوہدری کی جگہ خود تو سیاست میں نہیں آنا چاہتا؟''

''مجھے بھی یہی شک ہے۔لگتا ہے یہ بھی ایم پی اے بننے کے خواب دیکھ رہا ہے۔دیکھتا ہوں اسے بھی۔تم چیمہ صاحب کو فون کر دو اور کہو کہ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔ان میڈیا والوں کا تو کوئی سدباب کریں۔'' چوہدری جلال نے کہا تو منشی اٹھتے ہوئے بولا

''جی بہتر۔''

وہ فون کی جانب بڑھا تو چوہدری سوچ میں پڑ گیا۔حالات بہت تیزی سے تبدیل ہو رہے تھے۔

وکیل جمیل اختر نے حویلی سے نکل کر فہد سے رابطہ کیا۔اس نے بات مان لی اور اس کی بات سننے پر راضی ہو گیا۔ایک سڑک کے کنارے درختوں کے درمیان وکیل جمیل اختر کھڑا تھا۔قریب ہی اس کی گاڑی کھڑی تھی۔اس کی نگاہیں جس طرف لگی ہوتی ہیں۔ادھر سے اسے فہد کی گاڑی آتی دکھائی دی جو اس کے قریب آ کر رک گئی۔اس میں سے فہد نکلا تو وکیل کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔فہد نے مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ، اس کے قریب جا کر ہاتھ ملایا اور بولا

''جی وکیل صاحب۔کہیے، آج آپ مجھ سے کیا بات کرنا چاہتے ہیں۔دو ٹوک بات، بحث نہیں پلیز۔''

''پچھلی بار میں نے صرف مقدمے پر بات کی تھی۔لیکن اب میں الیکشن کی بات کرنا چاہتا ہوں۔سنا ہے۔آپ الیکشن لڑ رہے

ہیں؟‘‘ اس نے بھی سیدھے سبھاؤ پوچھ لیا تو فہد نے دوٹوک لہجے میں کہا

’’نہیں۔ میں الیکشن نہیں لڑ رہا۔ آپ تک شاید یہ اطلاع درست نہیں پہنچی۔‘‘

’’آپ ایک سمجھدار انسان ہیں اور جانتے ہیں کہ سیاست میں کہیں بھی کوئی حرف آخر نہیں ہوتا۔ میں ہی نہیں، بہت سارے لوگ آپ کی سمجھ بوجھ اور صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہیں۔ کیا آئندہ آنے وقت میں آپ یہاں تبدیلی چاہتے ہیں۔‘‘ وکیل نے محتاط لہجے میں پوچھا تو فہد صاف لہجے میں بولا

’’میں اپنے علاقے کو خوشحال دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس لیے اپنی کوشش کرتا رہتا ہوں۔‘‘

’’میں مانتا ہوں کہ آپ کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ چوہدری صاحب اپنی ماضی کی غلطیوں کو مانتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں، ماضی کو بھلا کر اچھے اور خوشگوار تعلقات کا آغاز کیا جائے۔‘‘ اس نے اپنے مطلب کی بات کی تو فہد نے کہا

’’آج تو نہیں کل، اس نے ایسا کرنا ہی تھا۔ آج ایسا کیوں کر رہا ہے۔ اس کی وجہ صرف اور صرف یہ الیکشن ہے، جس میں ان کی سیاسی پوزیشن پر بہت برا اثر پڑ چکا ہے، وہ بھی چوہدری کبیر کی وجہ سے۔ یہ الیکشن ان کے لیے بہت مشکل ثابت ہوگا۔‘‘

’’میں نے تسلیم کرتا ہوں۔ لیکن اب آپ کی حمایت ہوگی تو یہ مشکل نہیں رہے گی۔‘‘ وکیل نے اصل مدعا کہا تو فہد مسکراتے ہوئے بولا

’’میری حمایت یا مخالفت ان کا کیا بگاڑ سکتی ہے وکیل صاحب۔ یہ تو ان کی خاندانی سیٹ ہے۔ نکال ہی لیں گے۔ وہ آرام سے نکال لیں گے۔‘‘

’’دیکھیں آپ ہی نے کہا ہے کہ بحث نہیں۔ سیدھی بات کرتا ہوں۔ آپ نے علاقے میں خاصا اثر ورسوخ بنا لیا ہے۔ اس لیے ملک نعیم آپ کو بھی الیکشن لڑانا چاہتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو آپ مضبوط امیدوار کے ساتھ جڑیں۔ میں ضمانت دیتا ہوں۔ چوہدری آئندہ آپ کی راہ میں نہیں آئیں گے۔ آپ جیسی چاہیں سیاست کریں۔‘‘

وکیل نے اسے آفر دی تو فہد بولا

’’میں سوچتا ہوں اور اپنے دوستوں سے مشورہ کر کے آپ کو بتا دیتا ہوں۔‘‘

’’میں شدت سے منتظر رہوں گا۔‘‘

وکیل نے کہا تو دونوں نے ہاتھ ملایا اور ایک دوسرے سے جدا ہو کر اپنی اپنی گاڑیوں کی جانب بڑھ گئے۔

چوہدری کے ڈیرے پر چوہدری کبیر کے سامنے ماکھا کھڑا تھا۔ چوہدری کبیر صوفے پر بیٹھا میز پر دھری ایش ٹرے کو اضطراری انداز میں گھما رہا تھا۔ تبھی ماکھے نے کہا

’’جی چوہدری صاحب۔! آپ نے مجھے یاد کیا؟‘‘

''یار یہ نذیر والا مقدمہ لمبا ہی ہوتا چلا جارہا ہے۔اوپر سے الیکشن آ گئے ہیں۔یہ کب تک چلتا رہے گا یار؟'' چوہدری کبیر نے کہا تو ماکھا بولا

''آپ جیسے حکم دیں۔ختم کر دیتے ہیں وہ مدعی عورت؟''

''نہیں نہیں ابھی اسے نہیں چھیڑنا، اسے تو صلح کرنے پر مجبور کرنا ہے۔وہ جو چشم دید گواہ بنا پھرتا ہے۔وہی نہیں رہے گا تو کیس میں جان کہاں سے رہے گی۔اسے کچھ اس طرح پار کردے کہ.....'' چوہدری کبیر نے اسے سمجھایا

''میں سمجھ گیا۔میں آج ہی اسے ادھر لے آتا ہوں'' ماکھے نے کہا

''نہیں یار۔! اسے ادھر نہیں لانا۔وہیں اس کا کام کر دینا ہے۔ویسے بھی علاقے میں پیغام جانا چاہئے۔ہماری مخالفت کرنے والے بندے کا کیا حال ہوتا ہے۔'' چوہدری کبیر نے حقارت سے کہا تو ماکھا بولا

''ہو گیا جی، آپ فکر نہ کریں۔بڑے دنوں بعد کوئی ہڈ پیر ہلانے کا موقع ملا ہے۔فکر نہ کریں جی۔لیکن ایک بات عرض کروں''

''بولو'' چوہدری کبیر نے اس کی طرف دیکھ کر کہا

''آپ نے وڈھے چوہدری جی سے بات کر لی ہے انہوں نے ہتھ ہولا رکھنے کو کہا ہے۔کہیں وہ ناراض ہی نہ ہو جائیں۔'' ماکھے نے اسے یاد دلایا

''او یار انہیں تو اپنی سیاست کی پڑی ہوئی ہے۔ادھر سارا کچھ ہاتھ سے نکلا جارہا ہے۔او ئے علاقے پر رعب اور دبدبہ ہو گا لوگ خوف کھائیں گے ہمیں ووٹ دیں گے تو جا میں انہیں سمجھا لوں گا۔اب جا۔'' اس نے قدرے غصے میں کہا تو ماکھا چلا گیا۔

چھاکا پیدل ہی گاؤں کی گلی میں جارہا تھا۔عقب سے جیپ پر سوار ماکھا اور اس کے ساتھی آرہے تھے۔وہ اسلحہ لہرا رہے تھے۔ انہوں نے چھاکے کے پاس جیپ روکی اور تیزی سے اتر کر ارو گرد گھیرا ڈال لیا۔چھاکا ایک دم سے گھبرا گیا، پھر رعب سے بولا

''کیا بات ہے؟ اس طرح میرا راستہ کیوں روکا تم لوگوں نے؟''

''تو چشم دید گواہ ہے نا مگر تیرا چشم دید گواہ کوئی نہیں ہو گا۔چل تجھے تیری سانسوں سے آزاد کرتے ہیں۔'' یہ کہہ کر ماکھے نے گن سیدھی کی ہی تھی کہ ایک گن اس کی کنپٹی پر آ کر لگ گئی۔

''تیرا چشم دید کون ہو گا؟'' سراج نے نے پوچھا تو ماکھا گھبرا گیا۔چھاکے کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی تو ماکھا بولا

''سراج تم؟''

''ہاں میں، میں ساری کہانی سمجھ گیا ہوں۔جب تک ایک غریب ہی دوسرے غریب کا دشمن رہے گا۔اس وقت تک ہم سب کی حالت نہیں بدل سکتی۔تیرے اور میرے ہاتھ میں بندوق کس نے دی۔ہم حفاظت کس کی کر رہے ہیں۔سوچو۔پر تُو کیا سوچے گا۔تیرے جیسے ذہنی غلام تو اپنی عقل بھی ان مفاد پرست سیاست دانوں کے پاس گروی رکھ دیتے ہیں۔'' سراج نے نفرت سے کہا تو ماکھا بولا

”طاقت کا اپنا ہی نشہ ہوتا ہے، جس نشے میں اب تو بات کر رہا ہے۔ گن ہٹا کے دیکھ پھر میں تجھے بتاتا ہوں طاقت کیا شے ہوتی ہے۔“

”تو سوچ تو، یہ طاقت کس کے لیے استعمال کر رہا ہے۔ اپنے جیسے غریب کو مارنے کے لیے؟ تف ہے تم پر، میں ابھی تجھے مار سکتا ہوں لیکن ماروں گا نہیں، چل ہٹ اور چلا جا یہاں سے۔ پھینک دے یہ گن۔“

سراج نے کہا تو ماکھے نے گن ہٹا کر پھینک دی۔

”چوہدری سے کہہ دینا، اب ہمارے کسی بندے کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے۔ ورنہ آنکھیں نکال لیں گے۔ ہم اپنی حفاظت کرنا جانتے ہیں۔ چل بھاگ۔“ سراج نے گن کا بولٹ مارتے ہوئے کہا تو ماکھا سب کو اشارہ کرتے ہوئے جیپ میں بیٹھ گیا۔ وہ سب چلے گئے

”میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ تم یہاں آ جاؤ گے؟“ چھاکے نے کہا تو سراج بولا

”رانی کے بعد اب وہ کسی پر ظلم کریں میں انہیں یہ موقع نہیں دینا چاہتا تو بھی خیال رکھا کر۔ یہ پتہ کر کہ لکا چوہدری ہمیں ملے گا کہاں پر، اب اسے ختم کرنا ہے۔“ یہ کہہ کر سراج حیران سے چھاکے کو لے کر ایک جانب چل دیا۔

ماکھا ڈیرے پر پہنچ چکا تھا۔ چوہدری کبیر شدید غصے اور حیرت میں تھا اور ماکھا سر جھکائے قریب کھڑا تھا۔

”یہ سراج، کدھر سے آ گیا پھر ہمارے راستے میں۔“

”میں نہیں جانتا نکے چوہدری جی، چھاکا فقط چند لمحوں کا مہمان تھا اگر وہ نہ آتا تو۔“ ماکھے نے اپنی صفائی دی تو چوہدری کبیر نے غصے میں کہا

”اُوئے ماکھے جب وہ تمہارے راستے میں آ ہی گیا تھا تو اس بھی پھڑکا دیتا، پر نہیں، یہ کام تم لوگوں سے نہیں ہوگا جی کرتا ہے تمہیں ہی گولی مار دوں۔ لیکن سوچنے والی بات تو یہ ہے کہ اس نے یہ بندوق کب سے اٹھالی؟“

”کیا فہد نے اپنی سیکورٹی بنالی ہے یہ جاننا بڑا ضروری ہے۔ ورنہ وہ ہمارے لیے دردِ سر بن جائے گا۔“ ماکھے نے تشویش سے کہا تو چوہدری کبیر بولا

”اوئے تم لوگوں سے کچھ نہیں ہوگا تمہیں تو یہ بھی نہیں پتہ۔ تم لوگوں نے خاک علاقے کو اپنے قابو میں رکھنا ہے۔ مجھے تو لگتا ہے تم لوگ مر گئے ہو۔“ یہ کہہ کر وہ بے چینی سے بولا ”یہ نذیرے والا معاملہ اتنا لمبا کیوں ہوتا چلا جا رہا ہے لگتا ہے، اب مجھے خود ہی اسے ختم کرنا پڑے گا۔“

”یہ بڑا آسان ہے کہ میں جاؤں اور فہد اور سراج کو مار دوں لیکن آپ نے الیکشن بھی لڑنا ہے چوہدری صاحب۔ میرے خیال میں یہ معاملہ وڈے چوہدری صاحب پر چھوڑ دیں۔ ابھی تک رانی کا معاملہ بھی سر پر ہے۔“ ماکھے نے اسے یاد دلایا تو چوہدری کبیر نے غصے میں کہا

”بکواس نہیں کراوئے، بھاڑ میں گیا الیکشن، چھاکے کے قتل کا رانی سے کیا تعلق؟ میں دیکھتا ہوں انہیں۔“

یہ کہہ کر اس نے میز پر پڑی کار کی چابی اٹھائی اور باہر کی جانب چل دیا۔

❁......❁......❁

سہ پہر کا وقت تھا۔سورج مغرب کی طرف جھک گیا تھا۔کھیت کے کنارے فہد اور سلمیٰ چلے جا رہے تھے۔فہد نے رک کر اس سے پوچھا

''سلمیٰ۔!کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ صفیہ اپنے شوہر کے قاتل کو سزا دلوانا چاہتی ہے۔میرا مطلب ہے اس کا وہ جوش،وہ جذبہ کہیں ٹھنڈا تو نہیں پڑ گیا۔''

''نہیں تو،اس پر اگر پہلے کی طرح دباؤ نہیں ہے نا تو وہ پہلے جیسی مایوس بھی نہیں ہے۔مگر بات کیا ہے۔''سلمیٰ نے چونکتے ہوئے پوچھا تو فہد نے جواب دیا

''بات یہ ہے کہ چوہدری جلال ایسے ہتھکنڈوں پر اتر آیا ہے۔جیسے کوئی دیوار سے لگ کر بات کرتا ہے۔ کیونکہ چوہدری اب دیوار سے لگنے والا ہے۔اب وہ اپنی بقا کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہے۔''

''ممکن ہے ایسا ہی ہو۔مگر جب تک صفیہ میرے ساتھ ہے۔کسی لالچ یا دباؤ میں نہیں آئے گی۔مجھے یقین ہے۔''سلمیٰ نے اسے یقین دلایا تو وہ بولا

''حالات بدل رہے ہیں۔آنے والوں چند دنوں میں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔چوہدری جلال اپنے بیٹے کو بچانے کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہے۔''

''آپ فکر نہ کریں۔میں اب ہر آنے والے طوفان اور زلزلے کے لیے خود کو تیار کر چکی ہوں۔آپ کی محبت نے مجھے اتنا حوصلہ دیا ہے کہ میں بے خطر آگ میں کودنے پر تیار ہوں اور میں اپنا یہ دعویٰ وقت آنے پر ثابت بھی کر دوں گی۔''سلمیٰ نے عزم سے کہا

''ہم ساری زندگی حالات کو سمجھتے اور اس کے ساتھ نبرد آزمائی میں گذار دیتے ہیں۔آسانیاں تو بس یقین اور اعتماد کی وجہ سے ہوتی ہے۔اور یہ تو تیں صرف محبت کے دامن میں ہوتی ہیں۔سلمیٰ زندگی میں بہت سارے فیصلے کرنا مشکل ہو گئے۔لیکن یہ محبت ہی تو ہوتی ہے جیسے معیار بنا کر انسان اپنے فیصلے کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔''فہد بڑے نرم لہجے میں بولا

''اور محبت کا فیصلہ یہ بھی تو وقت ہی کرتا ہے نا کون کس کے لیے کتنی محبت رکھتا ہے۔آپ صفیہ کی فکر نہ کریں۔''سلمیٰ نے حیا بار آنکھوں سے کہا اور قدم بڑھا دیئے۔فہد نے حیرت سے اسے دیکھا،اس سے پہلے وہ کوئی بات کرتا،اسی لمحے سراج کا فون آ گیا۔اس نے چھاکے پر حملے کی تفصیل بتائی تو فہد کو ایک دم سے غصہ آ گیا۔اس نے اسی وقت وکیل کو فون ملایا۔

''جی فہد صاحب۔کیسے مزاج ہیں؟''

''میرے مزاج تو ٹھیک ہیں۔مگر لگتا نہیں کہ چوہدریوں کے مزاج درست ہیں۔''

''یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟''وکیل نے پوچھا تو فہد بولا

''آپ نے جو مجھ سے بات کی تھی۔اب وہ مجھے صرف آپ ہی کی خواہش لگتی ہے۔چوہدریوں کو اس کی ضرورت نہیں۔''

''ہوا کیا ہے بتائیں تو؟'' وکیل نے پوچھا تو فہد نے بتایا۔ جسے وکیل سنتا رہا۔تب فہد نے کہا ''ایک طرف وہ صلح کی بات کرتے ہیں اور دوسری طرف وہ ہمارا ساتھی مارنے کے لئے بندے بھیجتے ہیں۔اب بتائیں مجھے کیا کرنا چاہئے؟''

''وہی جو آپ کا دل چاہتا ہے۔جو آپ بہتر سمجھتے ہیں۔آپ یہی سمجھیں کہ میں نے آپ سے بات کی ہی نہیں۔'' وکیل نے افسردہ لہجے میں کہا تو فہد نے غصے میں کہا

''اور ساتھ میں یہ بات آپ سمجھا دیں انہیں۔کبیر کو لگام ڈال دیں۔گولی مجھے بھی چلانی آتی ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔سلمٰی خوف زدہ نہیں ہوئی بلکہ اس نے کہا

''فہد،لگتا ہے اب صرف باتوں سے کام نہیں چلے گا،انہیں سبق دینا ہوگا۔''

''ایسے ہی لگتا ہے۔'' فہد نے کہا تو دونوں پلٹ کر کار کی جانب چل دیئے۔

فہد اس وقت سلمٰی کو چھوڑ کر اپنے گھر پہنچا ہی تھا کہ ملک نعیم کی گاڑی اس کے گارڈز کے جلوس ساتھ گھر کے باہر آن رکی۔فہد کے پاس سراج بیٹھا ہوا تھا۔ملک نعیم اندر آ گیا تو دونوں اس کے ساتھ تپاک سے ملے۔فہد نے خوشگوار لہجے میں پوچھا

''ملک صاحب آپ؟''

''میں یہ بات فون پر بھی کر سکتا تھا لیکن میں خود آنا مناسب سمجھا۔''

ملک نعیم نے سنجیدہ لہجے میں کہا اور چارپائی پر بیٹھ گیا۔

''ایسی کیا بات ہو گئی'' فہد بھی پوچھتے ہوئے بیٹھ گیا

''مجھے پارٹی ٹکٹ دیئے گئے ہیں۔ان میں آپ کا نام نہیں،آپ کے ریفرنس سے سلمٰی امیدوار ہو گی۔یہ کیا بات ہوئی بھلا۔یہ دیکھیں۔''

یہ کہہ کر اس نے ایک لیٹر اس کے سامنے رکھ دیا۔تو فہد نے خوشگوار لہجے میں کہا

''اوہ۔!تو سلمٰی کو پارٹی ٹکٹ مل گیا۔''

''فہد۔!مجھے کم از کم پہلے بتا تو دیا ہوتا۔میں آپ کے لیے کوشش کر رہا ہوں اور اوپر سے سلمٰی کے لیے۔''

ملک نعیم نے کہا تو فہد نے سمجھایا

''پارٹی کے جو بڑے ہیں۔انہیں تو کوئی اعتراض نہیں ہے نا،تو بس ٹھیک ہے۔آپ الیکشن مہم کا آغاز کریں۔''

''مجھے اتنا تو مجھے اعتماد ہے کہ آپ جو کچھ کر رہے ہیں۔ٹھیک ہی کر رہے ہوں گے۔لیکن ایسا نام جس کے بارے میں لوگ جانتے تک نہیں۔اور خود امیدوار ایک عام سی لڑکی۔جسے سیاست کی الف بے کا نہیں پتہ،یہ کیسے چلے گا؟'' ملک نعیم نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا

''سب ٹھیک ہو جائے ملک صاحب۔!یہ میری ذمے داری ہے،آپ کیا پسند کریں گے۔چائے یا ٹھنڈا؟'' فہد نے پوچھا

''فہد آپ اب بھی سوچ لیں۔کل کاغذ جمع ہونے ہیں پھر سوچنے سمجھنے کا موقع بھی ہاتھ سے نکل جائے گا۔'' ملک نعیم نے کہا تو فہد اسے حوصلہ دیتے ہوئے بولا

''آپ فکر نہ کریں۔بتائیں،ٹھنڈا پیئیں گے یا چائے؟''

''چلیں،دیکھتے ہیں۔'' ملک نعیم نے سکون سے کہا تو فہد بولا

''آپ سکون کریں۔میں آپ کو سمجھاتا ہوں۔''

وہ دونوں باتیں کرنے لگے تو سراج چائے بنوانے کے لئے اٹھ گیا۔

❁.....❁.....❁

نور پور کی عدالت میں کافی رش تھا۔اس دن الیکشن میں حصہ لینے والوں کی حتمی فہرست لگنا تھی۔دوسرے لوگوں کی طرح فہد ،سلمٰی ،سراج اوران کے ساتھ لوگ انتظار میں کھڑے تھے۔کافی دیر بعد بلادی نے عدالت کے باہر حتمی فہرست لگا دی۔فہد جلدی سے آگے بڑھا۔فہرست پر انگلی رکھ کر سلمی کا نام تلاش کرتے ہوئے نام پڑھ کر اس کے چہرے پر خوشی پھیل گئی۔سلمی کے کاغذات منظور ہو گئے تھے۔اب وہ الیکشن لڑ سکتی تھی۔وہ خوشگوار چہرے کے ساتھ واپس پلٹا تو سامنے کاشی کھڑا تھا۔اس نے فہد کے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا

''زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے فہد۔اپنی طاقت سے زیادہ اُڑنے والا بہت جلد گر کر مر جاتا ہے۔''

فہد نے اس کے چہرے پر دیکھا اور کوئی سخت جواب دینے لگا تھا وہ ایک طرف چل دیا۔فہد اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔وہ ایک طرح سے فہد کو وارننگ دے گیا تھا۔فہد نے ایک دم سے اپنا سر جھٹک دیا۔دشمن تو یہی چاہتے تھے کہ اسے ذہنی اذیت دیں۔اسے اسی وار سے بچنا تھا۔تبھی اس نے دیکھا عدالت میں ایک لینڈ کروزر احاطہ عدالت میں آ کر رک گئی۔اس میں سے مائرہ باہر نکلی۔اس نے ادھر ادھر دیکھا۔فہد پر نگاہ پڑی تو وہ اس جانب بڑھ آئی۔دونوں آمنے سامنے تھے۔مائرہ بہت جاذب نظر لگ رہی تھی۔دور کھڑی سلمٰی نے انہیں دیکھا۔وہ قریب آئے تو سراج نے کہا

''ہمیں نکلنا چاہئے اب۔''

''ہاں کیوں نہیں چلو۔''فہد بولا تو مائرہ نے سلمی سے کہا

''آؤ سلمٰی ادھر،میرے ساتھ جیپ میں بیٹھو۔ہم نے ایک بڑے جلوس کے ساتھ تمہارے گاؤں جانا ہے۔''

''جلوس،کہاں ہے جلوس؟''

فہد نے پوچھا تو مائرہ نے عدالت کے باہر ایک قافلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا

''وہ دیکھو سامنے جلوس،ہمارا منتظر ہے اس جیپ کا ڈرائیور یہاں کا ایک بڑا کاروباری آدمی ہے۔یہاں بازار کا ایک چکر لگائیں گے،پھر گاؤں جائیں گے۔''

"کیوں مائرہ کیوں؟" فہد نے دھیرے سے پوچھا

"اپنی طاقت کا اظہار، انتخابی روایت کا حصہ الیکشن کی عین ضرورت۔ زیادہ فکر نہ کرو آ جاؤ۔ ہمارے پیچھے پیچھے اپنی گاڑی میں۔ آؤ سلمٰی۔"

سلمٰی، فہد کا عندیہ پا کر مائرہ کے ساتھ چل پڑی۔ وہ لینڈ کروزر میں بیٹھ گئی۔ کچھ لمحوں میں بعد مائرہ اور سلمٰی سن روف کھول کر کھڑی تھیں۔ اور جلوس آگے بڑھ رہا تھا۔

رات ہو چکی تھی۔ سلمی کے گھر میں رونق لگی ہوئی تھی۔ وہ سبھی صحن میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ فہد نے مائرہ سے پوچھا

"یہ تم نے جلوس کیسے بنا لیا۔ یہ سب کیسے کیا تم نے؟"

"الیکشن میں ذرا رعب شعب جمانا پڑتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں صبح ہی نور پور چلی گئی تھی۔ وہاں موجود اپنے لوگوں سے ملی ہوں۔ پاپا کا ریفرنس تھا۔ انہوں نے جلوس کا اہتمام کیا۔ نور پور کی حد تک تو میں سب او کے کر آئی ہوں۔ باقی کی پلاننگ ہم کر لیتے ہیں۔"

"اور جعفر......" فہد نے پوچھا

"الیکشن کے اخراجات بہت زیادہ ہوتے ہیں نا۔ وہ دو دن بعد آئے گا۔ پوسٹر، بینر وغیرہ لے کر۔ پاپا نے اسے روک دیا تھا۔ پھر نور پور میں کام بھی بہت ہے اور وہ پولیس آفیسر ہے۔ یوں کھلم کھلا تو ہمارے کام کرنے سے رہا۔ تاخیر سے سہی لیکن وہ آئے گا ضرور۔"

"مائرہ بیٹی۔! یہ الیکشن کے دنوں میں تو صحافی لوگوں کا کام بہت بڑھ جاتا ہے۔ ان کے کیریئر کے لیے بھی یہ بہت اچھا موقع ہوتا ہے۔ تمہارے کام کا تو بہت حرج ہو گا نا۔" ماسٹر دین محمد نے پوچھا تو مائرہ بولی

"انکل۔! اس وقت سلمٰی کا الیکشن میرے نزدیک سب سے زیادہ اہم ہے۔"

اس پر فہد نے چونک کر مائرہ کو دیکھا تو سلمٰی نے سب سے کہا

"مائرہ۔! کھانے کے بعد لمبی بات کریں گے، تم فریش ہو جاؤ۔"

"اور تھوڑا آرام کر لینا بیٹی۔ پھر باتیں بھی ہوتی رہیں گی۔"

ماسٹر دین محمد نے کہا تو مائرہ نے اٹھتے ہوئے فہد کو دیکھا۔ وہ اسے ممنونیت سے دیکھ رہا تھا۔

❁......❁......❁

چوہدری کے ڈرائنگ روم میں بڑی اہم میٹنگ ہو رہی تھی۔ وکیل کے ساتھ دو اور لوگ بھی تھے جو خاصے سو برا اور امیر کبیر دکھائی دے رہے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو الیکشن میں چوہدری کے ہر معاملہ کے مشیر تھے۔ وکیل، چوہدری کبیر کی بات کر کے بولا

"چوہدری صاحب۔! آپ یہ تسلیم کر لیں کہ فہد نے ہی آپ کی سیاسی ساکھ کو نقصان نہیں پہنچایا ہے، چوہدری کبیر نے بھی ایسا ہی کیا ہے اور اس الیکشن میں آپ کے لیے مشکلات پیدا کر دی ہیں۔"

''کبیر کی چھوڑو، فہد بارے سچی بات تو یہ ہے کہ اس نے لوگوں میں نجانے کیا پھونک دیا ہے۔ سب اس سے چمٹے ہوئے ہیں۔''

''آپ نے اسے فقط ایک پڑھا لکھا جوان سمجھنے کی غلطی کی ہے۔ وہ بہت سمجھدار ہے۔'' وکیل نے کہا تو چوہدری جلال نے تنک کر کہا

''یہاں کتنے سمجھدار دھکے کھاتے پھرتے ہیں۔ کیا کر لیا انہوں نے آج تک، کچھ بھی تو نہیں۔ اتنے برس آزادی کو گزر گئے سوائے الیکشن مہنگا ہونے کے اور کیا تبدیلی آئی ہے۔''

''شکر کریں کہ عام آدمی کو اپنی اہمیت کا نہیں پتہ۔ یہی عام آدمی تبدیلی لاتے ہیں۔ جیسے کہ فہد نے آپ کو بھی سیاسی پارٹی کی چھتری تلے آنے پر مجبور کر دیا ہے۔ ہمیں یہاں بیٹھ کر سوچنے پر مجبور کر دیا کہ کامیابی کیسے ملے گی۔ اس نے مخالف امیدوار مقابلے کے لیے کھڑا کر دیا اور ٹکٹ بھی لے لیا۔ مانیں کہ وہ دانا دشمن ہے۔'' وکیل نے اسے حقیقت سے آگاہ کیا تو وہاں موجود ایک شخص نے پوچھا

''ایک اناڑی لڑکی کو ٹکٹ دلوانے کا فیصلہ ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آیا۔ فہد نے ایسا کیوں کیا؟''

''وہ جو ہونا تھا ہوا چوہدری صاحب، اب آپ آگے کی سوچیں۔ اب دو ہی آپشن ہیں۔ یا تو فہد کو دہشت زدہ کر کے یہاں سے بھاگنے پر مجبور کر دیا جائے یا پھر کچھ دو کچھ لو، کی پالیسی اپناتے ہوئے ڈیلنگ کر لی جائے۔''

دوسرے شخص نے صلاح دی تو وکیل بولا

''ابھی یہی تو بات ہوئی ہے، دونوں آپشن ناکام ہو چکے ہیں۔ اب تو الیکشن جیت کر ہی کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ لڑ بھڑ کر نہیں، عوامی ریلا فہد کے ساتھ ہے۔ کیوں چوہدری صاحب؟''

''جمیل صاحب درست کہہ رہے ہیں۔ میرے خیال میں ہمیں لڑنا ہی ہوگا۔ اب الیکشن جیتنے کا فقط ایک ہی طریقہ ہے۔'' پہلے شخص نے کہا تو چوہدری جلال نے پوچھا

''وہ کیا؟''

''فہد ہماری طرح ایلیٹ کلاس سے نہیں ہے۔ اس کے اردگرد نوٹوں کی دیوار کھڑی کر دی جائے۔ ووٹ خریدیں۔ پبلسٹی فنڈ چار گنا کر دیں۔ ہر گاؤں کا مطالبہ مان لیا جائے۔ جیت جائیں گے تو یہ سب چار گنا ہو کر واپس آ جائے گا۔'' اس نے طریقہ بتا دیا تو چوہدری جلال نے سر ہلاتے ہوئے کہا

''ہاں۔ یہ ہوئی نہ بات اس کی کیا اوقات وہ کیا الیکشن لڑے گا۔''

''اور ہاں چوہدری صاحب۔ چھوٹے چوہدری کو سمجھا دیں۔ یہ وقت ہوش کا ہے جوش کا نہیں۔'' وکیل نے کہا تو چوہدری جلال نے دھیمے سے کہا

''مان لیا وکیل صاحب۔''

''چلیں اب طے کر لیں کہ کس نے کیا کرنا ہے۔'' ایک شخص نے کہا تو ان میں باتیں پھیلنے لگیں۔ کافی دیر تک ہر بعد طے کر کے وہ اٹھ گئے۔

چوہدری جلال جب حویلی کے اندر آیا تو چوہدری کبیر تیار ہو کر باہر جا رہا تھا۔ اس کا چہرہ غصے میں بھرا ہوا تھا۔

''کیا بات ہے، کدھر جا رہے ہو؟'' چوہدری جلال نے اس سے پوچھا تو چوہدری کبیر غصے میں بولا

''جس طرح سلمٰی جلوس کے ساتھ گاؤں واپس آئی ہے اس کے بعد کوئی چین سے کیسے سو سکتا ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ میرے مقابلے میں آجائے گی۔''

''تو پھر کیا ہوا۔ اس بے چاری کی اپنی کیا حیثیت ہے۔ کٹھ پتلی ہے کٹھ پتلی، چند دن بعد دیکھنا ان کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔ تم پر سکون رہنا۔ یہ الیکشن بڑے ٹھنڈے دماغ سے لڑتے ہیں۔ تم ابھی سے پریشان ہو گیا ہو۔'' چوہدری جلال نے اسے سمجھایا تو چوہدری کبیر نے طویل سانس لے کر کہا

''میں پریشان نہیں ہوں بابا۔ مگر آئندہ آنے والے دنوں کا اندازہ ضرور لگا رہا ہوں۔ اس بلا مقابلہ سیٹ پر اگر وہ ہمیں مقابلے کے لیے میدان میں لے آئے ہیں تو پھر انہیں مات ایسی دی جائے کہ پھر کبھی کسی کی جرات نہ ہو الیکشن لڑنے کی۔''

''ایسے ہی ہوگا۔'' چوہدری جلال نے کہا اور پھر مسکراتے ہوئے روئے سخن بشریٰ بیگم کی جانب کر کے بولا ''بیگم۔! اس بار تجھے بھی اپنے بیٹے کے ساتھ علاقے میں نکلنا ہوگا۔''

''کیوں نہیں۔ میں اپنے پتر کے ساتھ ہر جگہ جاؤں گی۔ مجھے کون ووٹ نہیں دے گا بھی دیں گے۔'' بشریٰ بیگم نے کہا لیکن اس کا چہرہ اور لہجہ ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ چوہدری کبیر بولا

''الیکشن تو ہم نے جیت ہی جانا ہے۔ بس انہیں مات ایسی دینی ہے۔ کہ یاد رکھیں۔ چلو بابا چلیں۔ ڈیرے پر بہت سارے لوگ آ گئے ہیں۔''

دونوں باپ بیٹا نکل گئے تو بشریٰ بیگم انہیں حسرت سے دیکھ کر رو پڑی۔

الیکشن کی گہما گہمی ایک دم سے شروع ہو گئی۔ ایک طرف چوہدری جلال اپنے لوگوں کے ساتھ علاقے میں ہر گاؤں، کھیت اور کنوئیں پر جانے لگا۔ تو دوسری طرف ملک نعیم اپنے لوگوں کے ساتھ علاقے میں لوگوں کے پاس جانے لگا۔ جہاں ملک نعیم کی اپنی شرافت تھی وہاں جب لوگ ماسٹر دین محمد کی بیٹی کے بارے میں سنتے تو حیران ہونے کے ساتھ ان کے دل میں ہمدردی پھیل جاتی۔ پتہ نہیں کتنے لوگ اس کے شاگرد تھے اور سبھی جانتے تھے کہ چوہدریوں نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ ماسٹر دین محمد کا نام ان کے لئے محترم ہو گیا۔ چوہدری جلال تک یہ ساری اطلاعیں آ رہی تھیں۔ وہ جب بھی سنتا مضطرب ہو جاتا۔

ایک رات چوہدری جلال بڑے اضطراب میں ٹہل رہا تھا۔ وہ اچانک رکا اور فون کے پاس جا کر نمبر ملایا۔ پھر مایوس ہو کر ریسیور رکھ دیا۔ اس کے چہرے پر پریشانی پر گہری ہو گئی تھی۔ اتنے میں بشریٰ بیگم چائے کا کپ لے کر اس کے قریب آ گئی۔ بشریٰ بیگم نے اس کے چہرے پر دیکھ کر پوچھا

"آپ اتنے پریشان کیوں ہیں، جو ہوگا دیکھا جائے گا۔"

"نہیں میں پریشان نہیں ہوں۔اپنے علاقے میں لوگ پھیلے ہوئے ہیں۔ان پر بھی تو نظر رکھنا ہے۔"

چوہدری جلال نے کہا تو بشریٰ بیگم بولی

"لیکن انسان کے لیے نیند بھی ضروری ہے۔آپ کچھ دیر کے لیے سو جائیں۔آئیں۔"

"نہیں تم جاؤ اور جا کر سو جاؤ مجھے ڈسٹرب نہ کرو۔ جاؤ" چوہدری جلال نے اکتاہٹ سے کہا تو بشریٰ بیگم نرم لہجے میں بولی

"میں آپ کو ڈسٹرب کیا کروں گی آپ پہلے ہی پریشان ہیں مجھے ایک بات بتائیں کیا آپ کی اس طرح پریشانی سے الیکشن پر کوئی فرق پڑے گا؟"

اس کے یوں پوچھنے پر چوہدری جلال نے خود پر قابو پاتے ہوئے چائے کا سپ لیا، پھر سوچتے ہوئے بولا "نہیں بیگم،تم ٹھیک کہتی ہو۔میرے یہاں پریشان ہونے سے کچھ نہیں ہوگا لیکن سکون بھی تو نہیں ہے۔"

"جو ہونا ہے وہ ہو کر رہنا ہے۔آپ کی پریشانی دیکھ کر لگتا ہے آپ علاقے سے مطمئن نہیں ہیں؟" بشریٰ بیگم نے پوچھا تو چوہدری جلال نے دھیمے لہجے میں کہا

"یہ جو فہد نے نئی قیادت،نئی سوچ اور تبدیلی کا نعرہ لگایا ہے نا اسی نے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے اس نے پوری پلاننگ کر کے الیکشن لڑا ہے۔"

"مگر کچھ غلطیاں ایسی ہیں جس سے آپکا تاثر پہلے والا نہیں رہا مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہی کہ ہم ناامید ہو جائیں۔جیت ہماری ہی ہوگی لیکن آپ اپنا خیال تو رکھیں۔" بشریٰ بیگم نے کہا تو چوہدری جلال بولا

"ہماری خامیاں ہیں لیکن میں نے اتنی دولت اس علاقے میں بانٹ دی ہے کہ ان کی ساری نعرہ بازی ختم کر کے رکھ دے گی تم دیکھتی جانا بس۔"

"چلیں، آپ کچھ دیر آرام کر لیں۔" بشریٰ بیگم نے کہا تو وہ خشمگیں نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا

"میں نے کہا نا مجھے اکیلا چھوڑ دو۔"

بشریٰ بیگم نے شاکی نگاہوں سے اسے دیکھا اور اٹھ گئی۔

❁......❁......❁

رات گہری تھی لیکن فہد کے گھر چھاکا،سراج اور فہد جاگ رہے تھے۔فہد نے سراج سے کہا

"دیکھو سراج۔!یہ تمہاری ذمے داری ہے۔ہر الیکشن کیمپ پر ہمارا جو بندہ ہو۔اس تک یہ انتخابی فہرستیں پہنچانی ہیں۔اور پھر ان سے رابطہ رکھنا ہے۔پورے علاقے کی خبر یہاں ہونی چاہیے۔"

اتنے میں چھاکے نے باہر کی جانب دیکھا تو سامنے سادہ لباس میں جعفر کھڑا تھا۔

”جعفر۔!تم۔“فہد نے مسکراتے ہوئے کہا اور آگے بڑھ کر اسے گلے لگاتے ہوئے بولا”اتنے دن لگا دیئے یار تم نے آتے ہوئے۔“

”میں تو اڑ کر آجاتا یار لیکن تمہارے پوسٹر اور نہ جانے کیا کچھ ایک ٹرک میں بھر کے لایا ہوں۔وہ باہر کھڑا ہے۔سامان اتروالو اسے محمود سلیم صاحب نے بھجوائے ہیں۔“

”میں دیکھتا ہوں آپ بیٹھو۔“سراج نے کہا اور باہر کی جانب نکل گیا تو چھاکے نے اٹھ کر پوچھا

”جعفر بھائی۔کوئی چائے وائے پیئو گے یا سیدھے کھانا ہی کھاؤ گے۔تکلف نہ کرنا۔سب کچھ ملتا ہے۔“

”اب آگیا ہوں نا۔سب کچھ خود کرلوں گا۔تم فی الحال پانی پلاؤ۔اور شور نہ ہو کہ میں ادھر ہوں سمجھے۔“

”سمجھ گیا۔“چھاکے نے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔تو فہد نے پوچھا

”پاپا تمہارے ساتھ رابطے میں ہیں۔“

”بالکل،اور میں نے کچھ بندے تیار کیئے ہیں۔تیرے الیکشن کا سارا کام وہ سنبھال لیں گے،تمہیں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔باقی میں تو ہر وقت رابطے میں ہوں۔“جعفر نے اسے بتایا تو فہد نے پوچھا

”سناؤ اس چوہدری نے اوپر سے دباؤ ڈالنے کی کوشش کی ہے؟“

”تم فکر نہ کرو،ہماری اپنے ہیں اس دباؤ کو روکنے والے تو بس جلدی سے سلمی کے ہاتھ کے پراٹھے بنوا کر کھلا میں نے ابھی واپس بھی جانا ہے۔“اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا تو فہد کا قہقہہ بھی اس میں شامل ہو گیا۔وہ رات دیر تک گپ شپ لگانے کے بعد چلا گیا۔

اگلی صبح فہد کچھ کاغذات میں الجھا ہوا تھا۔قریب بیٹھا ہوا سراج بھی ایک کاغذ دیکھتے ہوئے بولا

”فہد،جس طرح تم نے یہ لسٹ بنائی تھی اس کے مطابق سارے کام ہو گئے ہیں اب مزید بتاؤ کیا کرنا ہے۔“

اس دوران چھاکا چائے لے کر آگیا۔وہ کپ ان کے پاس رکھتا ہوا بولا

”چائے پیو اور بتاؤ کیسی ہے۔اب تو پورے علاقے میں چھاکے کی چائے کی دس پچھ ہو گئی ہے۔“

”اچھا تم دونوں یہ چائے پی لو اور پھر کچھ دیر آرام کرلو اس کے بعد میں تم لوگوں کو بتاتا ہوں کہ کیا کرنا ہے۔“فہد نے کہا اور کپ اٹھالیا۔

”او کرلیں گے آرام یار،تو کام بتا؟“سراج نے کہا تو فہد مسکراتے ہوئے بولا

”اچھا پھر یہ دس پچھ والی چائے پی لو بتاتا ہوں۔“

”چائے بھی پیتے ہیں اور اور بات بھی کرلیتے ہیں۔“سراج بھی کپ اٹھاتے ہوئے بولا تو فہد نے چند لمحے سوچنے کے بعد کہا

”دیکھو اب تک سارے کام ہماری سوچ کے مطابق ٹھیک ہورہے ہیں۔لیکن الیکشن کے ان دنوں میں ایک بات کا بہت خیال

رکھنا ہے۔چوہدری کسی نہ کسی طرح ہمیں غصہ دلانے یا ہمیں بھڑکانے کی کوشش کریں گے۔ہمارے ساتھ لڑیں گے، جھگڑا کرنے کی کوشش کریں گے۔الیکشن کے دن پولنگ بھی خراب کریں گے۔''

''بالکل۔!یہ تو پہلے ہی ہو رہا ہے ان کے بندے ہمارے پوسٹر بینرا تار دیتے ہیں جو ہمارے ووٹر ہیں مطلب جنہوں نے ہمارا ساتھ دینے کا باقاعدہ اعلان کر دیا ہے وہ ان کے گھر پہنچ کر کسی کو لالچ دے رہے ہیں اور کسی کو دھمکا رہے ہیں۔'' چھاکے نے بتایا تو فہد بولا

''وہ اس سے بھی زیادہ کریں گے۔وہ ہمارے جلسے خراب کرنے کی کوشش کریں گے۔''

''لیکن ہم نہیں ہونے دیں گے، ہم نے کون سا چوڑیاں پہن رکھی ہیں۔''

سراج نے غصے میں کہا تو فہد تحمل سے بولا

''بات چوڑیوں یا کنگنوں کی نہیں ہے سراج ، بات یہ ہے کہ وہ ہمارے ووٹ کی طاقت کو ضائع کرنے کی کوشش کریں گے۔ انہیں اگر شکست کا احساس بھی ہو گیا نا وہ خون خرابے پر بھی اتر سکتے ہیں۔''

''تو پھر ہمیں کیا کرنا ہوگا خاموشی سے ان کا ہر وار سہہ جائیں۔'' سراج نے پوچھا تو فہد نے سمجھایا

''نہیں جہاں تک ممکن ہو تصادم سے بچنا ہے اپنی قوت ضائع نہیں ہونے دینی اور دوسری بات کہ ہماری ساری توجہ الیکشن پر ہو زیادہ سے زیادہ ووٹ کاسٹ ہوں اور یہ کام بہت تحمل سے کرنا ہے۔''

''تمہاری بات سن کر یہ احساس ہو گیا ہے کہ چوہدری کچھ بھی کر سکتے ہیں اس لیے ہمیں بہت محتاط ہو کر رہنا ہوگا۔'' سراج نے بات سمجھتے ہوئے کہا تو فہد بولا

''ہاں یہی بات میں تمہیں سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔'' آخری سپ لے کر خالی کپ چھاکے کو تھماتے ہوئے بولا،'' تمہاری دس پچھ والی چائے بہت مزیدار تھی یار۔''

اس پر وہ تینوں ہنس دیئے۔

❀ ..... ❀ ..... ❀

سلمٰی اپنی الیکشن مہم کے لئے اس لینڈ کروزر پر نکلی تھی جو مائرہ نے اسے دی ہوئی تھی۔قسمت نگر سے باہر نکلی تو اس جگہ آ گئی، جہاں کبیر نے کبھی سلمٰی کی ملازمت والے کاغذ پھاڑے تھے۔اس نے ڈرائیور سے رکنے کا کہا اور سوچنے لگی کہ اگر آج وہ جاب کر رہی ہوتی تو اس طرح الیکشن میں حصہ نہ لے سکتی۔شاید قدرت کو یہی منظور تھا کہ وہ ملازمت نہ کرے۔ اسے ہی مکافات عمل کہتے ہیں۔یہ سوچتے ہی وہ ایک دم سے حوصلہ مند ہو گئی۔اسے یقین ہو گیا کہ اس کا ربّ اس کے ساتھ ہے۔وہ یہی سوچ رہی تھی کہ اسے چوہدری کبیر اپنی گاڑی میں رکتا ہوا دکھائی دیا۔اس نے سامنے گاڑی روک دی تھی۔

کبیر اسے طنزیہ انداز میں دیکھ کر مسکراتے ہوئے گاڑی سے باہر نکل آیا۔سلمٰی بھی بھوکی شیرنی کی مانند باہر نکل آئی۔وہ اسے کینہ

تو ز نگاہوں سے دیکھ رہی تھی کہ کبیر نے طنزیہ انداز میں کہا

واہ کیا بات ہے، میں نا کہتا تھا تیرے جیسی اس علاقے میں نہیں ہے۔ جسے بات کرنا نہیں آتی وہ میرا مقابلہ کر رہی ہے۔''

''اوئے کبیر، پہچان اس جگہ کو، یہیں تو نے مجھے اپنی بے بسی کا احساس دلایا تھا لیکن واری جاؤں اس سب سے بڑے متصف کے آج میں تیری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر رہی ہوں۔ یہ زمین بھی تیری ملکیت ہے لیکن تیری ہمت نہیں کہ تو میرا راستہ روک سکے۔'' سلمی نے آگ اگلنے والے انداز میں کہا تو کبیر بولا

''میری ہمت تو تب بھی تھی اور اب بھی ہے، جن لوگوں کی وجہ سے تو بول رہی ہے نا وہ.....'' اس نے کہنا چاہا لیکن سلمی نے بھڑکتے ہوئے جذباتی انداز میں کہا

''تو ان کی خاک کے برابر بھی نہیں ہے کبیر، تو بھول جا نہیں، میرا سامنا کر، میں یہاں چیلنج کرتی ہوں تو مردوں کی طرح میرا مقابلہ کرنے کی بھی ہمت نہیں رکھتا۔''

''تو اور تیری ہمت اور مقابلہ چند دن خوش ہو لے پھر وہی تم، وہی میں۔'' کبیر نے غصیلی مسکراہٹ میں طنزیہ انداز میں کہا تو سلمی بولی

''تم ہم کیا ہو، کچھ نہیں ہو، تیرا کیا ہے؟ کچھ نہیں ہے تیرا، تو اپنے باپ کی وجہ سے بات کر رہا ہے، پھر تم میں اور مجھ میں فرق کیا ہوا؟''

''تو جو مرضی کر لے، یہ الیکشن جیت نہیں سکتی، پھر.....'' اس نے اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کہا

''تو پھر بھی کچھ نہیں کر سکے گا اور سن الیکشن تو میں اسی وقت جیت گئی تھی جب قدرت نے مجھے تیرے مقابلے پر لا کھڑا کیا۔ اب مجھے جیت ہار سے کوئی مطلب نہیں تیری میری جنگ تو شروع ہی اب ہوئی ہے۔ اب ہر روز الیکشن ہوگا، روز ہار جیت ہوگی، دیکھتی ہوں کس میں کتنا دم ہے۔''

سلمی نے انتہائی طنزیہ انداز میں کہا تو قریب کھڑے ماکھے نے حالات بھانپتے ہوئے کہا

''نکے چوہدری جی چلیں۔ ہمیں پہلے ہی بہت دیر ہو رہی ہے۔''

''ہاں لے جا اسے ورنہ الیکشن سے پہلے اسے یہاں سے بھاگنا نہ پڑ جائے۔'' سلمی غصے میں بولی تو اس نے انتہائی غصے میں سلمی کو دیکھا مگر کچھ نہیں کہا اور گاڑی میں جا بیٹھا۔ سلمی کھڑی رہی، کبیر کی گاڑی اس کے قریب سے ہو کر گذر گئی۔ وہ فاتحانہ مسکان کے ساتھ گاڑی میں جا بیٹھی اور ڈرائیور کو چلنے کے لئے کہا۔ اس کے من میں سرور اتر گیا تھا۔

ایسے ہی وقت ایک کچی سڑک فہد اور سراج گاڑی میں وہ پاس کے گاؤں سے کچھ لوگوں کو مل کر آ رہے تھے۔ تبھی ایک موڑ مڑتے ہی سامنے دو لوگوں کے ساتھ کاشی کھڑا دکھائی دیا۔ اس نے راستہ روکا ہوا تھا۔ فہد کو بریک لگانا پڑے۔ دونوں کی آنکھوں میں تشویش ابھر آئی۔ تبھی فہد نے کہا

''سراج، تم باہر نہیں آؤ گے، جعفر کو فون کر دو۔ فوراً۔''

ایسے میں کاشی اسے باہر نکل آنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا

''باہر آؤ۔''

فہد بڑے سکون سے باہر آ گیا اور بولا

''اس وقت مجھے جلدی ہے۔ راستہ پھر کسی وقت روک لینا۔''

''جلدی۔ مجھے تم سے بھی زیادہ جلدی ہے پیارے۔ میں نے کہا تھا نا اونچا اڑنے والا گر جاتا ہے۔ تو نے مان لیا ہوتا تو اچھا تھا۔ اب بھگتو۔'' کاشی نے کہا تو فہد بولا

''تم کیا سمجھتے ہو۔ مجھے ختم کر دینے سے تم بچ جاؤ گے یا وہ تیرے چوہدری۔ یہ تم بھیانک غلطی کرو گے جو.....'' لفظ اس کے منہ ہی میں رہ گئے۔ کاشی نے غصے میں ریوالور سیدھا کر کے اس پر فائر کر دیا۔ سراج باہر نکل کر ان کی طرف دوڑا۔ اس کے ہاتھ میں بھی ریوالور تھا۔ اس نے فائر کر دیا۔ کاشی نے دوسرا فائر کیا جو فہد کے لگ گیا۔ سراج نے اس پر فائر کر دیا۔ وہ لوگ آناً فاناً جیپ میں بیٹھے اور پلٹ گئے۔ چلتی جیپ سے کاشی نے ایک اور فائر کر دیا اور بھاگ گئے۔ سراج کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے ان کے پیچھے جائے یا فہد کو سنبھالے۔ فہد نے حال ہو رہا تھا۔ سراج جلدی سے فہد پر جھک گیا، جو کرب ناک چہرے سے اس کی طرف دیکھ کر کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن کہہ نہیں پایا۔ وہ بے ہوش ہو گیا۔ سراج نے جلدی سے اسے اٹھایا اور کار میں ڈال کے ہسپتال کی جانب چل پڑا۔ سراج نے جعفر کا اطلاع دے دی تھی۔ اس لئے سب ہسپتال پہنچ چکے تھے۔

فہد کو سٹریچر پر ڈال کر اندر لے جایا گیا۔ سب اس کے ساتھ تھے۔ مختلف راہداریوں سے ہوتے ہوئے آپریشن روم میں لے گئے۔ جہاں ملک نعیم کھڑا تھا۔ ڈاکٹر اسے فوراً اندر لے گئے۔

جعفر ہسپتال کے کمپاؤنڈ میں کھڑا اپنے سیل فون سے نمبر پش کر رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں مگر خود پر اس نے قابو پایا ہوا تھا۔ اس نے فون کان سے لگایا ہوا تھا کہ دوسری طرف رابطہ ہو جائے۔

محمود سلیم اپنے ڈرائنگ روم میں ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ اس کا فون بجا تو اس نے ٹی وی اسکرین پر نگاہیں جمائے فون سنا۔

''بولو جعفر کیا حال ہے۔''

''انکل۔ فہد ہسپتال میں ہے اور.....'' جعفر نے بہت مشکل سے کہا تو محمود سلیم نے تشویش سے پوچھا

''کیا کہہ رہے ہو تم۔ کیا ہوا سے اور تمہارا لہجہ ایسے کیوں ہے۔''

جعفر نے محمود سلیم کو اختصار سے فہد کی حالت بارے بتا کر کہا۔

''اس کی حالت خطرے میں ہے۔ ایک بہت اچھا ڈاکٹر تو ہے یہاں پر۔ اور اس کا ٹریٹمنٹ بھی ٹھیک ہو رہا ہے بس وہ آنکھیں نہیں کھول رہا۔''

یہ کہتے ہوئے وہ رو دیا۔محمود سلیم خود روتے ہوئے بولا

''دیکھوتم میرے بہادر بیٹے ہو۔تم حوصلہ نہیں ہارنا۔میں ابھی یہاں سے نکلتا ہوں۔میں آرہا ہوں بیٹا تم حوصلہ رکھواور رب سے دعا کرو، میں آرہا ہوں۔''

یہ کہتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔جعفر نے اپنی آنکھیں صاف کرتے ہوئے فون بند کر دیا۔

آپریشن تھیٹر کے اندر فہد ایک بیڈ پر بے ہوش پڑا تھا۔ڈاکٹر اس کا آپریشن کر رہا تھا۔نرسیں اس کی مدد کر رہی تھیں۔اس نے ایک بلٹ نکال کر رکھی پھر دوسری بلٹ بھی نکال دی۔

ہسپتال کے اندر آپریشن تھیٹر کے باہر سلمٰی، مائرہ، جعفر، ملک نعیم اور سراج سب کھڑے تھے۔سب پریشان تھے۔تبھی ڈاکٹر باہر آیا،اس کا چہرہ افسردہ تھا۔ملک نعیم نے آگے بڑھ کر پوچھا

''ڈاکٹر۔کیا حال ہے فہد کا؟''

''دیکھیں۔آپ خود سمجھ دار ہیں۔اسے دو گولیاں لگی ہیں۔وہ میں نے نکال تو دی ہیں۔لیکن ان کا اثر تو ہے۔خون بہت بہہ گیا ہے۔اگلے چوبیس گھنٹے بہت اہم ہیں۔آپ سب دعا کریں۔''ڈاکٹر نے کہا تو جعفر نے پوچھا

''خطرے والی بات؟''

''ہے، میں سو فیصد اسے خطرے سے باہر نہیں کہہ سکتا۔آپ دعا کریں۔ہم پوری کوشش کر رہے ہیں۔''ڈاکٹر یہ کہہ کر وہ آگے کی جانب چل دیا۔سلمٰی کے آنسو بہہ نکلے۔مائرہ خود پر قابو پانے کی کوشش میں تھی۔

صبح کا سورج ابھی طلوع نہیں ہوا تھا۔ماسٹر دین محمد جائے نماز پر بیٹھا دعا کر رہا تھا۔اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔وہ زیر لب دعا مانگ رہا تھا

''اے وحدہٗ لاشریک، میرے مالک۔!فہد کی زندگی دے دے۔تو جانتا ہے کہ وہ صرف اپنے لیئے نہیں جی رہا۔کتنے لوگ اس سے وابستہ ہیں۔وہ سب مایوس ہو جائیں گے۔میں تیری رحمت سے مایوس نہیں ہوں میرے پروردگار۔!اس سے کتنے لوگوں کی امیدیں بندھی ہوئی ہیں۔اسے صحت دے دے میرے مالک زندگی اور موت تیرے ہی ہاتھ میں ہے، زندگی دے دے، میرے مالک۔''

وہ پھر رونے لگا۔صفیہ اس کے قریب آئی اور نرمی سے بولی

''ماسٹر جی۔!آپ رات پچھلے پہر سے یہاں بیٹھے ہیں۔اٹھ جائیں۔میرا دل کہتا ہے اسے کچھ نہیں ہوگا۔''

''ہاں تو بھی دعا کر۔اور جا اپنے بچوں کو کھانا دے۔وہ بے چارے بھوکے ہوں گے۔میں اٹھ جاتا ہوں۔''یہ کہہ کر وہ اٹھنے لگا تو صفیہ نے اسے سہارا دے کر دالان میں پڑی چارپائی پر بیٹھا کر چل گئی۔ماسٹر دین محمد نے بڑی بے چارگی سے آسمان کی جانب دیکھا اور پھر آنکھیں بند کر کے رونے لگا۔

قسمت نگر کے ہر گھر میں یہ اطلاع پہنچ چکی تھی کہ فہد پر قاتلانہ حملہ ہو گیا ہے۔ سبھی سمجھ رہے تھے کہ یہ کس کا کام ہو سکتا ہے، لیکن زبان سے کوئی بھی اظہار نہیں کر رہا تھا۔ چوراہے میں چاچا سوہنا، حنیف دوکاندار اور ایک شخص تشویش ناک انداز میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

حنیف دوکاندار نے کہا

''اُو چاچا سنا ہے۔ فہد ہسپتال میں اپنی آخری سانسوں پر ہے۔''

''اللہ نہ کرے وہ آخری سانسوں پر ہو۔ کچھ تو اچھا بول۔'' چاچا سوہنا دکھ سے بولا تو ایک شخص نے کہا ''چاچا۔! گاؤں سے کتنے ہی لوگ شہر کے ہسپتال سے ہو کر آئے ہیں۔ وہ یہی بتاتے ہیں کہ اب فہد کی امید نہیں ہے۔''

''یہ تو بہت برا ہوا ہے یار اب تو الیکشن والی بات ہی سمجھ ختم ہے۔ وہ نہ رہا تو کس نے مقابلہ کرنا ہے۔'' حنیف دوکاندار نے کہا تو وہ شخص بولا

''پر یہ کیا کس نے ہے، یہ کوئی پتہ چلا؟''

''ہم تو کہہ نہیں سکتے، ظاہر ہے اس کے کوئی مخالف ہی ہوگا۔ ساری بنی بنائی کھیڈ ختم ہو کر رہ گئی ہے۔''

''اچھا چل یار۔ ہم کیا کر سکتے ہیں۔'' وہ شخص کہہ کر چل دیا۔ چاچے سوہنے نے آسمان کی جانب دیکھا اور پھر اُٹھ کر مسجد کی طرف چلا گیا۔

ہسپتال میں وہ سب آئی سی یو کے باہر کھڑے تھے۔ سب غمگین تھے۔ فہد بیڈ پر پڑا تھا۔ نرس اس کے پاس کھڑی تھی جب اس نے آنکھیں کھولیں۔ فہد کو دھندلا دھندلا دکھائی دے رہا تھا۔ نرس ڈاکٹر کو بلانے دوڑی۔ سب اس کے پاس جمع ہو گئے۔ فہد نے اُکھڑی سانسوں سے کچھ کہنا چاہا لیکن کہہ نہیں پایا۔ پھر بڑی مشکل سے دھیمی آواز میں بولا

''میں کہاں ہوں؟''

''تم ہسپتال میں ہو، سراج بروقت تمہیں یہاں لے آیا تھا۔ دو گولیاں لگی تھی۔ لیکن اب خطرے سے باہر ہو۔'' مائرہ نے تیزی سے بتایا تو فہد بولا

''اور تم سب یہاں ہو؟''

''تجھے چھوڑ کر کہاں جاتے تم زندگی اور موت کے......'' جعفر نے کہنا چاہا تو وہ بات کاٹتے ہوئے بولا

''نہیں۔! مجھے چھوڑو، الیکشن کمپین زندگی اور موت کا مسئلہ ہے، تم لوگ کمپین چھوڑ کر یہاں کیا کر رہے ہو؟''

''عجیب آدمی ہو تم۔ تمہیں ہوش نہیں اور......'' جعفر نے کہا تو فہد بولا

''ڈاکٹر مجھے دیکھنے کے لیے یہاں ہیں نا۔ یہ نازک وقت ہے کمپین کے لیے۔ مخالف تو یہی چاہتے تھے کہ تم لوگ اپنی توجہ ...... جاؤ پلیز۔''

"جب تک آپ ٹھیک نہیں ہو جاتے۔ ہم آپ کو کیسے چھوڑ کر جا سکتے ہیں۔"

سلمیٰ نے نرمی سے کہا تو فہد مایوسی سے بولا

"یعنی میرا مقصد ناکام ہو گیا۔ ہاں اب مجھے مر جانا چاہئے۔"

یہ کہہ کر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے چہرے پر کرب پھیل گیا تھا۔ سلمیٰ نے اسے دیکھا اور تڑپ کر بولی

"نہیں، آپ کو کچھ نہیں ہوگا۔ آپ کا مقصد پورا ہوگا۔ میں ابھی اور اسی وقت جا رہی ہوں، آپ بس ٹھیک ہو جائیں۔ بس ایک بار آنکھیں کھول کر دیکھ لو۔"

سلمیٰ کے یوں کہنے پر فہد نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا تو فوراً پلٹ گئی۔ مائرہ چند لمحے سوچتی رہی پھر وہ بھی پلٹ گئی۔ جعفر نے اپنی آنکھوں سے آنسو صاف کیئے اور پلٹا تو ملک نعیم نے اس کا کاندھا تھپتھپایا اور باہر کی جانب چل دیا۔ سراج بھی چلا گیا تو فہد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔ وہاں فقط چھاکا رہ گیا جو اس کے ساتھ لگ کر رونے لگا۔

وہ پانچوں ہسپتال کے کاریڈور میں تیزی سے واپس یوں جا رہے تھے جیسے کوئی بہت بڑی مہم سر کرنے جا رہے ہوں۔ جس وقت وہ جا رہے تھے، اسی وقت ہسپتال کے باہر کار آ کر رکی۔ اس میں سے محمود سلیم اترا آیا۔

فہد آنکھیں بند کیے پڑا تھا۔ چھاکا اس کے پاس اداس بیٹھا ہے۔ اتنے میں محمود سلیم اندر آ گیا اور بڑے جذباتی انداز میں فہد کو دیکھا، بڑے پیار سے اس کا سر سہلایا تو فہد نے آنکھیں کھول کر خوشگوار حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے بولا

"پاپا آپ۔!"

"ہاں بیٹا میں، ابھی پہنچا ہوں۔ کیسا محسوس کر رہے ہو؟"

"میں بالکل ٹھیک ہوں پاپا۔ آپ بالکل فکر نہ کریں۔ بس ایک دو دن میں یہاں سے چلے جائیں گے۔ آپ نے ذرا سا بھی پریشان نہیں ہونا۔" فہد نے کراہتے ہوئے کہا تو محمود سلیم نے اداس مسکراہٹ سے اسے دیکھ کر کہا

"میں جانتا ہوں بیٹا، اللہ کرے ایسا ہی ہو، اب میں آ گیا ہوں نا، سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"ہاں پاپا آپ بیٹھیں نا میرے پاس۔"

وہ اس کے قریب بیٹھ گیا تو چھاکے کی طرف دیکھ کر پوچھا

"یہ کون ہے؟"

اس سے پہلے کہ فہد کچھ کہتا وہ تیزی سے بولا

"میں چھاکا جی، چاچے سوہنے کا پتر، پورے علاقے میں میری دس پچھ ہے۔ فہد میرا بچپن کا یار ہے جی۔"

اس کے یوں کہنے پر فہد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی محمود سلیم نے اسے دیکھا اور کہا

"تم نے اس الیکشن مہم کے لیے بالکل نہیں گھبرانا۔ میں آ گیا ہوں۔ میں سب دیکھ لوں گا اب تم صرف اپنے آپ توجہ دو۔"

فہد اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔

سلمٰی شعلہ جوالا بن چکی تھی۔ وہ سارے علاقے میں پھر گئی۔ اس کے ساتھ مائرہ تھی۔ وہ تقریر یہ کرتی گویا آگ لگا دیتی۔ کسی کے گمان میں بھی نہیں رہا کہ یہ وہی چھوٹی موئی سی لڑکی ہے جو خوف زدہ گھر میں بند رہتی تھی۔ جعفر نے انہیں ہر طرح کا تحفظ دیا تھا۔ ملک نعیم نے پورے علاقے میں اپنے آدمیوں سے الیکشن مہم کا جاری رکھا ہوا تھا۔ سراج نے سب سنبھال لیا تھا۔ یہاں تک کہ الیکشن کا دن آ گیا۔

فہد ہسپتال میں آنکھیں بند کیے پڑا تھا۔ ڈاکٹر اور نرس آئے۔ نرس بلڈ پریشر وغیرہ چیک کرنے لگ گئی تو ڈاکٹر نے خوش دلی سے پوچھا

"کہیے فہد صاحب۔! کیسا محسوس کر رہے ہیں آپ؟"

"میں ٹھیک ہوں اور آج آپ مجھے ڈسچارج کر دیں۔ آج مجھے جانا ہے۔" فہد نے تیزی سے کہا تو ڈاکٹر نے پریشانی سے پوچھا

"آج، وہ کیوں، ابھی تو چند دن مزید لگیں گے، ابھی آپ پوری طرح تندرست نہیں ہوئے۔"

"لیکن آج مجھے جانا ہے ڈاکٹر، آج ووٹ ڈالے جا رہے ہیں۔ اور میرا وہاں ہونا بہت ضروری ہے، آپ سمجھیں ڈاکٹر۔ مجھے اپنا ووٹ کاسٹ کرنا ہے۔"

"ٹھیک ہے، اگر آپ جانا چاہتے ہیں تو، لیکن اگر طبیعت خراب ہو تو فوراً یہاں آ جائیں۔ ورنہ پھر سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔" ڈاکٹر نے کہا تو فہد جلدی سے بولا

"میں آ جاؤں گا۔"

"میں ابھی آپ کو بھیج دیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر ڈاکٹر نے چارٹ پر لکھا اور آگے بڑھ گیا۔ تبھی فہد نے چھاکے سے کہا

"دیکھ کیا رہے ہو۔ سامان اکٹھا کرو اور گاڑی منگواؤ، ہمیں گاؤں جانا ہے۔"

چھاکے کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔ وہ شدتِ جذبات سے بول نہیں سکا، بلکہ سیل فون پر نمبر ملاتے ہوئے آنسو صاف کرنے لگا۔

رات کے وقت سلمٰی کا آفس کے سامنے لوگ جمع تھے۔ ایسے میں گاڑی آ کر رکی اور اس میں سے فہد نکلا۔ مائرہ اور سلمٰی دونوں آگے بڑھیں اور اسے سہارا دیا۔ سلمٰی ایک طرف تھی اور مائرہ دوسری جانب۔ تبھی فہد نے مسکراتے ہوئے کہا

"کتنا حسین سہارا ہے۔"

اس پر دونوں نے کچھ نہیں کہا فقط مسکرا کر رہ گئیں۔

وہ تینوں آفس میں تھے۔ فہد بہت بے چین اور نقاہت محسوس کر رہا تھا۔ تبھی مائرہ نے فون نکالتے ہوئے کہا

''بہت وقت ہو گیا۔ابھی تک رزلٹ نہیں آیا۔میں ملک نعیم کو فون کرتی ہوں۔''
''ابھی ٹھہرو۔!وہ خود فون کرے گا۔''فہد نے کہا تو سلمٰی بولی
''باہر دیکھو کتنا ہجوم ہے۔سب ہی رزلٹ سننے کے لیے آئے ہیں۔''
اتنے میں چھاکا نے اندر آ کر کہا
''سارے پولنگ اسٹیشنوں سے رزلٹ آ گیا ہے اور ہم جیت گئے ہیں۔''
''سلمٰی شدت سے رو پڑی۔فہد پر سکتہ سا طاری ہو گیا۔مائرہ نے خوشی سے سلمٰی کو گلے لگاتے ہوئے کہا
''واؤ''پھر والہانہ انداز میں فہد کے پاس جا کر بولی،''فہد تم جیت گئے ہو۔''
''نہیں۔ہم سب جیت گئے ہیں۔سلمٰی جیت گئی ہے،تم جیت گئی ہو،چھاکا،سراج،امین ارائیں،صفیہ،رانی سب جیت گئے ہیں۔''
''اوئے اب ہو گی،پورے علاقے میں ہماری دس پچھ۔''چھاکے نے نعرہ لگایا تو باہر بھی نعرے لگنے کی آوازیں آنے لگیں۔اتنے میں فون آ گیا۔
''مبارک ہو فہد۔!سلمٰی جیت گئی ہے،ہم دوسری چھوٹی سیٹ بھی جیت گئے ہیں۔اور انشاء اللہ بڑی بھی جیت جائیں گے۔بہت لیڈ ہے۔''
''آپ کو بھی مبارک ہو۔''فہد نے کہا
''نہیں یہ آپ کی کامیابی ہے،اور ہاں،ذرا دھیان سے چوہدری کچھ بھی ردعمل دکھا سکتے ہیں۔
''اب میں دیکھ لوں گا۔'فہد نے دانت پیستے ہوئے کہا اور فون بند کر دیا۔مائرہ اس کے پاس آ کر بڑے جذباتی انداز میں بولی
''تم سچ کہتے تھے۔انسان کے پاس اگر حوصلہ ہو تو ہو کیا نہیں کر سکتا۔''
فہد کچھ نہیں بولا بلکہ دونوں ہاتھوں کو یوں کھول دیا جیسے دونوں کا سہارا چاہ رہا ہو۔سلمٰی اور مائرہ نے اسے سہارا دیا اور آفس نے نکلتے چلے گئے۔

✿......✿......✿

رات کا دوسرا پہر چل رہا تھا۔جعفر اپنے آفس تھا اور نور پور کے تھانیدار نے اندر آ کر سلیوٹ کیا اور بولا۔
''جی سر۔''
جعفر نے انتہائی تضحیک سے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا اور کہا
''اچھا کیا تم فوراً آ گئے ہو ورنہ میں تجھے......خیر،کیا اب بھی تمہاری ہمدردیاں چوہدریوں کے ساتھ ہے اور پھر تم انہی کی غلامی کرنا چاہتے ہو؟''

تبھی تھانیدار ہاتھ باندھ کر بولا

”سرجی میں نے نوکری کرنی ہے۔ وہ اس علاقے میں طاقتور تھے۔ آپ کو پتہ ہے وہ سر پر ہاتھ رکھتے تھے، اس لیے کرنا پڑتا تھا سرجی۔“

”بکواس کرتے ہو تم۔ تم اپنا فرض نہیں نبھاتے رہے ہو۔ چند ٹکوں کی خاطر اپنا ایمان فروخت کرتے رہے ہو۔ تمہیں پتہ ہے تم نے کتنا ظلم کیا ہے۔ اگر اس کا ازالہ کرنے لگو تو تیری ساری عمر بھی کم ہے۔ تم مرنے کو ترسو مگر تجھے موت نہ آئے۔ بولو کیا کروں تیرے ساتھ اپنی سزا خود ہی تجویز کر لو۔“ جعفر نے انتہائی غصے میں کہا

”ایسا ہی ہے سرجی میں بہت گنہ گار ہوں۔ ایک بار معاف کر دیں۔“

وہ لجالت سے بولا تو جعفر نے نرم پڑتے ہوئے کہا

”معافی تجھے صرف ایک صورت میں مل سکتی ہے۔ اگر تم اس بندے کو گرفتار کر کے لاؤ جس نے فہد پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ کیونکہ مجھے پکی خبر ہے تو اس کے بارے میں جانتا ہے۔ چوہدری کبیر کو میں خود لے کر آؤں گا۔“

”جی میں اس کے بارے میں جانتا ہوں۔ مجھے بس ایک دن دیں۔ میں اسے زندہ یا مردہ آپ کے سامنے پیش کر دوں گا۔“ اس نے حتمی لہجے میں یقین دلاتے ہوئے کہا تو جعفر بولا

”دیکھ لو، اپنے لفظوں پر غور کر لو۔ ورنہ جو کچھ میں نے تیرے بارے میں سوچا ہوا ہے، اس پر عمل نہ کر دوں۔“

”بس ایک موقع سرجی۔“ اس نے منت بھرے انداز میں کہا تو اسنے ایک دم کہا

”چلو تمہیں ایک موقع دیا کل شام تک۔“

یہ سنتے ہی تھانیدار نے فوراً سلیوٹ مارتے ہوئے کہا

تھینک یو سر جی اب اجازت دیں۔ لحہ لحہ قیمتی ہے۔“

جعفر نے سر کے اشارے سے جانے کو کہا تو۔ وہ مڑا اور چلا گیا۔ جعفر مسکرا کر رہ گیا۔ اسے تھانیدار پر اعتماد نہیں تھا، اس نے اپنی فیلڈنگ لگا رکھی تھی۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

رات گہری ہو چکی تھی۔ چوہدری جلال کاریڈور میں مضطرب انداز سے ٹہل رہا تھا۔ بشریٰ بیگم نے اس کے قریب آ کر کہا

”چوہدری صاحب۔! میں مانتی ہوں کہ آپ اس الیکشن میں بہت مصروف رہے ہیں۔ اب تو ووٹ بھی پڑ چکے، آپ اتنے پریشان ہیں۔ پتہ ہے آپ نے شام سے کچھ بھی نہیں کھایا پیا۔ آئیں کھانا کھا لیں۔“

”ووٹوں کی گنتی شروع ہو چکی ہے۔ کچھ دیر میں حتمی رزلٹ آ جائے گا۔ میں وہ سن کر ہی.....“ وہ کہتے ہوئے خاموش ہو گیا۔

”پتہ نہیں کب آئے گا رزلٹ، وقت لگے گا، جو ہو گا وہ سامنے آ جائے گا، آپ پریشان نہ ہوں۔“ بشریٰ بیگم نے کہا تو چوہدری جلال بولا

''بیگم پہلی بار جیتنے کے لیے اتنی محنت کرنی پڑی ہے۔ پتہ نہیں کیسے کیسے لوگوں سے ملنا پڑا،کیسی کیسی بستیوں میں جانا پڑا، سیاست میں سب سے مشکل مرحلہ یہی ہے۔''

''کبیر ہے نا ڈیرے پر وہ......''بشریٰ بیگم کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ اتنے میں فون بجا۔ چوہدری نے جلدی سے فون ریسو کیا۔اس کے ساتھ ہی اس کے چہرے کے نقوش بگڑ گئے۔ بشریٰ بیگم نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ پوچھا

''کیا ہوا؟''

''ہم ہار گئے بیگم۔ لیکن نہیں۔ میں نہیں ہاروں گا میں نے ہمیشہ جیت دیکھی ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔''چوہدری جلال نے غصے میں خود پر قابو پاتے ہوئے کہا تو

بشریٰ بیگم جلدی سے بولیں

''آپ آئیں۔! بیٹھیں۔ ابھی گنتی......''

''ہو چکی ہے، میں بھی ہار گیا ہوں اور کبیر بھی۔''چوہدری جلال نے مشکل سے کہا اور دونوں افسردگی میں خاموش ہو گئے۔ کچھ دیر بعد بشریٰ بیگم اسے اٹھا کر اندر لے گئی۔

دونوں بیڈ روم میں تھے۔ بشریٰ بیگم نے دھیمے سے پوچھا

''کیا سوچ رہے ہیں آپ؟''

''پہلی بار شکست کھائی ہے نا۔ جسے نہ دل مانتا ہے اور نہ ذہن۔ یہ سب کچھ فہد کی وجہ سے ہوا ہے۔ اب میں جو اس کے ساتھ کروں گا نا۔ وہ دنیا دیکھے گی۔ پھر کسے جرات نہیں ہوگی۔ ہمارا سامنا کرنے کی۔'' چوہدری جلال نے دانت پیستے ہوئے کہا تو بشریٰ بیگم بولی

''چوہدری صاحب۔! یہ سیاست ہے۔ اس میں ہار جیت تو ہوتی ہی رہتی ہے۔ اسے دل پر کیوں لگاتے ہیں۔ اسے اپنی انا کا مسئلہ نہ بنائیں۔ اگر یہ سب فہد کی وجہ سے ہوا ہے تو سوچیں اس نے لوگوں کے دل کیسے جیتے۔ وہ کیسے کامیاب ہو گیا۔''

''یہ تو وقت بتائے گا نا کہ یہ جیت اُسے کتنی مہنگی پڑتی ہے۔ اسے شاید یہ علم نہیں کہ وہ سیاست کرتے کرتے عداوت بنا بیٹھا ہے۔ اور وہ بھی میرے ہی علاقے میں۔''چوہدری جلال نے نفرت سے کہا

''جب آپ کے پاس طاقت تھی، تب وہ جیت گیا۔ اب تو آپ کے پاس کوئی طاقت نہیں۔ ذرا سوچیں؟''

''بس۔ بیگم بس۔ مجھے یہ مشورے مت دو کہ اس کے آگے سر جھکا دوں۔ جنہیں آج تک میں نے اپنی جوتی کے برابر سمجھا ہے۔ تم کیا سمجھتی ہو ہم صرف حکومتی طاقتوں کے بل بوتے پر یہاں حکمرانی کر رہے ہیں نہیں ایسا نہیں ہے۔''چوہدری جلال نے غرور سے کہا تو بشریٰ بیگم تحمل سے بولی

''آپ جو مرضی کریں، یہ آپ کو اختیار ہے۔ لیکن آپ میری ایک بات ضرور مان لیں۔ خدا کے لیے۔ کبیر کو یہاں نہ رہنے

دیں اسے باہر کسی بھی ملک بھجوا دیں۔ یہ وقت ٹل جائے تو ہم اسے بلا لیں گے۔''

''نہیں بیگم۔! اب اگر اسے یہاں سے بھیجا تو پورے علاقے میں یہی کہا جائے گا کہ میں نے اسے فہد کے ڈر سے بھگا دیا اور پھر ان حالات میں تو مجھے اس کی زیادہ ضرورت ہے۔ وہ یہیں رہے گا اور ان کمیوں کا مقابلہ کرے گا۔'' اس نے سوچتے ہوئے کہا تو بشریٰ بیگم بولی

''سوچ لیں چوہدری صاحب۔! وقت ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے۔''

''اب وقت ہی کو تو اپنے ہاتھ میں کرنا ہے۔ انہیں ہی نہیں، عوام کو بھی بتانا ہے کہ حکمرانی کون کر سکتا ہے۔'' چوہدری جلال نے نخوت سے کہا

''وہ تو ٹھیک ہے، لیکن کبیر؟'' بشریٰ بیگم نے اشارے میں کہا تو چوہدری جلال بولا

''بس بیگم۔! اب زیادہ بحث نہیں کرو۔''

یہ کہہ کر وہ بیڈ پر لیٹ گیا اور آنکھیں بند لیں۔ بشریٰ بیگم اسے دیکھ کر سوچ رہی تھی کہ جیسے چوہدری جلال بھی وقت سے آنکھیں بند کیئے ہوئے ہے۔

✿......✿......✿
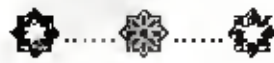
نئے دن کا سورج طلوع ہونے کو تھا۔ قسمت نگر میں زندگی جاگ اٹھی تھی۔ فہد بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ سلمٰی اس کے لیے چائے لے کر آگئی۔ وہ اٹھ کر بیٹھا تو سلمٰی اسے کپ تھما کر اس کے پاس بیٹھ گئی۔ پھر اس کے چہرے پر دیکھ کر بولی

''فہد۔! میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ہمارے حالات یوں پلٹ جائیں گے۔ ان ظالموں سے چھٹکارا بھی مل سکتا ہے۔ اور میرے ہاتھوں ان کی مات ہوگی۔''

فہد نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا

''تم بہت اچھی لگ رہی ہو۔ پہلے سے زیادہ خوبصورت۔''

''میں کچھ اور کہہ رہی ہوں اور آپ کوئی اور جواب دے رہے ہیں۔ کیا آپ مجھے بنا رہے ہیں؟''

سلمٰی نے حیرت سے کہا تو فہد پرسکون انداز سے بولا

''نہیں، قدرت نے تمہیں اتنا مکمل اور خوبصورت بنا دیا ہے کہ مجھے بنانے کی کیا ضرورت ہے۔ خوشی ہے کہ تمہارے اندر بہت بڑی تبدیلی آچکی ہے۔''

''میں شاید کچھ بھی نہیں رہی۔ میری ذات کی نفی ہوگئی ہے۔ اب تو بس آپ ہی آپ ہو۔ فہد۔ میں وہ وقت یاد کر کے بڑا عجیب محسوس کرتی ہوں جب آپ نے مجھے خواب دیکھنے کا کہا تھا۔'' سلمٰی یاد کرتے ہوئے بولی

''ابھی تو آدھے خواب پورے ہوئے ہیں۔ میرے خواب میں صرف تم اور میں نہیں، بہت سارے لوگ شامل ہیں۔ ہم نے جو

نعرے لگائے، تقریریں کیں۔ یہ فرضی، جھوٹی اور الیکشن جیتنے کے لیے نہیں کیں۔ ان پر عمل کر کے ہی ہم اپنے خواب کا سفر طے کریں گے۔“ فہد نے گہری سنجیدگی سے کہا

”آپ ساتھ ہیں نا میں خوابوں کے ہر جزیرے کو فتح کرلوں گی۔“ وہ محبت آمیز لہجے میں بولی

”میں تمہارے ساتھ ہوں۔“ فہد نے پراعتماد لہجے میں کہا

”یقین جائیں۔ پھر وقت بھی ہمارے ساتھ ہوگا۔ آپ چائے پئیں ٹھنڈی ہو جائے گی۔ میں ناشتہ بنالوں۔ پھر باہر بیٹھ کر بھی ناشتہ کرتے ہیں۔“ اس نے کہا تو وہ ہاں میں سر ہلاتے ہوئے چائے پینے لگا۔ وہ اٹھ کر باہر چلی گئی۔

صبح کا سورج چڑھ آیا تھا۔ ماسٹر دین محمد، مائرہ، سلمیٰ، صفیہ اور فہد بھی صحن میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ ان سب کے چہرے دمک رہے تھے۔ ایسے میں مائرہ نے کہا

”ساری رات گذر گئی، ذرا سا بھی آرام کرنے کا موقعہ نہیں ملا، جیت کی خوشی اتنی ہے کہ نیند اب بھی نہیں آرہی ہے۔“

”پتر۔ یہ کامیابی تم لوگوں کے حوصلے، یقین اور محنت کی وجہ سے ملی۔ یہ خوشی، فطری ہے، لیکن یہ کوئی منزل تو نہیں ہے۔ اصل امتحان تو اب شروع ہونا ہے۔ جس میں تم ایمانداری سے کامیاب ہو جاؤ۔ اصل کامیابی تو لوگوں کا دل جیت لینے میں ہے نا۔“ ماسٹر دین محمد نے کہا

”ہاں یہ دل۔“ مائرہ کہتے کہتے مسکرا دی۔ ”خیر۔! گھر کے باہر سرکاری گاڑیاں آ گئی ہیں۔ پتہ ہے کیوں۔ پورے ملک میں ہماری سیاسی پارٹی جیت گئی ہے۔ حکومت کی ڈوریں اب اسی سیاسی جماعت کے ہاتھوں میں ہوں گی۔“

”فہد، تم کچھ نہیں بول رہے ہو۔ خاموش کیوں ہو؟“ ماسٹر دین محمد نے پوچھا تو وہ بولا

”میں اس امتحان بارے میں سوچ رہا ہوں، جس سے اب گذرنا ہے، سلمیٰ اس سے گذر بھی پائے گی یا نہیں۔“

”مائرہ ہے نا میرے ساتھ، جس طرح یہ کامیابی حاصل کرلی ہے۔ اسی طرح وہ کامیابی بھی مل جائے گی۔“ سلمیٰ نے مائرہ کی طرف دیکھ کر کہا تو ماسٹر دین محمد بولا

”یہ باتیں تو ہوتی رہیں گی۔ تم لوگ تھوڑا آرام کرلو۔“

”ابھی آرام نہیں ہے انکل۔ ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔“ مائرہ نے بڑے گھمبیر لہجے میں کہا تو فہد نے چونکتے ہوئے پوچھا

”کیا کرنا باقی ہے؟“

”بتاؤں گی۔ بہت جلد بتاؤں گی۔“ یہ کہہ وہ نارمل ہوتے ہوئے بولی۔ ”آپ لوگ چائے ختم کرو تو سلمیٰ کے آفس جائیں وہاں بہت سارے لوگ آئے ہوئے ہیں۔“

یہ کہہ کر وہ جلدی جلدی چائے پینے لگی۔

مائرہ ابھی سلمیٰ کے آفس پہنچی ہی تھی کہ جعفر کا فون آ گیا۔ وہ قسمت نگر سے باہر اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے سراج سے کہا اور

اپنی گاڑی میں وہاں چلی گئی۔ کھیتوں کے پاس سڑک کنارے جعفر سادہ لباس میں کھڑا تھا۔ اس کے پاس سراج تھا۔

کچھ دیر بعد وہ تینوں کھیتوں کے کنارے سڑک پر کھڑے تھے۔ سراج ان کے ساتھ تھا۔ مائرہ نے رک کر اس سے پوچھا۔

''یہی وہ جگہ ہے، جہاں فہد فیکٹریاں لگانا چاہ رہا ہے۔''

''جی، یہی جگہ ہے۔''

''جگہ تو مناسب ہے۔'' یہ کہہ کر وہ اپنے سیل فون سے اس جگہ کی ویڈیو بنانے لگی۔ پھر اس سے پوچھا ''سراج بھائی آپ کا کیا خیال ہے۔ یہاں فیکٹری لگ جانے سے یہاں کے عوام کو کتنا فائدہ ہوگا۔''

''فائدہ ہی فائدہ ہے۔ بے روزگاروں کو اور ان لوگوں کو جو چوہدریوں کے کمی ہیں'' سراج نے کہا تو مائرہ سوچتے ہوئے بولی

''چلو چلتے ہیں۔''

وہ سراج کے ساتھ پلٹ کر گاڑی تک گئی۔ سراج واپس پلٹ گیا تو جعفر نے پوچھا

''مائرہ، الیکشن ہو چکا، حکومتیں بننے، حلف اٹھانے میں تو کئی دن لگ جائیں گے۔ کب واپس جانا ہے تم نے؟''

''کیوں اتنی جلدی اکتا گئے ہو مجھ سے۔'' مائرہ نے خوشگوار لہجے میں کہا تو جعفر بولا

''میں اور تم سے اکتا جاؤں بلکہ مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے۔ کاش تم اسی طرح میرے ساتھ زندگی کی راہوں پر چلو'' وہ مسکراتے ہوئے بولا

''سیدھے کیوں نہیں کہتے کہ تم یہاں سے اب جانا چاہ رہے ہو۔'' مائرہ نے کہا

''اور تم سیدھا جواب کیوں نہیں دیتی ہو کہ یہاں پر کیوں پڑی ہوئی ہو۔ میرے ساتھ چلو نانور پور، وہاں کچھ دن رہو میرے ساتھ۔ وہاں بھی تو......''

''مجھے بھی معلوم ہے آج ہی چلتے ہیں، آؤ چلیں۔''

یہ کہہ کر وہ گاڑی کی جانب بڑھی تو جعفر بھی چل دیا۔

سراج اپنی بائیک پر چوراہے میں آیا تو چاچا سوہنا، حنیف دوکاندار کے ساتھ اور کئی لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ سب خوش تھے ۔ باتیں کر رہے ہیں۔ سراج اپنی بائیک سے اتر کر ان کے پاس گیا، ہاتھ ملاتا ہوا ان میں بیٹھ گیا تو حنیف دوکاندار نے کہا

''یہ تو انقلاب آ گیا یار۔ چوہدریوں کو اس قدر شکست ہوئی، سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ یہ فہد نے کیا جادو کر دیا ہے۔ سمجھ نہیں آ رہی۔''

''انقلاب جادو ٹونے سے نہیں آتے، ہمت، حوصلے اور یقین سے آتے ہیں۔ عوامی شعور سے آتے ہیں۔ تمہیں سمجھ اس لیے نہیں آ رہی ہے کہ تمہیں عوام کی قوت کا اندازہ ہی نہیں ہے۔ عوام ہی ایسی قوت ہیں جو ظالموں کو بے بس کر کے رکھ دیتی ہے۔'' سراج نے کہا تو ایک آدمی ہنستے ہوئے بولا

"تم تو اچھی بھلی تقریر کرنے لگ گئے ہو یار۔"

"آخر فہد کا اثر جو ہے۔ اس نے ایک عام سی لڑکی کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا۔ انہیں کیا پتہ سراج، آزاد فضاؤں میں سانس لینا کیسا ہوتا ہے۔ ابھی انہیں آزاد اور صاف فضا میں سانس لینے کا موقعہ ہی کہاں ملا ہے۔ وقت لگے گا۔ پھر انہیں ساری عقل سمجھ آ جائے گی۔" چاچا سوہنا حسرت سے بولا تو سراج نے کہا

"تم نے نہ سہی چاچا، ہم نے نہ سہی لیکن آنے والی نسلیں تو صاف اور آزاد فضا میں سانس لیں گی نا۔"

"یہ ہوتا ہے اصل بدلہ۔ چوہدریوں کی وہ رگ ہی کاٹ دی، جس کی وجہ سے وہ ظلم کرتے تھے۔ پتر ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ یہ سارا علاقہ اب تم لوگوں کے ساتھ ہے۔" چاچے سوہنے نے جذباتی ہوتے ہوئے کہا تو سراج اٹھ گیا۔

❀ ..... ❀ ..... ❀

حویلی کے ڈرائنگ روم میں چوہدری جلال اور منشی کے ساتھ تھانیدار بیٹھا ہوا تھا اور ان میں بات جاری تھی۔

"چوہدری صاحب۔! آپ انکار کر دیں تو یہ الگ بات ہے۔ ورنہ جس بندے نے فہد پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ اسے یہاں دیکھا گیا ہے۔ وہ آپ کی الیکشن مہم میں آپ کے ساتھ تھا۔ اس کا ثبوت، فوٹو اور ویڈیو کلپس کی صورت میں ہمارے پاس پہنچ چکے ہیں۔ مدعی بھی اسے پہچان چکے ہیں۔ آپ اپنی ساکھ بچائیں اور قانون کا ساتھ دیتے ہوئے اسے ہمارے حوالے کر دیں۔"

تھانیدار نے منت بھرے لہجے میں کہا تو چوہدری جلال مسکراتے ہوئے بولا

"حکومت کیا بدلی، تم لوگ کیا سمجھتے ہیں کہ ہماری ساکھ تباہ ہو جائے گی۔ ہم سدا بہار ہیں اور رہیں گے۔ باقی جہاں گڑ ہوتا ہے نا۔ وہاں ہزاروں مکھیاں بھنبھناتی ہیں۔ گڑ ختم، مکھیاں غائب، اب میں کسے کہاں تلاش کرو۔ یہ تم لوگوں کا کام ہے۔"

"دیکھیں۔ آپ اب تعاون کریں۔ میں سرکاری ملازم ہوں، سرکار ناراض ہو گئی تو میری نوکری چلی جائے گی۔" تھانیدار لجالت سے بولا

"مگر میں اسے کہاں سے لاؤں۔ جس کا ذکر تم کر رہے ہیں۔ رات گئی، بات گئی، دو چار چھاپے مارو، روزنامچہ کالا کرو، اسے اشتہاری قرار دے کر فائل بند کر دو۔ اب یہ بھی سبق مجھے پڑھانا پڑے گا۔ پہلے ہی تمہاری وجہ سے میرے بیٹے کبیر کا معاملہ بھی لٹک گیا ہے۔" چوہدری جلال نے ناراضگی سے کہا تو تھانیدار بولا

"ناں چوہدری صاحب۔! ناں، میں نے اپنے اختیارات سے کہیں زیادہ نکے چوہدری کو تحفظ دیا اب ہماری وردی کسی کی قسمت سے تو نہیں لڑ سکتی نا۔"

"کہاں تحفظ دیا۔ وہ کیس تو عدالت میں ہے۔ تم تعاون کرتے تو سارا معاملہ تھانے ہی میں رفع دفع ہو گیا ہوتا۔ پھر کوئی نہ کوئی حل ضرور نکل آتا۔ اب جاؤ، سر نہ کھاؤ۔" چوہدری جلال نے اکتاتے ہوئے کہا تو تھانیدار نے پھر منت کرتے ہوئے کہا

''نہیں چوہدری صاحب ایسے نہیں کوئی نہ کوئی حل تو ہو۔ وہ بندہ مجھے چاہئے آپ کو معلوم بھی ہے کہ یہ پیچیدہ قانونی معاملہ ہے ۔اس وقت لوگوں کے جذبات بھڑکے ہوئے ہیں۔ حالات آپ کا ساتھ نہیں دے رہے ہیں۔ پھر بھی وہ بندہ آپ پولیس کے حوالے کرنے کو تیار نہیں۔ اسے دیں اور اپنی جان چھڑائیں۔''

''اس نے میرا کام کیا ہے۔ پولیس کے حوالے کر دیا تو میرا نام بک دے گا ڈوبتے ڈوبتے مجھے بھی لے ڈوبے گا۔'' چوہدری جلال نے اسے سمجھایا۔

''پھر کیا ہوگا۔ اتعاون کریں گے تو کچھ نہیں ہوگا۔ پولیس آپ کو گرفتار کرنے سے تو رہی۔ میں معاملہ ہی گول کر دوں گا۔ آپ کا کہیں نام نہیں آئے گا۔'' تھانیدار نے صلاح دی تو چوہدری جلال نے بھڑکتے ہوئے کہا

''یعنی سر جھکا دوں ابھی سے چھوڑ دو اور جاؤ اپنا کام کرو۔''

''میں تو اے ایس پی صاحب کے کہنے پر آپ کے پاس آیا تھا۔ لیکن۔ خیر میں چلتا ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے تھانیدار اٹھا اور ان سے ہاتھ ملا کر چل دیا۔ چوہدری اس کی طرف دیکھ کر دھیرے سے مسکرا دیا۔

رات کے پہلے پہر کے سناٹے میں چوہدری کے ڈیرے پر چوہدری کبیر اور کاشی باتیں کر رہے تھے۔ کاشی نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا

''میں نے تو اپنا کام کر دیا تھا۔ اب یہ اس کی قسمت ہے کہ ابھی اوپر والے نے اس کا ویزہ نہیں منظور کیا۔ چوہدری صاحب سے پوچھو، آگے کیا کرنا ہے، اسے ختم کروں یا پھر وہ مجھے یہاں سے نکالتے ہیں۔''

''میری اس معاملے میں بابا سے بات ہوئی تھی۔ وہ فی الحال اسے چھیڑنا نہیں چاہ رہے ہیں۔ آج رات تم جب چاہو چلے جانا تیری رقم تجھے مل گئی ہے۔'' چوہدری کبیر نے سکون سے کہا تو کاشی بولا

''ٹھیک ہے، میں آج رات ہی نکل جاؤں گا۔ تم چوہدری صاحب سے پوچھ لو۔''

''کاشی۔ اتمہیں نوٹوں کی ضرورت تو ہوگی۔ میں تمہیں ڈالر دوں گا۔ ایک کام کر دو میرا جاتے جاتے۔'' چوہدری کبیر نے حسرت آمیز لہجے میں کہا تو وہ بولا

''بولو، کیا کام ہے۔''

''سلمٰی نے اگر اسمبلی میں جا کر حلف اٹھا لیا تو سمجھ، ہمارا ہونا نہ ہونا برابر ہے اسے نہیں رہنا چاہئے۔'' چوہدری کبیر نے بے بسی سے کہا تو کاشی بولا

''وہ تو بہت آسان شکار ہے۔ کہو تو آج رات ہی پار کر دوں۔''

''جب تمہارا دل چاہے۔ نہ وہ ہوگی، نہ حلف اٹھائے گی۔ کام ہوتے ہی تمہیں ہمارے بندے لے کر نکل جائیں گے۔'' وہ

دانت پیستے ہوئے بولا تو کاشی نے اٹھتے ہوئے کہا

''تم اپنے بندے تیار رکھو میں آتا ہوں ابھی۔''

یہ کہہ کر اس نے اپنا پسٹل نکال کر چیک کیا اور اٹھ کر چل دیا۔

رات کے گہرے اندھیرے میں ڈیرے کے باہر پولیس وین آ کر رکی۔اس میں سے پولیس مین تیزی سے باہر نکل کر پھیل گئے۔ان کے جعفر اور اس کے پیچھے تھانیدار تھا۔اس کے ساتھ ہی چینل کی وین آ کے رکی۔اس میں سے مائرہ اور کیمرہ مین نکل کر وہ بھی پھیل گئے۔تبھی اندر سے ایک فائر ہوا تو باہر سے فائرنگ ہونے لگی۔اچانک ہی ان میں مقابلہ شروع ہو گیا۔کچھ پولیس والے زخمی ہوئے لیکن ڈیرے پر موجود کافی بندے خون میں لت پت پڑے تھے۔کیمرہ مین انہیں کور کر تھا۔پولیس والوں کی تعداد کہیں زیادہ تھی۔اس لئے چند منٹوں ہی میں ان پر قابو پا لیا۔اچانک تھانیدار اور کبیر ایک دوسرے کے سامنے آ گئے تو تھانیدار نے کہا

''خبردار کبیر اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر دو۔ورنہ گولی مار دوں گا۔''

''تم۔تم مجھے گولی مارو گے۔کل تک ہمارا کھانے والا آج ہمیں دھمکی دے رہا ہے۔چل مجھے یہاں سے باہر نکال۔تجھے مالا مال کر دوں گا۔'' کبیر نے حقارت سے کہا تو تھانیدار بولا

''نہیں چوہدری......اب تیرا کھیل ختم ہو گیا ہے......تجھے مرنا ہوگا۔ورنہ میں مر جاؤں گا......تیرے کھاتے میں قتل ہی بہت ہیں''

کبیر نے اسے شدید حیرت سے دیکھا۔لیکن تھانیدار نے لمحہ بھر بھی تاخیر نہیں کی۔اور اس پر فائر جھونک دیئے۔گولیاں کبیر کے لگیں تو وہ گرتا چلا گیا۔ایسے میں ایک فائر تھانیدار کے آ لگا۔اسے کاشی نے گولی ماری تھی۔کاشی گھبرا کر نکلنے کی کوشش کی تو پولیس والے نے اسے پکڑ لیا۔پھر پکڑ دھکڑ شروع ہو گئی۔کیمرہ مین کور کرتا رہا۔

چوہدری کی حالت انتہائی خستہ تھی۔قریب بیٹھی بشریٰ بیگم سکتے کی سی کیفیت میں تھی۔قریب ہی فون سیٹ کا ریسور ایک طرف پڑا ہوا تھا۔

''وقت بدل گیا تو سارا زمانہ ہی بدل گیا۔میں نے ایسا کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔'' چوہدری جلال نے انتہائی یاسیت سے کہا تو بشریٰ بیگم روتے ہوئے بولی

''میرا پتر۔تمہاری جھوٹی انا اور انتقام کی سیاست کی نذر ہو گیا۔تم میرے بچے کے قاتل ہو۔''

''نہیں بیگم نہیں، کبیر کو خدانخواستہ ایسا ویسا کچھ نہیں ہوا۔ اس کے صرف زخمی ہونے کی اطلاع ہے وہ ابھی زندہ ہے۔'' چوہدری جلال نے تڑپ کر کہا

''وہ زندہ بھی ہوا تو پولیس اسے مار دے گی۔'' بشریٰ بیگم نے پاگلوں کی طرح کہا اور ایک دم سے اٹھ کر باہر جانے کو لپکتی۔چوہدری جلال نے تیزی سے پوچھا

''کہاں جارہی ہو تم۔ تجھے ہو کیا گیا ہے؟''

''میرا بیٹا مر رہا ہے اور تم مجھ سے پوچھ رہے ہو کہ میں کہاں جارہی ہوں۔'' بشریٰ بیگم نے ہذیانی انداز میں کہا تو چوہدری جلال سختی سے بولا

''تم ادھر رکو میں جارہا ہوں نا میں سب سنبھال لوں گا۔''

''تمہاری بات کسی نے نہیں سنی، کہاں گیا تمہارا رعب اور دبدبہ۔ تم تو ایم این اے تھے۔ اتنا غرور کدھر گیا۔ تمہاری کسی نے مدد نہیں کی، کہاں گئی تمہاری سیاسی پارٹی۔'' بشریٰ بیگم نے پاگلوں کی طرح چیختے ہوئے کہا چوہدری جلال بے بسی سے بولا

''سب آنکھیں پھیر گئے ہیں، سب''

''صرف ایک صورت ہے اپنے بیٹے کو بچانے کی۔ کسی طرح فہد کو جا کر منا لو میرا کبیر بچ جائے گا۔ ورنہ ...... اگر اب بھی تم میں کوئی غرور باقی ہے تو میں خود جارہی ہوں اس کے پاس میں کرلوں گی اس سے التجا۔''

''نہیں۔ بیگم، تم نہیں، میں خود جاؤں گا۔'' چوہدری جلال نے کہا تو بشریٰ بیگم نے منت بھرے انداز میں کہا ''تو جاؤ، میرے بچے کو لے آؤ۔''

چوہدری نے سر جھکا دیا۔

❁.......❁.......❁

فہد اپنے گھر میں سویا ہوا تھا۔ فون بجنے پر اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے اسکرین دیکھ کر فون رسیو کیا۔

''ہاں جعفر کیا بات اتنی رات گئے خیریت تو ہے نا۔''

''خیریت ہی ہے۔ اگر آسکتے ہو تو نور پور تھانے میں آجاؤ۔ ہم وہیں جارہے ہیں۔''

''تھانے؟ وہیں جارہے ہیں؟ بات کیا ہے تم اس وقت کہاں ہو؟'' اس نے الجھتے ہوئے کہا تو جعفر نے بتایا

''چوہدری جلال کے ڈیرے کے پاس ہوں اس وقت، ہم نے یہاں چھاپا مارا ہے، کافی فائرنگ بھی ہوئی ہے، وہ بندہ پکڑا گیا ہے، جس نے تم پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ کئی دوسرے اشتہاری بھی ہیں۔ چوہدری کبیر کے گولی لگی ہے۔ وہ زخمی ہے، اسے ہسپتال لے گئے ہیں۔''

''اوہ۔ !تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا، تم فوراً۔'' اس نے کہنا چاہا تو وہ بولا

''مجھے مائرہ نے منع کیا تھا۔ وہ بھی یہاں موجود ہے اپنی صحافی ٹیم کے ساتھ، جس نے یہ ساری کارروائی ریکارڈ کی ہے۔ ان سب کو پولیس تھانے لے جارہی ہے۔ تم آجاؤ آسکتے ہو تو۔''

''یار یہ تم لوگ کیا کر رہے ہو۔ تم فوراً مائرہ کو ادھر بھیجو پھر سب دیکھ لیتے ہیں۔''

فہد نے پریشانی میں کہا تو جعفر نے کہا

''وہ ماننے والی چیز ہے تو نہیں، میں اسے کہہ دیتا ہوں۔ وہ جانے اور......''

فہد نے فون بند کر دیا اور تیزی سے مائرہ کے نمبر ملائے۔ مائرہ مصروف تھی۔ فون بیل بجی تو اس نے مسکرا کر کہا

''مجھے معلوم تھا کہ تمہارا فون آئے گا۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ اب یہاں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ میں آرہی ہوں، دل پہ ہاتھ رکھو۔''

یہ کہہ کر دوسری طرف سے کچھ سنے بغیر فون بند کر دیا۔

صبح سویرے ابھی نور کا تڑکا تھا۔ فہد اس وقت ماسٹر دین محمد کے گھر جا پہنچا تھا۔ فہد اور سلمیٰ صحن میں تھے۔ صفیہ ان کے پاس تھی۔ تبھی مائرہ اور سراج گھر میں آگئے، مائرہ ان کے قریب آکر بیٹھ گئی تو فہد نے کہا

''مجھے توقع نہیں تھی کہ تم یوں اپنی زندگی خطرے میں ڈالوگی، یہ سب کیسے؟''

''فہد، تم اچھی طرح جانتے ہو۔ یہ چوہدری کا زہر نہ نکالا جاتا تو یہ پھر ڈستا۔ ابھی رات کے دوسرے پہر اس نے ایک بندے کو یہاں بھیجا۔ سلمیٰ کو ختم کرنے کے لیے۔ وہ تو جعفر کی پلاننگ تھی چھاپہ مارنے کی تاکہ کبیر کو پکڑ سکے، ہر طرف سیکورٹی کے باعث وہ کاشی بھی پکڑا گیا۔''

''کاشی؟ وہی جو......'' سلمیٰ نے کہا تو فہد نے

''ہاں، وہی جس نے مجھ پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ اور کبیر بھی بہت زخمی ہے۔''

''آؤ۔ تھانے چلتے ہیں۔ وہاں بہت سارے کام ہیں۔ رستے میں بتا دیتی ہوں کہ میں نے یہ سب کیسے اور کیوں کیا۔ اور پھر میں نے وہیں سے ہی نور پور جانا ہے۔ میں تمہیں لینے آئی ہوں۔'' مائرہ نے اس سے کہا تو سلمیٰ نے حیرت سے کہا

''یوں آنا فانا؟''

''بہت سارے کام کرنے ہیں وہاں، اس سے پہلے کہ یہ گرفتار لوگ اپنے تعلق آزمالیں۔ مجھے ان کا سب کچھ آن ائیر کرنا ہے۔''

اتنے میں ماسٹر دین محمد اندر داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر خوشی اور خوف کا تاثر تھا۔ اس نے آتے ہی بتایا

''وہ چوک میں، مسجد کے پاس بہت سارے لوگ جمع ہیں چوہدری کے ڈیرے پر چھاپے کی اطلاع پورے علاقے میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی ہے۔ لوگ خوش ہیں۔''

''ہم چلیں۔! صفیہ سامان رکھ دیا گاڑی میں۔'' مائرہ نے کہا تو ماسٹر دین محمد نے پوچھا

''کیا بیٹی جا رہی ہو تم؟''

''ہاں۔ انکل مجھے بہت جلدی جانا ہے۔ میں پھر آؤں گی اور اسی طرح ڈھیر سارے دن رہوں گی۔'' مائرہ نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا اور فہد کی جانب دیکھا۔۔ وہ افسردہ تھا۔ تب ماسٹر دین محمد نے کہا

''بیٹا، ناشتہ تو کر کے جانا۔''

''میں چائے پی لیتی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ فہد کے سامنے بیٹھ گئی۔ وہ سب چائے پی رہے ہیں کہ فہد کا فون بج اٹھتا ہے۔ فہد

اسکرین دیکھ کر مسکرا دیا۔ وہ فون کان سے لگا کر بولا

''ان حالات میں آپ کا فون آنا ہی تھا وکیل صاحب، بتائیں، کیا کر سکتا ہوں میں آپ کے لیے۔''

''آپ بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ میں نے صلح کی کوشش کی تھی۔ مگر چوہدری کی اپنی طاقت اور دولت پر گھمنڈ تھا۔ اب نتیجہ بھگت رہا ہے۔ میں نے فون اس لیے کیا ہے کہ وہ آپ کی ہر شرط ماننے کو تیار ہے۔'' وکیل نے کہا تو فہد بولا

''وہ اب بھی نہیں مانے گا۔''

''میں جو کہہ رہا ہوں اس نے ابھی مجھے خود فون کیا ہے۔ یہ وقت ہے، اس سے ہر شرط منوانے کا اور.....'' وکیل نے کہنا چاہا تو فہد بولا

''مجبوری میں مانی گئی کوئی شرط، شرط نہیں ہوتی خیر۔! اسے کہیں وہیں آجائے جہاں آج سے کئی برس پہلے، اس نے استاد جی کا راستہ روکا تھا، وہیں بات کرتے ہیں۔''

''میں کہہ دیتا ہوں۔'' وکیل نے کہا تو فہد نے فون بند کر دیا۔ پھر ماسٹر دین محمد کی طرف دیکھ کر بولا ''آئیں استاد جی، اسی جگہ پر ببول کے نیچے سڑک پر، جہاں ہمارا تانگہ روکا گیا تھا۔''

اس نے کہا تو وہ واقعہ ایک لمحے میں اس کی نگاہوں میں گھوم گیا۔ وہ فقرہ پوری قوت کے ساتھ اس کی سماعتوں میں ابھرا کہ میں ان کی کمینوں سے بات نہیں کرتا۔ ماسٹر جی کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

صبح سویرے مختلف گلیوں سے گاڑیاں نکل کر چوراہے سے گذریں۔ چاچے سوہنے نے کھڑے ہو کر انہیں سلام کیا۔ عوام ان کے پیچھے چل دی۔ سراج اور چھاکے نے چند لڑکوں کو بتایا کہ چوہدری معافی مانگنے آرہا ہے۔ یہ خبر پورے قسمت نگر میں پھیل گئی۔ سیل فون نے لمحوں میں سب کو باخبر کر دیا تھا۔ اسی لیے عوام امنڈ آئی تھی۔

وہ اسی سڑک پر آگئے۔ جہاں ببول کا درخت اب بھی کھڑا تھا۔ وہاں آکر انہوں نے گاڑیاں روکیں اور ان میں سے باہر نکل آئے۔

فہد کو ایک ایک لمحہ یاد آنے لگا جب انہیں مارا گیا تھا۔ دوسری طرف سے چوہدری جلال اور کئی لوگ آگئے۔ وہ قریب آئے تو فہد نے اونچی آواز میں کہا

''ابھی وہیں کھڑے رہو چوہدری جلال۔ میں نے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔''

''میں تمہارے ساتھ صلح کرنے آیا ہوں۔ باتیں تو ہوتی رہیں گی۔'' چوہدری جلال نے صلح جو انداز میں کہا

''ہاں، جانتا ہوں۔ تمہیں یاد ہے یہیں کھڑے ہو کر تم نے کہا تھا میں کمینوں سے بات نہیں کرتا؟''

''ہاں ہاں مجھے یاد ہے مگر.....'' چوہدری جلال نے کہنا چاہا تو فہد نے اس کی بات کاٹ کر کہا

''اس وقت تم مجبور ہوئے ہو تو یہاں آئے ہو۔ ورنہ تیرے جیسا ظالم اور مغرور آدمی یہاں کبھی نہ آتا۔ اس بیٹے کے لیے تم نے میری خوشیاں برباد کیں۔ میرے والدین کو در بدر کیا۔ میرے شریف باپ کو چور بنا دیا۔ اب بتاؤ۔ وہ چور تھا یا سادھ؟''

"فہد پتر۔! یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے۔تم" چوہدری جلال نے عوام کی طرف دیکھ کر لجالت سے کہا تو فہد بولا

"نہیں چوہدری، یہی وقت ہے۔تم آج تک انہیں چور کہتے رہے۔لیکن سب سے بڑے چور تم ہو۔حرام کھاتے ہو۔زمینوں پر ناجائز قبضے کرتے ہو۔پنچائتوں سے نفع کماتے ہو۔مال ڈنگر کھلواتے ہو۔بے گناہ غریبوں کے خون سے ہاتھ رنگتے ہو۔کونسا جرم ہے جو تمہارے کھاتے میں نہیں۔"

چوہدری جلال نے کچھ کہنا چاہا لیکن کہہ نہیں پایا فہد نے اپنی بات جاری رکھی

"میں اپنا ہر نقصان تمہیں معاف کر دیتا ہوں لیکن تم نے جو میرے استاد جی کی شان میں گستاخی کی تھی۔یہ جرم نا قابل برداشت ہے۔ساری زندگی میں نے اسی آگ میں جلتے ہوئے گذاری ہے چوہدری۔"

"مجھے معاف کر دو بیٹا۔" چوہدری جلال نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا تو فہد بولا

"چوہدری میرے استاد کو راضی کر لو۔میں راضی ہو جاؤں گا۔"

"اگر تمہاری خوشی اسی میں ہے تو میں ایسا کر لیتا ہوں مگر خدا کے لیے میرے بیٹے کو بچاؤ وہ زخمی ہے۔ میں اسے یہاں سے دور بھجوا دوں گا وہ دوبارہ کبھی یہاں نظر نہیں آئے گا۔" یہ کہتے ہوئے وہ آگے بڑھا اور ماسٹر دین محمد کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے تو ماسٹر دین محمد نے کہا

"بس چوہدری۔میں کون ہوتا ہوں معاف کرنے والا، جاؤ۔سوہنے رب کے حضور جھک کر توبہ کرو۔وہ معاف کرنے والا ہے۔" پھر روئے سخن فہد کی طرف کر کے بولا "فہد بیٹے۔! ہمارے پیارے نبی ﷺ نے مکہ فتح کیا تھا نا۔تو سب کو معاف کر دیا تھا۔یہ سنت اپناؤ پتر۔معاف کر دو میں نے معاف کیا۔"

"لوگ کہتے تھے آج انتقام کا دن ہے۔مگر میرے سوہنے نبیؐ نے فرمایا آج معافی کا دن ہے۔جا۔! معافی کا یہی کشکول تھام اور صفیہ بی بی کے در پر چلا جا جس کے سہاگ کو تیرے فرعونی مزاج بیٹے نے اُجاڑ کر اس کے بچوں کو یتیم کر دیا۔جا چلا جا۔اس سے پہلے کہ میرا خون جوش مار جائے۔میں نے تمہیں معاف کیا۔"

چوہدری واپس پلٹا ہی تھا کہ جعفر کی پولیس گاڑی وہاں آ گیا۔سب اس کی طرف دیکھنے لگے۔تبھی وہ چوہدری کے پاس آ کر بولا

"بہت افسوس ہوا چوہدری صاحب۔تیرا پتر بہت ہی بزدل نکلا۔اس نے ہسپتال میں دم توڑ دیا ہے۔ہم اسے بچا نہیں سکے۔"

چوہدری کچھ نہیں کہہ پایا۔پہلے ہونقوں کی طرح اسے دیکھتا رہا پھر دل پکڑ کر وہیں بیٹھ گیا۔اس کے ساتھ آئے لوگ اسے جلدی سے اٹھا کر لے گئے۔

وہاں صرف سلمٰی، ماڑہ، فہد اور جعفر رہ گئے تھے۔باقی سب لوگ چلے گئے تھے۔تبھی ماڑہ نے فہد سے کہا

"فتح مبارک ہو۔"

"تمہیں احساس ہے کہ ذات کا دکھ کیا ہوتا ہے۔کئی برس پہلے یہاں میں نے اپنے آپ سے عہد کیا تھا کہ میں ظلم کے خلاف

لڑوں گا۔ اور فتح تک لڑتا رہوں گا۔ کیا یہ انقلاب نہیں ہے۔ اس فتح میں تم بھی میرے ساتھ شامل ہو مائرہ۔"

"ہاں۔! آئندہ بھی رہوں گی۔ فہد میں تمہیں ایک خوبصورت تحفہ دینا چاہتی ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے سلمٰی کا ہاتھ تھام کر اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میں چاہوں گی کی تم سلمٰی سے شادی کر لو۔"

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟" فہد نے پوچھا

"تم اور سلمٰی بہت سارے لوگوں کے خوابوں کی تعبیر ہو۔ میری محبت تو رہے گی۔ مگر میں دوسروں کی محبت میں حائل نہیں ہو سکتی۔" یہ کہتے ہوئے مائرہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پھر قریب کھڑے جعفر کا ہاتھ یوں تھام لیا جیسے وہ فہد کو بتانا چاہتی ہو کہ اس نے اپنا ساتھ جعفر کو چن لیا ہے۔ "یہ ہے نا میرے ہر دکھ سکھ میں میرا ساتھ نبھانے والا میرا دوست۔"

جعفر نے اس کی طرف بہت غور سے دیکھا پھر اس کی آنکھوں میں آئے آنسو صاف کر دیئے۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتے رہے پھر پلٹ کر گاڑی کی جانب چلے گئے۔ گاڑی میں بیٹھ کر انہوں نے ہاتھ ہلایا اور گاڑی چل دی۔ فہد اور سلمٰی نے ان کے ہاتھ ہلانے کا جواب دیا پھر ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور قسمت نگر کی طرف پلٹ گئے۔ وہ دور تک جاتے ہوئے دکھائی دیئے۔

❁.....❁.....❁

ختم شد